یزید بن عبدالملک

سلیمان بن عبدالملک چونکہ مرنے سے قبل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد اپنے چھوٹے بھائی یزید بن عبدالملک کو ولیعہد نامزد کر چکا تھا۔ اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سلیمان کی وصیت کے مطابق یزید کو اپنا جانشین قرار دیدیا تھا۔ لہذا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے انتقال کے بعد یزید سنہ ۱۰۱ھ (سنہ ۷۲۰ء) میں دمشق کے تخت پر بیٹھا۔

یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی حکم دیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے طریقے پر حکومت کے سارے کام انجام دئے جائیں اور سلطنت کے انتظام میں ان کے اُسوۂ حسنہ کی پوری پوری تقلید کی جائے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نقش قدم پر چلنا کوئی آسان کام نہ تھا اس کے لئے بڑے ایثارِ نفس کی ضرورت تھی۔ لہذا چند ہی روز کے بعد یہ حکم ردی کا پرزہ بن گیا۔ دوسرے عمّال کا تو ذکر ہی کیا ہے خود یزید نے ان کی تقلید چھوڑ دی۔

یزید بن عبدالملک کیونکہ ایک نہایت ہی سیدھا اور نیک مزاج بادشاہ تھا۔ اس لئے خاندانِ امیہ کے لوگوں نے اُس سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اگر سچ پوچھا جائے تو اس میں حکمرانی کی صلاحیت مطلق نہیں تھی لیکن مملکتِ اسلامیہ چونکہ نہایت ہی مضبوط بنیادوں پر قائم تھی اس لئے حکومت کا کام اس کی نااہلی کے باوجود حسبِ معمول چلتا رہا۔

عراق و ایران و ترکستان کی بغاوت

یزید بن عبدالملک کے عہد حکومت کا اہم ترین واقعہ

عراق۔ ایران اور ترکستان کی بغاوت ہے۔ اس بغاوت کا بانی یزید ابن مہلب سابق گورنر خراسان تھا۔ جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے رعایا پر ظلم اور سرکاری روپیہ غبن کرنے کے جرم میں قید کر دیا تھا۔

ابن مہلب نے اپنے دورِ اقتدار میں چونکہ یزید کے بعض سسرال والوں کو سخت سزائیں دی تھیں اس لئے یزید اس کا شروع ہی سے مخالف تھا۔ جب یزید تخت پر بیٹھا تو ابن مہلب کو اندیشہ ہوا کہ اب اس سے انتقام لیا جائیگا۔ لہذا وہ کسی طرح قید خانہ سے فرار ہو کر بصرہ پہنچ گیا۔ اور عراق و ایران میں یزید کے خلاف سخت بغاوت برپا کر دی۔

یزید بن عبدالملک نے اس بغاوت کو دبانے کے لئے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو ایک بہت بڑا لشکر دیکر عراق کی جانب روانہ کر دیا مسلمہ بن عبدالملک کی یزید بن مہلب اور اس کے بھائیوں اور اس کے حامیوں سے مختلف محاذوں پر آٹھ دس لڑائیاں ہوئیں بڑی خونریزی کے بعد جب ابن مہلب اور اس کا بھائی حبیب مارے گئے تب یہ بغاوت ختم ہوئی۔

مسلمہ بن عبدالملک عراق و ایران کی بغاوت کو دبانے کے بعد ایران و عراق کے وائسرائے بنا دئے گئے تھے۔ ایران و عراق کی حکومت سنبھالنے کے بعد وہ ترکستان کی جانب متوجہ ہوئے۔ یہاں مختلف اُمرا نے ابن مہلب کی تقلید کرتے ہوئے بغاوتیں برپا کر دی تھیں مسلمہ نے ان تمام باغی اُمرا کی اچھی طرح سرکوبی کی اور باغیوں کو اطاعت کے لئے مجبور کر دیا

محبوبہ کی جُدائی کے غم میں یزید کی موت

یزید چار سال حکومت کرنے کے بعد سِل کے موذی مرض میں مُبتلا ہونے کے بعد ۱۰۵ھ (۷۲۳ء) میں فوت ہو گیا بعض مورخوں کا بیان ہے کہ یزید کو حبابہ نامی ایک لونڈی سے بے حد محبت تھی۔ جب یہ لونڈی مر گئی تو اس صدمہ کی وجہ سے مرض سِل جس میں وہ مُبتلا تھا بڑھ گیا اور لونڈی کی موت کے چند ہی روز بعد یزید نے بھی جان دیدی۔ یزید نے مرنے سے قبل اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک کو جانشین مقرر کر دیا تھا۔

ہشام بن عبدالملک

یہ سلطان عبدالملک کا چوتھا بیٹا تھا جو یزید کے مرنے کے بعد سنہ ۱۰۱ھ (سنہ ۷۲۳ء) میں دمشق کے تخت پر بیٹھا۔ خاندانِ اُمیہ میں ہشام بہت بڑا مدبر اور حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ جس میں جہاں بانی کی جملہ خوبیاں موجود تھیں تحمل اور برداشت کا مادہ اس بادشاہ میں بہت زیادہ تھا۔ ولید بن عبدالملک کے بعد یہ اس خاندان کا دوسرا بادشاہ ہے جس کے عہدِ حکومت میں مسلمانوں کو کئی اہم فتوحات حاصل ہوئیں۔

ترکستان کی شورش اور غور کی فتح

روسی ترکستان کے اُمرا بڑے ہی شورہ پشت تھے۔ ان کا یہ دستور سا ہو گیا تھا کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد برابر بغاوتیں کھڑی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس سے قبل یزید بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں بھی عراق سے لیکر ترکستان تک بغاوت پھیل گئی تھی جسے مسلمہ بن عبدالملک اور اُس کے نائبوں نے بڑی دشواری سے دبایا تھا۔

ہشام کے دورِ حکومت میں بھی کابل و ترکستان سے لیکر سیستان تک بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی جسے دبانے کے لئے مسلمانوں کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔ ان بغاوتوں کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ ۱۱۰ھ میں شروع ہوئی تھیں اور ۱۲۳ھ تک جاری رہیں۔ یعنی برابر تیرہ سال تک اسلامی لشکر ترکستان کے مختلف علاقوں میں دوڑا دوڑا پھرا۔ ترکوں سے مسلمانوں کی بیسیوں لڑائیاں ہوئیں جن میں ہزارہا مسلمان کام آگئے۔ آخر بڑی جانفشانی کے بعد مسلمانوں نے غور کو فتح کیا۔ ماوراء النہر کے شورش پسندوں کو دبایا طخارستان پر فوج کشی کی سمرقند کو زیر کیا۔ بخارا ایک بڑی خونریزی کے بعد قبضہ کیا۔ چاچ کو بمشکل فتح کیا۔ حاکم فرغانہ کو اطاعت کے لئے مجبور کیا غرضکہ

باقی علاقے بڑی مشکل سے ۱۱۹ھ میں جاکر زیر ہوئے۔

اسی طرح آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوت ۱۱۱ھ میں بڑی طرح سے پھیل گئی اس علاقہ میں بھی تقریباً دو سال تک خونریز جنگ جاری رہی۔ آخر ہشام بن عبدالملک کے بھائی مسلمہ نے ۱۱۳ھ میں خود جاکر اس علاقہ کو تسخیر کیا۔

فرانس مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا

ولید کے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے جنوبی فرانس کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ جما لیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورِ حکومت میں مسلمان ایک تہائی فرانس پر قابض ہو گئے تھے۔ جب ہشام تخت پر بیٹھا تو اس نے فرانس میں جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن نے بڑھتے بڑھتے فرانس کے دارالسلطنت کو بھی فتح کر لیا تھا لیکن ۱۱۴ھ (۷۳۲ء) میں جب فرانس کے بادشاہ چارلس مارٹل کو جرمنی پر فتح حاصل ہو گئی تو اس کی طاقت بہت بڑھ گئی اور اس نے فرانس کے مقبوضہ علاقہ پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں اور فرانسیسیوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی اور چارلس مارٹل نے فرانس کے پورے علاقہ کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا۔ اس کے بعد مسلمان پھر کبھی فرانس کی جانب متوجہ نہ ہو سکے۔

سوڈان میں مسلمانوں کی فتح

ہشام کی دورِ حکومت میں قیصرِ روم نے قیساریہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ جما لیا تھا۔ جب ہشام کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو قیصر کی فوج کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ مسلمانوں میں اور رومیوں میں بڑی خوفناک جنگ ہوئی رومی مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئے اور مسلمانوں کا قیساریہ پر دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

سوڈان کا کچھ علاقہ تو مسلمان پہلے ہی فتح کر چکے تھے۔ ۱۱۹ھ میں سوڈان کے باقی علاقوں پر بھی مسلمانوں نے یورش کر دی اور کئی اہم شہر فتح کر لئے۔

افریقہ کے شمالی علاقہ میں بربریوں نے بغاوت برپا کر دی تھی اور یہ بغاوت برابر پھیلتی چلی جارہی تھی۔ اسلامی فوجیں اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے فوراً ہی روانہ ہو گئیں اور انھوں نے بربریوں کو زیر کر لیا۔

سندھ کی شورش

محمد بن قاسم کے سندھ سے واپس آنے اور قتل کئے جانے کے بعد تو مملکتِ اسلامیہ کی جانب سے برابر نئے گورنر سندھ جاتے رہے لیکن ان کا اثر و رسوخ دن بدن کم ہوتا چلا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ حکومت میں سندھ کے راجہ جے سیہ اور دوسرے بہت سے ہندو امرا اور جاگیرداروں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے انتقال کے بعد جو عامل بھی سندھ بھیجے گئے انھوں نے اپنے خراب طرزِ عمل اور فرقہ پرستی سے سندھ کے ہندوؤں اور نومسلموں کو مملکتِ اسلامیہ سے بدظن کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ جے سیہ اور بہت سے نومسلم جاگیردار مرتد ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

ہشام نے تخت نشین ہونے کے بعد سندھ کی جانب خاص طور پر توجہ کی چنانچہ اس کے عہدِ حکومت میں کیرج، بھروچ، اجین اور بہت سے علاقے مسلم سپہ سالاروں نے دوبارہ فتح کر لئے تھے۔ اور سندھ کے راجہ پھر مملکتِ اسلامیہ کی اطاعت گذار بن گئے تھے۔ ہشام ہی کے عہدِ حکومت میں سندھ میں شہر منصورہ آباد ہوا تھا جو آگے چل کر سندھ کا سب سے اہم اور مرکزی شہر بن گیا تھا۔

زید بن علی کے ساتھ کوفیوں کی غدّاری

ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ کوفیوں نے پھر ایک بار عاشقانِ اہلِ بیت کا چولہ بدل کر حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے زید بن علی کے ہاتھ پر کوفہ میں بیعت کر لی۔ اور انھیں ہشام کی حکومت

کا تختہ اُلٹنے کے لئے کھڑا کر دیا۔ جس پچیس ہزار کوفی مسلح ہو کر زید بن علیؓ کے گرد جمع ہو گئے لیکن جب کوفہ کا حاکم یوسف بن عمر فوج لیکر مقابلہ پر آیا تو پہلے ہی معرکہ میں کوفیوں نے زید بن علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بہت مختصر سی جماعت اُن کے ساتھ رہ گئی۔ پھر بھی انھوں نے مقابلہ کیا۔ لیکن آپ اس مقابلہ میں ہلاک ہو گئے۔ گویا کوفیوں نے اپنی غداری اور بے ایمانی کی تاریخ کو کوفہ میں ایک بار پھر دُہرا دیا۔

ہشام کی وفات اور متفرق واقعات

ہشام تقریباً بیس برس حکومت کرنے کے بعد ۱۲۵ھ (۷۴۳ء) میں خناق کے مرض میں مبتلا ہو کر رحلت کر گیا۔ رحلت کے وقت اس کی عمر پچپن سال تھی۔ ہشام نے اپنے بیس سالہ دورِ حکومت میں بہت سی اصلاحات کیں۔ فوج کے محکمہ کو ترقی دی۔ عدالتوں کو بہتر بنایا۔ نئے نئے شہر آباد کئے۔ جن میں سے رصافہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ یہ شام میں قنسرین کے علاقہ میں آباد کیا گیا تھا۔ ہشام گرمیوں کا موسم اسی نئے شہر میں گذارتا تھا۔ ریشمی کپڑے کی صنعت کو اس نے خوب ترقی دی۔ مذہبی اور علمی خدمات میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ یہ بادشاہ انتہا درجہ کا کفایت شعار تھا۔ یہاں تک کہ اس کی کفایت شعاری بخل کی حد کو پہنچ گئی تھی۔

حضرت امام محمد باقر بن امام زین العابدین کا ۱۱۴ھ میں اسی بادشاہ کے عہدِ حکومت میں انتقال ہوا۔ حضرت حسن بصری، حضرت حبیب عجمی اور قاسم بن محمد جو حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے تھے ان کی بھی اسی بادشاہ کے عہد میں رحلت ہوئی۔

خاندانِ امیہ کے تین برائے نام بادشاہ

ہشام کے مرنے کے بعد خاندانِ امیہ کے تین برائے نام بادشاہ یکے بعد دیگرے دمشق کے تخت پر بیٹھے۔ جن کی حکومت صرف چند روزہ تھی۔ یہ تین بادشاہ یہ ہیں:-

(۱) ولید ثانی بن یزید

ولید ثانی یزید بن عبد الملک کا بیٹا تھا جسے اس نے اپنی زندگی ہی میں ہشام کے بعد ولیعہد نامزد کر دیا تھا چنانچہ ہشام کے مرنے کے بعد ۱۲۵ھ (۷۴۳ء) میں وہ دمشق میں تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ ولیعہدی کے زمانہ ہی سے نہایت عیاش تھا۔ ہشام نے اس کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا جب یہ بادشاہ بنا تو اس کی عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ یہ فاسق و فاجر ہونے کے علاوہ ظالم و جابر بھی تھا۔ اس نے ہشام کے بیٹے سلیمان کو کوڑوں سے پٹوایا۔ اور اس کا سر اور داڑھی منڈوا کر قید کر دیا اس کے علاوہ اس نے با اثر امرا کی بھی بری طرح تذلیل کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرائے سلطنت میں اس کے خلاف اشتعال پیدا ہو گیا۔ اور اس کے خلاف عام شورش برپا ہو گئی۔ اس شورش کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ بادشاہ ۱۲۶ھ میں قتل ہو گیا۔

(۲) یزید بن ولید

۱۲۶ھ میں ولید ثانی کے قتل کے بعد یزید بن ولید تخت پر بیٹھا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی حمص فلسطین اردن اور سلطنت کے دوسرے علاقوں میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ ابھی یہ بغاوت پوری طرح فرو بھی نہ ہوئی تھی کہ یہ چھ مہینے کی حکومت کے بعد مر گیا۔

(۳) ابراہیم بن ولید

یہ یزید کا بھائی اور ولید بن عبد الملک کا بیٹا تھا جو اپنے بھائی یزید کے مرنے کے بعد ۱۲۶ھ میں تخت نشین ہوا۔

اس کی تخت نشینی کے چند ہی روز بعد اس کے چچا مروان بن محمد بن مروان نے بغاوت کر دی۔ دونوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ ابراہیم بن ولید نے بڑی مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن اکثر سردار چونکہ مروان سے مل گئے تھے۔ اس لئے اسے شکست ہو گئی اور وہ صرف چار ماہ حکومت کرنے کے بعد فرار ہو گیا۔ اس کے فرار ہونے کے بعد مروان ثانی بن محمد نے دمشق کے تخت پر قبضہ جما لیا۔

خاندانِ بنی امیہ کا آخری بادشاہ مروان ثانی

مروان ثانی بن محمد اپنے بھتیجے ابراہیم کو شکست دینے کے بعد اگرچہ ۱۲۷ھ میں دمشق کے تخت پر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن اسے جو حکومت ملی تھی اس کی بنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں۔ شاہانِ بنی امیہ کے خلاف علویوں کی خفیہ تحریکوں اور بڑھتی ہوئی بغاوتوں نے اموی حکومت کو اس قابل ہی نہیں چھوڑا تھا کہ کوئی لائق سے لائق حکمراں بھی اسے چلا سکتا۔ مروان نے تخت نشین ہونے کے بعد اگرچہ اس گرتی ہوئی حکومت کو سنبھالنے کی انتہائی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ مروانِ ثانی پر ہی خاندانِ بنی امیہ کی حکومت ختم ہو گئی۔

علویوں کی انقلابی تحریک نے حکومت کا تختہ الٹ دیا

شاہانِ بنی امیہ نے اگرچہ طاقت اور عیارانہ سیاست کے بل پر حضرت علیؑ اور حضرت امام حسنؑ کے بعد خلافتِ اسلامیہ پر قبضہ جما لیا تھا لیکن پھر بھی مملکتِ اسلامیہ کا ایک بہت بڑا طبقہ شاہانِ بنی امیہ کا سخت مخالف تھا اور انہیں غاصب اور ڈاکو تصور کرتا تھا۔ چنانچہ کسی نہ کسی صورت میں برابر شاہانِ بنی امیہ کے خلاف تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد باغیانہ تحریکیں ابھرتی رہیں اور اندر ہی اندر پھیلتی رہیں۔ یہاں تک کہ شاہانِ بنی امیہ کے آخری دورِ حکومت میں ایک ایسی مضبوط انقلابی تحریک اٹھی جس نے اموی بادشاہوں کی حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔

اس انقلابی تحریک کے بانی اور محرک حضرت امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ تھے جنہوں نے عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں شیعانِ علیؑ کی تحریک کی قیادت

سنبھال کر عبدالملک کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ عبدالملک نے گو بزور شمشیر اس تحریک کو دبا دیا تھا۔ لیکن یہ تحریک اندر ہی اندر خفیہ طریقہ پر نہایت تیزی کے ساتھ پھیلتی رہی اور اس نے مملکتِ اسلامیہ میں بڑا اثر و رسوخ پیدا کر لیا۔

محمد بن حنفیہ کی اس جاری کردہ تحریک کو ان کے بعد ان کے صاحبزادے امام ابوہاشم برابر آگے بڑھاتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرزمین عجم میں بنی اُمیہ کے ہزاروں مخالفین نے خفیہ طور پر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سنہ ۹۸ھ سلیمان بن عبدالملک کے عہد حکومت میں اس انقلابی تحریک کو فروغ دینے کے سلسلے میں جب امام ابوہاشم شام گئے تو سلیمان نے بظاہر تو ان کی بڑی عزت اور خاطر و مدارات کی لیکن درپردہ سازش کر کے ان کو زہر دلوا دیا۔

علویوں کی انقلابی تحریک پر عباسیوں کا قبضہ

شام میں چونکہ امام ابوہاشم یعنی علویوں کی اولاد میں سے کوئی نہ تھا۔ اس لئے امام ابوہاشم نے مرنے سے قبل اس خفیہ انقلابی تحریک کی قیادت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی عباس یعنی عباسیوں کے سپرد کر دی اور اپنے عراقی۔ خراسانی اور دوسرے تمام متبعین کو مرنے سے قبل ہدایت کر دی کہ "میں نے محمد بن علی عباس کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے۔ آئندہ ان کی اطاعت کرنا۔ اور ان کی سرکردگی میں خلافت کی خفیہ تحریک کو آگے بڑھانا" چنانچہ ابوہاشم کے ہزاروں مقلدوں نے محمد بن علی عباس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ گویا خلافت کی وہ انقلابی تحریک جو آلِ علی نے شروع کی تھی اس طرح آلِ عباس کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔

محمد بن علی عباس نے اس تحریک کی قیادت سنبھالنے کے بعد سے اندر ہی اندر خوب منظم کیا۔ اور اس تحریک کو عراق اور خراسان کے ایک ایک گاؤں میں پھیلا دیا۔ گویا محمد بن علی عباس نے درپردہ سلطنت بنی اُمیہ کے مقابلہ میں اندر ہی اندر ایک متوازی سیاسی حکومت

قائم کرلی جس میں عوام کے علاوہ اُمراء اور بڑے بڑے عمّالِ حکومت بھی شریک ہوگئے محمد بن علی عباسی کے مرنے کے بعد اس تحریک کی قیادت ان کے صاحبزادے امام ابراہیم عباسی کے ہاتھ میں آگئی جنہوں نے اس انقلابی تحریک کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔

مروان کے خلاف جابجا بغاوتیں

مروان کے تخت نشین ہونے کے بعد اس کے خلاف جو بغاوتیں کھڑی ہوئیں وہ دو قسم کی تھیں۔ ان میں سب سے اہم بغاوتیں تو اُن عجمیوں کی تھیں جو امام ابراہیم کی سرکردگی میں بغاوت برپا کرکے لوٹے عجم پر سے مروان کی حکومت کو ختم کردینا چاہتے تھے۔ دوسری بغاوتیں عرب سرداروں کی تھیں جن کا تعلق گو اس انقلابی تحریک سے نہیں تھا لیکن وہ بھی مروان کی مخالفت میں میدان میں آگئے تھے یعنی عرب سرداروں میں بھی بڑی طرح خانہ جنگی برپا ہو چکی تھی جس کی وجہ سے انقلابیوں کو بے حد فائدہ پہنچا۔

سب سے پہلے مروان کے خلاف خود اس کے گھر میں یعنی شام میں بغاوت کھڑی ہوئی مروان نے بڑی جرأت اور دلیری سے کام لیکر اس بغاوت کو دبا دیا۔ اور ہزاروں باغیوں کو قید کردیا۔ لیکن اس نے یہ غلطی کی کہ پھر ان ہی قیدیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرلیا۔ چنانچہ موقعہ ملتے ہی یہ مروان سے الگ ہوگئے۔ اور ہشام کے بیٹے سلیمان کے ساتھ ملکر مروان کے خلاف دوبارہ میدان میں آگئے۔ سلیمان کے ستر ہزار کے لشکر سے مروان کا خاف کے مقام پر سخت مقابلہ ہوا۔ اس معرکہ میں سلیمان کو شکست ہوگئی۔ اس کے بعد عراق میں مروان کے خلاف اسی قسم کی ایک اور بغاوت برپا ہوئی جسے کوفہ کے عامل عبداللہ بن عمر نے بڑی مشکل سے دبا دیا۔

عباسیوں کا دستِ راست ابومسلم خراسانی

ابومسلم خراسانی۔ خراسان میں عباسیوں کی انقلابی

تحریک کا سب سے بڑا داعی تھا۔ یہ امام ابراہیم عباسی کے دست راست کی حیثیت سے خراسان میں کام کر رہا تھا۔ اس نے تقریباً سارے خراسان کو اس انقلابی تحریک میں شامل کر لیا تھا۔ یہ پارسی النسل نومسلم تھا۔ جو بنی امیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر عربوں سے ایرانی حکومت کے خاتمہ کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ ابو مسلم کو یوں تو سب ہی عربوں سے عناد تھا لیکن وہ بنی امیہ کا خاص طور پر اس لئے مخالف تھا کیونکہ اس زمانہ میں ان ہی کی حکومت برسر اقتدار تھی۔ چنانچہ بنی امیہ سے انتقام لینے ہی کی غرض سے وہ عباسیوں کی انقلابی تحریک کا ایک سرگرم کارکن بن گیا تھا۔

ابو مسلم خراسانی نے جہاں تک خراسان اور اس کے ملحقہ علاقوں کا تعلق ہے ان کو تو بنی امیہ کے خلاف بغاوت کے لئے بالکل ہموار کر ہی لیا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ جب تک عرب قبائل کے اندر افتراق نہیں پیدا ہوگا اس وقت تک ایران اور خراسان کی بغاوت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ خوبی قسمت سے اسی زمانہ میں جب مختلف عرب قبائل میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تو ابو مسلم خراسانی کو اپنی مقصد برآری کا بہترین موقعہ ہاتھ آ گیا۔ عرب کے جو قبائل اس وقت برسرپیکار تھے سلطان مروان ان میں سے بعض قبائل کا حامی تھا اور بعض کا مخالف۔ ابو مسلم نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر عرب قبائل کی دشمنی کی آگ کو خوب بھڑکایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب قبائل کی خانہ جنگی انتہا کو پہنچ گئی۔ اور اس خانہ جنگی نے ابو مسلم خراسانی کے لئے میدان صاف کر دیا۔

امام ابراہیم عباسی کی گرفتاری اور قتل

اسی زمانہ میں سلطان مروان کے ہاتھ اتفاق سے امام ابراہیم کا وہ خط پڑ گیا جس میں کہ انہوں نے ابو مسلم خراسانی کو لکھا تھا کہ "تم فوراً ایران میں بغاوت برپا کر کے وہاں کی حکومت پر قبضہ جما لو اور بنی امیہ کے حامی کسی عرب کو بھی زندہ نہ چھوڑو۔" اس خط کی بنا پر مروان نے امام ابراہیم کو گرفتار کر کے اوجیل خانہ میں

ڈال کر قتل کرا دیا جس کی وجہ سے ابو مسلم خراسانی اور امام ابراہیم کے ہزاروں معتقدین سلطان مروان سے اور بھی برہم ہو گئے۔

امام ابراہیم کی گرفتاری اور قتل کے بعد ان کے دونوں بھائی ابو العباس عبد اللہ اور ابو جعفر عبد اللہ کوفہ آ گئے۔ ابو مسلم خراسانی کو جب ان کے کوفہ پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ بھی کوفہ آ گیا اور اس نے ابو عباس عبد اللہ کو امام ابراہیم کا جانشین مقرر کر کے اُس کے ہاتھ پر ۱۲۹ھ میں بیعت کر لی۔ اس کے بعد ابو مسلم خراسانی خراسان واپس آ گیا۔ اور اس نے سارے خراسان کا دورہ کر کے بغاوت کے لئے ایک تاریخ مقرر کر دی چنانچہ تاریخ مقررہ پر ایک لاکھ خراسانی ابو مسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

ابو مسلم نے اس موقعہ پر انتہائی چالاکی سے کام لیکر کئی نہایت مضبوط عرب قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور پھر یورش کر کے پورے خراسان پر قبضہ جما لیا۔ اور خراسانیوں سے امام ابو العباس عبد اللہ کی خلافت پر بیعت لیلی۔ اس کے بعد ابو مسلم خراسانی اپنا بے پناہ لشکر لئے ہوئے عراق کی جانب بڑھا اور عراق کے بیشتر حصہ پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا کوفہ کی فتح کے بعد ۱۳۲ھ میں باقاعدہ ابو العباس عبد اللہ کی خلافت کا اعلان ہو گیا لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ابو العباس نے بحیثیت خلیفہ کے جامع مسجد کوفہ میں اپنا پہلا خطبہ دیا۔

مروان کی شکست اور قتل

خراسان۔ ایران اور عراق پر انقلابیوں یعنی عباسیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اب صرف مروان سے آخری فیصلہ کن جنگ باقی تھی۔ لہٰذا اس جنگ کے لیے ابو العباس نے اپنے چچا عبد اللہ بن علی کو ایک لشکرِ عظیم دیکر مروان کے مقابلہ پر روانہ کر دیا۔ ۱۳۲ ہجری میں دونوں لشکروں میں موصل کے قریب دریائے زاب کے کنارے سخت مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں مروان کو شکست ہو گئی۔ وہ زاب کے کنارے سے بھاگ کر

موصل پہنچا۔ عبد اللہ بن علی بھی اس کے تعاقب میں موصل پہنچ گیا۔ مروان اس کے موصل پہنچنے سے قبل ہی شام چلا گیا۔ اسے اُمید تھی کہ اہلِ شام اس کی مدد کریں گے لیکن جب اس نازک وقت میں شام والوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو وہ فلسطین ہوتا ہوا مصر نکل گیا۔ مصر میں عباسیوں کے حامیوں نے اسے گھیر لیا اور وہ لڑتا ہوا ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں مارا گیا۔

مروان کے مارے جانے کے بعد ۹۱ سال کے بعد شاہانِ بنی اُمیہ کی وہ حکومت ختم ہو گئی جس کی بنیاد امیر معاویہ نے ۴۱ھ (۶۶۱ء) میں قائم کی تھی۔

ASL-269	Mukammal Tarikh-i-Islam
	Mufti Shawkat Ali Fahmi
	Deen-o-Duniya Publishing Co. Delhi 968 Pages
ASL-270	Ood-i-Hindi عود ہندی
	Mirza Asadullah Khan Ghalib
	Munshi Nolkishore Press Lucknow
	1941 / 1360 H — 268 Pages
ASL-271	Bal-i-Jibril بال جبریل
	Allama Iqbal (120 Pages)
	Sultan Book Depot Charkaman Haidarabad

آٹھواں باب

خلفائے بنی عبّاس

کا عہدِ حکومت

۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ

۷۵۰ء ۱۲۵۸ء

کتبہ حسن علی

بنی عباس کی حکومت کا بانی ابوالعباس سفاح

خلافت بنی عباس کا بانی ابوالعباس عبداللہ سفاح ہے۔ یہ رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت عباس رض کی اولاد میں سے ہے۔ رسول اللہ صلعم نے ایک مرتبہ اپنے چچا حضرت عباس رض سے فرمایا تھا کہ "خلافت آپ کی اولاد میں منتقل ہوگی" چنانچہ اسی وقت سے حضرت عباس کی اولاد خلافت کی اُمیدوار چلی آرہی تھی۔

امام احمد نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ "جب فتنوں کا زمانہ ہوگا تو میرے اہل بیت میں سے ایک شخص جس کا نام سفاح ہوگا۔ ظاہر ہو کر مال کی مٹھیاں بھر بھر کر لوگوں کو عطا کرے گا" چنانچہ رسول اللہ صلعم کے مندرجہ بالا دونوں پیشین گوئیاں درست ثابت ہوئیں یعنی خلافت بھی بنی عباس میں منتقل ہوگئی اور سفاح بھی تخت نشین ہوگیا جو بڑا ہی فیاض اور سیر چشم تھا۔ سفاح اور اُس کے حامیوں نے بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے بعد کس طرح بنی عباس کی حکومت قائم کی اس پر اگرچہ ہم گذشتہ اوراق میں روشنی ڈال چکے ہیں لیکن یہاں بھی ہم مختصر الفاظ میں ان واقعات کا اعادہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں:

اس تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ چیز مخفی نہیں کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد ہی خلافت اور امارت کے بارے میں مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہونے شروع ہوگئے تھے۔ یہ اختلافات خلافتِ راشدہ کے ابتدائی دور میں تو دبے رہے لیکن حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ان اختلافات نے باقاعدہ خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی۔ ان اختلافات اور خانہ جنگی کا بڑا باعث بنی ہاشم سے بنی اُمیہ کی وہ پُرانی دشمنی تھی جو صدیوں سے چلی آرہی تھی۔ چنانچہ اسی دشمنی اور عناد کی بنا پر بنی اُمیہ اُس وقت تک حضرت

علی رضؓ کے خلاف برسرِپیکار رہے۔ جب تک کہ حضرت علیؓ شہید نہیں ہو گئے اور ان کی شہادت اور حضرت امام حسنؑ کے خلع خلافت کے بعد بنی اُمیہ نے خلافتِ اسلامیہ پر قبضہ نہیں جمالیا۔

بنی اُمیہ کی حکومت کے بانی معاویہ بن سفیان نے گو طاقت اور سیاسی جوڑ توڑ کے ذریعہ حضرت علیؓ یعنی بنی ہاشم کو شکست دیدی تھی اور خلافتِ اسلامیہ پر قبضہ جما لیا تھا۔ لیکن پھر بھی مملکتِ اسلامیہ میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا موجود تھا جو بنی اُمیہ کو غاصب اور خائن سمجھتا تھا اور اس بات کا خواہشمند تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر اہلِ بیت کو مسندِ خلافت پر سرفراز کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت امام حسینؑ کے واقعۂ شہادت کے بعد بنی اُمیہ کے مخالفین کا زور اتنا بڑھ گیا تھا کہ شاہانِ بنی اُمیہ کے راستہ میں شدید مشکلات پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ بنی اُمیہ کی حکومت چونکہ فوجی اعتبار سے نہایت مستحکم تھی۔ اس لیے اس خاندان کے حکمراں تمام مخالفانہ تحریکوں کو تلوار کے زور سے ضرور دبا دیتے تھے لیکن پھر بھی یہ تحریکیں اندر ہی اندر جاری پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔

ان انقلابی اور خفیہ تحریکوں میں سے سب سے اہم تحریک وہ تھی جو اموی حکمراں عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں حضرت امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ کی زیرِ قیادت شاہانِ بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے جاری کی گئی تھی۔ اس انقلابی تحریک کے پسِ پردہ محمد بن حنفیہ کو امام اور خلیفہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اور یہ طے پا گیا تھا کہ جیسے ہی طاقت حاصل ہو جائے فوراً شاہانِ بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے بعد اہلبیت کی خلافت کا اعلان کر دیا جائے۔

محمد بن حنفیہ بن علی کے انتقال کے بعد جب ان کے صاحبزادے امام ابو ہاشم جانشین مقرر ہوئے تو انھوں نے اس انقلابی تحریک کو خوب ترقی دی۔ تمام عاشقانِ اہلِ بیت نے جو زیادہ تر عجمی تھے ان کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت کر لی۔ امام ابو ہاشم اپنی اس انقلابی

تحریک کو ملک شام میں پھیلانے کی غرض سے جب دمشق گئے تو اموی سلطان سلیمان بن عبدالملک نے ان کو زہر دلوا دیا۔

شام جیسے غیر اور دُور دراز ملک میں امام ابو ہاشم کا کون رکھا تھا۔ لے دیکر وہاں بس ان کے چچازاد بھائی محمد بن علی عباس موجود تھے۔ یہ عبداللہ بن عباس کے صاحبزادے تھے۔ زہر کے اثر سے جب ابو ہاشم کی حالت زیادہ خراب ہوئی اور اُن کو اپنے بچنے کی اُمید باقی نہیں رہی تو انھوں نے اپنے چچازاد بھائی محمد بن علی عباس کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ اور اپنے تمام خراسانی ایرانی اور عراقی متبعین کو ہدایت کر دی کہ وہ اُن کے انتقال کے بعد محمد بن علی عباس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ چنانچہ تمام عاشقان اہلبیت نے امام ابو ہاشم کے انتقال کے بعد محمد بن علی عباس کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور اس طرح خلافت و امارت کا استحقاق حضرت علی کی اولاد سے حضرت عباس کی اولاد کی جانب منتقل ہو گیا۔

محمد بن علی عباس کے انتقال کے بعد ۱۲۶ھ میں ان کے صاحبزادے امام ابراہیم عباسی اپنے باپ کے جانشین مقرر ہوئے۔ یہ بھی برابر اس انقلابی تحریک کو ترقی دیتے رہے خاندانِ بنی اُمیہ کا آخری بادشاہ مروان جب تخت پر بیٹھا اور اسے امام ابراہیم کی انقلابی سرگرمیوں کا علم ہوا تو اس نے انہیں گرفتار کر کے جیلخانہ میں ڈال دیا اور وہیں ان کا کام تمام کرا دیا۔

امام ابراہیم کی موت کے بعد ان کا چھوٹا بھائی ابوالعباس عبداللہ سفاح جانشین مقرر ہوا۔ اس کے زمانہ میں چونکہ یہ خفیہ انقلابی تحریک کافی زور پکڑ چکی تھی اس لئے اس نے خراسانیوں اور عراقیوں کی مدد سے بنو اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ خاندانِ بنی اُمیہ کا آخری بادشاہ مروان ثانی مارا گیا۔ اور ابوالعباس عبداللہ سفاح کو مملکت اسلامیہ کا خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ اور اس طرح خاندانِ بنی اُمیہ کے خاتمہ کے بعد بنی عباس کی حکومت قائم ہو گئی۔

عباسی حکومت کی عظمت و شوکت | عباسی دورِ حکومت کو اسلامی تاریخ میں

جو عظمت اور شوکت حاصل ہے۔ وہ کسی زمانہ میں بھی کسی دوسری اسلامی حکومت کو حاصل نہیں ہوسکی۔ یہ درست ہے کہ عباسی سلطنت کا رقبہ گذشتہ اُموی سلطنت کے مقابلہ میں کم تھا۔ لیکن چند دوسری خصوصیات اس حکومت کو ایسی حاصل تھیں جن کی وجہ سے اس کا وقار بے حد بلند ہوگیا تھا۔

عباسی حکومت تقریباً سوا پانچ سو سال قائم رہی۔ سوسوا سو سال کے بعد ہی اگرچہ اس حکومت کا زوال شروع ہوگیا تھا۔ اور مملکت اسلامیہ کے اکثر حصے مرکزی حکومت سے کٹ کر آزاد اور خود مختار ہونے شروع ہوگئے تھے لیکن پھر بھی آخر وقت تک اس کی عظمت اور عزت بدستور دُنیائے اسلام میں برقرار رہی۔ چنانچہ مملکتِ اسلامیہ کے جو علاقے بھی کٹ کر خود مختار ہوگئے تھے ان میں سے بیشتر آخری وقت تک عباسی حکومت کی سیادت کو تسلیم کرتے رہے اور عباسی حکمرانوں کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے۔ مزید برآں جو نئی نئی اسلامی حکومتیں عباسیوں کے دورِ حکومت میں دُنیا کے کسی حصہ میں بھی قائم ہوئیں انھوں نے بھی اس حکومت کی عظمت کو ہمیشہ تسلیم کیا۔ مثال کے طور پر محمود غزنوی کو جب ہندوستان اور دیگر ممالک شرقیہ میں اقتدار حاصل ہوا تو اس نے بھی حکومت عباسیہ کے سامنے سرِ اطاعت جھکا دیا۔ گو اُس وقت حکومتِ عباسیہ لبِ دم تھی۔

علوم وفنون کی ترقی میں بھی اس حکومت نے جو شاندار خدمات انجام دی ہیں اس کی مثال اس سے قبل کی تاریخ میں مفقود ہے۔ عبید اللہ عیشی کہتے ہیں کہ میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ "جب خلافت بنی عباس میں پہنچی تو اس نے دُنیا کو علوم و فنون سے مالامال کردیا" چنانچہ علم فقہ۔ حدیث۔ تاریخ۔ ادب اور دیگر علوم وفنون عباسی دورِ حکومت میں منتہائے کمال کو پہنچ چکے تھے۔ عباسی حکومت کا دارالخلافہ بغداد جس کو "مدینۃ العلم" کہا جاتا تھا صدیوں تک دُنیا میں علوم وفنون کا سب سے بڑا مرکز بنا رہا۔ جہاں دُنیا کے منتخب علما اور اکابرین کا ہجوم رہتا تھا۔ شاہانِ عباسیہ نے جس فراخ حوصلگی کے ساتھ علما۔ فضلا اور

ماہرینِ فن کو نوازا اس کی مثال تاریخ عالم میں تلاش کے باوجود بھی نہیں ملتی۔

تمدنی اور معاشرتی ترقی کے اعتبار سے بھی حکومتِ عباسیہ کا درجہ نہایت بلند ہے عباسیوں کے دورِ حکومت میں نہ صرف نئے نئے شہر اور عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہوئیں بلکہ ایک نئے تمدن کی بھی بنیاد رکھی گئی جو آگے چلکر اسلامی تمدن کہلایا عباسی دورِ حکومت سے قبل مسلمانوں کا تمدن سیدھا سادھا عرب تمدن تھا لیکن عباسی حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد مختلف قوموں اور نسلوں کے میل جول سے اسلامی تمدن میں گوناگوں رنگ آمیزیاں پیدا ہوگئیں یعنی ایک ایسا جدید تمدن عالم وجود میں آگیا۔ جسے عرب۔ عجم اور رومی تمدن کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے اور آگے چل کر یہی دنیائے اسلام کا تمدن قرار پا گیا۔

عباسی حکومت کے قیام میں چونکہ عجمیوں یعنی خراسانیوں اور ایرانیوں کا ہاتھ تھا اس لئے عباسیوں کے برسرِ اقتدار آتے کے ساتھ ہی تمام بڑے بڑے عہدوں پر عجمی نظر آنے لگے۔ عباسی حکومت کے حکمران اگرچہ ہاشمی النسل عرب تھے لیکن حکومت کلیۃً عجمیوں کے ہاتھ میں تھی جس کی وجہ سے آگے چل کر عجم اور عرب کے سوال پر بڑے بڑے جھگڑے اور فتنے برپا ہوئے۔

ابوالعباس سفاح کی تخت نشینی

ابو العباس عبد اللہ سفاح حکومتِ بنی عباس کا بانی اور پہلا حکمران ہے جو حکومت بنی اُمیہ کا تختہ ۱۳۲ھ کے بعد ابو مسلم خراسانی اور دوسرے عجمی سرداروں کے تعاون سے خاندانِ بنی اُمیہ کے آخری بادشاہ مروان ثانی کو شکست دینے کے بعد تخت نشین ہوا۔

تخت نشینی سے قبل تین مرتبہ اس کے ہاتھ پر امامت وخلافت کے لئے بیعت کی گئی۔ پہلی بیعت امام ابراہیم کی گرفتاری اور قتل کے بعد ۱۲۹ھ میں ہوئی جو اس کی امامت کی بیعت تھی۔ دوسری بیعت عراق پر انقلابیوں یعنی عباسیوں کے قبضہ کے بعد

ربیع الاوّل ۱۳۲ھ میں کوفہ میں ہوئی جس میں صرف عراقی ایرانی اور خراسانی شامل تھے اور تیسری بیعت بنی اُمیّہ کے آخری بادشاہ مروان ثانی کے قتل کے بعد ذی الحجہ ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں ہوئی اس تیسری بیعت میں سب شریک تھے۔ اس بیعت کے بعد باقاعدہ ابوالعباس سفاح کی تخت نشینی کی رسم انجام دی گئی اور اسے پوری مملکتِ اسلامیہ کا خلیفہ تسلیم کیا جانے لگا۔

ابوالعباس سفاح نے تخت نشین ہونے کے بعد جس بے دردی کے ساتھ خاندان بنی اُمیّہ کے اُمرا اور دوسرے لوگوں کو قتل کرایا۔ اُس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید اس بادشاہ کی زندگی کا واحد مقصد یہی ہے کہ وہ خاندانِ بنی اُمیّہ کے افراد کو چُن چُن کر قتل کراتا رہے چنانچہ اُس کے اسی ظلم و ستم کی بنا پر اس کا نام "سفاح" یعنی خونریز پڑ گیا۔

سفاح کے مظالم کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سال دو سال کے اندر ہی بنی اُمیّہ کی اُن تمام سفاکیوں اور زیادتیوں کا بدلہ لے لینا چاہتا ہے۔ جو شاہان بنی اُمیّہ کی حکومت میں گذشتہ ایک صدی کے اندر کی گئی تھیں۔ پوری مملکت اسلامیہ میں ہر جگہ اموی بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کئے گئے۔ ان بدبخت سے سخت انسانیت سوز مظالم توڑے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی قبریں تک اکھڑوا کر پھنکوا دی گئیں۔ اور قبروں سے مردوں کی ہڈیوں تک کو نکلوا کر نذرِ آتش کر دیا گیا۔ اس قتل و خون اور غارتگری کے طوفان سے کوئی ایک بھی اموی گھرانا محفوظ نہ رہا۔ صرف ایک اموی شاہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ ثانی کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل گیا تھا جس نے کہ اسپین پہنچ کر خاندان اُمیّہ کی نئے سرے سے حکومت قائم کر لی۔

نظامِ سلطنت میں تبدیلی

ابوالعباس سفاح نے تخت نشین ہونے کے بعد شاہانِ بنی اُمیّہ کے پُرانے نظامِ حکومت میں تبدیلیاں کرنے کے بعد اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ اس کی قائم کردہ جدید سلطنت کا

نظام نہایت چست اور مکمل ہو لیکن ۔ تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی چونکہ اُسے ملک کی اندرونی بغاوتوں میں اُلجھ جانا پڑا تھا اس لئے وہ اپنے اس مقصد میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ مگر پھر بھی اس نے پُرانے نظامِ حکومت میں تبدیلیاں کر کے اس میں بہت کچھ اصلاح کر دی تھی۔

سب سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ شام کی بجائے عراق کو دارالسلطنت قرار دیا۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ بنی عباس کے حامی اور مددگار زیادہ تر عراق اور ایران ہی میں تھے۔ لہٰذا اس نے ۱۳۴ھ میں انبار میں "ہاشمیہ" کے نام سے ایک نیا شہر آباد کر کے اسے دارالخلافہ قرار دیا۔ اس شہر کا دوسرا نام "مدینۃ المنصور" بھی تھا۔

مملکتِ اسلامیہ میں وزیر کے عہدے کی ابتدا

سفاح مملکتِ اسلامیہ کا پہلا بادشاہ ہے جس نے کہ اپنی سلطنت میں وزارت کا عہدہ قائم کیا۔ چنانچہ عباسی حکومت کا پہلا وزیر ابو سلمہ حفص بن سلیمان مقرر ہوا۔ یہ عباسیوں کی انقلابی تحریک کا بہت بڑا داعی اور ابو مسلم خراسانی کا دستِ راست تھا لیکن اس وزیر نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد چونکہ در پردہ خلافت کو اہلبیت میں منتقل کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اس لئے سفاح نے اسے قتل کرا دیا۔ ابو سلمہ کے قتل کے بعد یہ عہدہ خالد بن برمک کو ملا۔ خالد اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم فاضل اور سیاست دان تھا۔ اس نے بھی عباسی حکومت کے قیام میں بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ اس کے آباؤ اجداد بدھ دھرم کے پیرو تھے لیکن خالد نے بدھ دھرم ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔

سفاح نے برسرِ اقتدار آنے کے ساتھ ہی مملکتِ اسلامیہ کے تمام صوبوں کے پُرانے اُموی عمال کو معزول یا قتل کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کر دئے تھے جن میں سے زیادہ تر سفاح کے عزیز اور قریبی رشتہ دار تھے۔ خراسان کی حکومت بدستور ابو مسلم خراسانی کے

ہاتھ میں رہی کیونکہ بنی عباس کی حکومت کے قیام میں سب سے بڑا ہاتھ ابومسلم خراسانی ہی کا تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ عباسیوں کی حکومت اسی خراسانی سردار کی بدولت عالمِ وجود میں آئی تھی۔

بغاوتیں اور لڑائیاں

ابوالعباس سفاح کی حکومت کا زمانہ اوّل سے لیکر آخر تک اندرونی فتنوں اور بغاوتوں سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے اس کے دو بڑے سبب ہیں پہلا سبب تو یہ ہے کہ اسے جو نئی نئی حکومت ملی تھی وہ بنی اُمیہ سے چھینی گئی تھی جس کے حامی ابھی تک جا بجا مملکتِ اسلامیہ میں موجود تھے اور ان کی طرف سے آئے دن شورشیں اور بغاوتیں کھڑی ہوتی رہتی تھیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عباسیوں نے اہلِ بیت کے نام پر بغاوت برپا کرکے اس حکومت پر چونکہ قبضہ جمایا تھا اور اہلِ بیت کی بجائے یہ خود حکومت پر قابض ہو گئے تھے اس لئے وہ محبانِ اہلِ بیت جن کو یہ توقع تھی کہ عباسی بنی اُمیہ کا تختہ اُلٹنے کے بعد یہ حکومت اہلِ بیت کے سپرد کر دیں گے ان کے سخت مخالف ہو گئے اور انھوں نے جا بجا عباسیوں کے خلاف شورشیں اور بغاوتیں برپا کرنی شروع کر دیں چنانچہ عباسی حکومت کا سب سے پہلا وزیرِ اعظم ابوسلمہ حفص تک یہ چاہتا تھا کہ عباسیوں کی نوزائیدہ حکومت کا تختہ اُلٹنے کے بعد اہلِ بیت کو مسندِ خلافت پر بٹھا دے اسی لئے سفاح نے اُسے قتل کرا دیا تھا۔

سفاح کے زمانہ کی چند اہم شورشیں اور بغاوتیں یہ ہیں۔ ۱۳۳ھ میں محمد بن مسلمہ اموی نے خراسان کو واپس لینا چاہا مگر اسے ناکامی ہوئی۔ اُمویوں نے موصل میں بغاوت برپا کرکے عباسی عامل کو نکال دیا۔ لیکن عباسیوں نے بزورِ شمشیر دوبارہ موصل پر قبضہ کر لیا۔ آرمینیہ پر اُموی حاکم قابض ہو گیا تھا۔ لیکن اسے شکست دیکر عباسیوں نے آرمینیہ پر بھی قبضہ جما لیا۔ سندھ پر بھی بنی اُمیہ کا حامی منصور قابض ہو گیا تھا۔ عباسیوں نے اسے بھی شکست دیکر سندھ سے نکال دیا۔ بخارا میں حامیانِ اہلِ بیت نے بغاوت

برپا کر دی تھی (ابومسلم خراسانی نے ان کو کچل کر رکھ دیا عمان اور بحرین میں خارجیوں کا فتنہ کھڑا ہوا تو اس فتنہ کو بھی دبا دیا گیا۔ اور خارجیوں کا سردار جلدی مارا گیا۔

رومی عیسائیوں نے جب دیکھا کہ مملکتِ اسلامیہ میں بدنظمی پھیلی ہوئی ہے تو انھوں نے بھی مسلم علاقوں پر حملے شروع کر دیئے تھے چنانچہ ۱۳۳ھ میں قیصرِ روم نے شہر کمخ اور ملطیہ پر جو مسلمانوں کے زیرِ اثر تھے حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن سفاح نے فوج بھیج کر یہ دونوں مقام رومیوں سے واپس لے لئے۔ اسی سال خالد بن ابراہیم نے ختلن پر فوج کشی کر کے اس پر قبضہ جما لیا اور ۱۳۴ھ میں چاچ بھی فتح ہو گیا۔

سفاح کی وفات اور متفرق حالات

ابوالعباس سفاح نے اپنے بعد اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسٰی بن موسیٰ کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ سفاح تقریباً چار سال حکومت کرنے کے بعد چیچک میں مبتلا ہو کر ۱۳۶ھ (۷۵۴ء) میں ۳۶ سال کی عمر میں مر گیا جس وقت سفاح کا انتقال ہوا ہے تو اس کا بھائی اور ولیعہد ابوجعفر منصور امیرِ حج بن کر مکہ گیا ہوا تھا ابومسلم خراسانی بھی اسی کے ساتھ تھا۔ اس لئے ابوجعفر منصور کے چچا نے دارالخلافہ ہاشمیہ میں اس کی جانب سے بیعت لی۔

سفاح بنی اُمیہ کے لئے جتنا بڑا ظالم اور جابر تھا۔ اُتنا ہی دوسروں کے لئے رحم دل اور فیاض بھی تھا۔ وہ بڑا ہی سیر چشم حکمراں تھا۔ سیوطی کا بیان ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا فیاض تھا جو وعدہ کرتا تھا اُس کو اُسی وقت پورا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے حریف علویوں کے ساتھ بھی بڑی فیاضی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ مسلم باہلی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن حسن علوی نے سفاح سے کہا کہ "میں نے ایک لاکھ درہم کا نام سُنا ہے دیکھا کبھی نہیں" سفاح نے اسی وقت ایک لاکھ درہم منگوا کر حکم دیا کہ ان کے گھر پہنچا دو۔ شعر و شاعری اور موسیقی سے اُسے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ چنانچہ مورخوں کا بیان

ہے کہ وہ شاعروں اور گویّوں کو لاکھوں کی رقمیں اُٹھا کر دیدیا کرتا تھا۔ کبھی کوئی شاعر اور گویا اس کے دربار سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔

سفاح کے عہد حکومت میں ان علماء اور معتمد حضرات نے انتقال فرمایا۔ زید بن اسلم۔ عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم۔ عبد الملک بن عمیر کمیؒ۔

ابو جعفر عبداللہ منصور

ابو العباس سفاح اگر حکومتِ عباسیہ کا بانی تھا تو ابو جعفر منصور اس حکومت کا معمارِ اوّل ہے جس نے اپنی اعلیٰ قابلیت اور ارادہ محکم کے ذریعہ ایسی مضبوط بنیادوں پر حکومتِ عباسیہ کی تعمیر کی کہ اُس کے جانشین صدیوں تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔

ابو جعفر منصور اپنے بھائی سفاح کے مرنے کے بعد ۱۳۶ھ (۷۵۴ء) میں مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ یہ بربری لونڈی سلامہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ سفاح کی موت کے وقت منصور مکہ معظمہ میں تھا۔ مکہ سے دارالخلافہ آتے ہوئے جب اُسے سفاح کی موت کی خبر ملی تو اُس کے ساتھیوں نے راستہ ہی میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ دارالخلافہ میں پہلے تو اُس کے چچا عیسیٰ بن علی نے اُس کی جانب سے بیعت لی۔ اُس کے بعد جب وہ خود دارالخلافہ پہنچ گیا تو دوبارہ اُس کے ہاتھ پر بیعت کر کے سابقہ بیعت کی تجدید کی گئی۔

تخت نشینی کے وقت منصور کی عمر ۴۱ سال تھی۔ یہ نہایت وجیہہ اور حسین و جمیل تھا۔ اس کے چہرہ سے ایسی وجاہت اور شہامت کا اظہار ہوتا تھا کہ دیکھنے والوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اُس کا قد لانبا تھا۔ بدن بھرا ہوا تھا اور چہرہ انار کے دانہ کی طرح سُرخ تھا۔ فصاحت اور بلاغت میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اتنا بڑا صاحب الرائے تھا کہ اُس کی رائے کو مشکل ہی سے رد کیا جا سکتا تھا۔ علم و فضل کے اعتبار سے بھی اس کا پایہ بے حد بلند تھا۔ چنانچہ وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم اور لائق ادیب شمار کیا جاتا تھا۔ عشرت پسندی اور لہو لعب سے اسے کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اس کی زندگی نہایت ہی

پاکباز نہ تھی۔

قوتِ ارادی، ہمت، جرأت اور استقلال کا وہ پیکر تھا جو بھی ارادہ کر لیتا تھا اُسے پورا کرتا تھا۔ بڑی سے بڑی پریشانی کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرکے اُس کا حل تلاش کر لیتا تھا۔ اُس کے زمانہ میں آئے دن خطرناک سے خطرناک بغاوتیں برپا ہوتی رہتی تھیں لیکن کبھی اس کی تیوری پر بل تک نہیں آیا۔ اُس نے تمام بغاوتوں اور مخالفتوں کو ہمت اور استقلال سے کام لیکر صابن کے جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ کنجوس بلا کا تھا۔ ایک ایک کوڑی پر نظر رکھتا تھا۔ اسی لئے اُس کا لقب "ابو دوانق" یعنی دمڑی کا باپ پڑ گیا تھا۔ نہایت سادہ زندگی گذارتا تھا۔ موٹا جھوٹا کپڑا پہنتا تھا۔ اکثر اوقات اسکے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے ہمیشہ اپنے متعلقین کو مال و زر کی حفاظت کی تلقین کرتا رہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "جس کی دولت کم ہوگئی۔ اُس کے دوست اور مددگار بھی کم ہوگئے اور جس نے دوستوں اور مددگاروں کو کھو دیا وہ ایک دن حکومت کو بھی ضائع کر دیگا۔"

جابر اور ظالم اس بلا کا تھا کہ لوگ اُس کے سامنے آتے ہوئے کانپتے تھے۔ اپنے مخالفین اور دشمنوں سے بہت سخت انتقام لیتا تھا جب تک وہ زندہ رہا اُس کی تلوار دشمنوں کے خون سے برابر تر رہی۔ منصور اگرچہ نہایت ہی بلند کردار کا بادشاہ تھا لیکن جب دشمنی پر اُتر آتا تھا تو بدتر سے بدتر فعل کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے حکومتِ عباسیہ کے محسن اور دستِ راست ابومسلم خراسانی کو حیلہ سے بُلا کر سرِ دربار قتل کرا دیا۔ اپنے چچا عبداللہ کو جن کی شمشیر خارا شگاف کی مدد سے حکومتِ عباسیہ قائم ہوئی تھی۔ پہلے قید کیا۔ پھر ہلاک کر دیا۔ حضرت امام حسنؑ کے پوتے محمد مہدی اور اہلِ بیتؑ کو بڑی بے دردی سے قتل کرایا۔ محض سیاسی اختلاف کی بنا پر حضرت امام ابوحنیفہ اور دوسرے بہت سے علماء کو ہلاک کرا دیا۔ اس کے علاوہ اس نے محض ذاتی اختلاف کی بنا پر ہزاروں بندگانِ خدا کو تہہ تیغ کرا دیا۔ منصور متضاد خصوصیات کا مالک تھا جہاں اس میں خوبیاں

تھیں وہاں عیب اور برائیاں بھی تھیں۔

اپنے چچا عبداللہ اور ابومسلم خراسانی کا قتل

سفاح کے انتقال کے وقت منصور کا چچا عبداللہ بن علی شام کا گورنر تھا۔ یہ وہی لائق فوجی افسر ہے جس نے کہ بنی اُمیہ کے آخری بادشاہ مروان ثانی کو شکست دینے کے بعد عباسی حکومت کے قیام کے لئے راستہ صاف کیا تھا سفاح کے مرتے ہی اُس نے یہ پروپگنڈا شروع کر دیا کہ سفاح اسے اپنا ولیعہد بنا چکا ہے اور اپنی خلافت کے لئے بیعت لینی شروع کر دی۔ منصور کو جب اس کا علم ہوا تو اُس نے ابومسلم خراسانی کو عبداللہ کے مُقابلہ کے لئے بھیجدیا۔ عبداللہ کو شکست ہو گئی۔ اور اس نے اپنے بھائی سلیمان کے گھر میں پناہ لی۔ سلیمان نے منصور سے سفارش کر کے اس کی خطا مُعاف کرا دی لیکن معافی کے بعد جب وہ منصور کے پاس گیا تو اُس نے اسے گرفتار کر کے پہلے تو قیدخانہ میں ڈال دیا۔ اس کے بعد ہلاک کرا دیا۔

عبداللہ بن علی کی شکست کے بعد ابومسلم خراسانی کے ہاتھ اُس کی بے اندازہ دولت آئی تھی منصور جو فطری طور پر بے حد کنجوس اور لالچی تھا۔ اس نے ابومسلم خراسانی سے یہ دولت واپس لینے کے لئے فوراً دارالخلافہ سے اپنے آدمی روانہ کر دئے۔ ابومسلم کو منصو کی یہ حرکت ناگوار گذری۔ اس نے نہ صرف اس دولت کے دینے سے انکار کر دیا۔ بلکہ وہ منصور کا شدید مخالف ہو گیا۔ اور اس نے خلافتِ عباسیہ کو مٹا کر علویوں کی خلافت قائم کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

منصور ابومسلم خراسانی کے وسیع اثرات اور طاقت سے بخوبی واقف تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس سردار کی مخالفت حکومتِ عباسیہ کے لئے کتنی مُضر ثابت ہو سکتی ہے لہذا اس نے فوراً ابومسلم کی خوشامدیں شروع کر دیں اُس کے پاس دوستی اور محبت کے پیغامات پہنچے۔ ابومسلم خراسانی شروع شروع میں تو منصور کے قابو میں نہیں آیا لیکن بعد میں اس

منصور کا جادو چل گیا۔ اور وہ منصور کے پاس چلا آیا آپس میں گلے شکوے ہوئے۔ بظاہر دونوں کے دل صاف ہو گئے اور ابومسلم خراسانی بدستور منصور کے پاس آنے جانے لگا لیکن منصور کا دل اُس کی طرف سے صاف نہیں تھا وہ برابر ابومسلم کی تاک میں لگا رہا۔ آخر ایک روز منصور نے مناسب موقع دیکھ کر سرِ دربار ابومسلم خراسانی کو قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ ۱۳۷ھ (۷۵۵ء) میں پیش آیا تھا۔

ابومسلم خراسانی کے قتل کے بعد حکومتِ عباسیہ کے خلاف خراسان میں بغاوت پھیل گئی۔ اس بغاوت کا رہنما سنباد نامی ایک خراسانی سردار تھا۔ منصور نے جمہور بن مرار عجلی کو بھیج کر اس بغاوت کو کچل دیا اور سنباد مارا گیا۔ مگر سنباد کو شکست دینے کے بعد خود جمہور بن مرار عجلی باغی ہو گیا۔ کیونکہ اس جنگ میں جو بے اندازہ دولت اس کے ہاتھ آئی تھی اُسے وہ ہضم کر جانا چاہتا تھا۔ منصور نے ایک دوسرا لشکر جمہور کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔ جمہور کو شکست ہوگئی اور وہ آذربائیجان بھاگ گیا۔ جہاں اُسے قتل کر دیا گیا اور اس طرح بغاوت در بغاوت کا یہ سلسلہ بڑی دُشواری کے بعد ختم ہوا۔

اسپین کی عبّاسی حکومت سے علیحدگی اور خود مختاری

منصور کے عہدِ حکومت کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ خاندانِ بنی اُمیہ کا ایک شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ ثانی جو کسی طرح عباسیوں کی داروگیر اور قتلِ عام سے بچ کر نکل گیا تھا۔ اس نے ۱۳۸ھ میں اندلس پہنچ کر وہاں نئے سرے سے خاندانِ بنی اُمیہ کی حکومت قائم کر لی جو تقریباً ڈھائی سو برس تک باقی رہی اور اسی طرح اسپین ہمیشہ کے لئے خلافتِ عباسیہ سے الگ ہو گیا۔

اسپین کو ۹۲ھ میں ولید بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ اسی زمانہ سے یہ خلافتِ اسلامیہ کا ایک ماتحت صوبہ بن گیا تھا جس پر خلافت کے نامزد کردہ گورنر حکومت کرتے تھے۔ حکومتِ بنی اُمیہ کے ابتدائی زمانہ میں تو یہ گورنر

خوش اسلوبی کے ساتھ حکومت کرتے رہے لیکن اموی حکومت کے آخری دور میں جبکہ مرکز کی گرفت کمزور پڑ گئی تھی وہاں مضری اور یمنی سرداروں میں اقتدار اور عہدوں کے لئے بڑی طرح خانہ جنگی برپا رہنے لگی۔ اور دن رات آپس میں خونریزی ہونے لگی جس سے اسپین کے مسلمانوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک مضری سردار یوسف مضری نے تمام یمنی سرداروں کو مغلوب کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔

اسی زمانہ میں اموی شہزادہ عبد الرحمٰن بن معاویہ عباسیوں کی غارتگری سے بچکر جب شام سے افریقہ پہنچا اور اس نے اپنے آبا و اجداد کی قائم کردہ اسپین کی اموی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش کی تو تمام یمنی سردار جو بنی امیہ کے بہت بڑے حامی تھے اور دیگر قبائل بخوشی اس کی سیادت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے چنانچہ ان کا ایک وفد جہاز لے کر عبد الرحمٰن کو لینے کے لئے افریقہ پہنچا اور ۱۳۸ھ میں اسے اپنے ساتھ افریقہ لے گیا عبد الرحمٰن کے اندلس پہنچنے کے ساتھ ہی اسپین کے تمام یمنی قبائل اور سرداروں اور عام باشندوں نے اس کی بیعت کر لی۔ اور اس کے گرد ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا یہاں تک کہ یوسف مضری جو اسپین میں برسر اقتدار تھا اس کے لشکر کا بیشتر حصہ بھی ٹوٹ کر عبد الرحمٰن کے پاس قرطبہ چلا آیا۔ عبد الرحمٰن نے اس بات کی کوشش کی کہ یوسف مضری لڑے بغیر اطاعت قبول کر لے۔ مگر وہ نہ مانا۔ دونوں میں جنگ چھڑ گئی یوسف کے پاس چونکہ بہت کم فوج رہ گئی تھی۔ اس لئے اسے شکست ہو گئی۔ اور عبد الرحمٰن بن معاویہ ثانی کا سارے اسپین پر اقتدار قائم ہو گیا یعنی اسپین کا ملک عباسیوں کی خلافت سے ہمیشہ کے لئے علحدہ ہو گیا۔ اور وہاں ایک خودمختار اموی حکومت قائم ہو گئی۔

جابجا شورشیں اور بغاوتیں

منصور کے عہد حکومت میں یوں تو چھوٹی

بڑی بے شمار بغاوتیں اور شورشیں آئے دن برپا ہوتی رہتی تھیں لیکن ان میں سے چند خاص قابلِ ذکر بغاوتیں یہ ہیں:-

۱۴۱ھ میں منصور کو فرقہ راوندیہ کی شورش کو دبانا پڑا۔ یہ فرقہ تناسخ کا قائل تھا اور منصور کو خدا کہتا تھا۔ چنانچہ مورخوں کا بیان ہے کہ اس عجیب و غریب فرقہ کے ہزاروں آدمی منصور کے محل کے پاس آکر جمع ہو گئے۔ اور انھوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ "یہ ہمارے رب کا محل ہے"۔ اس پر منصور نے اس فرقہ کے سرداروں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ سرداروں کی گرفتاری کی بنا پر یہ فرقہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے شہر میں سخت ہنگامہ برپا کر دیا اور قید خانہ پر حملہ کر کے اسے توڑ دیا اور اپنے سرداروں کو قید خانہ سے چھڑا لیا۔ منصور کو اس عجیب و غریب فرقہ کی سرکوبی کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۴۱ھ میں خراسان کا عامل عبدالجبار باغی ہو گیا۔ عباسیوں کے حامیوں نے اس پر حملہ کر کے خراسان سے نکال دیا بعد کو وہ گرفتار ہو گیا اور منصور کے حکم سے قتل ہوا۔

۱۵۰ھ میں نواحِ خراسان میں نقلی نبی استاذ سیس کا ایک نیا فتنہ کھڑا ہوا۔ اس عیار شخص نے لاکھوں آدمیوں کو اپنی نبوت کا معتقد بنا لیا تھا۔ منصور کو اس کی شورش کے دبانے میں سخت دشواریاں پیش آئیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ ایک لاکھ سے بھی زیادہ فوج تھی۔ آخر پے در پے کئی لڑائیوں کے بعد اسے شکست ہوئی۔ اس کے ستر ہزار آدمی مارے گئے چودہ ہزار گرفتار ہوئے۔ نقلی نبی استاذ سیس اور اس کا لڑکا گرفتار ہو گیا۔ منصور نے ان دونوں کو قید کرا دیا۔ منصور کو شمالی افریقہ میں بھی سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ افریقہ میں بربریوں اور خارجیوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ دونوں کے دونوں فرقے بڑے شورش پسند واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کی شورشوں کا سلسلہ منصور کے آخری عہدِ حکومت تک برابر جاری رہا۔ چنانچہ ان کی شورش کو بڑی دشواری کے ساتھ بار بار فوج بھیج کر دبایا گیا۔

حضرت امام حسنؓ کے پوتے محمد المہدی کا خروج

عباسیوں نے چونکہ اہلِ بیت کے نام پر حکومت حاصل کی تھی اور اس پر قبضہ جما کر بیٹھ گئے تھے۔ اس لئے اہلِ بیت نے ان سے برگشتہ ہو کر حکومتِ عباسیہ کا تختہ اُلٹنے کے لیے ایک نہایت ہی زبردست خفیہ تحریک جاری کر دی۔ اس تحریک کے بانی مُبانی حضرت امام حسنؓ کے پوتے محمد المہدی تھے۔ منصور کو جب اس تحریک کا علم ہوا تو اس نے محمد المہدی اور ان کے بھائی ابراہیم کی گرفتاری کے لئے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ مگر پھر بھی وہ ان دونوں بھائیوں میں سے کسی ایک کو بھی گرفتار نہ کر سکا۔ جب منصور تنگ آ گیا تو اس نے اہلِ بیت اور اُن سے ہمدردی رکھنے والوں کو پکڑ پکڑ کر طرح طرح کی زیادتیاں اور سختیاں کرنی شروع کیں۔ یہاں تک کہ بہت سے بے گناہ ان سختیوں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گئے۔

منصور کی سختیاں جب حد سے زیادہ بڑھیں تو محمد المہدی جن کو "نفس زکیہ" بھی کہتے ہیں ایک بہت بڑی جمیعت لیکر عباسی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے میدان میں آ گئے۔ انھوں نے سب سے پہلے مدینہ پر قبضہ جمایا۔ اور وہاں کے حاکم کو قید کر دیا۔ اس کے بعد مکہ پہنچے تو مکہ والے بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ منصور کو جب اطلاع ملی تو وہ گھبرا گیا۔ اور اس نے محمد المہدی کو خط لکھا۔ جس میں اُنھیں یقین دلایا گیا تھا کہ اگر محمد المہدی فوج کشی سے باز آ جائیں گے تو ان کی اور ان کے خاندان کی نہ صرف جاں بخشی کی جائے گی بلکہ ان کو مالا مال کر دیا جائیگا۔ اس پیش کش کے جواب میں محمد المہدی نے منصور کو جو خط لکھا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے:-

"تم نے میرے سامنے جس طرح کی امان پیش کی ہے میں بھی اسی طرح کی امان تمہارے لئے پیش کرتا ہوں۔ خلافت دراصل ہمارا حق ہے۔

ہمارے ہی وسیلے سے تم نے اس کا دعویٰ کیا۔ ہمارے ہی شیعان کو لیکر تم اس کے حصول کے لئے نکلے اور ہماری ہی فضیلتوں کے طفیل میں تمہیں یہ اعزاز اور کامیابی حاصل ہوئی۔ ہمارے باپ علیؑ وصی اور امام تھے پھر تم ہمارے یعنی اُن کی اولاد کے ہوتے ہوئے کیسے خلافت کے وارث ہوگئے۔ تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کسی ایسے شخص نے جس کا نسب ہمارے جیسا ہو کبھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ میں خدا کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ تم میری دعوت مان کر میری اطاعت قبول کر لو۔ میں خلافت کا تم سے زیادہ حقدار ہوں۔"

اس خط سے یہ چیز بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ بیت عباسیوں کی حکومت سے کس قدر برہم تھے اور وہ عباسیوں کو بھی بنی اُمیّہ کی طرح غاصب اور خائن تصوّر کرتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے کئی خطوط اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آتے جاتے رہے۔ لیکن اس خط و کتابت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور اس کے بعد باقاعدہ جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ بڑا طولانی ہے۔ مختصر یہ کہ عباسیوں کے بے پناہ لشکر نے محمد المہدی اور اُن کی فوج کو ہر چہار طرف سے مدینہ میں گھیر لیا۔ محمد المہدی کا لشکر اور مدینہ والے عباسیوں کے خلاف بڑی بے جگری کے ساتھ لڑے لیکن آخر میں لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے ان کو رمضان ۱۴۵ھ میں شکست ہوگئی۔ اور محمد المہدی اس جنگ میں مارے گئے۔ ان کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیجدیا گیا۔

محمد المہدی کو ختم کرنے کے بعد منصور کو ان کے بھائی ابراہیم کی فکر ہوئی۔ وہ کئی ماہ تک منصور کے ہاتھ نہیں آئے۔ آخر ایک لاکھ کا لشکر جرار لیکر وہ بھی منصور کے مقابلہ پر آگئے۔ کوفہ اور بصرہ کے درمیان ان کے لشکر کا مقابلہ عباسیوں کے لشکر سے ہوا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ابراہیم کے حلق میں تیر لگنے کی وجہ سے

وہ جاں بحق ہوگئے۔ اور منصور کے راستہ سے یہ آخری پتھر بھی ہٹ گیا منصور نے ان کے فتح حاصل کرنے کے بعد محمد المہدی اور ابراہیم کے خاندان کے ایک ایک فرد کو اور تمام رشتہ داروں اور ساتھیوں کو چن چن کر قتل کرادیا۔

منصور کے عہد کی فتوحات

منصور کو ایک ایسی حکومت ملی تھی جو بالکل نئی تھی۔ اور جسے مستحکم بنانا کوئی آسان کام نہ تھا چنانچہ اُسے قدم قدم پر بغاوتوں سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا منصور کی بجائے اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ گھبرا جاتا۔ لیکن منصور نے اپنی ہمت اور غیر معمولی استقلال کی بنا پر نہ صرف تمام اندرونی بغاوتوں کو دبا دیا بلکہ اس نے تھوڑی بہت جدید فتوحات بھی حاصل کرلی تھیں۔

منصور کی تخت نشینی کے دو سال بعد ۱۳۸ھ میں قیصر روم قسطنطین نے ملطیہ پر حملہ کر کے اُس کی شہر پناہ کو مسمار کر دیا تھا۔ تاکہ موقعہ ملتے ہی روم کی سرحد سے متصل اس اہم مقام پر آسانی سے قبضہ جمایا جاسکے۔ منصور نے ۱۳۹ھ میں نہ صرف اس شہر پناہ کو درست کرادیا بلکہ ایک مضبوط قلعہ تیار کرانے کے بعد وہاں چار ہزار کے قریب حفاظتی فوج بھی متعین کردی۔ منصور کے لشکر کی کئی مرتبہ رومیوں سے جھڑپیں بھی ہوئیں۔ لیکن کسی بڑی جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ مگر پھر بھی منصور نے قیصر روم کو جزیہ ادا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

طبرستان کے ترک چونکہ برابر ہنگامے برپا کرتے رہتے تھے۔ اس لئے منصور نے خراسان کی شورش کے فرو ہوتے ہی ساتھ ہی اسلامی لشکر کو طبرستان کی فتح کا حکم دیدیا تھا۔ چنانچہ اسلامی لشکر نے بڑی دشواریوں کے بعد ۱۴۲ھ میں طبرستان کو فتح کرلیا۔

منصور کو اپنے عہد حکومت میں سندھ پر بھی فوج کشی کرنی پڑی تھی۔ اس کی وجہ یہ

تھی کہ جس زمانہ میں محمد المہدی نے منصور کے خلاف خروج کیا تھا۔ اسی زمانہ میں انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ اشتر کو اپنی خلافت کی دعوت دینے کے لئے سندھ روانہ کر دیا تھا اُس زمانہ میں سندھ کا عباسی گورنر ابن حفص تھا جو فوراً محمد المہدی کی دعوت قبول کرنے کے بعد عباسی حکومت کے خلاف بغاوت کے لئے آمادہ ہوگیا تھا لیکن جب اسے محمد المہدی کے مقتول ہونے کی خبر پہنچی تو وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ اور اس نے عبداللہ اشتر کو ایک پڑوسی ہندو راجہ کی پناہ میں دیدیا۔

منصور کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے ابن حفص کو معزول کر کے ہشام بن عمر کو سندھ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور حکم دیدیا کہ عبداللہ اشتر کو یا تو گرفتار کر لیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ہشام نے سندھ پر قبضہ جمانے کے بعد اُس راجہ کے علاقہ پر فوج کشی کر دی جس کے پاس عبداللہ اشتر پناہ گزیں تھا۔ عبداللہ اشتر اس جنگ میں ۱۵۱ھ میں مارا گیا۔ اور راجہ کے ملک پر ہشام کا قبضہ ہوگیا۔ عبداللہ اشتر نے راجہ کی بیٹی کے اسلام قبول کرنے پر اُس سے شادی کر لی تھی جس سے عبداللہ نامی ایک لڑکا بھی تھا۔ ہشام نے عبداللہ اشتر کے قتل کے بعد اس کی بیوہ راجکماری لڑکے اور اس کے تمام ساتھیوں کو منصور کے پاس بھیج دیا تھا منصور نے ان کو مدینہ میں قیام کی اجازت دیدی تھی اور انکو مدینہ روانہ کر دیا تھا۔

شہر بغداد کی تعمیر

شہر بغداد جو صدیوں تک خلافتِ اسلامیہ کا دارالسلطنت بنا رہا ہے اور جسے سارے مشرق میں غیر معمولی عظمت حاصل ہوئی۔ اس کی بنیاد ۱۴۵ھ میں منصور ہی نے رکھی تھی۔ اس شہر کی تعمیر میں دس سال اور کروڑوں روپیہ صرف ہوا تھا۔ اس شہر کو دائرہ کی شکل میں ایک نہایت ہی خوشنما نقشہ پر تیار کیا گیا تھا۔

منصور نے اس شہر کی تعمیر کے لئے بڑا اہتمام کیا تھا۔ دُنیا کے مختلف حصّوں سے

معمار، سنگتراش، نقاش، نجار اور ایسے ایسے صناع جمع کیے تھے جو اپنے فن میں انتہائی کمال رکھتے تھے۔ جن جن ملکوں سے جو سامان تعمیر مل سکتا تھا وہ اس نے حاصل کیا تھا اور بغداد کو ایک ایسا خوبصورت شہر بنا دیا تھا جسکی مثال اُس زمانہ میں مفقود تھی۔

یہ شہر نہایت وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا جس کے گرد ایک سو فٹ اُونچی دُوہری شہر پناہ تھی جو پتھر سے تعمیر کی گئی تھی۔ اس کے بعد وسیع خندق تھی شہر پناہ کی چاروں سمتوں میں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے چار پھاٹک تھے۔ ان پھاٹکوں پر ڈیڑھ سو فٹ بلند گُنبد اور شہ نشینیں تھیں۔ شہر کی آبادی میں ہر قبیلہ اور ہر طبقہ کے محلے الگ الگ تھے۔ اور مختلف چیزوں کے بازار جُدا جُدا تھے۔ بے شمار گلیاں اور سڑکیں تھیں۔ سڑکوں کی چوڑائی سوا سو فٹ تھی۔ ہر گلی اور سڑک کا نام متعین کر دیا گیا تھا۔ دریائے دجلہ سے کاٹ کر نہریں شہر میں لائی گئی تھیں جو شہر کے اندر کے باغات کو سیراب کرتی تھیں۔ اور جن سے شہر کی خوشنمائی دوبالا ہو گئی تھی۔

بغداد کے بالکل وسط میں منصور کا محل "قصر الخلد" آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ یہ محل واقعی خوبصورتی اور زیب و زینت کے اعتبار سے جنت کا نمونہ تھا۔ بغداد سے متصل رصافہ کے نام سے ایک اور چھوٹا سا شہر آباد کیا گیا تھا جس میں کہ ولیعہد سلطنت مہدی کا عالی شان محل تھا۔ یہ بھی اپنی جگہ ایک مستقل شہر تھا جسے بغداد خورد کی حیثیت حاصل تھی۔ شہر رصافہ کے قریب ہی فوجی چھاؤنی تھی۔ اس نئے شہر کی تعمیر ۱۵۱ھ میں شروع ہوئی تھی۔

جُوں جُوں زمانہ گذرتا گیا بغداد کی وسعت اور رونق بڑھتی چلی گئی۔ چنانچہ آگے چل کر یہ دُنیا کا سب سے عظیم الشان شہر بن گیا تھا۔ جس میں بیس ہزار مسجدیں تھیں ستّرہ ہزار حمام تھے۔ اور دس ہزار سے زیادہ سڑکیں اور گلیاں تھیں۔ اور جس میں بے اندازہ شاہی محل اور باغات تھے۔

بغداد اور رصافہ کی تعمیر کے علاوہ اور بھی بہت سی عظیم الشان عمارتیں منصور

سے عہدِ حکومت میں تعمیر کی گئی تھیں۔ خانہ کعبہ کی بھی اس نے توسیع کرائی تھی چنانچہ اس نے مسجد الحرام کی عمارت میں ملحقہ مکانات کو شامل کر کے اسے نہایت وسیع کر دیا تھا۔

منصور کے زمانہ کی علمی ترقیاں

تصنیف و تالیف اور علمی خدمات کا سلسلہ گو بنی اُمیہ کے زمانہ ہی میں شروع ہو چکا تھا لیکن صحیح معنوں میں علمی سرپرستی کا دور منصور کے عہدِ حکومت سے شروع ہوا۔ منصور بہت بڑا علم دوست حکمران تھا جس کے زمانہ میں نہ صرف فقہ اور حدیث پر بے شمار مستند کتب مُرتب کی گئیں بلکہ دیگر علوم و فنون پر بھی بہت سی کتابیں اسی خلیفہ کے دورِ حکومت میں سپُردِ قلم ہوئیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ نے اسی کے عہد میں فقہ کی تدوین کی۔ حضرت امام مالک نے موطا لکھی۔ اس کے علاوہ ادب اور تاریخ پر بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔

منصور کو چونکہ علم نجوم سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ اس لئے اس کے دورِ حکومت میں علمِ نجوم پر بہت سی کتابیں تالیف کی گئیں اور بہت سی غیر ملکی کتابوں کے ترجمے ہوئے جن میں سے ایک سنسکرت کی کتاب "سدھانت" بھی تھی۔ عربی زبان میں ترجمہ کرا کے اس کتاب کا نام "سند ہند کبیر" رکھا گیا۔ قیصرِ رُوم نے بھی اسے چند یونانی کتابیں بھیجی تھیں جن کا ترجمہ کیا گیا۔ منصور کے طبیبِ خاص جرجیس نے فنِ طب کی کئی کتابوں کے ترجمے کئے۔ ایک دوسرے درباری طبیب نے بقراط اور جالینوس کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ ارسطاطالیس کی کئی مشہور کتابوں کا ترجمہ بھی اسی کے زمانہ میں ہوا۔ فارسی زبان کی بہت سی مشہور کتابوں کو بھی اس نے عربی زبان کا جامہ پہنایا۔

وفات اور متفرق حالات

منصور کے بھائی سفاح نے اپنی زندگی ہی میں منصور کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولیعہد مقرر کر دیا تھا۔ لیکن منصور نے ۱۴۷ھ میں اسے ولی عہدی سے معزول

کر کے اپنے بیٹے مہدی کو ولیعہد بنا دیا۔ ۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں منصور جب حج کے لئے جانے لگا تو اس نے مہدی کو حکومت کے معاملہ میں اس طرح ہدایتیں دیں جیسے وہ ہمیشہ کے لئے اُس سے رُخصت ہو رہا ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ زندہ واپس نہیں آئے گا چنانچہ یہی ہوا۔ وہ حج کی نیت سے احرام باندھے ہوئے راستہ ہی میں تھا کہ اچانک بیمار ہو گیا۔ اور چند روز کی علالت کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ۲۲ سال اور ۳ ماہ حکومت کی۔ وفات کے وقت اُس کی عمر ۶۳ سال تھی۔

منصور بنی عباس کا نہایت ہی باعظمت بادشاہ ہوا ہے جس میں بُرائیاں کم تھیں اور خوبیاں زیادہ۔ مورخوں کا بیان ہے کہ منصور عقل۔ علم۔ اصابت رائے حُسن تدبیر اور وقار و تمکنت کے لحاظ سے دُنیا کے عظیم ترین سلاطین میں سے تھا۔ خلوت میں وہ نہایت خوش اخلاق اور خوش مزاج دکھائی دیتا تھا یہاں تک کہ وہ لغو اور مزاحیہ باتوں کو بھی برداشت کر لیتا تھا۔ لیکن جب لباسِ شاہی زیب تن کر کے دربار میں آتا تھا تو اس کا رنگ بالکل بدل جاتا تھا۔ اور اس کی آنکھیں سُرخ ہو جاتی تھیں۔ اس نے اپنے لڑکوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جب میں شاہی لباس پہن کر دربار میں آیا کروں تو تم میرے قریب آنا ممکن ہے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔

منصور طبعاً نہایت ہی ظالم اور جابر واقع ہوا تھا چنانچہ اُس کے راستہ میں جو بھی آڑے آیا اُس کے ساتھ اُس نے نہایت ظلم اور زیادتی کا سلوک کیا ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے بارے میں اسے یہ شبہ ہو گیا تھا کہ یہ محمد المہدی کے حامیوں میں سے ہیں اس لئے اس نے ان کو پہلے تو قید کر دیا اور اس کے بعد قیدخانے ہی میں زہر دلوا دیا۔ اسی طرح اس نے عبد الحمید بن جعفر اور ابن عجلاق کو بھی سخت

تکلیفیں پہنچائی تھیں کیونکہ ان کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ محمد المہدی کے خروج میں ان کا بھی ہاتھ تھا منصور کے ہاتھوں فقہا پر یہ مظالم اس کے دامن پر ایسا بد نما داغ ہے جو قیامت تک باقی رہیگا۔ کہتے ہیں کہ امام مالک بھی محمد المہدی کے خروج کے محرک تھے مگر منصور نے ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔"

حکومت کے مخالفین کے معاملہ میں وہ جتنا سخت گیر تھا اتنا ہی رعایا کے معاملہ میں عادل بھی تھا۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو عام آزادی دے رکھی تھی کہ اگر کسی شخص کو بھی کسی عامل سے کوئی شکایت ہو تو وہ براہِ راست یہ شکایت اس کے علم میں لائے ایک مرتبہ ایک عامل نے کسی شخص کی جائداد کا کچھ حصہ دبا لیا تھا۔ جب منصور سے شکایت کی گئی تو منصور نے عامل کو سخت تنبیہہ کی اور یہ حصہ اسے واپس دلا دیا۔

منصور کو لہو و لعب اور گانے بجانے سے سخت نفرت تھی۔ ایک مرتبہ اُس کے محل میں ایک غلام طنبورہ بجا رہا تھا اور لونڈیاں قہقہے لگا رہی تھیں۔ اُس کے کانوں میں آواز پہنچی تو اُس نے پوچھا یہ کیا ہے جب اسے بتایا گیا کہ یہ طنبورہ ہے تو اُسکی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ اسی وقت اُٹھ کر محل میں آیا اور طنبورے کو لیکر طنبورہ بجانے والے کے سر پر مار کر توڑ دیا اور اسے محل سے نکال دیا۔ موسیقی سے اس کی عدم واقفیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ طنبورہ کیا ہوتا ہے اور کیسا ہوتا ہے۔

منصور کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ صاف بیانی اور حق گوئی کو بے حد پسند کرتا تھا۔ اور سچی بات خواہ کتنی ہی کڑوی کیوں نہ ہو اُسے گوارہ کر لیتا تھا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ منصور نے ایک مرتبہ شام میں ایک بدوی سے کہا کہ "خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہارے اُوپر سے طاعون کو محض اس لئے اُٹھا لیا کیونکہ تم ہمارے زیرِ حکومت ہو۔" بدوی نے جواب دیا کہ "تیری حکومت اور طاعون دونوں برابر ہیں۔ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ

اس نے داتوں کو اکٹھا ہمارے اُوپر مسلط نہیں کیا۔"

عبداللہ بن صالح کہتے ہیں کہ منصور نے بصرہ کے قاضی سوار بن عبداللہ کو لکھا کہ "تمہارے سامنے زمین کے بارے میں فوجی افسر اور سوداگر کا جو مقدمہ پیش ہے اس کو افسر کے حق میں فیصل کر دینا"۔ سوار بن عبداللہ نے جواب دیا کہ "میرے سامنے جو گواہ گذرے ہیں وہ سوداگر کی تائید میں ہیں۔ بھلا میں شہادت کے خلاف کس طرح فیصلہ دے سکتا ہوں"۔ اس پر منصور نے لکھا کہ "مگر پھر بھی تم کو فیصلہ فوجی افسر ہی کے حق میں کرنا ہوگا"۔ اس کے جواب میں قاضی نے لکھا کہ "میں فیصلہ ہر حالت میں سوداگر ہی کے حق میں دوں گا"۔ جب یہ آخری جواب منصور کے پاس آیا تو منصور نے کہا "واللہ میں نے زمین کو عدل سے بھر دیا ہے۔ یہاں تک کہ خود میرے ہی قاضی عدل کے معاملہ میں میری مخالفت کرتے ہیں"۔

نمیر مدنی کہتے ہیں کہ منصور جب مدینہ آیا تو چند شتر بانوں نے مدینہ کے قاضی کی عدالت میں کسی معاملہ میں منصور پہ نالش کر دی۔ اُس زمانہ میں محمد بن عمران طلحی مدینہ کے قاضی تھے۔ انھوں نے عام آدمیوں کی طرح منصور کے نام بھی سمن جاری کر دیا۔ منصور بطور فریق عدالت میں حاضر ہو گیا۔ جب منصور عدالت میں آیا تو کسی نے اس کو تعظیم بھی نہیں دی۔ آخر مقدمہ شروع ہوا۔ قاضی نے منصور کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ دیدیا۔ منصور قاضی کے عدل سے بہت خوش ہوا اور اسے بطور انعام دس ہزار دینار عطا کئے۔

محمد بن اسلام کہتے ہیں کہ ایک روز ایک لونڈی نے منصور کو پیوند لگا ہوا کُرتا پہنے ہوئے دیکھ کر کہا "یہ اچھے خلیفہ ہیں جن کا کُرتا تک ثابت نہیں"۔ اس پر منصور نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ "شرف اسی شخص کو حاصل ہوگا جس کی چادر پُرانی ہوگی اور اُس کے کُرتے میں پیوند لگا ہوا ہوگا"۔ عسکری اوائل کہتے ہیں کہ منصور بڑا ہی جزرس

تھا۔ ایک شخص نے اس کا کرتا پھٹا ہوا اور اس میں پیوند لگا ہوا دیکھ کر کہا "خدا کی قدرت ہے کہ منصور بادشاہ ہونے کے باوجود بھی مفلسی میں مبتلا ہے"۔

منصور اس قدر کنجوس تھا کہ وہ بے ضرورت چراغ میں تیل جلانا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے محل کے پھاٹک پر تین قندیلیں جل رہی تھیں اس نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ "جب ایک سے کام چل سکتا ہے تو تین قندیلوں کی کیا ضرورت ہے"۔ منصور کی اسی کنجوسی اور کفایت شعاری کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے پیچھے اتنی بڑی دولت چھوڑ گیا کہ اس کے جانشین کو مرتے دم تک کبھی کوئی مالی پریشانی پیش نہیں آئی۔

منصور کے زمانہ میں رعایا بے حد خوشحال تھی ارزانی کا یہ عالم تھا کہ مینڈھا ایک درہم میں۔ کھجور ایک درہم میں تیس سیر۔ روغنِ زیتون ایک درہم میں آٹھ سیر۔ گائے کا گوشت ایک درہم میں ایک من سے زیادہ اور بکری کا گوشت ایک درہم میں تیس سیر ملتا تھا۔ پانچ سیر شہد ایک درہم میں۔ چربی ایک درہم میں چھ سیر ملتی تھی۔ اور یہی عالم دوسری اشیاء کی ارزانی کا تھا۔

منصور اور اسپین کی خود مختار حکومت کا بانی عبدالرحمٰن چونکہ دونوں بربری لونڈیوں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے مورخوں نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ساری دنیائے اسلام دو بربری لونڈیوں کے بیٹوں کی حکومت میں تقسیم ہو گئی تھی۔

حضرت امام جعفر صادق کا انتقال اسی خلیفہ کے دورِ حکومت میں ۱۴۸ھ میں ہوا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت ابو یزید بسطامی آپ ہی کے شاگرد تھے۔ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ ابو منصور نے حضرت امام جعفر صادق کے قتل کی بھی کوشش کی تھی لیکن ان سے کچھ ایسی کرامتیں سرزد ہوئیں کہ منصور خائف ہو گیا۔ اور یہ ارادہ ترک کر دیا۔

محمد مہدی بن منصور

مہدی بن منصور رحم و مروّت اور انسانیت کا ایک پیکر تھا۔ وہ بحیثیت ایک انسان کے بھی نہایت ہی بلند کردار کا مالک تھا اور بحیثیت حکمران کے بھی اُس میں وہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں جن کا ایک لائق فرمانروا میں ہونا ضروری ہے۔ اس نے عدل و انصاف سے مملکتِ اسلامیہ کو بھر دیا تھا۔ اُس کے زمانہ میں خوشحالی اور فارغ البالی عام تھی۔ خدا نے اسے صورت و سیرت دونوں جوہروں سے دل کھول کر نوازا تھا۔ وہ رعایا سے محبت کرتا تھا اور رعایا اُس پر دَم و دیوانی تھی۔ اس کی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ خزانہ کا ایک ایک پیسہ رعایا پر لٹا دے۔

مہدی اگرچہ خوبصورت عورتوں کا اور عیش پرستی کا دلدادہ تھا۔ لیکن یہ مشغلہ اُس کا فرصت کا مشغلہ تھا جب وہ تلوار ہاتھ میں لے لیتا تھا یا حکومت کے کاموں میں مصروف ہو جاتا تھا تو سب کچھ بھول جاتا تھا۔ تختِ خلافت پر بیٹھنے سے قبل طبرستان کے گورنر کی حیثیت سے وہ بڑی اہم خدمات انجام دے چکا تھا۔

اپنے باپ منصور کی وفات کے بعد وہ ۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۲ یا ۳۳ سال تھی۔ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ مہدی کے باپ منصور کی موت حج کو جاتے ہوئے راستہ میں ہوئی تھی۔ چنانچہ جوں ہی اُس کی موت کی خبر بغداد میں پہنچی تو اُمرائے سلطنت نے بغیر کسی اختلاف کے خوشی خوشی مہدی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

قیدیوں کی رہائی اور جائداد کی واگذاری

منصور جتنا سخت گیر تھا مہدی اتنا ہی

نرم دل تھا۔ چنانچہ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد سب سے پہلے یہ کام کیا کہ ایسے تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا جن کو اس کے باپ نے قید کر رکھا تھا اس کے علاوہ اس نے وہ تمام جائدادیں اور جاگیریں بھی واگذار کر دیں جو اس کے باپ کے زمانہ میں ضبط کر لی گئی تھیں خود اس کے باپ منصور نے بھی مرتے وقت ان جائدادوں اور جاگیروں کی واگذاری کی وصیت کر دی تھی۔

یہ بادشاہ اہلِ بیت پر بڑا مہربان تھا۔ اس نے نہ صرف ان تمام علویوں اور اہلِ بیت کو رہا کر دیا تھا جنکو اس کے باپ نے قید میں ڈال دیا تھا بلکہ ان کے شایانِ شان بڑے بڑے وظیفے بھی مقرر کر دیئے تھے اُسے اہلِ بیت کے ساتھ سلوک کرنے میں رُوحانی لذت محسوس ہوتی تھی۔

طریق جہانبانی اور اصلاحات

مہدی کا طریق جہانبانی نہایت مدبرانہ اور عادلانہ تھا۔ اس نے شاہِ روم کے علاوہ ان تمام غیر مسلم فرمانرواؤں سے دوستانہ معاہدے کر لئے تھے جنکی سلطنتوں کی سرحدیں مملکتِ اسلامیہ سے ملتی تھیں۔ تاکہ ان فتنوں کا خاتمہ ہو جائے جو غیر مسلم حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے آئے دن برپا ہوتے رہتے ہیں چنانچہ اس نے طبرستان۔ صغد۔ طخارستان۔ بامیان۔ سجستان۔ تبت۔ سندھ۔ چین اور ہندوستان کے فرمانرواؤں اور راجاؤں سے مُعاہدے کرکے بعض سے دوستی کا اور بعض سے اطاعت کا اقرار لے لیا تھا۔

بنی اُمیہ کے دَورِ حکومت میں بیشتر انتظامی شعبہ جات ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ اس نے سب کو الگ الگ کر دیا تھا اور نئے نئے شعبے اور محکمے قائم کرکے نظامِ سلطنت کو نہایت چُست بنا دیا تھا۔ ڈاک کے محکمہ کو اس نے خوب ترقی دی تھی۔ مکہ۔ مدینہ۔ یمن۔ بغداد اور مملکتِ اسلامیہ کے دوسرے تمام اہم شہروں

کے درمیان تیز رو اُونٹوں۔ گھوڑوں اور خچروں کے ذریعہ باقاعدہ ڈاک کی آمد و رفت اور تقسیم کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔

اس کے عہدِ حکومت میں کسی عامل یا حاکم کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ رعایا کے کسی ایک فرد کے ساتھ بھی ظلم یا زیادتی کے ساتھ پیش آسکے۔ یہ روزانہ خود دادرسی کے لئے بیٹھتا تھا اور مظلوموں کی فریاد خود سُنتا تھا اور ایسے عمالِ حکومت سے بڑی سختی کے ساتھ باز پُرس کرتا تھا جو یا تو فرائضِ منصبی کو صحیح طریقہ پر انجام نہیں دیتے تھے یا رعایا پر ظلم کرتے تھے۔

مہدی کے زمانہ کی جنگی سرگرمیاں

ابومسلم خراسانی کے قتل کے بعد خراسان بغاوتوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔ چنانچہ مہدی کے عہدِ حکومت میں ۱۶۰ھ میں خراسان میں پھر سخت بغاوت برپا ہوئی۔ مگر اس بغاوت کو جلد ہی دبا دیا گیا۔ اور باغیوں کے سر قلم کر دئے گئے۔

سندھ کا مفتوحہ علاقہ خاندانِ بنی اُمیّہ کے خاتمہ کے بعد تقریباً خود مختار ہو گیا تھا وہاں مسلم اور غیر مسلم سرداروں نے اپنی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ چنانچہ ان کی سرکوبی کے لئے مہدی کے باپ منصور کو بھی سندھ پر فوج کشی کرنی پڑی تھی۔ منصور کے بعد مہدی نے بھی سندھ کے پورے علاقہ کو حکومتِ عباسیہ کے زیرِ تحت لانے کے لئے ایک بڑی مہم روانہ کی جس نے ۱۶۰ھ میں باربد فتح کر لیا۔ اور سندھ کے کئی حکمرانوں کو مطیع بنا لیا۔

۱۶۱ھ میں خدائی کے دعویدار مقنع کا ایک نیا فتنہ کھڑا ہوا۔ مقنع مرو کا باشندہ تھا جو یک چشم تھا۔ اس عیب کو چھپانے کے لئے وہ ہمیشہ سونے کا خول چہرہ پر چڑھائے رہتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ خدا نے آدم کو پیدا کیا پھر خود اس میں حلول کر گیا۔ اس کے بعد خدا مختلف پیغمبروں میں حلول کرتا ہوا ابومسلم خراسانی میں جلوہ گر ہوا۔ اور اس

کے بعد اب وہ خود اس میں یعنی مقنع میں جلوہ گر ہے۔

مقنع بہت بڑا شعبدہ باز تھا۔ ان شعبدوں سے اس نے ہزاروں سادہ لوح انسانوں کو اپنے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس کے گرد جب تیس چالیس ہزار آدمیوں کی جماعت فراہم ہوگئی تو اس نے مہدی کی حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ اسلامی فوجوں کے اس کے ساتھ کئی معرکے ہوئے ان معرکوں میں اُسے شکست ہوگئی۔ اس کے تیس ہزار مقلدوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور عباسی حکومت کی اطاعت قبول کر لی۔ مگر یہ پھر بھی دو ہزار آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو کر بدستور لڑتا رہا جب مقنع نے دیکھا کہ اب مفر مشکل ہے تو اس نے پہلے تو اپنی عورتوں اور اہل و عیال کو زہر دیکر ختم کیا۔ اس کے بعد آگ جلوا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "جو شخص میرے ساتھ آسمان پر چلنا چاہے وہ اس آگ میں کود پڑے"۔ یہ کہہ کر جب وہ آگ میں کودا تو اس کے ساتھ ہی اس کے تمام مقلدوں نے بھی آگ میں کود کر جان دیدی۔

۱۶۳ھ میں جزیرہ میں بغاوت برپا ہوئی۔ یہ بغاوت اتنی شدید تھی کہ عباسی فوجوں کے کئی حملے قطعی ناکام ثابت ہوئے۔ بالآخر بڑی دشواری سے اس بغاوت کو دبایا گیا۔ اسی طرح مصر میں بھی شدید بغاوت برپا ہوگئی جو مہدی کی موت کے بعد جاکر ختم ہوئی۔

مہدی بن منصور خلفائے بنی عباس میں سے پہلا فرمانروا ہے جس نے کہ رُومی عیسائیوں کے ساتھ گھمسان کی لڑائیاں لڑ کر شاہانِ بنی اُمیہ کے عہد کی لڑائیوں کی یاد تازہ کر دی چنانچہ ۱۶۱ھ سے لیکر ۱۶۵ھ تک اس نے کئی معرکہ کی لڑائیاں رومی عیسائیوں کے ساتھ لڑیں جن میں اسلامی لشکر کو نوّے نوّے ہزار رومیوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ ان میں سے کئی لڑائیوں میں خود مہدی نے بنفسِ نفیس حصہ لیا تھا۔ ۱۶۴ھ تک تو ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو کوئی خاص فتوحات حاصل نہیں ہوئیں لیکن ۱۶۵ھ میں ہارون الرشید کی سر کردگی میں جو عظیم الشان لشکر روانہ کیا گیا تھا اس نے تہلکہ برپا کر دیا۔ اس جنگ

میں کئی رومی سرداروں کو مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنی پڑی تھی۔ یہاں تک کہ جب یہ لشکر قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گیا۔ تو رومی ملکہ رینی نے جو اپنے کمسن لڑکے کی جانب سے حکومت کر رہی تھی ستر ہزار دینار سالانہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی تھی ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو بڑی کثرت کے ساتھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا۔

مذہبی اور علمی خدمات و تعمیرات

مہدی عقائد کے معاملہ میں نہایت ہی سخت تھا۔ وہ اس چیز کو گوارہ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ عقائد اسلامی میں کوئی شخص ذرہ برابر بھی ردو بدل کرنے کی جرأت کر سکے چنانچہ وہ ایسے لوگوں کا جانی دشمن تھا جنہوں نے اپنے دماغ سے نئے نئے عقائد اختراع کر لئے تھے۔ رومیوں سے جنگ کے زمانہ میں جب وہ حلب پہنچا تو اس نے زندیقوں کو جن کی کہ وہاں بہت بڑی تعداد تھی چُن چُن کر قتل کیا۔ اس کے علاوہ اس نے ان تمام ملحدوں کو بھی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تہہ تیغ کرادیا۔ جن کے بدعقائد ملک میں پھیلتے چلے جارہے تھے۔ اور ان کی کتابیں جتنی بھی مل سکیں ان کو جلوادیا۔

زندقہ اور الحاد کے تدارک اور مناظرہ کے لئے اس نے علما سے بہت سی کتابیں لکھوائیں جن سے کہ علمِ کلام کی بنیاد پڑی۔ گویا اس فن کی ایجاد کا سہرا مہدی ہی کے سر ہے اس کے علاوہ بعض ادبی کتابیں بھی اس نے لکھوائیں شعروشاعری سے مہدی کو گہری دلچسپی تھی۔ اور حدیث سے بھی غیر معمولی لگاؤ تھا وہ اربابِ علم کا بہت بڑا قدردان تھا۔ ان کے لئے اس کے خزانہ کا منہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

مہدی کو منصور کی طرح تعمیر سے بھی بہت زیادہ دلچسپی تھی چنانچہ ۱۶۰ھ میں اس نے خانہ کعبہ کی عمارت میں توسیع کرائی۔ اس کے چاروں طرف رواق تعمیر کرائے اور سنگِ خام کے ستون لگوائے اور اس خوف سے کہ کہیں پردوں کے بوجھ سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان نہ پہنچ جائے اس نے کعبہ پر زیادہ پردے ڈالنے ممنوع قرار

دیدئے اور پرانے پردوں کو اُتروا کر نئے پردے ڈلوائے۔

مہدی نے اسی زمانہ میں مسجد نبوی کی عمارت میں بھی ترمیم اور توسیع کی تھی اس نے سنگِ رخام کے دس نئے ستون لگوائے۔ اور پوری عمارت کو نقش ونگار سے آراستہ کیا۔ حرمین کی مرمت اور توسیع کے علاوہ مہدی نے اور بھی بہت سی عمارتیں بنوائی تھیں۔ جن میں سے رصافہ کا ایک شاندار محل بھی تھا جو اس نے اپنے لئے خاص طور پر تعمیر کرایا تھا۔

وفات اور متفرق حالات

مہدی نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے ہادی کو اور اُس کے بعد دوسرے بیٹے ہارون کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ محرم ۱۶۹ھ میں اچانک اُس کا انتقال ہوگیا۔ اس کی وفات کے بارے میں مختلف روایتیں مشہور ہیں بعض کا کہنا ہے کہ وہ شکار کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس کا گھوڑا تعاقب کرتا ہوا ایک پرانی عمارت کے پھاٹک میں جا گھسا۔ پھاٹک میں گھستے ہوئے اس کی پیٹھ پر ایسی ضرب لگی کہ وہ اُسی وقت جاں بحق ہو گیا۔ بعض کا بیان ہے کہ اُس کی لونڈی نے اُسے زہر دیدیا تھا جس کے اثر سے وہ ہلاک ہو گیا۔ وفات کے وقت اُس کی عمر ۴۳ سال تھی۔ اُس نے دس سال حکومت کی۔

مہدی خلافت کے بار اور ذمہ داریوں کو بے حد محسوس کرتا تھا مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد جب وہ پہلا خطبہ پڑھ رہا تھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس موقعہ پر اس نے کہا تھا کہ "خلیفہ بھی عام انسانوں کی طرح خدا کا ایک بندہ ہوتا ہے جب اُسے پکارا جاتا ہے تو جواب دیتا ہے اور جب اُس کو کوئی حکم دیا جاتا ہے تو اُسے پورا کرتا ہے"۔

مہدی بڑا ہی رحم دل انسان تھا۔ خاندانِ بنی اُمیہ کے آخری بادشاہ مروان ثانی کی ملکہ جب پھٹے حالوں امداد حاصل کرنے کے لئے اُس کی ملکہ خیزران کے پاس

آئی اور مہدی کو اس کا علم ہوا تو وہ اُس کی بدحالی کی کیفیت معلوم کر کے زار وقطار رونے لگا اور اس نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی کہ "خداوندا میں زوالِ نعمت کی تکلیف سے پناہ مانگتا ہوں"۔ اس کے بعد اس نے مروانِ ثانی کی ملکہ مزنہ کی اچھی طرح دلداری کی اُس کو عباسی خواتین کے ساتھ شاہی محل میں رکھا اور اس کی راحت کا جملہ سامان مہیا کر دیا۔ مزنہ مرتے دم تک محل سے نہ نکلی۔

مہدی میں دلداری اور مروّت کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ مہدی جب بھی بصرہ آتا تھا تو پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز جب وہ نماز کے لئے بالکل تیار تھا تو ایک اعرابی نے آکر کہا کہ مجھ کو آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ میں نے ظہر کی نماز پڑھنی چاہی تھی مگر شامل نہ ہو سکا اور اس وقت بھی مجھے غسل کی حاجت ہے۔ ذرا دیر انتظار کر لیجئے تاکہ میں بھی نماز میں شامل ہو جاؤں۔ مہدی برابر اُس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک کہ اعرابی غسل کر کے نہ آگیا اور اُس کے آنے کے بعد نماز شروع کی۔ اُس کی اس خوش خلقی کو دیکھ کر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔

امیر معاویہ پر نماز کی حالت میں قاتلانہ حملہ کے بعد انھوں نے مسجد میں اپنے لئے ایک محفوظ مقام جسے معقورہ کہتے ہیں بنوا لیا تھا۔ اسی میں وہ نماز پڑھا کرتے تھے امیر معاویہ کے بعد تمام خلفائے اسلام تفاخر کے لئے معقورہ استعمال کرنے لگے تھے اسکے علاوہ نمود و نمائش کے لئے خلفا نے مسجدوں میں بڑے بڑے ممبر بھی تعمیر کرائے تھے۔ مہدی نے بڑے بڑے ممبروں کو تڑوا کر انھیں ممبر نبوی کی برابر کرا دیا۔ اور معقورہ کا رواج بالکل ختم کر دیا۔

رسولِ مقبول صلعم کے ساتھ مہدی کی عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص اُس کے پاس کپڑے میں لپیٹ کر ایک جوتا لایا اور کہا کہ "یہ رسول اللہ صلعم کی

نعلینِ مُبارک ہے"۔ مہدی نے اُسے لیکر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور لانیوالے کو دس ہزار کا انعام عطا کیا۔ حاضرینِ دربار نے پُوچھا کہ" امیر المومنین کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ حضور ہی کی نعلینِ مُبارک ہے"۔ مہدی نے جواب دیا" میں جانتا ہوں کہ اس نعلین کو استعمال کرنا تو درکنار رسول اللہ صلعم نے دیکھا بھی نہیں ہوگا مگر چونکہ حضور کی نعلین سے اس کو نسبت دیدی گئی ہے اس لئے میرے لئے قابلِ احترام بن گئی"۔

مہدی کے عہدِ حکومت میں اِن علمائے کرام نے رحلت فرمائی۔ شعبہ ابن ابی ذئب۔ سفیان ثوری۔ حضرت ابراہیم بن ادہم۔ داؤد طائی زاہد۔ ابراہیم بن طہمان +

ح (✻) ع

موسیٰ ہادی بن مہدی

ہادی ایک آرام طلب اور عیش پسند نوجوان تھا۔ بیجا تفاخر اور نمود و نمائش کا بے حد دلدادہ تھا۔ خلفائے اسلام میں یہ پہلا بادشاہ تھا جس کی سواری کا جلوس کسرائے فارس اور قیصرِ روم کی تقلید میں ننگی تلواروں کے جھرمٹ میں نکلا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی سواری کے ہمراہ سیکڑوں سوار ننگی تلواریں اور نیزے لئے ہوئے جلو میں چلا کرتے تھے۔ یہ اپنے دادا منصور کی طرح کیونکہ بڑا سخت گیر تھا۔ اس لئے عوام اس سے بے حد ڈرتے تھے۔

ذہبی کہتے ہیں کہ ہادی شراب پیا کرتا تھا اور لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا۔ خلافت کے معاملہ میں اس سے کمزوریاں برابر سرزد ہوتی رہتی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی نہایت فصیح قادر الکلام اور اعلیٰ درجہ کا ادیب تھا۔ اُس کا رعب داب اور سطوت و شہامت بہت زیادہ تھی۔

ہادی باپ کے مرنے کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں ۱۶۹ھ (۷۸۵ء) میں مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی طرح ملحدوں اور زندیقوں کی اچھی طرح سرکوبی کی جہاں اور جس جگہ بھی ملحدوں اور زندیقوں کا پتہ چلتا تھا یہ انھیں تہہ تیغ کرا دیتا تھا۔ ہادی باوجودیکہ ایک عیش پسند حکمراں تھا لیکن دینی کاموں سے اسے غیر معمولی دلچسپی تھی۔

حسین ثانی بن علی کا خروج

جس طرح منصور کے عہدِ حکومت میں محمد المہدی نے خروج کر کے عباسی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کی تھی اسی طرح ہادی کے خلیفہ ہونے کے بعد حسین ثانی بن علی بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے مدینہ میں خروج کیا تھا۔ عراق کے ہزاروں شیعانِ علی ان کے

ہاتھ پر بیعت کر کے میدان میں آگئے تھے۔

حسین ثانی نے مدینہ کے دارالامارت پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ جما لیا تھا۔ حاکم مدینہ عمر بن عبدالعزیز جب اُن کے مقابلہ پر آیا تو حاکم مدینہ کو شکست ہو گئی۔ بیت المال کو انھوں نے لوٹ لیا۔ مدینہ میں ہنگامہ آرائی کے بعد حسین ثانی مکہ پہنچے۔ مکہ کے باشندوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔ عباسی فوجوں نے سلیمان بن منصور کی سرکردگی میں جب مکہ میں ان کے خلاف جنگ کی تو اس جنگ میں حسین ثانی کو شکست ہو گئی اور ان کا سر قلم کر کے ہادی کے پاس بھیجدیا گیا۔

منصور کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ محمد المہدی کے بیٹے عبداللہ اشتر کے قتل کے بعد جب اشتر کی نو مسلم بیوہ، نوعمر لڑکا اور انکے ساتھی جنگی قیدی بنا کر منصور کے پاس بھیجے گئے تھے تو اس نے ان سب کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دیدی تھی۔ چنانچہ حسین ثانی نے جب مدینہ میں خروج کیا تو یہ سب بھی عباسی حکومت کے خلاف حسین ثانی کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ اور اس جنگ میں عبداللہ اشتر کی بیوہ کے ہندی غلاموں اور ساتھیوں نے بڑی بہادری دکھائی تھی۔ ان میں سے کچھ تو اس جنگ میں کام آگئے اور کچھ کسی طرح بچکر نکل گئے اور ہندوستان پہنچ گئے۔ ان لوگوں کی اولاد آگے چل کر ہندوستان میں حسینی برہمنوں کے نام سے اسی لئے مشہور رہوئی کیونکہ ان کے آباواجداد نے عباسیوں کے خلاف جنگ میں حسین ثانی کی امداد کی تھی۔

ہادی اور اس کی ماں میں دشمنی

مہدی کے دورِ حکومت میں مہدی کی بیوی یعنی ہادی کی ماں ملکہ خیزران حکومت پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ حکمرانی کے معاملہ میں اپنے شوہر کے ساتھ برابر کی شریک تھی۔ لیکن مہدی کے بعد جب ہادی تخت نشین ہوا اور ملکہ خیزران نے بدستور سلطنت کے کاموں میں مداخلت کرنی چاہی تو ہادی نے اسے پسند نہیں کیا اور اپنی ماں سے کہدیا کہ "میں یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ عمالِ سلطنت تمہارے دروازہ پر دکھائی دیں۔

اگر آئندہ میں نے کسی عامل کو تمہارے پاس دیکھا تو اچھا نہیں ہوگا۔ تمہارا کام یہ نہیں ہے کہ تم سلطنت کے کاموں میں دخل دو بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ چرخہ کاتو۔ قرآنِ پاک کی تلاوت کرو اور تسبیح و مصلے سے غرض رکھو۔"

ملکہ خیزران کو بیٹے کی یہ گفتگو سخت ناگوار گذری اور وہ مشتعل ہو کر اُٹھ کر چلی گئی۔ خیزران کا چونکہ عمالِ حکومت پر بے حد اثر تھا۔ اس لئے ہادی کو اُس کی جانب سے اندیشہ پیدا ہوا۔ اور اس نے ماں کی جان لینے کے لئے کچھ روز بعد ماں کے پاس زہر آلود کھانا بھجوا دیا۔ خیزران بڑی ہوشیار تھی۔ اس نے یہ زہر آلود کھانا خود کھانے کی بجائے کُتے کو ڈلوا دیا۔ جب زہر کے اثر سے کتا مر گیا تو خیزران کا اشتعال اور بھی بڑھ گیا۔ اور وہ ہادی کی جان لینے کے درپے ہو گئی۔

ہادی اور اس کی ماں کی دُشمنی اس لئے اور بھی بڑھ گئی تھی کیونکہ ہادی یہ چاہتا تھا کہ اپنے چھوٹے بھائی ہارون کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے کمسن بیٹے کی ولیعہدی کا اعلان کر دے حالانکہ ہادی کا باپ مہدی اپنی زندگی ہی میں ہارون کو ہادی کے بعد ولیعہد نامزد کر گیا تھا۔ ہارون ملکہ خیزران کو بے حد پیارا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اُس کے پیارے بیٹے ہارون کو ولیعہدی سے معزول کرنے کے لئے جوڑ توڑ شروع ہو گیا ہے تو وہ ہادی کی اور بھی دُشمن ہو گئی۔

ہادی کی وفات اور متفرق حالات

ہادی کو تخت نشین ہوئے مشکل سے سوا سال ہوا تھا کہ ربیع الاول ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔ اصلی موت کے بارے میں مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ طبعی موت سے مرا تھا لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ ایک روز ہادی کو سخت بخار تھا اور بخار کی شدت میں وہ منہ ڈھکے ہوئے لیٹا تھا کہ چند لوگوں نے اسکی ماں یعنی ملکہ خیزران کے اشارہ پر اُس کا گلا گھونٹ کر مار دیا۔ ہادی اور اسکی ماں میں چونکہ دشمنی تھی اسلئے غالب

خیال یہی ہے کہ اس کی موت میں اس کی ماں کا ہاتھ ضرور تھا۔ موت کے وقت ہادی کی عمر صرف ۲۶ سال تھی۔

سیوطی کا بیان ہے کہ "یہ بڑے دبدبہ اور جبروت کا خلیفہ تھا۔ جب وہ نکلتا تھا۔ تو عصا بردار اور سپاہی اُس کے آگے آگے ننگی تلواریں اور کھنچی ہوئی کمانیں لیکر چلتے تھے۔ اُس کے عمال نے بھی کیونکہ اُس کی تقلید شروع کر دی تھی۔ اس لئے اس کے زمانہ میں مسلح جلوس عام ہو گئے تھے"۔

اُس کے رضاعی بھائی حسین بن معاذ بن مسلم کا بیان ہے کہ "پرائیویٹ صحبتوں میں تو میں ہادی کی مطلق پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اکثر اوقات میں اسے اُٹھا کر زمین پر پچھاڑ دیتا تھا لیکن جب وہ درباری لباس پہن کر ایوانِ شاہی میں آتا تھا تو میں خوف کی وجہ سے ہمیشہ اس کی پشت پر کھڑا ہوا کرتا تھا اور اس کی ہیبت بُری طرح مجھ پر طاری ہو جاتی تھی۔

حسین ثانی بن علی بن حسن کا سر جب ہادی کے سامنے پیش کیا گیا تو مسعودی کے بیان کے مطابق ہادی سر کو دیکھ کر رو دیا اور اپنے عمال پر بے حد ناراض ہوا اور اس نے کہا کہ "اس کا کمترین بدلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی صلہ تم کو نہ دیا جائے"۔

ہادی اپنے باپ کی طرح بے حد انصاف پسند اور رعایا پرور واقع ہوا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ کسی شخص کو بھی میرے پاس آنے سے نہ روکا جائے۔ اور میرے سامنے کبھی کوئی ایسا معاملہ نہ پیش کیا جائے جو تحقیقات کے بعد غلط ثابت ہو۔ فیاضی اور دریا دلی میں بھی اُس کا پایہ نہایت بلند تھا۔

———— (※) ————

ہارون الرشید بن مہدی

ہارون الرشید بنی عباس کا سب سے باعظمت اور خوش اقبال خلیفہ ہوا ہے۔ اُس کے زمانہ میں علوم وفنون کی خوب سرپرستی ہوئی۔ اور مملکتِ اسلامیہ میں ایسی خوشحالی اور فارغ البالی عام تھی جو اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی گئی تھی ہارون ہادی کا حقیقی بھائی تھا جو ملکہ خیزران کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ہادی کے مرنے کے بعد ربیع الاول ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں یہ تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔

خلفائے بنی عباس میں یہ سب سے کم عمر بادشاہ تھا جس کی عمر تخت نشینی کے وقت صرف ۲۲ سال تھی صولی کہتے ہیں کہ جس روز ہارون تختِ خلافت پر متمکن ہوا اُسی رات اُس کا ولیعہد مامون پیدا ہوا۔ اور ایسا اتفاق بجز اس واقعہ کے کبھی نہیں ہوا کہ ایک ہی دن ایک خلیفہ کا انتقال ہوا ہو۔ دوسرا اس کی جگہ تختِ خلافت پر بیٹھا ہو۔ اور تیسرا خلیفہ اسی روز پیدا ہوا ہو۔ ہارون الرشید نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے محسن اور مشیرِ خاص یحییٰ بن خالد برمکی کو قلمدانِ وزارت سپرد کیا۔ یحییٰ برمکی نے ہارون کو ولیعہد برقرار رکھنے میں بڑی کوشش کی تھی۔

ہارون الرشید گورا چٹا۔ طویل القامت۔ نہایت خوبصورت اور ملیح نوجوان تھا۔ یہ فصاحت و بلاغت میں ماہر اور علم و ادب کا پورا عالم تھا۔ اس کی زندگی بڑی عجیب و غریب اور متضاد اوصاف کا مجموعہ تھی۔ ایک طرف تو وہ انتہا درجہ کا عیش پسند۔ شوقین مزاج اور عورتوں کا دلدادہ تھا۔ دوسری طرف اُس کے دینی شغف کا یہ عالم تھا کہ جب تک زندہ رہا روزانہ پنج وقتہ نماز کے علاوہ سو نفلیں پڑھتا رہا۔ ایک ہزار دینار روزانہ خیرات کرتا تھا۔ ہر تیسرے سال حج کے لئے ضرور جاتا تھا۔ حج کے موقعہ پر ایک سو علما

اور فقہا کو اپنے ساتھ لیکر جاتا تھا جس سال خود حج کے لئے نہیں جاتا تھا اُس سال تین سو آدمیوں کو اپنے خرچ سے حج بدل کے لئے بھیجتا تھا۔ اس نے عباسی بادشاہوں میں سب سے زیادہ حج کئے ہیں۔ اس کے دل میں خوفِ خدا اس قدر تھا کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کو یاد کر کے گھنٹوں رُویا کرتا تھا۔ عقائد کے معاملہ میں نہایت سچا اور پکا مسلمان تھا۔ ان لوگوں کا جانی دشمن تھا جو اسلامی عقائد میں اختراع کے موجد تھے۔ علما کا احترام اُس کے دل میں اس قدر تھا کہ وہ اُن کی سخت سے سخت بات بھی گوارہ کر لیتا تھا۔

ہارون الرشید پر ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ اُس کا بیشتر وقت یادِ خدا میں صرف ہوتا تھا۔ وہ ان خوش نصیب خلفا میں سے ہے جن کی خلافت کی بشارت خود رسول اللہ صلعم نے دی تھی چنانچہ یعقوب بن جعفر کا بیان ہے کہ جس مہینہ میں ہارون خلیفہ ہوا ہے اسی مہینہ میں ہارون نے سرورِ کائنات جناب رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ "تجھے عنقریب امرِ خلافت سپرد کر دیا جائے گا تجھے چاہیئے کہ غزووں اور جہاد میں حصہ لے اور حج ادا کرے۔ نیز حرمین کے باشندوں پر خوب مال خرچ کرے" ہارون الرشید جب تک زندہ رہا۔ رسولِ مقبول صلعم کے اس حکم کی برابر تعمیل کرتا رہا۔

ہارون کے زمانہ کی اصلاحات

ہارون کا دورِ حکومت ہر اعتبار سے حکومتِ عباسیہ کا نہایت ہی شاندار اور زریں دور تھا۔ ہارونی دورِ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ لکھتے ہیں کہ "جیسے آدمی ہارون الرشید کو میسر آئے تھے کسی خلیفہ کو میسر نہیں آئے۔ برامکہ جیسے لائق مدبرین اُس کے وزرا تھے۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ اُس کے قاضی تھے۔ عباس بن محمد اُس کا ندیم تھا۔ حضرت فضل بن ربیع جیسے نامور بزرگ اُس کے حاجب تھے۔ اور زبیدہ جیسی بیدار مغز خاتون اُس کی شریکِ حیات تھی۔ یہاں تک کہ اُس کے دربار کے گوئیے اور شاعر بھی اپنے زمانہ کے فرد تھے"۔

ابنِ طقطقی اُس کے دورِ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اُس کے زمانہ میں حکومت کا بڑا وقار تھا۔ ہر طرف بڑی رونق اور خوشحالی تھی۔ اُس کی سلطنت کا رقبہ بڑا وسیع تھا۔ دُنیا کے ہر حصّہ سے خراج چلا آ رہا تھا۔ اس کے دربار میں جتنے علما۔ فقہا۔ قضاۃ۔ ماہرین فن شعرا اور گویئے جمع تھے۔ اتنے کسی خلیفہ کے دربار میں نہیں دیکھے گئے۔

ملک میں خوشحالی اور فارغ البالی عام تھی۔ کیا مجال کہ اس کے زمانہ میں کوئی عامل رعایا پر کسی قسم کی زیادتی ناانصافی یا ظلم کرسکے۔ وہ بھیس بدل کر بنفسِ نفیس رعایا اور حُکام کی تحقیقِ حال کے لئے گلیوں۔ کوچوں اور دار الامارت کا گشت لگایا کرتا تھا۔ اس نے رعایا کی فلاح اور بہبودی کے لئے بڑے بڑے کام انجام دئے ہیں۔

اس نے ان تمام زائد ٹیکسوں کو یک قلم موقوف کردیا تھا جو خزانہ شاہی کو پُر کرنے کے لئے بنی اُمیہ کے زمانہ سے جاری تھے۔ ظالم اور خائن حُکام کو وہ بڑی عبرتناک سزائیں دیتا تھا۔

دفتری انتظامات میں بھی اس نے ضروری ردّو بدل کردیا تھا۔ نئے نئے شعبے اور دفاتر قائم کردئے تھے۔ فوج اور پولیس کی جانب اس کی خاص توجہ تھی۔ اس نے فوج کو نئے سرے سے منظم کیا تھا۔ اور ساحلِ شام پر نئی نئی فوجی چھاؤنیاں قائم کردی تھیں۔ تاکہ ان جدید فوجی چھاؤنیوں کے ذریعہ ایک طرف رومیوں کے حملوں کا مقابلہ کیا جاسکے دوسری جانب سلطنتِ رُوما کے جدید علاقوں کی فتوحات میں پوری مدد مل سکے۔

حضرت امام حسنؑ کے پوتے یحییٰ بن عبداللہ کا خروج

اہلبیت چونکہ عباسیوں کو غاصب اور خائن سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے خلاف برابر آلِ علیؑ اور اہل بیت کی جانب سے خروج ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ منصور کے عہدِ حکومت میں محمد المہدی عرف نفسِ زکیہ نے خروج کیا تھا۔ اس خروج میں المہدی اور ان کے بھائی ابراہیم مارے

گئے تھے۔ اس کے بعد مہدی کے زمانہ میں حسین ثانی بن علی بن حسن ہاشمی نے خروج کیا تھا۔ اور وہ بھی قتل ہو گئے تھے۔ اسی طرح ہارون الرشید کے زمانہ میں بھی خروج کیا گیا چنانچہ ۱۷۶ھ میں شیعانِ علی کی ایک بہت بڑی تعداد حضرت امام حسنؓ کے پوتے اور المہدی مرحوم کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ کے گرد جمع ہو گئی۔ اور انھوں نے ہارون الرشید کی حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ہارون نے ان کے مقابلہ کے لئے فضل بن یحییٰ برمکی کو روانہ کر دیا برمکی خاندان چونکہ اہلِ بیت کا ہمدرد تھا۔ اس لئے فضل برمکی نے لڑنے کی بجائے یحییٰ بن عبداللہ کو صلح کے لئے آمادہ کر لیا۔ ہارون نے ان کو امان دیدی اور انھیں خوب نوازا لیکن آخر میں ان کو قید کر دیا تھا اور وہ قید ہی میں مر گئے۔

ہارون کے زمانہ کی جنگی سرگرمیاں

ہارون الرشید کے زمانہ میں اگرچہ مملکتِ اسلامیہ دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی اور جدید فتوحات کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی لیکن پھر بھی یا تو اندرونی بغاوتوں کو دبانے کے لئے یا جدید فتوحات کی غرض سے ہارون کو بار بار جو فوج کشی کرنی پڑی ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۷۶ھ میں دمشق کے یمنی اور مضری قبائل میں فرقہ وارانہ جنگ چھڑ گئی۔ جس سے بُری طرح کُشت و خون شروع ہو گیا۔ ان دونوں قبائل میں زمانۂ دراز سے دشمنی چلی آ رہی تھی مضری بنی اسمٰعیل میں سے تھے۔ اپنے آپ کو نہایت معزز اور یمنیوں سے بہتر سمجھتے تھے یمنی بھی عرب کا قدیم اور تاریخی قبیلہ تھا۔ جو اپنے آپ کو بنی اسمٰعیل سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ چنانچہ یہ دونوں قبیلے جہاں جہاں بھی مملکتِ اسلامیہ میں آباد تھے آپس میں محض خاندانی تفوق کی جھوٹی شیخی کی بنا پر لڑتے رہتے تھے۔ ان قبیلوں کی خانہ جنگی سے حکومتِ بنی اُمیہ کو بھی سخت نقصان پہنچ چکا تھا۔ اور اب ان کی خانہ جنگی حکومتِ عباسیہ کے لئے بھی مستقل خطرہ بنتی چلی جا رہی تھی۔ لہٰذا ہارون الرشید نے

فوجی طاقت اور تدبیر دونوں سے کام لیکر بڑی مشکل سے ان قبائل کی خانہ جنگیوں کو ختم کرایا۔

۱۷۷ھ میں موصل میں عطاف نامی ایک شخص نے بغاوت کرکے پورے علاقہ پر قبضہ جمالیا۔ اور دو سال تک قابض رہا۔ آخر ہارون نے بنفسِ نفیس فوج کشی کرکے اس کو شکست دی۔ ۱۷۸ھ میں مصر میں قیس اور قضاعہ کے قبائل میں بغاوت پھیلی جسے فوراً ہی دبادیا گیا

۱۷۷ھ میں طرابلس (افریقہ) میں بغاوت رُونما ہوئی جس کا سلسلہ ۱۸۴ھ تک قائم رہا۔ اس چھ سات سال کے اندر مختلف فوجی افسر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بعد افریقہ بھیجے گئے۔ افریقہ کے برسرِ اقتدار عمّال میں بھی برابر تبدیلیاں ہوتی رہیں لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اگر وقتی طور پر ایک حصہ میں بغاوت دَب جاتی تھی تو دوسرے حصہ میں کھڑی ہوجاتی تھی۔ آخر ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب والئ زاب کی درخواست پر طرابلس (افریقہ) کی حکومت اُس کے حوالے کردی۔ ابراہیم بڑا مدبر تھا۔ چنانچہ اُس نے ۱۸۴ھ میں تمام شورش پسندوں کا قلع قمع کردیا۔ اور جتنے فتنہ پرداز تھے ان کو گرفتار کرکے دارالخلافہ بھیجدیا اور افریقہ میں بالکل امن قائم ہوگیا۔

۱۸۳ھ میں آرمینیہ میں غدر برپا ہوگیا۔ وہاں کی قوم خزاج نے جو سب کے سب خارجی تھے۔ ہزاروں مسلمانوں کو قتل کردیا۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ کو قید کرلیا۔ ہارون الرشید نے بڑی دشواری سے اس بغاوت کو دبایا۔ اور خارجیوں کو تہہ تیغ کیا۔

دمشق کی طرح سندھ میں بھی یمنی اور مضری قبائل میں بُری طرح خانہ جنگی برپا تھی ۱۸۴ھ میں اس خانہ جنگی کو دبانے کے لئے داؤد بن حاتم کو بھیجا گیا لیکن وہاں حالت یہ تھی کہ کچھ دنوں کے لئے تو خانہ جنگی بند ہوجاتی تھی مگر پھر آپس میں خونریزی ہونے لگتی تھی اس خانہ جنگی سے سندھ میں مسلمانوں کی طاقت کو سخت نقصان پہنچا۔ آخر داؤد بن حاتم نے بڑی دشواری سے اس فتنہ کو دبایا۔

ہارون کے مقابلہ میں قیصر روم کو شکست

خلفائے بنی عباس کا یہ معمول تھا کہ وہ تقریباً ہر سال رومی ممالک پر فوج کشی ضرور کرتے تھے۔ چنانچہ ہارون الرشید کے زمانہ میں بھی برابر رومیوں کے خلاف فوج کشی ہوتی رہی۔ ۱۸۱ھ میں خود ہارون کے ہاتھوں صفصاف کا قلعہ فتح ہوا۔ ۱۸۵ھ میں اسلامی فوجیں انقرہ تک بڑھتی چلی گئیں اور مطمورہ فتح کر لیا۔ اور ۱۸۷ھ میں قرہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور رومی مغلوب ہو گئے۔

اسی زمانہ میں قسطنطنیہ میں یہ انقلاب رونما ہوا کہ رومیوں نے ملکہ رینی کو جو ہارون الرشید کی باجگذار تھی معزول کر کے سلطان نقفور کو بادشاہ بنا دیا۔ اور ہارون کو لکھ بھیجا کہ "ملکہ رینی کیونکہ عورت تھی اس لئے وہ اپنی کمزوری کی بنا پر تم کو خراج دیتی رہی ہے۔ اس خط کے ملتے ہی جتنی رقم کہ تم نے ملکہ سے وصول کی ہے وہ فوراً واپس کر دو۔ ورنہ تمہارا ہمارا فیصلہ تلوار سے ہوگا۔"

رومیوں کے اس خط کو پڑھ کر ہارون الرشید کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ اور اس نے اسی خط کی پُشت پر یہ جواب لکھ کر واپس کر دیا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے رُوم کے کُتّے نقفور کو معلوم ہو کہ میں نے تجھ کا فر بچّہ کا خط پڑھا۔ اس کا جواب تو عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا۔"

اس جواب کے بعد ہارون الرشید خود ایک لشکرِ عظیم لیکر قیصرِ رُوم کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا۔ اور اُس نے شہر ہرقل میں پہنچ کر ایسی معرکہ آرائی کی کہ سلطنتِ رُوم کی بُنیادیں ہل گئیں۔ ہرقل فتح ہو گیا۔ اور بہت سی آبادیاں ویران ہو گئیں۔ نقفور جب مقابلہ نہ کر سکا تو اُس نے خراج ادا کر کے صلح کر لی صلح کے بعد ہارون الرشید واپس روانہ ہو گیا۔ لیکن ہارون کے پیٹھ موڑتے ہی قیصر روم عہد و پیمان توڑ کر پھر آمادہ پیکار ہو گیا۔ ہارون جب اس

ہی سے پلٹ پڑا اور پورے ایشیائے کوچک کو بُری طرح پامال کرنے کے بعد واپس ہوا۔ دوسرے سال ۱۸۳ھ میں اسلامی لشکر نے گذشتہ سال سے بھی کہیں زیادہ سخت حملہ کیا آخر قیصرِ روم یقفور نے ہتھیار ڈال دیئے اور جزیہ و خراج دیکر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اسی معرکہ کے بعد ہارون الرشید نے شام کے ساحلی علاقوں پر نئی نئی فوجی چھاؤنیاں قائم کی تھیں۔

ہارون کے ہندوستانی راجاؤں سے دوستانہ تعلقات

مملکتِ اسلامیہ سے ملحقہ ممالک کے اکثر و بیشتر حکمرانوں سے ہارون الرشید کے تعلقات نہایت ہی خوشگوار تھے۔ چنانچہ قنوج کا ہندو راجہ ہارون کا دوست بنا ہوا تھا۔ قنوج کے راجہ سے خوشگوار تعلقات کا سلسلہ اگرچہ ہارون کے باپ مہدی ہی کے دورِ حکومت سے شروع ہو گیا تھا لیکن ہارون کے عہدِ حکومت میں یہ تعلقات بہت زیادہ بڑھ گئے تھے خلفائے عباسیہ کی جانب سے قنوج کے ہندو راجہ کو "ملک الہند" کا خطاب بھی عطا ہوا تھا۔

ہارون الرشید اور قنوج کے راجہ کے تعلقات اتنے بڑھ گئے تھے کہ ہندو پنڈت ہارون کے دربار میں بغداد تک پہنچ گئے تھے۔ اور مسلم علما راجہ قنوج کے دربار کی زینت بنے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ جب ہارون الرشید زیادہ بیمار ہوا تو اس نے سندھ کے مسلم گورنر کی معرفت قنوج کے راجہ کے شاہی طبیب مانک چند کو بلوا بھیجا تھا جو مدتِ دراز تک بغداد میں رہکر خلیفہ کا علاج کرتا رہا۔

خاندانِ برامکہ کا عروج

خاندانِ برامکہ کے عروج و زوال کی داستان ہارونی دورِ حکومت کا نہایت ہی عبرت انگیز واقعہ ہے خاندانِ برامکہ کو ہارون ہی کے دور میں انتہائی عروج حاصل ہوا اور تاریخ کا یہ المناک حادثہ ہے کہ وہی ہارون جس نے کہ اس خاندان کو انتہائی بلندیوں پر پہنچایا تھا اسی کے ہاتھوں یہ خاندان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا یعنی ایک زمانہ وہ تھا کہ یہ خاندان مملکتِ اسلامیہ کا مختار مطلق

بنا ہوا تھا۔ اُن کے محل شاہانِ عباسیہ کے محلوں سے دجلہ کے کنارے چشمک زنی کر رہے تھے اور اُن کی شان و شوکت کسی طرح بھی شاہانِ عباسیہ سے کم نہ تھی یا نوبت یہ آئی کہ خاندان برامکہ کے ایک ایک فرد کو چُن چُن کر قتل کر دیا گیا اور اس خاندان پر ایسی نکبت اور فلاکت چھائی کہ اس خاندان کی وزیر زادیاں پھٹے حالوں بھیک مانگتی پھرتی تھیں۔

خاندانِ برامکہ نومسلم بدھوں کا مشہور خاندان تھا جس کے تین افراد یحییٰ برمکی فضل برمکی اور جعفر برمکی یکے بعد دیگرے ہارونی حکومت کے وزیر رہے ہیں۔ اس خاندان کا جدِ اعلیٰ برمک۔ بلخ کے بدھ مندر نوبہار کا متولی اور پجاری تھا۔ اس کو خراسان کے بُت پرستوں میں بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ابو مسلم خراسانی نے جب خراسان میں لوگوں کو بنی اُمیہ کی مخالفت اور عباسیوں کی حمایت میں کھڑا کیا تو برمک کا بیٹا خالد اسلام قبول کرنے کے بعد اس تحریک میں شامل ہو گیا تھا۔ اور اس نے عباسیوں کی بڑی مدد کی تھی چنانچہ عباسی حکومت کا بانی عبداللہ سفاح جب تختِ خلافت پر بیٹھا تو اس نے خالد کو اس کی سابقہ خدمات کے صلہ میں وزارت کا عہدہ عطا کر دیا۔ منصور کے ابتدائی دورِ حکومت میں بھی وہ وزیر رہا لیکن بعد میں منصور نے اسے فارس کا گورنر بنا دیا تھا۔

خالد برمکی کی موت کے بعد خلفائے عباسیہ نے اس کے بیٹے یحییٰ برمکی کی بھی خوب قدر دانی کی۔ یہ بڑا لائق اور ہوشمند مُدبّر تھا۔ منصور کے عہدِ حکومت سے لیکر ہادی کے عہدِ حکومت تک یہ بڑے بڑے اور اہم عہدوں پر سرفراز رہا۔ مہدی نے اپنے آخری زمانہ میں اسے ہارون کا اتالیق مقرر کر دیا تھا۔ ہادی کے زمانہ میں بھی یہ اسی خدمت پر مامور رہا۔ ہارون نے یحییٰ کی بیوی کا دُودھ پیا تھا۔ اور ہارون کی ماں ملکہ خیزران نے یحییٰ کے بیٹے فضل کو دُودھ پلایا تھا۔ اس رضاعی رشتہ کی بنا پر فضل اور ہارون دونوں دودھ شریک بھائی تھے۔ اور یحییٰ ہارون کا رضاعی باپ تھا۔ اور وہ اسکو باپ ہی کہتا بھی تھا۔ اسی طرح یحییٰ بھی ہارون کو اپنا بیٹا ہی سمجھتا تھا۔ چنانچہ ہادی نے جب ہارون کو ولیعہدی

سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنانا چاہا تھا تو یحییٰ ہی نے اسے اس ارادہ سے باز رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اُسے ہارون کی ہمدردی کی بدولت جیل کی سختیاں بھی اُٹھانی پڑی تھیں۔

ہارون جب تختِ خلافت پر بیٹھا تو اس نے اپنے محسن اور رضاعی باپ یحییٰ برمکی کو اس کی گذشتہ خدمات کے صلہ میں وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ دے کر سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ یحییٰ کے چار بیٹے تھے فضل[1] جعفر[2] موسیٰ[3] اور محمد[4]۔ ان میں سے دو بڑے بیٹے یعنی فضل اور جعفر بے حد لائق تھے۔ یحییٰ وزارت کے عہدہ پر سرفراز ہونے کے بعد بڑی قابلیت کے ساتھ فرائض انجام دیتا رہا لیکن جب وہ بوڑھا ہو گیا تو ہارون نے اپنے دودھ بھائی اور یحییٰ کے بیٹے فضل برمکی کو قلمدانِ وزارت سپرد کر دیا۔

فضل برمکی کے بعد یہ عہدۂ جلیلہ یحییٰ کے دوسرے بیٹے جعفر برمکی کو عطا ہوا جعفر برمکی جو ہارون کا بے تکلف دوست بھی تھا اپنے زمانہ کا بہت بڑا مدبر تھا۔ یہ رفتہ رفتہ حکومت پر اس طرح چھا گیا کہ ساری مملکتِ اسلامیہ کا مختارِ مطلق بن گیا۔ اور ہارون صرف نام کا بادشاہ رہ گیا۔ رعایا کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ جعفر برمکی ہی کو بادشاہ سمجھنے لگی سلطنت کے تمام عمائدین بھی خاندان برامکہ کی جانب جھک گئے۔ غیر ممالک سے جو تحائف اور ہدیئے تے تھے وہ تمام کے تمام بادشاہ کی بجائے جعفر برمکی کی خدمت میں پیش ہونے لگے تھے۔ خراج کی کل رقم بھی اسی کے ہاتھ میں آتی تھی اور وہ جس طرح چاہتا تھا اسے لُٹاتا تھا۔ اپنے ایک ایک محل کی تیاری پر دو دو کروڑ دینار خرچ کر دیتا تھا لیکن ہارون کو جب روپیہ کی ضرورت ہوتی تھی تو بڑی مشکل سے خزانہ سے رقم نکلتی تھی۔ حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدے خاندان برامکہ کے لئے مخصوص ہو گئے تھے۔ ہارون اگر کوئی بڑا عہدہ کسی شخص کو دینا چاہتا تھا تو کسی حیلے یا بہانے سے اُس کے حکم کو رد کر دیا جاتا تھا

برامکہ کا زوال اور جعفر برمکی کا قتل

خاندانِ برامکہ کی محبت میں ہارون الرشید کی آنکھیں چونکہ بند تھیں اس لئے

شروع شروع میں تو اُسے اپنی اس بے بسی کا احساس نہیں ہوا لیکن رفتہ رفتہ کچھ تو حقائق اور واقعات کی بنا پر اور کچھ خاندانِ برامکہ کے مخالفین کی توجہ دلانے پر اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ اس خاندان نے اس کو شاہِ شطرنج بنا کر بالکل معطل کر دیا ہے۔ اور یہ خاندان اس قدر حاوی ہو گیا ہے کہ ادنیٰ سا موقعہ ہاتھ آنے پر آسانی سے تختِ خلافت پر قابض ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ جعفر برمکی اور اُسکے خاندان پر گہری نظر رکھنے لگا اور در پردہ اُس نے طے کر لیا کہ وہ اس خاندان کے اقتدار کو ختم کر کے رہیگا۔

شاہانِ عباسیہ کے سب سے بڑے رقیب اہلِ بیت تھے جو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد برابر عباسی حکومت کے خلاف شورشیں برپا کرتے رہتے تھے۔ اور خاندانِ برامکہ اہلِ بیت کا بُری طرح معتقد تھا۔ اس لئے ہارون کو یہ بھی اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں جعفر برمکی اور اُس کا خاندان اہلِ بیت کو تختِ خلافت پر متمکن نہ کر دے۔ چنانچہ محمد المہدی کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ کو گرفتار کر کے ہارون نے انھیں قید کرنے کی غرض سے جب جعفر برمکی کے حوالہ کیا تو جعفر نے اُنھیں قید کرنے کی بجائے ہارون کی مرضی کے خلاف رہا کر دیا۔ اس واقعہ کی بنا پر ہارون الرشید کو اس بات کا پختہ یقین ہو گیا۔ برمکی خاندان حکومت کے باغیوں سے ملا ہوا ہے۔

ہارون اب اس خاندان سے سخت متنفر ہو چکا تھا۔ ان کے وجود کو حکومتِ عباسیہ کے لئے مستقل خطرہ سمجھنے لگا تھا چنانچہ ۱۸۷ھ میں ہارون نے جعفر برمکی کو قتل کرا دیا۔ اس کا باپ یحییٰ برمکی اور اس کا بھائی فضل برمکی دونوں قید کر دئے گئے۔ اور یہ دونوں قید ہی میں مر گئے۔ خاندان برامکہ کا ایک ایک فرد چُن چُن کر قتل ہوا۔ ان کے محلات بلفات۔ جاگیریں۔ جائدادیں۔ نقد و جنس غرضکہ کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا اور اس طرح وہ خاندانِ برامکہ جس کو مملکتِ اسلامیہ میں شاہانہ عظمت حاصل تھی ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا۔

اس خاندان کی تباہی اور بربادی کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ جعفر برمکی کی ماں

عبادہ عید کے دن پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے کوفہ کی مسجد کے امام کے دروازہ پر کھڑی ہوئی بھیک مانگ رہی تھی۔ اس کا سارا اثاثہ بکری کی دو کھالیں تھیں جن میں سے ایک کو بچھاتی تھی اور ایک کو اوڑھ لیتی تھی جعفر کے قتل کے بعد ہارون کی مسرتوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد کسی نے اسے مرتے دم تک مسرور نہیں دیکھا۔

ہارون کی علمی خدمات

یوں تو خلفائے عباسیہ میں سے سب ہی خلفا علم نواز تھے لیکن ہارون الرشید کا درجہ ان سب میں نہایت بلند ہے اس کا دربار ہمیشہ علما، فضلا، فقہا، ماہرینِ فن اور شعرا سے آراستہ دکھائی دیتا تھا۔ ان کی یہ بے حد عزت کرتا تھا۔ بے دریغ روپیہ ان پر صرف کرتا تھا۔ اس زمانہ کے تقریباً تمام علما، فقہا، شعرا اور ماہرینِ فن کو اس نے مالا مال کر دیا تھا۔ ہارون خود علما اور فقہا کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اور ان سے اکتسابِ علم کرتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے دونوں بیٹوں امین و مامون کو ساتھ لیکر موطا امام مالکؒ کی سماعت کے لئے خود حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا تھا۔ ہارون الرشید نے "بیت الحکمت" کے نام سے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے لئے ایک بہت بڑا ادارہ قائم کیا تھا جس میں بڑی بڑی تنخواہوں پر بے شمار مصنفین، علما اور مترجمین کام کرتے تھے۔ اس ادارہ کے ذریعہ یونانی، فارسی، سنسکرت اور دوسری زبانوں کی سیکڑوں کتابوں کے اس نے ترجمے کرائے تھے۔ بہت سی نئی کتابیں بھی اس کے زمانہ میں تصنیف کی گئی تھیں۔

مملکت اسلامیہ کے دو ٹکڑے

ہارون الرشید کی اولاد میں مامون سب سے زیادہ عالم و فاضل لائق و فائق ذہین اور طباع تھا۔ حکمرانی کی پوری خوبیاں اس میں موجود تھیں۔ یہ ایک عجمی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ہارون اسی کو ولیعہد بنانا چاہتا تھا۔ لیکن ہارون کی چہیتی ملکہ زبیدہ کی یہ ضد تھی کہ امین جو اس کے بطن سے پیدا ہوا ہے اسے ولیعہد بنایا جائے

سیاست اور تدبر پر بیوی کی محبت غالب آگئی اور ہارون نے امین کو ولیعہد مقرر کر کے مامون کو اُس کا جانشین نامزد کر دیا۔ مامون جیسے لائق اور ہوشمند بیٹے کی موجودگی میں امین جیسے ناکارہ نوجوان کی ولیعہدی ہارون کی بہت بڑی سیاسی غلطی تھی جس کے نتائج بعد کو سامنے آئے۔

ہارون نے گو بیوی کے زور دینے پر امین کو ولیعہد بنا دیا تھا لیکن وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اُس نے مامون جیسے لائق بیٹے کی حق تلفی کر کے اچھا نہیں کیا۔ لہٰذا اس کی تلافی کی غرض سے اُس نے اپنی مملکت کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے دونوں بیٹوں میں اسے بانٹ دیا۔ یہ ہارون کی دوسری سیاسی غلطی تھی۔

یہ تقسیم اس طرح عمل میں آئی تھی کہ مملکتِ اسلامیہ کا مغربی حصّہ جو عراق اور حجاز سے لیکر شام مصر اور افریقہ تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ تو ہارون نے اپنے بیٹے امین کو دیدیا تھا اور مشرقی حصّہ جو ایران و خراسان سے لیکر کابل ترکستان اور ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا مامون کے حوالے کر دیا تھا۔ اور مامون کو ایک مستقل فرمانروا کی حیثیت دیدی تھی۔ صرف اُس پر اتنی پابندی لگا دی گئی کہ خطبہ میں خلیفہ بغداد کا نام ضرور لیا جائے۔ اس تقسیم کے ساتھ ہی یہ بھی پابندی عائد کر دی تھی کہ مملکتِ اسلامیہ کے ان دونوں حصّوں میں سے کسی ایک حصّہ کا بادشاہ اگر پہلے مر جائے گا تو ساری مملکت دوسرے بادشاہ کے قبضہ میں چلی جائے گی۔ مملکتِ اسلامیہ کو اس طرح دو حصّوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہارون الرشید نے دونوں بھائیوں سے ایفائے عہد کا تحریری معاہدہ لکھوا کر اُسے عمائدینِ سلطنت کے رُو برو خانۂ کعبہ میں آویزاں کرا دیا تھا تاکہ آئندہ ان میں سے کوئی بھی بدعہدی نہ کر سکے ہارون الرشید نے یہ تقسیم خواہ کتنے ہی اچھے اور نیک جذبہ کے ماتحت کیوں نہ کی ہو۔ لیکن اس تقسیم سے مملکتِ اسلامیہ کو شدید نقصان پہنچا۔ کیونکہ یہ تقسیم ہی آگے چل کر دونوں بھائیوں میں خونریزی اور خانہ جنگی کا باعث بن گئی۔

ہارون کی وفات اور متفرق حالات

خراسان میں چونکہ بار بار بغاوتیں کھڑی ہوتی رہتی تھیں۔ اس لئے ہارون الرشید وہاں کے انتظام اور نئے بندوبست کے لئے ۱۹۳ھ میں خود گیا اس زمانہ میں وہ ایک شدید مرض میں مبتلا تھا۔ اس کے پیٹ پر ایک خطرناک قسم کا پھوڑا ہوگیا تھا۔

اسی زمانہ میں اس نے ایک خواب دیکھا کہ وہ طوس کا حاکم مقرر کیا گیا ہے۔ صبح اُٹھ کر وہ بہت رویا۔ اور اس نے کہا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ طوس کی زمین میرے خاکی جسم کے لئے مقرر کی گئی ہے"۔ لہٰذا اس خواب کے بعد ہی اُس نے اپنی قبر کے کھودنے کا حکم دیدیا۔ جب قبر کھد چکی تو خود قبر دیکھنے کے لئے گیا اور کہا کہ "اے ابنِ آدم اب یہ تیرا ٹھکانا ہے"۔ چند لوگوں کو قبر میں اُتار کر اس میں قرآنِ مجید کا ختم کرایا اور خود قبر کے کنارے بیٹھا ہوا اپنی آخری اور دائمی آرام گاہ کو حسرت سے دیکھتا رہا۔

جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں اس کی حالت زیادہ خراب ہوگئی اور اس کا انتقال ہوگیا۔ رحلت کے بعد اسے اُسی قبر میں دفن کیا گیا جو اُس نے طوس میں اپنے لئے کھدوائی تھی۔ اس نے ۲۳ سال بڑے دبدبہ اور شان کے ساتھ حکومت کی انتقال کے وقت اس کی عمر ۴۷ سال تھی۔

ہارون الرشید عمالِ حکومت پر بڑی گہری نظر رکھتا تھا جب اسے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی عامل رعایا پر ظلم کررہا ہے تو اُسکے ساتھ بڑی سختی کا برتاؤ کرتا تھا چنانچہ علی بن عیسیٰ گورنر خراسان نے جب رعایا پر زیادتی کی تو ہارون نے اسے فوراً معزول کردیا اور اسے لکھا کہ "یاد رکھو تم نے مسلمانوں سے اور ذمیوں سے جو رقوم ناجائز طریقہ پر وصول کی ہیں وہ سب تم سے چھین کر مستحقین کو واپس کی جائینگی۔ تم خلیفہ مسلمان اور ذمی سب کے مجرم ہو۔ تم کو سخت سزا دی جائے گی"۔

ہارون کو جہاد کا بڑا شوق تھا۔ اس کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ راہِ خدا میں لڑتا ہو

مرا جاؤں۔ ابو معاویہ ضریر کہتے ہیں کہ "ایک مرتبہ میں نے ہارون کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "میری تمنا ہے کہ میں راہِ خدا میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ ہوں اور پھر قتل کیا جاؤں"۔ تو یہ حدیث سُن کر ہارون الرشید اتنا رویا کہ اُسکی ہچکی بندھ گئی۔

ابو معاویہ ضریر نابینا تھے۔ ایک روز ہارون الرشید نے اُن کو اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا۔ جب کھانا کھا چکے تو ہارون نے خود ان کے ہاتھ دُھلا دئے۔ وہ نابینا ہونے کی وجہ سے کچھ نہ دیکھ سکے کہ کون ان کے ہاتھ دُھلا رہا ہے۔ ہارون جب ہاتھ دُھلا چکا تو اس نے معاویہ سے پُوچھا "آپ کو معلوم ہے کہ آپکے ہاتھ کس نے دُھلائے تھے"۔ انھوں نے جواب دیا کہ "مجھے کچھ خبر نہیں"۔ ہارون نے کہا "محض تعظیم علم کے لئے خود میں نے یہ خدمت انجام دی تھی"۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہارون کی نظر میں علما کی کس قدر وقعت تھی۔

ہارون الرشید کو اُس زمانہ کے نامور عابد و زاہد فضیل بن عیاض سے اور ابن سماک سے بڑی عقیدت تھی۔ ہارون خود فضیل بن عیاض کے مکان پر جایا کرتا تھا۔ اور ان سے نصیحتیں سُنا کرتا تھا۔ فضیل بن عیاض بھی اس سے بڑی محبت کرتے تھے عبدالرزاق کہتے ہیں کہ۔ ایک مرتبہ فضیل بن عیاض نے ہارون کے بارے میں مجھ سے کہا کہ "بعض لوگ ہارون کو اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ میرے لئے رُوئے زمین پر اُس سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے جب یہ شخص مر جائیگا تب لوگوں پر بڑی مصیبتیں نازل ہوں گی"۔

ایک روز ابنِ سماک ہارون الرشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ہارون کو پیاس لگی اور پانی مانگا تو خادم پانی لیکر حاضر ہوگیا۔ جب ہارون پانی پینے لگا تو ابنِ سماک نے کہا کہ "ذرا ٹھہر جائیے اور یہ بتائیے کہ اگر آپ کو شدت کی پیاس لگی ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو آپ ایک پیالہ پانی کی کیا قیمت دے سکتے ہیں"۔ ہارون نے جواب دیا کہ "نصف سلطنت"۔ ابنِ سماک نے کہا کہ "اچھا اب پانی پی لیجئے"۔ جب ہارون پانی

پی چکا تو ابنِ سماک نے پھر پوچھا کہ "اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں رک جائے اور کسی طرح بھی خارج نہ ہو سکے تو آپ اسے نکالنے کے لئے کیا قیمت ادا کر سکتے ہیں"۔ ہارون نے جواب دیا کہ "اس کے لئے باقی نصف سلطنت بھی دیدوں گا"۔ ابن سماک نے کہا کہ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی پوری سلطنت ایک پیالہ پانی کی برابر قیمت رکھتی ہے۔ پھر ایسی بے حقیقت چیز سے دل لگانا بیکار ہے"۔ ہارون یہ سنکر بہت رویا۔

محمد بن علی خراسانی کہتے ہیں کہ "خلفاء میں سب سے پہلے ہارون الرشید ہی نے چوگان کھیلا۔ اور نشانہ بازی کی مشق کی اور خلفائے بنی عباس میں سب سے پہلے شطرنج ہارون ہی نے کھیلی"۔ ذہبی کہتے ہیں کہ "ہارون الرشید کے حالات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی شرح بہت طویل ہے۔ اس کے محاسن بھی بہت ہیں اور اسی کے ساتھ لہو ولعب۔ لذاتِ ممنوعہ اور گانا بجانا بھی کچھ کم نہیں ہے خداوند تعالیٰ اس کی مغفرت کرے"۔

ہارون الرشید کے عہدِ حکومت میں رحلت فرمانے والے بزرگانِ دین

جن بزرگانِ دین اور مقتدر حضرات نے رحلت فرمائی وہ یہ ہیں:۔

حضرت امام مالکؒ:۔ آپ ولید بن عبد الملک کے دورِ حکومت ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے سترہ سال کی عمر میں حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ موطا آپ کی قابلِ قدر تالیف ہے جس میں ایک ہزار ستائیس حدیثیں درج ہیں۔ ۱۷۹ھ میں ہارون کے زمانہ میں پچاسی سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

حضرت موسیٰ کاظمؒ:۔ آپ حضرت امام جعفر صادقؒ کے صاحبزادے تھے۔ آپ بہت بڑے اور کامل بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۸۳ھ میں ہوئی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۵۵ سال تھی۔

امام ابو یوسف:۔ آپ حضرت امام ابو حنیفہؓ کے شاگرد تھے۔ ہارون کے

زمانہ میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور رہے۔ ستر برس کی عمر میں ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔

دیگر بزرگانِ دین:- ہارون کے عہدِ حکومت میں ان بزرگان دین نے بھی رحلت فرمائی ہے۔ لیث بن سعد، قاسم بن معن، ابراہیم بن سعد زہری، حضرت امام شافعیؒ کے استاد ابراہیم بن ابی یحییٰ، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اسد الکوفی، جریر بن عبد الحمید، عبداللہ بن مبارک، قاریوں اور نحویوں کے استاد کسائی۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد محمد بن حسن، فضیل بن عیاض، ابن سماک، مروان بن ابی حفصہ شاعر، موسیٰ ربیعہ، امام مالکؒ کے شاگرد عبدالرحمٰن بن قاسم وغیرہ۔

امین بن ہارون الرشید

امین ہارون الرشید کے مرنے کے بعد ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں بغداد کے تخت پر بیٹھا یہ ہارون کی چہیتی ملکہ زبیدہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ زبیدہ چونکہ ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے امین کی رگوں میں باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہاشمی خون دوڑ رہا تھا۔ خلفائے بنی عباس میں یہ خصوصیت صرف امین ہی کو حاصل تھی کہ یہ نجیب الطرفین تھا۔

امین گورا چٹا طویل القامت نہایت خوبصورت نوجوان تھا جس میں فطری طور پر خاندانی شجاعت بھی تھی اور علمی استعداد بھی لیکن عیش پرستی نے اس کی شجاعت کو گھن کی طرح کھا لیا تھا اور اس کی علمی استعداد اس کی حماقتوں اور بے عقلیوں میں دب کر رہ گئی تھی۔ وہ ایک کمزور دماغ نوجوان تھا۔ جسے حکومت کے کاموں سے کہیں زیادہ شراب نوشی عیش پرستی۔ چوگان بازی اور سیر و شکار سے دلچسپی تھی۔

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ ہارون الرشید نے اپنی زندگی ہی میں مملکت اسلامیہ کو اپنے دونوں بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مملکتِ اسلامیہ کا مغربی حصہ جو عراق اور حجاز سے لیکر شام اور مصر اور افریقہ تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ تو امین کو دیدیا تھا اور مشرقی حصہ جو ایران و خراسان سے لیکر کابل۔ ترکستان اور ہندوستان تک چلا گیا تھا۔ مامون کو عطا کر دیا تھا اور اسے اپنے حصہ کا خودمختار بادشاہ بنا دیا تھا۔ صرف اتنی پابندی لگا دی تھی کہ خطبہ میں خلیفہ یعنی امین کا نام ضرور آئے اس کے علاوہ مامون کو امین کا ولیعہد بھی نامزد کر دیا تھا۔ اور دونوں سے ایفائے عہد کا تحریری معاہدہ لیکر خانۂ کعبہ میں آویزاں کرا دیا تھا۔

امین و مامون میں کشیدگی

ظاہر ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ لہذا باپ کے مرنے کے بعد جب دونوں بھائی اپنے اپنے علاقوں پر قابض ہوئے تو ان میں کشیدگی شروع ہو گئی۔

کشیدگی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ خراسان کی مُہم میں ہارون کے ساتھ جو خزانہ فوج اور دیگر سامان تھا وہ ہارون نے مرنے سے پہلے مامون کو عطا کر دیا تھا۔ لیکن ہارون جب مرض الموت میں مُبتلا ہوا تو امین نے فضل ابن ربیع وزیر کو خفیہ طور پر ہدایت بھیجدی کہ امیرالمومنین کے مرنے کے بعد کل خزانہ اور فوج مامون کے حوالے کرنے کی بجائے اُس کے پاس بغداد روانہ کر دی جائے۔ فضل ابن ربیع کیونکہ مامون کا مخالف اور امین کا خاص آدمی تھا۔ اس لئے وہ ہارون کے مرتے ہی خود ہی ساری فوج خزانہ اور کل سامان لیکر امین کے پاس پہنچ گیا۔ مامون کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس کے دل میں بھائی کی طرف سے رنجش پیدا ہو گئی۔

بھائی کے حصہ کے خزانہ فوج اور دیگر سامان پر اس طرح چالاکی سے قبضہ جمانے کے بعد امین نے دوسرا شرارت آمیز قدم یہ اُٹھایا کہ اس نے خطبہ میں بطور ولیعہد کے مامون کے نام کے ساتھ اپنے بیٹے عیسیٰ کا نام بھی ٹھونس دیا۔ مامون نے اس کے جواب میں خلافتِ بغداد سے قطع تعلق کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور خلیفہ امین کا نام خطبہ سے نکال دیا۔ گویا وہ ممالکِ شرقیہ کا باقاعدہ خلیفہ اور خود مختار بادشاہ بن گیا۔

مامون کی گرفتاری کے لئے فوج کی روانگی

بغداد کی مرکزیت سے مامون کا قطع تعلق اور خود مختاری کا اعلان کوئی معمولی بات نہ تھی۔ امین اور اس کا دست راست فضل ابنِ ربیع بھلا اسے کیونکر گوارہ کر سکتے تھے۔ فوراً وہ مُعاہدے جو خانہ کعبہ میں

آویزاں بھی منگا کر چاک کر دیئے گئے۔ اور پچاس ہزار لشکرِ جرار مامون کی گرفتاری کے لیئے امین نے خراسان کی جانب روانہ کر دیا۔ اور اس لشکر کے سالار کو چاندی کی بیڑیاں دیکر ہدایت کر دی کہ مامون کی شکست کے بعد اسے فوراً پابندِ سلاسل کر دیا جائے اور اس کے پیروں میں چاندی کی بیڑیاں ڈال کر جلد سے جلد بغداد بھیجدیا جائے۔

مامون نے اپنے جاسوس امین کے دربار میں لگا رکھے تھے۔ اسے ایک ایک لمحہ کی خبریں مل رہی تھیں۔ اسے جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو وہ بھی بھائی کے مقابلہ کے لیئے سینہ سپر ہوگیا۔ گو مامون کے پاس فوج زیادہ نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ جنگ کے لیئے بالکل تیار تھا۔ چنانچہ مامون نے طاہر خراسانی کو صرف چار ہزار کا لشکر دیکر بھائی کے لشکرِ جرار کے مقابلہ کے لیئے روانہ کر دیا۔ رَے کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ گو بظاہر پچاس ہزار اور چار ہزار کا کوئی تناسب نہ تھا لیکن طاہر نے اس قابلیت کے ساتھ اپنی مختصر سی فوج کو لڑایا کہ اس کے مٹھی بھر سپاہیوں نے پہلے تو امین کے پورے لشکر کو منتشر کر دیا اسکے بعد اس نے اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر ہر چہار طرف سے امین کے لشکر پر حملہ شروع کر دیا۔ اس حملہ میں جب امین کے لشکر کا سپہ سالار علی مارا گیا تو امین کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے غرضکہ جنگ میں امین کی فوج کے سپاہی بُری طرح مارے گئے اور مامون کو فتح حاصل ہوگئی۔

امین کو شکستوں پہ شکستیں

امین کو جب اس شکست کی اطلاع دی گئی تو وہ بے فکری کے ساتھ شاہی حوض پر بیٹھا ہوا مچھلی کا شکار کھیل رہا تھا۔ اس نے اس شکست کو معمولی بات سمجھ کر عبدالرحمٰن کی سرکردگی میں بیس ہزار کا ایک اور تازہ دم لشکر مامون کے مقابلہ کے لیئے روانہ کر دیا۔ اس لشکر نے آگے بڑھ کر ہمدان کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن طاہر خراسانی کے مقابلہ پر آنے کے ساتھ ہی امین کے اس دوسرے لشکر کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ طاہر خراسانی نے نہ صرف اس

بیس ہزار کے لشکر کو شکست دیدی۔ بلکہ اس نے آگے بڑھ کر قزوین پر بھی قبضہ جمالیا جو امین کا علاقہ تھا۔

اس شکست کے بعد امین کو پتہ چلا کہ ماموں سے مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اس نے فضل ابن ربیع سے مشورہ کے بعد بیس ہزار کی تیسری مہم ماموں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دی لیکن اس مرتبہ طاہر خراسانی نے لڑنے کی بجائے امین کے لشکر میں تفرقہ ڈلوادیا جس کی وجہ سے یہ لشکر لڑے بغیر ہی مقابلہ سے فرار ہو گیا۔ اس کے بعد طاہر خراسان عراق کی جانب بڑھا۔ عراق میں بھی طاہر نے تقریباً ہر مورچہ پر امین کے لشکر کو بُری طرح شکست دی۔ مختصر یہ کہ اہواز۔ یمامہ۔ بحرین۔ عمان۔ واسط۔ کوفہ اور بصرہ پر ماموں کا قبضہ ہو گیا۔ اور ان علاقوں کے عمال اور عوام نے امین کی فسخ بیعت کر کے ماموں کی بیعت کر لی۔

طاہر کے لئے اب بغداد کی جانب پیش قدمی کرنا دشوار نہ تھا۔ کیونکہ بغداد بالکل سامنے تھا لیکن وہ بغداد پر فوج کشی کرنے سے پہلے حرمین کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر لینا چاہتا تھا کیونکہ یہاں کے باشندوں ہی کی بیعت پر بڑی حد تک خلافت کا دار و مدار تھا۔ لہٰذا اس نے با اثر حضرات کو اس مقصد کے لئے مکہ روانہ کر دیا۔ عمائدین مکہ امین کے خانہ کعبہ سے معاہدے اُتار کر چاک کر دینے پر پہلے ہی ناراض تھے۔ اس لئے وہ سب کے سب ماموں کے حامی بن گئے۔ چنانچہ مکہ کے حاکم داؤد بن عیسیٰ اور عمائدینِ مکہ نے امین کی فسخ بیعت کر کے ماموں کی بیعت کر لی۔ یہی صورت مدینہ میں پیش آئی۔ حرمین کے عمال اور باشندوں کی ہمدردی حاصل ہونے کے بعد ماموں کی فوجوں نے بغداد کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔

بغداد کی فتح اور امین کا قتل

ماموں کی فوجیں ہرثمہ بن عین اور طاہر خراسانی کی سرکردگی میں، نہر صرصر کے کنارے بڑھتی ہوئی بغداد کے دروازہ پر دستک دے رہی تھیں۔ امین نے بھی ان کے مقابلہ کے لئے

فوجوں کا تانتا بندھا رہا تھا لیکن امین کی بدقسمتی کہ اس کی ہر فوج کو شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ مامونی لشکر امین بغداد کے دروازہ پر پہنچ گیا۔ اس لشکر کا بغداد کی فصیل کے قریب پہنچنا تھا کہ ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قیدی قید خانے توڑ توڑ کر نکل پڑے شہر میں عام بغاوت پھیل گئی۔ بدمعاشوں اور غنڈوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ بغداد کے حکام نے ہر چند چاہا کہ اس طوفان کو روکیں مگر معاملہ قابو سے باہر ہو چکا تھا۔

بغداد کے عمال اور عمائدین نے جب دیکھا کہ امین کا ستارہ اقبال غروب ہو چکا ہے تو وہ بھی مامون کے سپہ سالار طاہر خراسانی اور ہرثمہ سے مل گئے۔ عمال اور عمائدین کے مل جانے کے بعد مامون کی فوجیں ہرثمہ کی قیادت میں خاص بغداد میں داخل ہو گئیں۔ بغداد کوئی معمولی شہر نہیں تھا۔ اس میں سیکڑوں محلے تھے اور ہر محلہ ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہرثمہ کے بعد طاہر خراسانی بھی ایک دوسرے دروازہ سے بغداد میں داخل ہو گیا اور ان دونوں نے بڑی دشواری کے بعد بغداد کے مختلف حصوں پر قبضہ جمانا شروع کیا مگر غنڈوں اور بدمعاشوں کی لوٹ مار ابھی تک بدستور جاری تھی۔ ان کے ہاتھوں عوام نہ صرف لٹ رہے تھے بلکہ ان کی جانیں بھی بری طرح ضائع ہو رہی تھیں۔ آخر بڑی دشواریوں کے بعد طاہر خراسانی کے لشکر نے غنڈوں پر قابو حاصل کیا۔ طاہر کا لشکر اب عین امین کے محل کے سامنے تھا۔

امین نے جب دیکھا کہ موت سامنے کھڑی ہوئی اسے گھور رہی ہے تو اس نے پہلے تو اپنے آپ کو ہرثمہ کے حوالے کر دینا چاہا لیکن بعد میں اس کا ارادہ بدل گیا۔ اور اس نے کشتیوں کے ذریعہ فرار ہونے کی کوشش کی مگر طاہر خراسانی کے آدمی پہلے ہی سے چاروں طرف لگے ہوئے تھے۔ انھوں نے حملہ کر کے کشتیوں کو ڈبو دیا اور امین کو ڈوبتے ڈوبتے نکال لیا اور قید کر دیا اس کے بعد اس کا سر کاٹ کر مع عصائے شاہی۔ خاتم اور ردائے خلافت کے مامون کے پاس روانہ کر دیا۔ غرضکہ کئی سال کی جنگ و جدل اور خونریزی کے بعد محرم ۱۹۸ھ میں بغداد پر مامون کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ اور مامون پوری مملکت اسلامیہ کا خلیفہ بن گیا۔ امین کی

عمر قتل کے وقت ۲۸ سال تھی۔ وہ ساڑھے چار سال تختِ خلافت پر متمکن رہا۔ مگر اُسے ایک دن کے لئے بھی چین میسّر نہ آسکا۔

امین کے عہد کے متفرق حالات

ذیل میں امین کے عہدِ حکومت سے متعلق چند متفرق واقعات درج کئے جاتے ہیں

امین کی تباہی کی بڑی وجہ اگرچہ اُس کی نا اہلیت تھی لیکن اُس کی تباہی اور بربادی میں عباسی وزیر فضل بن ربیع کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا اُسی نے اس کو مامون کے خلاف اُبھارا تھا اور اسی نے مامون کی بجائے امین کے بیٹے کو ولیعہد بنانے کا مشورہ دیا تھا۔ فضل بن ربیع کو خاندان برامکہ کی بربادی کے بعد ہی عروج حاصل ہوا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ خاندان برامکہ کی بربادی میں زیادہ تر فضل ہی کا ہاتھ تھا۔ مؤرخوں کی رائے ہے کہ اگر فضل بن ربیع نے ذاتی اغراض کے لئے اِن دونوں بھائیوں کو نہ لڑا دیا ہوتا تو شاید امین پر اتنی بڑی تباہی کبھی نہ آتی۔

اسحاق موصلی کہتے ہیں کہ "امین نہایت حسین۔ بڑا سخی نجیب الطرفین۔ فاضل ادیب اور اچھا شاعر تھا لیکن افسوس لہو ولعب اُس پر غالب آگئے تھے۔ وہ مال خرچ کرنے میں حاتم وقت تھا مگر اسی کے ساتھ کھانا دینے میں بڑا بخیل تھا۔"

ابن جریر کہتے ہیں کہ "جب امین خلیفہ ہوا تو اُس نے زنانوں کو بڑی بڑی قیمتوں پر خریدا۔ اُن کو مالا مال کر دیا۔ یہی اُس کے جلیس اور مشیر تھے۔ اور ان سے اس کو اس قدر دلچسپی ہو گئی تھی کہ اُن کی خاطر اس نے محل کی عورتوں اور خوبصورت لونڈیوں تک سے قطع تعلق کر لیا تھا۔

یہ لہو ولعب اور کھیل کود کا بڑا شوقین تھا۔ اس نے کھیل کود کے لئے متعدد عمارتیں بنوائی تھیں۔ یہ مسخرہ پن سے بے حد خوش ہوتا تھا۔ چنانچہ اُس نے دور دراز کے مشہور و معروف مسخروں کو بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم رکھ چھوڑا تھا۔

اس نے نہایت ہی خوبصورت کشتیاں بنوائی تھیں جو شیر۔ ہاتھی۔ عقاب اور گھوڑے
کی شکل کی تھیں۔ اس کا عزیز ترین مشغلہ یہ تھا کہ وہ ان زنگارنگ کشتیوں پر سوار ہو کر مسخروں
اور زنانوں کے ساتھ لطف حاصل کرتا رہے۔

امین کے قتل کے بعد جب طاہر خراسانی نے بے عزتی کے ساتھ محل سے امین کی ماں
ملکہ زبیدہ کو نکالا تو اُس نے جو مرثیہ کہا تھا اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ "طاہر مصیبت بن کر آیا۔ اُس
نے مجھے کھلے منہ اور کھلے بالوں گھر سے نکال دیا۔ میرے مال کو برباد کیا اور گھر کو
تباہ کر ڈالا۔ یہ اُس زبیدہ کا انجام ہے جو ہارون کی آبرو ہے اور جس کی ہارون عزت
کرتا تھا۔"

امین کے عہدِ حکومت میں ان علماء نے انتقال کیا۔ اسماعیل بن علیہ۔ شفیق بلخی زاہد
ابو معاویہ ضریر۔ مورخ سدوسی۔ عبداللہ بن کثیر مقری۔ امام مالک کے شاگرد عبداللہ
بن وہب۔ ابونواس شاعر ٭

———— ٭٭٭ ————

مامون بن ہارون الرشید

امین کے قتل کے بعد اُس کا بھائی مامون ۱۹۶ھ (۸۱۲ء) میں مملکتِ اسلامیہ کا خلیفہ بن گیا۔ مامون چونکہ ایک عجمی لونڈی مراجل کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس لئے امین و مامون کی جنگ میں عرب اور عجم کا سوال پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ عجمیوں نے اس لڑائی میں دل کھول کر مامون کی امداد کی تھی اور ان ہی کی امداد کی بدولت وہ کامیاب ہوا تھا۔ مامون کا سب سے بڑا سپہ سالار طاہر خراسانی جس نے کہ اُسے تختِ خلافت پر بٹھایا وہ بھی ایک عجمی سردار تھا۔

مامون سیاسی تدبر اور لائق حکمراں ہونے کے علاوہ اتنا بڑا عالم و فاضل تھا کہ اس کے بڑے سے بڑے علماء بھی اُس کے تبحرِ علمی کے معترف تھے۔ بچپن ہی سے مامون کو تحصیل علم کا شوق تھا۔ حکمرانی کی تربیت اُس نے جعفر برمکی جیسے لائق سیاست داں کی نگرانی میں حاصل کی تھی۔ حدیث کا درس اُس نے عباد بن عوام۔ یوسف بن عطیہ۔ ابو معاویہ ضریر۔ اسمٰعیل بن علیہ جیسے محدثین سے حاصل کیا تھا اور علم ادب کی تعلیم یزید نے دی تھی۔ اس کے علاوہ فلسفہ منطق اور دیگر علوم پر بھی اُسے کامل عبور حاصل تھا۔

مامون تمام خاندانِ بنی عباس میں علم۔ عزم۔ حلم۔ اصابتِ رائے۔ ذکاوت اور شجاعت کے اعتبار سے بلند ترین درجہ رکھتا تھا۔ اُس میں بے شمار محاسن اور خوبیاں موجود تھیں۔ اگر وہ مسئلہ خلقِ قرآن کا قائل نہ ہوتا اور لوگوں پر اس مسئلہ کے قبول کرنے پر جبر نہ کرتا تو یہ اپنی نظیر آپ ہی ہوتا بلاشبہ وہ خاندانِ بنی عباس میں سب سے بڑا عالم تھا اور اسی کے ساتھ فصیح و بلیغ اور قادر الکلام بھی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ امیر معاویہ عمرو بن عاص کے اور عبدالملک حجاج کے محتاج تھے مگر مجھ کو کسی کی ضرورت نہیں ہارون الرشید

کی رائے تھی کہ مامون میں منصور جیسا عزم۔ مہدی جیسا زہد اور ہادی جیسی عزتِ نفس موجود ہے۔

مامون کے ولیعہد حضرت امام علی رضاؑ

بنو عباس اور اہلِ بیت میں اگرچہ زمانۂ دراز سے رقابت چلی آ رہی تھی لیکن مامون پر اس رقابت کا کوئی اثر نہ تھا بلکہ وہ اپنے اسلاف کی پرانی روایات کے برعکس عباسی ہونے کے باوجود اہلبیت سے بے حد محبت کرتا تھا۔ چنانچہ اس کو اہلبیت سے محبت کرنے کی وجہ سے سخت پریشانیوں اور بغاوتوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے عمال اور قریبی رشتہ دار تک اس کے دشمن بن گئے تھے۔ لیکن پھر بھی اہلبیت کے ساتھ اس کی محبت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ مامون شروع ہی سے شیعیت کی جانب جھکا ہوا تھا اور بعض مسائل میں شیعوں کا ہم عقیدہ تھا۔ مثلاً وہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے افضل مانتا تھا۔

مامون کے باپ ہارون الرشید نے اپنی زندگی ہی میں مامون کے بعد اپنے چھوٹے بیٹے موتمن کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ لیکن مامون اہلِ بیت کی محبت میں ایسا سرشار تھا کہ اس نے موتمن کو ولیعہدی سے ہٹا کر حضرت امام علی رضا کو ۲۰۱ھ میں ولیعہد بنا دیا تھا۔ حضرت امام علی رضا، امام موسیٰ کاظم کے بیٹے اور حضرت امام جعفر صادق کے پوتے تھے۔ بعض مورخوں کا تو یہاں تک بیان ہے کہ مامون اس کے لئے بھی آمادہ ہو گیا تھا کہ وہ خود تخت و تاج چھوڑ کر امام علی رضا کو تختِ خلافت پر متمکن کر دے لیکن عباسی اُمرائے سلطنت اور خاندانِ بنی عباس کی مخالفت کی وجہ سے یہ ارادہ ترک کر کے اُس نے اُنھیں صرف ولیعہد مقرر کر دیا تھا۔ اور اپنی بیٹی اُمِّ حبیب کی شادی اُن کے ساتھ کر دی تھی۔ امام علی رضا کی ولیعہدی کے بعد مامون نے ساری مملکتِ اسلامیہ میں حکم جاری کر دیا تھا کہ آئندہ سے فوج میں عباسی سیاہ رنگ کی بجائے سبز فاطمی رنگ استعمال کیا جائے اور تمام عباسی فوج سے حضرت امام علی رضاؑ کی بیعت لی جائے۔

شیعیت کی جانب مامون کی رغبت قدرتی تھی کیونکہ اُس کی ماں مراجل اور اُس کا سارا ننھیال ایرانی ہونیکی وجہ سے مائل بشیعیت تھا۔ اس کے علاوہ برامکہ جن کی زیرِ نگرانی اُس نے تربیت حاصل کی تھی اِن کے عقائد بھی شیعی تھے۔ پھر اس کا وزیر اعظم فضل بن سہل اور فضل کا چھوٹا بھائی حسن بن سہل بھی جن کے ہاتھوں میں مامون کی ساری سلطنت تھی وہ بھی شیعہ ہی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اُسے اہلبیت سے بیحد محبت تھی۔

عباسی اُمراء کی بغاوت اور نئے خلیفہ کا تقرر

حضرت امام علی رضاؑ کے ولیعہد بن جانے کے بعد جب بنی عباس نے محسوس کیا کہ اُن کے خاندان سے حکومت نکل کر آلِ علیؑ کی جانب منتقل ہو رہی ہے۔ تو وہ سب کے سب برہم ہو گئے۔ اس برہمی میں مامون کے چچا منصور بن مہدی اور ابراہیم بن مہدی سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔ چنانچہ بغداد میں جب امام علی رضاؑ کی بیعت لی جانے لگی۔ تو انہوں نے نہ صرف اُن کی بیعت سے انکار کر دیا تھا بلکہ مامون کی بیعت کو فسخ کر کے ابراہیم بن مہدی کو نیا خلیفہ بنا لیا تھا اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ یہاں تک کہ بغداد کے عمّالِ حکومت اور فوج نے بھی ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی تھی اور اس طرح اہلبیت کی محبت میں بغداد اور بغداد کے مضافات سے مامون کی حکومت کا تقریباً خاتمہ ہو گیا تھا۔

بغداد میں جب یہ انقلاب رونما ہوا تو مامون خراسان میں تھا۔ یہ سب کچھ ہو گیا اُس کی حکومت کا تختہ اُلٹ گیا مگر مامون کے وزیر اعظم فضل بن سہل نے نامعلوم مصلحتوں کی بنا پر مدتوں مامون کو ان واقعات کی کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی۔ اصل بات یہ ہے کہ برامکہ کی طرح فضل بن سہل اور اُس کے بھائی حسن بن سہل نے جو مامون کا خسر بھی تھا۔ مامون کو عضوِ معطل بنا رکھا تھا اور یہ دونوں بھائی مامون کے پردے میں حکومت کر رہے تھے۔

بغداد کا واقعہ اتنا بڑا واقعہ تھا کہ اُس کا چھپانا ناممکن تھا۔ مامون کو جب اس کی خبر ملی تو وہ فضل بن سہل پر بے حد برہم ہوا۔ اس واقعہ نے اُس کی آنکھیں کھول دیں اور وہ فضل بن سہل کا دشمن ہو گیا۔ چنانچہ مامون نے فوراً بغداد پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی زمانہ میں

اچانک حضرت امام علی رضا کا بھی زہر سے انتقال ہوگیا۔ خیال یہ ہے کہ عباسیوں ہی نے موقع پاکر اُن کو زہر دیدیا تھا

مامون ایک لشکرِ عظیم لیکر ۲۰۲ھ میں خراسان سے بغداد کے لئے روانہ ہوگیا روانہ ہوتے وقت اُس نے چند آدمی لگاکر فضل بن سہیل کو قتل کرادیا اور اس خیال سے کہ اُس کے قتل سے کوئی ناگوار صورت پیدا نہ ہو مصلحتاً فضل کے چھوٹے بھائی حسن بن سہیل کو وزیر اعظم بنا دیا۔ بغداد میں جب یہ اطلاع پہنچی کہ مامون ایک لشکرِ عظیم کے ساتھ آرہا ہے تو بغداد کے نئے خلیفہ ابراہیم بن مہدی کے ہمنواؤں اور ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور اُس کے ساتھی ایک ایک کرکے علیحدہ ہونے لگے یہانتک کہ اُس کی فوج نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

ابراہیم بن مہدی کا سب سے بڑا معاون مطلب بن عبداللہ تھا۔ اب وہی ابراہیم کی بیعت توڑکر اور مامون کی بیعت کی تجدید کرکے مع اپنی فوج کے ابراہیم کے مقابلہ پر آگیا۔ اُس نے ابراہیم بن مہدی کے بھائی منصور مہدی کو بھی اپنے ساتھ ملالیا اور اپنے فوجی افسروں ہشام اور حمید کو ابراہیم کے مقابلہ کا حکم دیدیا۔ مامون ابھی بغداد پہنچا بھی نہ تھا کہ جمعہ کے روز بغداد کی جامع مسجد میں مامون کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور حمید نے نئے خلیفہ ابراہیم مہدی کی فوجوں کو شکست دے کر بغداد پر پھر مامون کی حکومت قائم کردی۔ ابراہیم راتوں رات فرار ہوگیا چنانچہ مامون جب بغداد میں داخل ہوا تو اُس کے لئے میدان صاف تھا۔ کیونکہ اُس کی حکومت بغداد میں داخل ہونے سے قبل ہی قائم ہوچکی تھی۔ مامون نے مخالفین کو سخت سزائیں دیں اور اپنے حامیوں کو خوب نوازا۔

مامون کے خلاف چند دوسری بغاوتیں

مامون کے خلاف سب سے بڑی اور اہم بغاوت تو وہی تھی جو امام علی رضا کے سلسلہ میں ہوئی تھی اور جس کی تفصیل ہم اوپر بیان کرچکے ہیں لیکن اس بغاوت کے علاوہ ذیل کی بغاوتوں کو بھی مامونی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

مامون کو اگرچہ علویوں اور اہل بیت سے بے حد محبت تھی اور وہ ان کو ہمیشہ نوازتا رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انھیں جب بھی موقعہ ملتا تھا یہ مامون کے خلاف بغاوت برپا کر دیتے تھے اصل بات یہ ہے کہ اہلبیت کے نام نہاد حامی ذاتی اغراض کے لئے ان کو ابھار کر جب چاہتے تھے میدان میں لے آتے تھے چنانچہ ۱۹۹ھ میں محمد بن ابراہیم ابن طبا طبا علوی نے مامون کے خلاف عراق میں ایسی شورش برپا کی کہ عراق سے مامون کی حکومت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ ابو السرایا نامی ایک ڈاکو نے ابن طبا طبا علوی کا یہ زور دیکھا تو یہ ابن الوقت ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے پہلے تو ان کا دست راست بن گیا پھر اس نے انھیں زہر دے کر ہلاک کر دیا اور ان کا ایک نام نہاد جانشین بنا کر اس کے پردے میں اس ڈاکو نے مطلب برآری شروع کر دی۔ پہلے اس نے کوفہ پر قبضہ جمایا۔ اس کے بعد عراق عرب میں اپنے والی مقرر کئے۔ اور علاقہ جبل کیسوم۔ دیار مصر۔ قنسرین۔ حلب۔ بصرہ۔ واسط۔ یمن۔ حجاز موصل۔ آرمینیہ اور آذربائیجان سے عباسی عمال نکال کر اپنے عمال مقرر کر دیئے۔

مامون نے اس فتنہ کو دبانے کے لئے فوراً ایک لشکر تو ہرثمہ کی سرکردگی میں کوفہ کی جانب روانہ کیا اور دوسرا لشکر اسحٰق بن موسیٰ کی کمان میں حجاز بھیجدیا۔ ہرثمہ کے لشکر نے کوفہ میں ابو السرایا ڈاکو کا محاصرہ کر لیا۔ جب یہ کوفہ سے نکل کر بھاگا تو اس کا تعاقب کیا۔ ابو السرایا گرفتار ہو گیا۔ ہرثمہ نے اس کا سر کاٹ کر مامون کے پاس بھیجدیا۔ اس طرح عراق کا سارا فتنہ تو دب گیا مگر حجاز پر ابھی تک اس کا نائب حسین الافطس بدستور قابض تھا۔ اسحٰق بن موسیٰ نے اس سے مقابلہ کر کے اسے بھی شکست دیدی اور حجاز بھی اس لعنت سے پاک ہو گیا۔

طاہر خراسانی نے اگرچہ امین سے جنگ کر کے مامون کو تخت و تاج دلوایا تھا مگر مامون امین کے قتل کے بعد سے اس سے ناراض تھا۔ کیونکہ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بھائی کو ایسی بیدردی کے ساتھ قتل کیا جائے۔ چنانچہ مامون کی ناراضگی کی وجہ سے وہ پردۂ گمنامی میں جا پڑا تھا لیکن مامون کے وزیر اعظم احمد بن خالد کے زور دینے پر مامون نے اسے خراسان کا عامل مقرر کر دیا تھا طاہر خراسانی جس کے دل میں مامون کی طرف سے بغض پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے خراسان کی حکومت

پر قابض ہونے کے بعد ۲۰۶ھ میں مامون کے خلاف بغاوت برپا کردی۔ مامون ابھی اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے لشکر روانہ کرنے بھی نہیں پایا تھا کہ طاہر اچانک مرگیا اور اس طرح یہ بغاوت خود بخود ختم ہوگئی۔

مامون کو ۲۰۷ھ میں اہلبیت کے ایک نئے فتنہ سے یمن میں دوچار ہونا پڑا۔ اس فتنہ کے بانی عبدالرحمٰن بن احمد علوی تھے جنہوں نے یمن میں عباسی حکومت کے خلاف سخت شورش برپا کردی تھی یمنی چونکہ عباسی حکومت کے خلاف تھے اسلئے وہ اس فتنہ میں شامل ہوگئے۔ مامون نے اس فتنہ کو دبانے کیلئے ایک لشکر روانہ کردیا۔ لیکن پھر بھی یہ احتیاط برتی کہ سپہ سالار کو عبدالرحمٰن بن احمد علوی کیلئے امان نامہ لکھ کر دیدیا اور ہدایت کردی کہ اگر وہ اطاعت قبول کرلیں تو ہرگز جنگ نہ کرنا عباسی لشکر جب یمن پہنچا اور احمد علوی کو جنگ سے قبل یہ امن نامہ دیا گیا تو انہوں نے اطاعت قبول کرلی اور لشکر کے ہمراہ مامون کے پاس چلے آئے۔ مامون اب علویوں سے بددل ہو چکا تھا۔ اس نے دربار میں علویوں کے داخلہ کی ممانعت کردی تھی۔ لہذا اُن کو باریابی کی اجازت نہیں ملی۔

۲۰۵ھ میں مصر اور اسکندریہ دونوں مقامات پر بغاوت برپا ہوگئی تھی۔ مصر پر تو مصر کے والی عبداللہ بن سری نے قبضہ کرلیا تھا اور اسکندریہ پر اسپین سے نکالے ہوئے قبائل نے تسلط جمالیا تھا۔ مامون سلطنت کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے کئی سال تک ادھر توجہ نہ کرسکا آخر ۲۱۱ھ میں اُن کی سرکوبی کے لئے فوجیں بھیجی گئیں۔ باغیوں کو شکست ہوگئی۔ اور مصر و اسکندریہ پر مامون کا دوبارہ قبضہ ہوگیا۔

بابک خرمی کا فتنہ بھی مامونی عہد کا اہم ترین واقعہ ہے۔ بابک خرمی ایران کے پرانے مذہب مزدک کا داعی تھا۔ اس کے مقلدین جو عقیدہ تناسخ کے قائل تھے۔ ان کے ہاں جنسی تعلق کے معاملہ میں کامل آزادی تھی۔ یہ مذہب چونکہ نفسانی خواہشات کی مقصد برآری کا بہترین ذریعہ تھا اسلئے ہزاروں آدمی اس مذہب میں داخل ہوکر بابک خرمی کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے مامون نے ۲۱۲ھ میں اُس کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ لیکن اُسے ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد بھی

بابک کے خلاف کئی یورشیں کی گئیں لیکن یہ فتنہ مامون کی زندگی میں تو نہیں دبا البتہ مامون کے بعد جب معتصم تخت خلافت پر بیٹھا۔ تب یہ فتنہ بابک خرمی کے قتل کے بعد ختم ہوا۔

مامون کے زمانہ کی فتوحات

مامون ایک طرف تو ملک کی اندرونی شورشوں کو دباتا رہا دوسری جانب نئی فتوحات کی جانب سے کبھی وہ غافل نہیں رہا۔

کابل ایک ایسا علاقہ ہے جسے مسلمان بار بار فتح کرتے رہے ہیں اور وہ بار بار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل نکل گیا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ سے کابل پر ایک آتش پرست حکمراں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ مامون نے ۲۰۲ھ میں کابل پر حملہ کرکے اُسے زیر کرلیا۔ کابل کے آتش پرست بادشاہ نے اطاعت قبول کرلی اور مسلمان ہوگیا۔

اسی زمانہ میں اسلامی لشکر نے ترکستان کے علاقہ میں داخل ہوکر اشر وسنہ کے بادشاہ کاؤس کو جو آتش پرست تھا زیر کرلیا۔ اس بادشاہ نے مامون کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ اس کے لڑکے بھی مسلمان ہوگئے۔ مامون نے اس سے اقرار اطاعت لیکر اُس کا ملک اُسے واپس کردیا۔

شاہانِ بنی اُمیہ سے لیکر خلفائے بنو عباس تک یہ دستور چلا آرہا تھا کہ تمام خلفا قیصر روم کے خلاف ضرور فوج کشی کرتے تھے۔ بعض خلفا تو ہر سال موسم گرما میں فوج کشی کیا کرتے تھے لیکن مامون اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے ۲۱۵ھ تک ادھر توجہ نہ کرسکا آخر وہ پہلی مرتبہ ۲۱۵ھ میں بنفسِ نفیس ایک بہت بڑا لشکر لیکر قیصر روم کے خلاف صف آرا ہوا اور اُس نے اپنے پہلے ہی حملہ میں قرا اور حصن ماجد کو فتح کرلیا۔ رومیوں نے اگلے سال مسلمانوں سے انتقام کی غرض سے طرطوس اور مصیصہ کے کئی ہزار مسلمان قتل کردیئے۔ مامون کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے ۲۱۷ھ میں دوبارہ روم پر حملہ کردیا اور مسلمانوں نے انطبعوا کا محاصرہ کرکے اُسے زیر کرلیا اس کے علاوہ رومیوں کے تیس قلعے فتح کر لئے اور

ملوره کو بھی تسخیر کر لیا۔

مامون کی علمی خدمات

مامون کا دورِ حکومت علمی خدمات کے لئے بھی ایک مثالی دور ہے۔ اُس نے اپنے زمانہ میں ایسے عظیم الشان علمی کارنامے انجام دیئے ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔

مامون نے یورپ کے بادشاہوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے افلاطون ارسطاطالیس بُقراط، جالینوس۔ اقلیدس اور بطلیموس وغیرہ کی نادر کتب حاصل کیں۔ ان کے ترجمے کرائے اور اس کے بعد اُن کی تعلیم شروع کر کے اُن علوم سے مسلمانوں کو روشناس کرایا۔

مامون نے اپنے کچھ نمائندوں کو قیصر روم کے پاس نادر کتب کے حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ ان نمائندوں کے وہاں پہنچنے پر قیصر روم نے کتابوں کی تلاش شروع کی تو پتہ چلا کہ ایک مقام پر قسطنطین نے تمام یونانی کتابیں مقفل کر دی ہیں اور اُن کے پڑھنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے بلکہ ہر نیا بادشاہ جب تخت نشین ہوتا ہے تو اپنی طرف سے اس کتب خانہ پر ایک نیا قفل لگا دیتا ہے۔ قیصر نے اُمرائے سلطنت اور مذہبی رہنماؤں سے کہا کہ جب یہ کتابیں ہمارے کام کی نہیں ہیں تو اگر اسلامی ملک کو بھیج دی جائیں تو کیا ہرج ہے۔ مذہبی رہنماؤں نے جواب دیا کہ ضرور بھیجی جائیں کیونکہ یہ جس مذہب میں بھی داخل ہوتے ہیں۔ اُس کی بنیادیں ہلا دیتے ہیں اگر یہ اسلام میں داخل ہو گئے تو ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ مقفّل کتبخانہ کھولا گیا اس میں بے شمار یونانی کتابیں نکلیں اور وہ سب کی سب مامون کی خدمت میں روانہ کر دی گئیں۔ مامون نے ان سب کا ترجمہ کرا دیا۔ اور ان کے ترجمے سے عربی لٹریچر مالا مال ہو گیا۔ ان کتب کے علاوہ مامون نے فارسی زبان کی بھی بہت سی نادر کتب کا ترجمہ کرایا تھا۔

علم ہیئت کو بھی مامون کے دورِ حکومت میں خوب ترقی ہوئی اسی بادشاہ کے عہد میں پہلی مرتبہ کرۂ ارض کی پیمائش ہوئی اور رسد خانہ قائم کیا گیا۔ آلات رسد ایجاد کئے گئے۔

مامون نے جو عظیم الشان دارالترجمہ قائم کیا تھا۔ اُس میں دور دور کے ممالک سے

سترجمین موجود تھے۔ جو یونانی۔ سریانی۔ سنسکرت اور لاطینی زبانوں سے کتابوں کے ترجمے کیا کرتے تھے۔ بہرحال مامون نے اپنے مختصر سے عہد حکومت میں ایسی اعلیٰ علمی خدمات انجام دی ہیں جن کا صدیوں میں بھی انجام دینا ناممکن ہے۔

مامون کی وفات اور متفرق حالات

مامون ۲۱۸ھ میں تیسری مرتبہ روم پر فوج کشی کر رہا تھا کہ اسی معرکہ کے دوران میں وہ بخار میں مبتلا ہو گیا اور ارض روم ہی میں اُس کا انتقال ہو گیا اُس کی لاش روم سے لا کر طرطوس میں دفن کی گئی۔

مامون کے علم و فضل۔ انصاف پروری۔ فیاضی۔ علم۔ انکسار اور اُس کے دیگر اوصاف سے تاریخیں رنگی پڑی ہیں ذیل میں ہم صرف چند واقعات درج کرتے ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس بادشاہ کا کردار کس قدر بلند تھا۔ اور وہ کیسی خوبیوں کا مالک تھا۔

مامون بہت بڑا عالم و فاضل ہونے کے علاوہ حافظ بھی تھا۔ محمد بن عباد کہتے ہیں کہ خلفائے اسلام میں بجز حضرت عثمان غنیؓ اور مامون کے کوئی حافظ نہیں ہوا۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ اُس نے رمضان کے مہینے میں تیس تیس قرآن مجید ختم کئے ہیں۔

مامون کو خدا نے غضب کا حافظہ دیا تھا۔ چنانچہ محمد بن منذر الکندی کا بیان ہے کہ ہارون الرشید حج کرنے کے بعد کوفہ آیا اور یہاں آ کر محدثین کو طلب کیا۔ تمام محدثین تو آگئے مگر عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یوسف نہیں آئے۔ ہارون نے امین اور مامون کو اُن کے پاس حدیث سماعت کرنے کیلئے بھیجدیا عبداللہ بن ادریس نے ان دونوں کو سو حدیثیں پڑھ کر سنائیں۔ جب وہ سنا چکے تو مامون نے اُن سے کہا کہ "اگر اجازت ہو تو میں ان تمام احادیث کو جو آپ نے ابھی پڑھی ہیں آپ کو سنادوں" انھوں نے کہا "ضرور سناؤ" مامون نے من و عن تمام حدیثیں بیان کر دیں۔ عبداللہ بن ادریس مامون کے حافظہ کے کمال کو دیکھکر ششدر رہ گئے

مامون کے نزدیک انصاف کے معاملہ میں کسی کے لئے کوئی امتیاز نہ تھا۔ ایک مرتبہ

ایک غریب بوڑھی عورت نے مامون کے بیٹے عباس کے خلاف جائداد پر غاصبانہ قبضہ جمانے کا دعویٰ کیا۔ جب مقدمہ پیش ہوا تو مامون نے عباس اور بوڑھی عورت دونوں کو ایک دوسرے کے برابر کھڑا کر کے بیانات لینے شروع کئے۔ شہزادہ ادب کی وجہ سے آہستہ آہستہ بول رہا تھا اور بڑھیا زور زور سے بول رہی تھی۔ وزیر سلطنت نے بڑھیا کو روکا کہ امیرالمومنین کے سامنے بلند آواز سے بولنا خلاف ادب ہے۔ مامون نے کہا کہ "جس طرح یہ بولتی ہے اسے بولنے دو" سچائی اور صداقت نے اس کی آواز بلند کر دی ہے اور عباس کو اس کی کمزوری نے گونگا کر دیا ہے" مامون نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد بڑھیا کے حق میں فیصلہ دیدیا اور اُس کی جائداد واپس کرادی۔

مامون بڑا ہی فیاض دل تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیا میں محض دولت لٹانے کے لئے آیا ہے۔ اُس کی فیاضیوں کے لئے خراج کی آمدنی بالکل ناکافی تھی۔ ایک مرتبہ جب وہ دمشق میں تھا اور روپے کی بے حد تنگی تھی تو اتفاق سے اُسی زمانہ میں خراج کی تین کروڑ کی رقم آگئی مامون نے اس رقم کو دیکھ کر کہا کہ "یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہم تو روپیہ لیکر واپس جائیں اور ہمارے ساتھی محروم رہیں۔" اُسی وقت ساری رقم اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دی۔

خدا نے مامون کو تحمل بھی بلا کا دیا تھا۔ صولی کا بیان ہے کہ مامون ایسی باتوں کو ضبط کر جاتا تھا جن کو سُن کر ہمیں بھی غصہ آجاتا تھا۔ ایک مرتبہ ہم مامون کے ہمراہ کشتی میں دریائے دجلہ کی سیر کر رہے تھے کشتی کے بیچ میں پردہ پڑا ہوا تھا اور ہم پردہ کے ایک طرف تھے اور ملاح دوسری طرف بیٹھے تھے۔ اُن میں سے ایک ملاح نے دوسرے سے کہا کہ "تم سمجھتے ہو گے کہ میرے دل میں مامون کی کچھ قدر ہو گی۔ یہ شخص میری نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ یہ اپنے بھائی کا قاتل ہے۔" مامون یہ سُنکر مسکرا دیا۔ اور ہم سے کہنے لگا۔ "دوستو کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ میں اس جلیل القدر شخص کی نظر میں معزز بن سکوں"

قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ "ایک شب کو مجھے مامون کے پاس سونے کا

اتفاق ہوا۔ رات گئے پیاس معلوم ہوئی۔ میں پانی پینے کے لئے اُٹھنا چاہتا تھا کہ مامون کی نظر پڑ گئی۔ پوچھا "قاضی صاحب کیا بات ہے" میں نے کہا "امیرالمومنین پیاس معلوم ہو رہی ہے" یہ سنتے ہی مامون خود اُٹھ کر میرے لئے پانی لے آیا۔ میں نے عرض کی "امیرالمومنین کسی خادم یا خادم کو کیوں نہ جگا لیا۔" کہا "سب سو رہے ہیں" میں نے کہا کہ "آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود ہی پی لیتا" بولا "انسان کے لئے یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ اپنے مہمان سے کام لے رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ قوم کا سردار اُن کا خادم ہوتا ہے۔"

عبدالسلام بن صالح کا بیان ہے کہ "ایک شب مامون نے مجھے روک لیا ہم دونوں بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ تیل کی کمی کی وجہ سے چراغ جھلملانے لگا۔ مامون نے روشنی کے محافظ کو آواز دی۔ مگر وہ سو چکا تھا۔ میں نے چاہا کہ میں اُٹھ کر چراغ درست کر دوں لیکن مامون نے روک دیا اور خود چراغ میں تیل ڈال کر درست کر دیا۔ اس کے بعد جب ملازم بیدار ہوا تو میں نے خیال کیا کہ اب اس پر بُری طرح ڈانٹ پڑے گی۔ مگر مامون نے اُسے کچھ بھی نہ کہا۔

محمد بن عباس کہتے ہیں کہ "مامون شطرنج کا بڑا شوقین تھا۔ اُس کی رائے تھی کہ یہ کھیل ذہن کو بہت تیز کر دیتا ہے لیکن وہ خود اچھا نہیں کھیل سکتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا کہ میں دُنیا کی بساط کا تو انتظام کر سکتا ہوں مگر اس دو بالشت کی بساط سے تنگ آ جاتا ہوں۔"

مامون کے عہدِ حکومت میں حضرت امام شافعی اور حضرت معروف کرخی نے انتقال کیا ہے۔ حضرت امام شافعی کا اصلی نام محمد بن ادریس ہے۔ انھوں نے پہلے تو حضرت امام مالک سے کسبِ علم کیا۔ اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام حسن شیبانی سے استفادہ کیا ۲۰۴ھ میں یہ رحلت فرما گئے۔ ان کی قبر مصر میں قرافہ کے مقام پر ہے اور حضرت معروف کرخی حضرت امام علی رضا کے خادم تھے۔ یہ نو مسلم تھے۔ بڑے خدا رسیدہ بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کا مزار کرخ میں ہے

معتصم باللہ بن ہارون الرشید

مامون جس وقت ارضِ روم میں مرض الموت میں مبتلا تھا تو اُس نے اسی وقت اپنے بھائی معتصم کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ مامون کے گو اولاد بھی تھی لیکن وہ معتصم کو اپنی اولاد کے مقابلہ میں حکومت کا زیادہ اہل سمجھتا تھا۔ لہٰذا اُس نے اسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ معتصم نے روم کی لڑائیوں میں مامون کے ساتھ بڑی دلیری اور جرأت کا ثبوت دیا تھا۔ چنانچہ روم کی مامونی فتوحات میں سب سے زیادہ معتصم ہی کا ہاتھ تھا۔ معتصم بھائی کے مرنے کے بعد ۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں ۳۹ سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔ یہ ماردہ نامی کوفہ کی ایک لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

معتصم کی علمی استعداد دوسرے بھائیوں کے مقابلہ میں نہایت محدود تھی۔ وہ بہت معمولی پڑھا لکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ایسا فصیح اور بلیغ تھا کہ جب تقریر کرتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بہت بڑا عالم و فاضل تقریر کر رہا ہو۔ اس کی ذہانت اور ہوشمندی نے اس کی کم علمی پر پردہ ڈال دیا تھا۔ حکمرانی کے معاملہ میں وہ اپنے لائق باپ اور بھائیوں کا سچا جانشین تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے مختصر سے دورِ حکومت میں بڑی شاندار فتوحات حاصل کی ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ آٹھ کا عدد معتصم کی زندگی پر اوّل سے لیکر آخر تک حاوی رہا۔ صولی کہتے ہیں کہ چونکہ اس کی اکثر باتوں میں آٹھ کا عدد شامل تھا اس لئے وہ مثمن کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ آٹھ کا عدد اُس کی زندگی کے ہر شعبہ پر کس طرح کارفرما تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا تھا کہ ۱۷۸ھ میں وہ پیدا ہوا۔ وہ حضرت عباس کی آٹھویں پشت سے تھا۔ خلفائے بنی عباس میں آٹھواں خلیفہ تھا۔ اپنے باپ کی آٹھویں اولاد تھا۔ ۴۸ سال

زندہ رہا۔ آٹھ برس اور آٹھ مہینے حکومت کی۔ آٹھ اہم فتوحات حاصل کیں۔ مرنے کے بعد آٹھ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں چھوڑیں۔

خلق قرآن کا فتنہ

خلق قرآن کا فتنہ مامون ہی کے زمانہ سے علمائے حق کیلئے ایک مصیبت بنا ہوا تھا معتصم جب تخت پر بیٹھا تو اُس نے بھی مامون کے نقش قدم پر چلتے ہوئے لوگوں کو خلقِ قرآن کے عقیدہ کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور کیا۔ مامون میں چونکہ عفو اور درگذر کا مادّہ تھا۔ اس لئے اس کے زمانہ میں خلق قرآن کے مخالف علماء پر بہت کم زیادتیاں ہوئیں لیکن معتصم کیونکہ نہایت ہی سخت گیر واقع ہوا تھا اس لئے اُس نے اس عقیدہ کو تسلیم کرنے کے لئے علما پر بڑی طرح ظلم و ستم شروع کر دیا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو مامون ہی کے زمانہ سے خلق قرآن کے عقیدہ کے شدید مخالف تھے ان پر اس عقیدہ کے تسلیم کرنے کے لئے بے حد سختیاں کی گئیں۔ ان کے کوڑے لگوائے گئے اور ان کو زدو کوب کیا گیا یہانتک کہ وہ بیہوش ہو گئے احمد بن حنبلؒ کے علاوہ دوسرے متعدد علماء بھی محض خلق قرآن کا عقیدہ تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے گرفتار اور قتل ہوئے معتصم نے مملکتِ اسلامیہ میں حکم جاری کر دیا تھا کہ معلمین اس عقیدے کی خوب اشاعت کریں۔ اور بچوں کو اس عقیدہ کی تلقین کریں۔ چنانچہ خلق قرآن کے اس فتنہ نے ساری مملکت میں اچھا خاصہ اضطراب برپا کر دیا تھا۔

ترکوں کا عروج اور بربریت

مامون کو چونکہ عجمیوں کی مدد سے اپنے بھائی امین پر فتح حاصل ہوئی تھی اور وہ ماں کی طرف سے خود بھی عجمی تھا۔ اس لئے اُس کے زمانہ میں ایرانیوں کا زور بے حد بڑھ گیا تھا۔ ایرانی وزارت عظمیٰ صوبوں کی گورنری اور فوج کے بڑے بڑے عہدوں سے لیکر نیچے درجے کی ملازمتوں تک پر قابض ہو گئے تھے چنانچہ ایرانیوں کے اس غیر معمولی اقتدار کی وجہ سے مامون کے زمانہ میں ایرانیوں اور عربوں میں بُری طرح خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی جس کی وجہ سے مامون کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

معتصم جب تخت خلافت پر بیٹھا تو اُس نے ایرانیوں کا زور توڑنا چاہا۔ وہ اگر چاہتا تو عربوں کو آگے بڑھا سکتا تھا۔ لیکن عربوں سے وہ اس لئے بدظن تھا کیونکہ ماں کی جانب سے کونی النسل ہونے کی وجہ سے عرب اُسے پسند نہیں کرتے تھے اور انہوں نے ولیعہدی کے موقع پر بھی اُس کی مخالفت کرتے ہوئے مامون کے بیٹے عباس کو ولیعہد بنانا چاہا تھا۔ لہذا اُس نے ایک نئی راہ اختیار کی اُس نے عرب اور ایرانی دونوں کو نظرانداز کر کے ترکوں کو آگے بڑھانا چاہا۔ چنانچہ اُس نے سمرقند۔ فرغانہ اور اشروسنہ وغیرہ سے ہزاروں ترک غلام خرید کر اُن کو شاہی قربت عطا کی اور اُن کی بہت بڑی فوج تیار کر لی۔ معتصم نے ان کے لئے نہایت قیمتی ریشمی وردیاں بنوائی تھیں اور ان کو سونے کے پٹکوں اور زیورات سے آراستہ کیا تھا۔ معتصم کے ترکی غلاموں کی تعداد دس ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہی تھا۔

معتصم کے یہ پیارے اور محبوب ترکی غلام چونکہ غیر تربیت یافتہ اور وحشی تھے اور اُن کو شاہی قربت کا اعزاز خلاف توقع اور بنا بنایا حاصل ہوا تھا۔ اس لئے یہ غرور کے ساتھ بغداد کی سڑکوں اور گلیوں میں اپنے گھوڑے کو داتے پھرتے تھے۔ ان کی درندگی کا یہ عالم تھا کہ مخلوق ان کے گھوڑوں تلے روزانہ کچلی جارہی تھی اور یہ پرواہ تک نہ کرتے تھے۔ اہل بغداد جب ترکوں کے اس وحشی پن سے تنگ آگئے تو انھوں نے جمع ہو کر معتصم سے فریاد کی۔ معتصم نے اپنے محبوب ترکوں کے لئے بغداد سے متصل ایک نیا شہر سرمن رائے آباد کر دیا اور خود بھی ایک عالیشان محل تعمیر کرانے کے بعد وہیں چلا گیا۔

ترکوں کی اس نئی بھرتی کی وجہ سے یہ ضرور ہے کہ معتصم کو اپنی جدید فتوحات میں بھی مدد ملی اور ایرانیوں کا زور بھی گھٹ گیا لیکن ایک دشواری یہ پیدا ہو گئی کہ ایک طرف تو عرب اور ایرانی اور ترکوں کی نئی چشمک زنی کی وجہ سے ملک میں اندرونی ہنگامے برپا رہنے لگے دوسری طرف یہ حکومت عباسیہ پر اس طرح چھا گئے کہ جس کو چاہتے تھے۔ یہ تخت پر بٹھا دیتے تھے اور جس سے ناراض ہو جاتے تھے اُسے معزول یا قتل کر دیتے تھے اور آگے چل کر تو ان ترکوں کا زور

اتنا بڑھا کہ خلافت عباسیہ پر قبضہ جمانے کے بعد انھوں نے خلفائے بنی عباس کو عضو معطل بنا دیا تھا۔

معتصم کے زمانہ کی فتوحات

معتصم نے اپنے دورِ حکومت میں بیرونی فتوحات بھی نہایت شاندار حاصل کیں اور اندرونی بغاوتوں کو بڑی قابلیت کے ساتھ دبایا۔ ۲۲۳ھ میں معتصم نے پانچ لاکھ کے لشکر سے بڑے اہتمام کے ساتھ رُوم پر فوج کشی کرکے اپنے بے پناہ حملوں سے وہاں بُری طرح تباہی برپا کر دی اور عموریہ کو فتح کرلیا۔ اس جنگ میں تیس ہزار رومی تہہ تیغ ہوئے اور اتنے ہی قید کرکے غلام بنا لئے گئے۔

معتصم نے جدید فتوحات بھی حاصل کیں اور اُن حکمرانوں کی بھی اچھی طرح سرکوبی کی جو اقرارِ اطاعت کے بعد باغی ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس نے آذر بائیجان۔ طبرستان۔ سیستان۔ اشیاصح۔ فرغانہ۔ طخارستان کو زیر کرلیا۔ اور ان تمام ممالک کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو قید کرلیا۔ صولی کہتے ہیں کہ "ایک وقت میں کسی ایک بادشاہ نے اتنے بادشاہوں کو قید نہیں کیا جتنے بادشاہ کہ معتصم کی قید میں تھے"۔

مندرجۂ بالا فتوحات کے علاوہ اس نے خراسان کے پہاڑی علاقہ کی ایک بڑی بغاوت کو دبایا۔ بصرہ کے قریب زطوں کی شورش کا قلع قمع کیا۔ بابک خرمی کے قتل کے بعد اسکے دیرینہ فتنہ کو ختم کیا۔ اس نے بابک خرمی کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر اسکی لاش کو سرِ راہ سُولی پر لٹکا دیا تھا۔ اس کے علاوہ معتصم نے اُن عرب سرداروں کی بغاوت کو کُچلا جو ترکوں کے برسرِ اقتدار آنے کی وجہ سے باغی ہو گئے تھے۔ مامون کے بیٹے عباس نے بھی عرب سرداروں کی شہہ پر معتصم کے خلاف بغاوت برپا کر دی تھی۔ یہ سردار بھی معتصم کی ترک نوازی کی وجہ سے برہم ہو گئے تھے۔ آخر معتصم اور عباس میں جنگ چھڑ گئی۔ عباس کو شکست کے بعد قید کر دیا گیا اور وہ قید خانہ ہی میں مر گیا۔

معتصم کی دلی تمنا تھی کہ وہ اسپین پر حملہ کرکے اس ملک سے بنی اُمیہ کی حکومت کو ختم

کردے۔ صولی بیان کرتے ہیں کہ "ایک روز معتصم نے مجھ سے کہا کہ جس وقت بنی اُمیہ بادشاہ تھے ہم میں سے کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اور جب ہم بادشاہ ہوئے تو بنی اُمیہ کی ایک نئی حکومت اسپین میں قائم ہوگئی میں اس حکومت کو ختم کئے بغیر چین سے نہ بیٹھوں گا" چنانچہ اس نے اسپین پر حملہ کی تیاریاں بھی شروع کردی تھیں لیکن اس کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ اسپین کی فتح کی آرزو اپنے ساتھ قبر میں لے گیا۔

معتصم کی وفات اور متفرق حالات

معتصم ۲۲۷ھ (۸۴۱ء) میں مختصر سی علالت کے بعد فوت ہوگیا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۴۸ سال تھی اس نے آٹھ سال آٹھ مہینے حکومت کی مرنے کے بعد بغداد سے متصل شہر سر من رائے میں دفن ہوا۔

معتصم بڑا قوی الجثہ۔ بڑا بہادر اور بڑی شان و دبدبہ کا بادشاہ ہوا ہے۔ یہ پانچ من کا بوجھ اٹھاکر نہایت آسانی سے اُسے لیکر چل سکتا تھا۔ اس کی جسمانی طاقت کا یہ عالم تھا کہ کلائی کی ہڈی دو انگلیوں سے دباکر توڑ دیتا تھا جسم اس قدر سخت تھا کہ کتنے ہی زور سے کاٹا جاتا تھا مگر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ "معتصم اپنا بازو میری طرف بڑھاکر کہا کرتا تھا کہ میرے بازو میں زور سے کاٹو میں کاٹتا تو کہتا کہ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہوا۔ ذرا زور سے کاٹو۔ مگر کتنی ہی زور سے کیوں نہ کاٹا جاتا اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا"۔

معتصم چونکہ تعلیم یافتہ نہ تھا۔ اس لئے اس کے زمانہ میں علمی ترقیوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ صولی اس کی تعلیم سے بیزاری پر ایک لطیفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ہارون نے ایک پڑھے لکھے غلام کو معتصم کی تعلیم پر متعین کردیا تھا جو ہر وقت اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ اور تعلیم کی جانب اُسے رغبت دلایا کرتا تھا۔ جب وہ مرگیا تو ہارون نے اس سے کہا کہ اب تو تمہارا پڑھانے والا غلام بھی مرگیا۔ اس پر معتصم نے جواب دیا۔ "جی ہاں غلام بھی مرگیا اور میں بھی پڑھنے کی مصیبت سے چھوٹ گیا"۔

حضرت امام تقی رحمتہ اللہ علیہ کا اسی بادشاہ کے عہدِ حکومت میں ۲۲۵ھ میں انتقال ہوا تھا۔ حضرت امام تقی امام علی موسیٰ رضا کے صاحبزادے تھے۔ مامون نے اپنی بیٹی اُمّ الفضل کی ان کے ساتھ شادی کر دی تھی۔ آپ کی عمر صرف تیس سال ہوئی آپ بغداد میں اپنے جد حضرت امام موسیٰ کاظم کے روضہ میں دفن ہوئے ۔

واثق باللہ بن معتصم

واثق باللہ اپنے باپ معتصم کے مرنے کے بعد ۲۲۷ھ (۸۴۱ء) میں بغداد میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ یہ ایک رومی لونڈی قراطیس کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۲ سال تھی۔

واثق ترک نوازی میں اپنے باپ سے بھی آگے تھا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی ترکوں کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کرنا شروع کر دیا۔ اسلامی تاریخ میں اس نے پہلی مرتبہ اشناس نامی ترک کو نائب السلطنت کا ذمہ دارانہ عہدہ عطا کیا۔ اس کے سر پر جواہرات کا مرصع تاج رکھا اور اسے جواہرات کے دو نہایت قیمتی ہار پہنائے عرب جو پہلے ہی واثق کے باپ کی ترک نوازی پر برافروختہ تھے۔ اب اور بھی کبیدہ خاطر ہوگئے چنانچہ واثق کے عہد میں عربوں اور ترکوں کی کشیدگی اتنی بڑھی کہ آئے دن ہنگامے برپا ہونے لگے۔

واثق علم و فضل کے اعتبار سے دوسرا مامون تھا چنانچہ اس کے علم و فضل کی وجہ سے مامون واثق کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اور اسے اپنی اولاد سے زیادہ چاہتا تھا۔ واثق اپنے زمانہ کا فی الحقیقت بہت بڑا عالم۔ لائق ادیب اور بلند پایہ شاعر تھا۔

خلق قرآن کے مسئلہ پر علما کا قتل

مامون نے خلق قرآن کا مسئلہ اٹھا کر اسلام میں اچھا خاصہ فتنہ کھڑا کر دیا تھا۔ مامون کے بعد خلق قرآن کے عقیدہ کے مخالفین پر بڑی بڑی زیادتیاں ہوئیں چنانچہ معتصم کے زمانہ میں امام احمد بن حنبل رح جیسے علما تک کو نہیں بخشا گیا واثق کا دور شروع ہوا تو پھر اس فتنہ نے مقتدر علمائے اسلام کی جانیں لینی شروع کر دیں۔

۲۳۱ھ میں واثق نے مشہور زمانہ عالم حضرت احمد بن نصر کو بلا کر پوچھا کہ "خلق

قرآن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے"۔ انھوں نے جواب دیا کہ "قرآن شریف مخلوق نہیں ہے"۔ اس پر آپس میں بحث چھڑ گئی اور ترشی کی نوبت آ گئی۔ واثق نے درباری علما سے پوچھا کہ "ان کے بارے میں کیا فتویٰ ہے"۔ علما نے فوراً موت اور قتل کا فتویٰ دیدیا اور واثق نے سر دربار خود اپنے ہاتھ سے انھیں قتل کر دیا۔ اور قتل کے بعد بغداد میں ایک شاہراہ پر ان کی لاش کو سُولی پر لٹکا دیا۔ جو چوکیدار ان کی لاش پر تعینات تھا اس کا بیان ہے کہ میں نے مرنے کے بعد بارہا رات کے وقت ان کو سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے سُنا۔ حضرت احمد بن نصر کے علاوہ اسی مسئلہ خلق قرآن کی بنا پر بے شمار علما واثق کے ہاتھوں یا تو قتل ہوئے یا قید میں ڈالدیے گئے۔

مورخوں کا بیان ہے کہ مشہور محدثین ابو داؤد اور نسائی کے اُستاد ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن اذدی کو اسی خلق قرآن کے عقیدہ کی مخالفت کی بنا پر جب گرفتار کر کے لایا گیا تو انھوں نے درباری علما سے جن میں ابن ابو داؤد بھی شامل تھے پوچھا کہ "خلق قرآن کے جس مسئلہ کی جانب تم لوگوں کو بلا رہے ہو اس کا علم رسول اللہ صلعم کو بھی تھا۔ اگر آنجناب کو اس کا علم تھا تو حضور نے اس کی طرف لوگوں کو کیوں نہیں بُلایا"۔ ابن ابی داؤد نے کہا کہ "علم ضرور تھا"۔ ابو عبدالرحمٰن نے سوال کیا "اچھا جب علم تھا اور علم کے باوجود جو کام حضور نے نہیں کیا تو تم اس کو کیوں کرتے ہو اور جس کو رسول اللہ صلعم نے ناجائز رکھا تم اس کو کس طرح جائز بتاتے ہو"۔ حضرت ابو عبدالرحمٰن کی یہ منطقی گفتگو سُنکر تمام علما متحیر رہ گئے اور واثق مُنھ پر ہاتھ رکھ کر ہنستا ہوا زنانہ میں چلا گیا۔ اور بار بار کہتا رہا کہ جس امر کو رسول اللہ صلعم نے ناجائز قرار دیا ہم اس کو جائز سمجھ رہے ہیں اور جس معاملہ میں رسول اللہ صلعم نے خاموشی اختیار کی ہم اُس میں تشدد کر رہے ہیں"۔ واثق نے حضرت ابو عبدالرحمٰن کو تین سو دینار دینے کا حکم دیا اور ان کو رہا کر دیا اور اُس دن کے بعد سے خلق قرآن کے بارے میں کسی عالم سے باز پُرس نہیں کی گئی۔

واثق کی جنگی سرگرمیاں

افریقہ کے اغلبیوں نے اگرچہ مامون کے زمانہ میں سسلی کو فتح کر لیا تھا لیکن وہ قبضہ برقرار نہ رکھ سکے۔

اس لئے ۲۲۵ھ میں واثق نے ایک بڑا لشکر بھیجکر سسلی کے اکثر و بیشتر شہروں پر قبضہ جمالیا۔ اسی سال شہر مسکان فتح ہوا۔

واثق نے ملک کی تمام اندرونی بغاوتوں کو بھی بڑی جرأت سے کام لیکر کچل ڈالا۔ دمشق کے وہ عرب سردار جو بنوقیس سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے واثق کی ترک نوازی سے برہم ہوکر بغاوت برپا کردی تھی۔ اس بغاوت کو فوراً دبا دیا گیا۔ ۲۳۰ھ میں بنوقیس کی شاخ بنوسلیم نے بھی نواح مدینہ میں شورش برپا کردی تھی۔ ان کو بڑی دشواری سے زیر کیا گیا۔ اسی طرح یمامہ کے عرب قبائل ۲۳۲ھ میں باغی ہوگئے تھے ان کو بھی تلوار کے زور سے دبا دیا گیا۔ آرمینہ میں بھی ایک بغاوت کھڑی ہوگئی تھی جس پر بڑی مشکل سے قابو حاصل ہوا۔

۲۳۱ھ میں جب مسلمان اور رومی قیدیوں کا تبادلہ ہوا تو اس تبادلہ میں بھی خلق قرآن کا جھگڑا کھڑا ہوگیا تھا چنانچہ جو مسلمان قیدی خلقِ قرآن کے عقیدے کا اقرار کرلیتے تھے۔ ان کو تو چھڑا لیا جاتا تھا اور جو اس سے انکار کرتے تھے ان کو کافر قرار دیکر پھر رومیوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ اس موقعہ پر تقریباً ساڑھے چار ہزار قیدیوں کا تبادلہ ہوا تھا۔

واثق کی وفات اور متفرق حالات

واثق استسقاء کے مرض میں مبتلا ہوکر ۲۳۲ھ (۸۴۶ء) میں فوت ہوگیا۔

وفات کے وقت اسکی عمر ۳۲ سال تھی۔ اس نے ساڑھے پانچ سال حکومت کی۔

واثق چونکہ علوم وفنون کا دلدادہ تھا اسلئے اس کے دربار میں ہمیشہ مختلف علوم وفنون کے علما کا ہجوم رہتا تھا جن کو وہ خوب نوازتا تھا۔ ادب، شعر و شاعری اور فنِ طب سے اسے گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس نے مشہور فلسفی اور طبیب حنین بن اسحاق سے فنِ طب پر ایک کتاب بھی لکھوائی تھی جس کا نام "کتاب المسائل طبیہ" تھا۔ فضل یزید کہتے ہیں کہ خلفاء بنی عباس میں واثق کو سب سے زیادہ اشعار یاد تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کیا مامون سے بھی زیادہ۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ "ہاں"۔ اصل بات یہ ہے کہ مامون علم و ادب کے علاوہ نجوم۔ طب منطق اور دوسرے علوم کا بھی عالم تھا۔

اور واثق محض علم و ادب ہی میں کامل تھا۔

واثق اپنے چچا مامون کی طرح اہلبیت اور علویوں سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ اس نے ان کو خوب نوازا۔ اور اُن کے ساتھ بڑے بڑے سلوک کئے اس کے دور میں علویوں کو ہر مقابلہ میں پوری آزادی حاصل تھی۔

یہ بڑا فیاض اور دریا دل تھا کسی کو اپنے دروازہ سے خالی ہاتھ نہیں جانے دیتا تھا۔ اور حرمین کے باشندوں پر بے اندازہ دولت لٹاتا تھا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ اس نے مکہ اور مدینہ میں اس قدر داد و دہش کی تھی کہ ان مقامات پر کوئی سائل باقی نہیں رہا تھا۔

حکومت کے انتظامی معاملات کی اصلاح میں بھی اس نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ اس نے اُن عمال کو سخت سزائیں دی ہیں جو رعایا سے بالجبر رقوم وصول کرتے تھے۔ اس نے رعایا پر سے ٹیکسوں کا بوجھ بھی بہت کم کر دیا تھا۔

واثق کے زمانہ میں ان علما نے انتقال کیا۔ حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد بویطی ان کا انتقال قیدخانہ میں ہوا۔ محمد بن سعد کاتب الواقدی مسدد خلف بن ہشام۔ بزار مقری۔ اسمٰعیل بن سعید محمد بن زیاد بن العرابی وغیرہ۔

متوکل علی اللہ بن معتصم

واثق کے بعد اُس کا بھائی جعفر بن معتصم متوکل علی اللہ کے لقب کے ساتھ ۲۳۲ھ (۸۴۶ء) میں مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر ۲۷ سال تھی۔ یہ شجاع نامی ایک خوارزمی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

علمی اعتبار سے اگرچہ متوکل کا پایہ بلند نہ تھا اور وہ عیش و عشرت کا بھی دلدادہ تھا لیکن پھر بھی اُسے احیائے سنّت نبوی کا بے حد شوق تھا چنانچہ اس کے عہدِ حکومت کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ اسکی توجہ سب سے زیادہ اس چیز پر مرکوز تھی کہ مملکتِ اسلامیہ کے باشندے زیادہ سے زیادہ سنّتِ رسول اللہ کی پیروی کریں۔

سنّتِ رسول اللہ کی تبلیغ اور اشاعت کے کام کو پوری مملکتِ اسلامیہ میں پھیلانے کی غرض سے اُس نے ۲۳۴ھ میں ممالک محروسہ کے تمام علما اور محدّثین کو سامرّہ میں جمع کیا اور ان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں سنّتِ رسول اللہ کی تبلیغ اور اشاعت میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیں چنانچہ تمام علما اور محدّثین نے اپنے اپنے صوبوں اور علاقوں میں جاکر سنّتِ رسول اللہ کی خوب تبلیغ اور اشاعت کی۔

عوام کو احیائے سنّت کی مُبارک تحریک سے کس قدر دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جامع رصافہ۔ جامع منصور اور دیگر بڑی بڑی مساجد میں محدّثین کا وعظ سُننے کے لئے تیس تیس اور چالیس چالیس ہزار آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ اس مُفید تحریک کی وجہ سے متوکل کو پوری مملکتِ اسلامیہ میں چند روز کے اندر اندر غیر معمولی ہر دلعزیزی اور محبوبیت حاصل ہو گئی تھی

وزیرِ اعظم اور ترک سردار کا قتل

متوکل نے عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد پہلے تو وزیرِ اعظم ابنِ زیات کو قتل کرایا اور اسکے بعد ترکی سردار ایتاخ

کی جان لی متوکل واثق کے زمانہ ہی سے وزیر اعظم ابنِ زیات کا دشمن تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ابنِ زیات ایک مرتبہ متوکل کے ساتھ بڑی ذلّت اور حقارت سے پیش آیا تھا۔ اس کے علاوہ واثق کے مرنے کے بعد ولیعہدی کے معاملہ میں بھی ابنِ زیات نے متوکل کی مخالفت کی تھی وہ متوکل کی بجائے واثق کے نوعمر لڑکے کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا چنانچہ متوکل جب مسندِ خلافت پر بیٹھا تو اس نے پہلے تو ابنِ زیات کو قید میں ڈالدیا اور اس کے بعد اسے لوہے کے خاردار تنور میں ڈالکر بند کر دیا۔ یہ خاردار تنور ابنِ زیات ہی نے لوگوں کو سزا دینے کے لئے بنوایا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اپنے بنائے ہوئے اسی تنور میں تڑپ تڑپ کر اس نے جان دی۔

ترکوں کی گستاخیاں اور دست درازیاں متوکل کے زمانہ میں انتہا کو پہنچ گئی تھیں اُمرائے سلطنت کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ بادشاہ تک کو نظر میں نہیں لاتے تھے چنانچہ متوکل کی تخت نشینی کے بعد ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ترک سردار امیر ایتاخ شراب کے نشہ میں مدہوش ہو کر متوکل کو قتل کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا تھا متوکل نے اُس وقت تو محض اس غرض سے کہ کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے معاملہ کو ٹالدیا لیکن اس نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ترکوں کے زور کو توڑ کر رہیگا چنانچہ اس نے کچھ مدت کے بعد موقعہ ملتے ہی امیر ایتاخ کو قتل کرا دیا۔ اور دوسرے ترکوں کے خلاف بھی اس نے سخت قدم اُٹھانا شروع کیا لیکن اس کے باوجود بھی ترکوں کا زور نہیں گھٹا بلکہ وہ اُلٹے متوکل کی جان کے دشمن ہو گئے۔

خلقِ قرآن کی بدعت کا خاتمہ

سنّتِ رسول اللہ کی تبلیغ اور اشاعت کے علاوہ متوکل نے جو دوسرا سب سے بڑا اور نیک کام کیا وہ یہ تھا کہ اُس نے "خلقِ قرآن" کے اُس فتنہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جس نے بڑے بڑے آئمہ اور علما کی جان لی تھی۔ اور جسکی وجہ سے اسلام میں ایک انتشار اور افتراق پیدا ہو گیا تھا۔

اس فتنہ کی ابتدا مامون کے زمانہ میں قاضی احمد ابن داؤد کی جانب سے ہوئی تھی یہی اس بدعت کے موجد تھے۔ چنانچہ مامون کے زمانہ سے لیکر واثق کے عہدِ حکومت تک یہ اس بدعت

کے پردہ میں برابر علما کا خون کراتے رہے تھے متوکل نے ان کو عہدے سے معزول کر کے ان کا اقتدار ختم کر دیا اور ان کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد ضبط کر لی لیکن ان کے بیٹے ابوالولید کے پاس بے اندازہ دولت تھی۔ اس نے ایک کروڑ اور ساٹھ لاکھ دیکر اپنے سارے گھر بار کو آزاد کرا لیا۔

اس طرح قاضی احمد بن ابی داؤد کی جائداد تو بچ گئی مگر وہ عتاب الٰہی سے نہ بچ سکے چنانچہ ان پر فالج کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ ان کا سارا جسم پتھر کی طرح سخت اور بے جان ہو گیا یعنی ان کو اپنے کئے کی سزا دنیا ہی میں مل گئی۔

متوکل کی اہلبیت سے دشمنی

متوکل میں اگرچہ بے اندازہ محاسن اور خوبیاں تھیں لیکن اسکے ساتھ ہی اس میں اہلبیت سے دشمنی کا ایک ایسا عیب تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی تمام خوبیوں پر پانی پھر گیا تھا۔

حضرت علیؓ۔ امام حسنؓ۔ امام حسین اور اہلبیت کے ساتھ متوکل کا عناد اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ اس نے سنہ ۲۳۶ھ میں حضرت امام حسین کے مزار مبارک اور آس کے ارد گرد کے تمام مقابر کو منہدم کرا کے وہاں کھیتی کرا دی تھی اور اس کی زیارت کو ممنوع قرار دیدیا تھا۔

یعقوب بن سکیت متوکل کے لڑکوں معتز اور موئید کا اُستاد تھا۔ ایک روز متوکل نے اپنے ان دونوں لڑکوں کی طرف اشارہ کر کے یعقوب سے سوال کیا کہ "تمہارے نزدیک یہ دونوں اچھے اور محبوب ہیں یا حسن و حسین" یعقوب نے جواب دیا کہ حضرت امام حسن و حسین کا تو ذکر ہی کیا ہے ان دونوں سے تو کہیں بہتر حضرت علیؓ کا غلام قنبر ہے" یہ سنکر متوکل آپے میں نہیں رہا۔ فوراً ترکوں کو حکم دیکر یعقوب بن سکیت کو کچلی کچل کر بڑی بے دردی کے ساتھ ہلاک کرا دیا۔ اور ان کے بیٹے کو خون بہا بھجوا دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۲۴۴ھ میں پیش آیا تھا۔

اہلبیت کے ساتھ متوکل کے اس بغض اور عناد نے اُسکی ساری ہر دلعزیزی کو ختم کر دیا تھا چنانچہ حالت یہ ہو گئی تھی کہ ہر جگہ اس پر لعنت و ملامت کی جاتی تھی۔ عوام نے اسے خارجی کا لقب دیدیا تھا اور اہل بغداد مسجدوں کے دروازوں اور دیواروں پر اس کے لئے گالیاں لکھ کر چسپاں

کرتے تھے اور شعراء نے اس کی ہجو میں نظمیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔

کسی نے متوکل سے یہ شکایت کر دی کہ حضرت امام حسن عسکری کے گھر میں آپ کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی ہیں۔ اور وہاں آپ پر حملہ کے لئے ہتھیار جمع کئے جا رہے ہیں لیکن جب ان کے مکان پر چھاپہ مارا گیا تو دیکھا کہ وہاں اسلحہ کا ہونا تو درکنار گھر میں ایک سرے سے کوئی سامان ہی نہ تھا بس حضرت امام عسکری کمبل کا کرتہ پہنے ہوئے زمین پر بیٹھے ہیں اور یادِ الٰہی میں مصروف ہیں گورنر کے آدمیوں نے پھر بھی انہیں گرفتار کر لیا۔

حضرت امام عسکری کو گرفتار کر کے جب متوکل کے پاس لایا گیا تو متوکل شراب نوشی میں مصروف تھا۔ متوکل یہ معلوم کر کے بڑا نادم ہوا کہ ان کے گھر پر چھاپہ بھی مارا گیا اور کچھ نہ نکلا اس ندامت کو مٹانے کے لئے اس نے آپ سے اشعار سنانے کی فرمائش کی۔ آپ نے ایسے عبرت انگیز اشعار سنائے کہ متوکل اور اس کے ہمنواؤں پر رقت طاری ہو گئی۔ فوراً شراب ہٹوا دی گئی۔ اور سب دھاڑیں مار مار کر رونے لگے متوکل نے حضرت امام عسکری کو چار ہزار دینار کا نذرانہ دیکر رخصت کر دیا۔

ملک پر آفتوں و بلاؤں کا نزول

متوکل کے عہدِ حکومت میں مملکتِ اسلامیہ پر جتنی ارضی اور سماوی بلائیں نازل ہوئیں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھیں سنہ ۲۳۲ھ میں عراق میں ایک ایسی خوفناک گرم ہوا چلی جس سے کوفہ بصرہ بغداد اور دوسرے شہروں کی کھیتیاں جل گئیں۔ بازار بند ہو گئے۔ اور راستے ویران ہو گئے۔ ہمدان تک اس خوفناک ہوا کا اثر تھا۔ یہ خوفناک گرم ہوا دو مہینے تک چلتی رہی جس سے کہ بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے عسقلان آگ لگنے سے بالکل تباہ ہو گیا۔ سنہ ۲۴۰ھ میں اخلاط میں ایک خوفناک چیخ سنی گئی جس کی دہشت سے ہزارہا آدمی ہلاک ہو گئے۔ عراق میں انڈے کی برابر اولے پڑے جن کی وجہ سے کھیتیاں برباد ہو گئیں۔

سنہ ۲۴۲ھ میں دمشق سے انطاکیہ تک ایسا خوفناک زلزلہ آیا کہ ہزاروں عمارتیں زمین کی برابر ہو گئیں۔ پچاس ہزار آدمی اس زلزلہ میں دب کر مر گئے۔ شام۔ فارس۔ خراسان اور

یمن کے علاقے بھی اس زلزلہ کی زد میں آگئے۔ زلزلہ کے جھٹکوں کے ساتھ ایسی خوفناک آوازیں پیدا ہوتی تھیں کہ دل ہل جاتے تھے۔

۲۴۲ھ میں ٹیونس رے، خراسان، نیشاپور، طبرستان اور اصفہان میں بہت بڑا زلزلہ آیا جس سے پہاڑ ٹوٹ گئے۔ زمین شق ہوگئی اور پانچ پانچ سیر کے پتھر آسمان سے برسے۔ ۲۴۵ھ میں مغرب میں زلزلہ آیا۔ بہت سے قلعے، پل اور مکانات برباد ہوگئے۔ مکّہ کے چشمے خشک ہوگئے غرضکہ کئی سال تک مملکتِ اسلامیہ کے مختلف حصّوں میں ایسی تباہی مچی رہی جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔

متوکّل کی جنگی سرگرمیاں

واثق کے زمانہ میں سسلی کی فتح نامکمل رہ گئی تھی۔ جسے متوکل نے اپنے دورِ حکومت میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا اس نے سسلی میں کئی فتوحات حاصل کرکے وہاں مسلمانوں کی ایک نو آبادی قائم کردی تھی۔ سسلی کے پایۂ تخت قصریانہ کو فتح کرلیا تھا۔ اس کے علاوہ خاص مملکتِ روم پر بھی حملہ کرکے مسلمانوں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ چنانچہ ۲۴۵ھ میں صملہ فتح کرکے ارضِ رُوم کو پوری طرح پامال کرڈالا۔ ۲۴۷ھ میں جہازوں کے ذریعہ حملہ کرکے انطاکیہ کا قلعہ فتح کرلیا۔

متوکّل کو ملک کی اندرونی بغاوتوں کے دبانے کے لئے بھی جا بجا فوج کشی کرنی پڑی تھی۔ باغیوں کی ایک جماعت "بطارقہ" نے آرمینیہ کے بعض علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ ان علاقوں پر یورش کرکے متوکّل نے باغیوں کو زیر کیا۔ سجستان کی بغاوت کو دبایا اور حمص کے باغیوں کی اچھی طرح سرکوبی کی۔

متوکّل اور ولیعہد منتصر میں دشمنی

متوکّل نے اپنے بڑے بیٹے منتصر کو ولیعہد بنا دیا تھا۔ اور اس کے بعد اپنے دو لڑکوں معتز اور مؤید کو علی الترتیب اس کا جانشین نامزد کردیا تھا۔ معتز کی ماں جس سے کہ متوکّل کو بے حد محبّت تھی اُسے منتصر کے ولیعہد مقرر کئے جانے سے سخت ناگواری پیدا ہوئی اور اس نے متوکّل پر زور دینا شروع کیا کہ وہ منتصر کی بجائے اُس کے بیٹے معتز کو ولیعہد اوّل مقرر کردے۔

متوکل چونکہ معتز کی ماں کی محبت میں بُری طرح مبتلا تھا۔ اس لئے اس نے وعدہ کرلیا۔ اور منتصر کو مجبور کیا کہ وہ اپنا حق معتز کو دیدے۔ اور خود معتز کا جانشین بن جائے لیکن منتصر اس کے لئے تیار نہ ہوا۔ آخر یہ معاملہ اس حد تک بڑھا کہ باپ بیٹوں میں سخت دُشمنی پیدا ہوگئی۔ متوکل نے معتز کو آگے بڑھانا شروع کردیا۔ اور منتصر کو بھرے دربار میں ذلیل کرنے لگا چنانچہ ایک مرتبہ جب دربار بھرا ہوا تھا تو متوکل نے منتصر کو گالیاں دیں اور وزیرِ اعظم فتح بن خاقان سے اُس کے مُنہ پر طمانچے لگوائے۔

باپ کے اس ذلت آمیز رویہ سے منتصر بُری طرح مشتعل ہوگیا۔ اور اُس نے اُن ترک سرداروں سے ساز باز کرلی جو امیر ایتاخ کے قتل اور ترک سرداروں کے ساتھ زیادتی کی بنا پر متوکل کے جانی دشمن بنے ہوئے تھے چنانچہ منتصر اور ترکوں نے آپس میں ملکر متوکل کے قتل کی اسکیم تیار کرلی۔

متوکل کا قتل اور متفرق واقعات

اس اسکیم کے مطابق ایک رات کو منتصر نے ترکوں کو ساتھ لیکر اور محل میں گھُسکر متوکل پر حملہ کردیا۔ اتفاق سے وزیرِ اعظم فتح بن خاقان بھی اس وقت متوکل کے پاس موجود تھا۔ اس نے ہرچند بادشاہ کو بچانے کی کوشش کی لیکن بادشاہ مارا گیا اور بادشاہ کے بچانے کی کوشش میں فتح بن خاقان کی بھی جان گئی۔ اس حادثہ کے بعد جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے منتصر نے یہ مشہور کردیا کہ بادشاہ کا قاتل خاقان ہے، جسے عین موقعہ واردات پر بادشاہ کے قتل کے انتقام کی بنا پر خود میں نے ہلاک کردیا ہے۔ یہ حادثہ شوال ۲۴۷ھ میں پیش آیا تھا قتل کے وقت متوکل کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی اُس نے ۱۴ سال اور ۱۰ مہینے حکومت کی۔

متوکل کا بے دردانہ قتل ترکوں کے اقتدار کا پہلا خوفناک نتیجہ تھا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد ترکوں کے حوصلے بیحد بڑھ گئے تھے وہ اچھے خاصے بادشاہ گر بن گئے تھے جس کو چاہتے تھے تخت پہ بٹھا دیتے تھے جس کو چاہتے تھے معزول کردیتے تھے اور جس سے ناراض ہو جاتے تھے اسے متوکل کی طرح ختم کر ڈالتے تھے

متوکل ایک لائق حکمراں اور ہوشیار مُدبر تھا۔ اُس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ ترکوں کا اقتدار حکومتِ عباسیہ کے لئے بے حد خطرناک ہے۔ چنانچہ اس نے ان کا زور توڑنے کی کوشش بھی کی لیکن ترک اس بُری طرح سے چھاچکے تھے کہ اس کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں یہاں تک کہ وہ ترکوں ہی کی سازش سے اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

متوکل اپنی رعایا پر بے حد مہربان تھا چنانچہ وہ اپنی رعایا کی کوتاہیوں کو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ مرتے دم تک برداشت کرتا رہا۔ رعایا کو وہ بمنزلہ اولاد کے سمجھتا تھا۔ اس کے زمانہ میں ملک میں خوشحالی اور فارغ البالی عام تھی۔

متوکل نہایت سخی تھا۔ کہتے ہیں کہ جتنا مال شعرا کو متوکل نے دیا ہے۔ اتنا کسی خلیفہ نے نہیں دیا۔ مسعودی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک جو کوئی بھی متوکل کے پاس پہنچ گیا وہ مالا مال ہو گیا۔

متوکل نے جہاں اپنے دورِ حکومت میں نہایت اہم مذہبی خدمات انجام دی ہیں وہاں اسکی پرائیویٹ زندگی بیحد رنگین تھی۔ مسعودی کے بیان کے مطابق وہ شراب اور خوبصورت عورتوں کا بے حد دلدادہ تھا۔ چنانچہ اس کے محل میں چار ہزار نہایت حسین و جمیل کنیزیں موجود تھیں۔

متوکل کے عہدِ حکومت میں جن بزرگانِ دین نے وفات پائی وہ یہ ہیں: حضرت امام حنبلؒ آپ چوتھے امام ہیں اور مجتہدین میں سے تھے۔ بہت بڑے ولی۔ محدث اور عالم تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب بیسویں پشت پر جاکر رسولِ مقبول صلعم سے مل جاتا ہے۔ آپ حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد تھے دس لاکھ حدیثیں آپ کو یاد تھیں۔ ۲۴۱ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ آپکے جنازہ کے ساتھ آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں تھیں اور پرندوں نے آپکے جنازہ پر سایہ کر رکھا تھا۔ یہ کرامت دیکھ کر اسی روز بیس ہزار یہود و نصاریٰ مسلمان ہو گئے۔ دوسرے مشہور بزرگ جنہوں نے کہ متوکل کے عہد میں وفات پائی حضرت ذوالنون مصری تھے جن کا شمار اولیائے کبار میں ہے ۲۴۵ھ میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ آپ کا مزار مصر میں ہے۔ حضرت خضرویہ نے بھی اسی زمانہ میں وفات پائی تھی۔ یہ بھی مشہور بزرگ تھے +

خلافتِ عبّاسیہ کا زوال

عبّاسی حکومت اگرچہ عباسیوں کے دسویں خلیفہ متوکل علی اللہ کے بے دردانہ قتل کے بعد بھی چار سو برس تک باقی رہی لیکن اس کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور اس کا زوال متوکل کے قتل کے بعد ہی شروع ہو چکا تھا۔ ترک سردار حکومت پر اس طرح حاوی ہو گئے تھے کہ خلفا کا تقرر اور عزل ان ہی کی مرضی پر منحصر تھا۔ خلفا کو یہ کٹھ پتلی کی طرح نچاتے تھے۔ گو متوکل کے بعد بہت سے حوصلہ مند خلفا نے ترکوں کی قوت توڑنے کی کوشش کی لیکن یہ ساری کوشش بڑی حد تک ناکام ثابت ہوئیں۔

خلفائے عبّاسیہ چونکہ خود کمزور ہو چکے تھے۔ اس لئے جب ترکوں کا اقتدار ختم ہوا تو ترکوں کے دوسرے جانشین "بنی بویہ" پیدا ہو گئے۔ جو ترکوں سے بھی زیادہ خلفا کے لئے مصیبت بن گئے۔ ترکوں کے زمانہ میں کم از کم حکومت کا نظام جو کچھ بھی اچھا یا برا تھا۔ یہی خلفا چلا رہے تھے لیکن "بنی بویہ" نے خلفا کو بالکل عضو معطل بنا دیا۔ حکومت کے تمام اختیارات "بنی بویہ" نے اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور خلفا کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ یعنی محض خلفا کا نام ہی نام باقی رہ گیا قصہ مختصر یہ کہ متوکل کے قتل کے بعد عبّاسی حکومت کا جو زوال شروع ہوا تھا وہ اس حکومت کے خاتمہ پر ہی جا کر ختم ہوا۔ متوکل کے بعد جو دوسرے خلفا مسندِ خلافت پر بیٹھے وہ یہ ہیں:۔

منتصر باللہ بن متوکل کی تخت نشینی

باپ کے قتل کے بعد منتصر باللہ ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں ۲۵ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا سب سے پہلے اُن ترکوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی جنہوں نے کہ اُسے خلیفہ بنایا تھا۔ اس کے بعد بھائیوں بنی معتز، موئید اور دیگر اُمرائے سلطنت نے

بیعت کی منتصر کے تخت نشین ہونے کے بعد حکومت کے اختیارات کلیتہً ترکوں کے ہاتھ میں آ گئے۔

منتصر نے گو اشتعال میں آکر باپ کو قتل کر دیا تھا لیکن وہ اس فعل پر بے حد متاسف تھا۔ اور اس کو ان ترکوں سے دلی نفرت ہو گئی تھی جنہوں نے کہ اُسے باپ کے قتل کے لئے آلۂ کار بنایا تھا چنانچہ اس نے ترکوں کے سب سے بڑے سردار وصیف کو دارالخلافہ سے دُور رکھنے کے لئے قیصرِ روم کے مقابلہ کے لئے بھیج دیا تھا۔ ترک بھی اسکی بدلی ہوئی روش کو شبہ کی نظر سے دیکھ رہے تھے اور وہ در پردہ اس کے مخالف ہو گئے تھے لیکن وہ منتصر پر اس لئے ہاتھ نہیں ڈال سکے کیونکہ وہ بے حد عقلمند اور ہوشیار تھا۔

منتصر نے گو ترکوں کے زور دینے پر اپنے دونوں بھائیوں یعنی معتز اور مؤید کو ولیعہدی سے معزول کر دیا تھا لیکن وہ خود ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے علٰحدگی میں اپنے بھائیوں سے ان کی معزولی پر معذرت کرتے ہوئے بتا دیا تھا کہ "اگر میں ایسا نہ کرتا تو مجھ کو اندیشہ تھا کہ کہیں یہ بدمعاش تم دونوں کو قتل نہ کر دیں"۔

منتصر کی زہر سے موت:۔ ترک کیونکہ منتصر کے جانی دشمن ہو گئے تھے اسلئے تخت نشینی کے چھ ماہ بعد جب وہ بیمار پڑا تو ترکوں نے اسے ہلاک کرنے کے لئے شاہی طبیب ابن طیغور کو تیس ہزار دینار دیکر اپنے ساتھ ملا لیا چنانچہ اس طبیب نے زہر میں بجھے ہوئے ایک نشتر سے اس کی فصد کھول دی جس سے خنجر کا زہر اُس کے تمام جسم میں پھیل گیا۔ اور وہ ۲۴۸ھ (۸۶۲ء) میں زہر کے اثر سے ہلاک ہو گیا۔ یہ صرف چھ مہینے حکومت کر سکا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۲۶ سال تھی۔

یہ بادشاہ اہلبیت سے بے حد محبت رکھتا تھا۔ اس نے اُس پابندی کو اُٹھا دیا تھا جو اس کے باپ نے حضرت امام حسینؑ کے مزارِ مُبارک کی زیارت کے سلسلہ میں لگا دی تھی۔ اس کی عمر اگرچہ بہت کم تھی لیکن نہایت عقلمند تھا۔

ثعالبی اس کی موت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ خاندانِ کسریٰ کا بادشاہ شیرویہ جو اپنے باپ کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا تھا وہ بھی چھ ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہا اور منتصر بھی اپنے باپ کے قتل کے بعد چھ ماہ سے زیادہ حکومت کا لطف نہ اٹھا سکا۔"

مستعین باللہ بن محمد بن معتصم

منتصر کو زہر سے ہلاک کرنے کے بعد ترکوں نے معتصم کے پوتے مستعین بن محمد کو ۲۴۸ھ (۸۶۲ء) میں ۲۸ سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بٹھا دیا۔ یہ ایک صقلی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ مستعین جب شاہی لباس پہن کر ترکوں کے جلو میں دربار میں آیا۔ تو اس کے خلاف مظاہرے کئے گئے اور اس کی مخالفت میں نعرے لگائے گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے اور اسکی بجائے منتصر کے بھائی معتز کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کی تخت نشینی پر اچھا خاصہ ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور یہ ہنگامہ اتنا بڑھا کہ مخالفوں نے اسلحہ خانہ تک کو لوٹ لیا۔ آخر بڑی مشکل سے ترک سردار بغا نے اس ہنگامہ کو دبایا۔

مستعین کی تخت نشینی کے بعد ترک دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک پارٹی کے سردار تو بغا اور وصیف تھے۔ یہ دونوں سردار مقربینِ شاہی میں شمار ہوتے تھے۔ اور دوسری پارٹی کا لیڈر باغر تھا۔ جو اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ بغا اور وصیف کے اقتدار کو ختم کر کے خود بادشاہ کا مقرب بن جائے۔ اس پارٹی بازی کی بنا پر ان میں آپس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی چنانچہ بغا اور وصیف نے پہلے تو اتامش نامی ایک ترک سردار کو قتل کیا اور اس کے بعد باغر کو ہلاک کر دیا۔ باغر کی ہلاکت کے بعد باغر کی پارٹی بُری طرح مشتعل ہو گئی۔ اس پارٹی کو چونکہ باغر کے قتل میں بادشاہ کی سازش کا شبہ تھا اس لئے باغر کے ساتھی ترکوں نے شاہی محل کو گھیر لیا۔ اور وہ بادشاہ۔ بغا اور وصیف

کے قتل کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بادشاہ نے یہ رنگ دیکھا تو وہ بغا اور وصیف کے ساتھ سامرا سے فرار ہو کر بغداد چلا گیا۔ مستعین کے بغداد چلے جانے کے بعد عمالِ حکومت افسرانِ فوج اور مستعین کے تمام ساتھی بھی بغداد پہنچ گئے۔

مستعین کی بجائے نیا خلیفہ:۔ باغی ترکوں نے جب دیکھا کہ بادشاہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو انھوں نے پہلے تو بادشاہ کو خوشامد درآمد سے سامرا واپس لانے کی بے حد کوشش کی لیکن جب بادشاہ کسی طرح بھی واپس نہ آیا تو انھوں نے ۲۵۱ھ میں معتز اور موئید کو قید خانہ سے نکال کر معتز کو خلیفہ بنا دیا اور اس کے چھوٹے بھائی موئید کو اس کا ولیعہد نامزد کر دیا۔ اب ایک کی بجائے دو خلیفہ ہو گئے ایک بغداد میں تھا اور دوسرا سامرا میں۔

معتز کے سامرا میں تخت نشین ہونے کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ معتز اور مستعین میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ ان لڑائیوں کا سلسلہ مہینوں جاری رہا اور ان کی وجہ سے ایک طرف تو بغداد میں بُری طرح سے بد امنی اور تباہی پھیل گئی۔ دوسری جانب مملکتِ اسلامیہ میں بھی جا بجا شورشیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ آخر مستعین کو شکست ہو گئی۔ اور وہ ۲۵۲ھ میں تخت سے دستبردار ہو گیا۔ مستعین کو پہلے تو ابن طولون حاکم مصر کے پاس واسط بھیج دیا گیا۔ پھر اُسے سامرا لاکر قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور اس کے بعد قتل کر دیا گیا۔ قتل کے وقت اُس کی عمر ۳۱ سال تھی۔ اس نے تقریباً تین سال حکومت کی۔

مستعین کا علمی اعتبار سے پایہ نہایت بلند تھا۔ وہ ایک اچھا ادیب تھا لیکن جہانبانی کی صلاحیت اس میں بالکل موجود نہ تھی۔ اس کا پورا عہد فتنہ اور فساد میں گذرا ہے۔ اسی بادشاہ کے عہدِ حکومت میں طبرستان میں دولت علویہ کی بنیاد رکھی گئی اور اسی کے زمانہ میں فارس اور ممالکِ محروسہ کے اکثر حصوں میں سخت بغاوت پھیل گئی تھی۔

مستعین کے دورِ حکومت میں جن مقتدر حضرات نے وفات پائی وہ یہ ہیں:۔ عبداللہ بن حمید۔ ابوطاہر بن السرح۔ حارث بن مسکین اور صحیح بخاری کے مؤلف حضرت اسمٰعیل بخاری۔

معتز باللہ بن متوکل

ترکوں نے مستعین کو معزول کرکے ۲۵۲ھ (۸۶۶ء) میں متوکل علی اللہ کے بیٹے معتز کو تخت نشین کر دیا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر انیس سال تھی معتز کے اُستاد علی بن حرب کا بیان ہے کہ میں نے معتز سے زیادہ خوبصورت کوئی خلیفہ نہیں دیکھا۔ معتز فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے اپنے گھوڑوں کو سونے کا زیور پہنایا۔ ورنہ اس سے قبل خلفا اپنے گھوڑوں کو تھوڑا سا چاندی کا زیور پہنایا کرتے تھے۔

ترک سردار وصیف اور بغا اگرچہ ابتدا میں مستعین کے ساتھی تھے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مستعین کا ستارۂ اقبال غروب ہو چکا ہے تو وہ بھی معتز کے حامی بن گئے تھے اور انھوں نے مستعین کو معزول کرتے میں اور معتز کو خلیفہ بنانے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں معتز کے پرانے دشمن تھے انھوں ہی نے معتز کی ولیعہدی کے معاملہ پر معتز کے باپ متوکل کو قتل کرا کے منتصر کو خلیفہ بنایا تھا اور معتز کو قید میں ڈلوا دیا تھا پھر انھوں ہی نے مستعین اور معتز میں اچھی طرح سے خانہ جنگی برپا کرائی تھی اس کے بعد جب انھوں نے یہ دیکھا کہ معتز کا پلہ بھاری ہے تو یہ معتز کے بہت بڑے حامی بن گئے تھے تاکہ یہ مستعین کی طرح معتز کو بھی آلۂ کار بنا کر بدستور من مانی کارروائیاں کرتے رہیں۔

معتز جس نے کہ ان فتنہ پرداز سرداروں کے ہاتھوں سخت سے سخت تکالیف اُٹھائی تھیں۔ اُس کے دل میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ لہٰذا اُس نے پہلے تو جرأت سے کام لیکر بغا اور وصیف دونوں کا نام دفتر سے خارج کر دیا لیکن پھر ڈر کر یا یوں کہیے کہ مصلحتاً دونوں کو ان کے عہدوں پر بحال کر دیا۔

وصیف اور بغا کا قتل:- وصیف گو بحال ہو گیا تھا لیکن اس کا ستارہ گردش میں تھا اس کی بدقسمتی سے معتز کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے فوج نے بغاوت کر دی۔ فوج کو یہ شکایت تھی کہ وزرائے سلطنت اور ترک سردار دونوں

ہاتھوں سے اپنا گھر تو خوب بھر رہے ہیں اور فوج کی حالت یہ ہے کہ اُس کے غریب سپاہیوں کی تنخواہ چار چار مہینے سے نہیں ملی ہے۔

بغا نے فوج کے بگڑے ہوئے تیور دیکھے تو وہ ڈر گیا اور بہانہ کرکے چلا گیا لیکن وصیف فوجیوں کی اس بغاوت پر برہم ہو گیا اور اس نے فوجی لیڈروں سے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری کی ساری فوج جس میں ترک اور غیر ترک دونوں شامل تھے بگڑ گئی اور فوج نے وصیف پر حملہ کرکے اُسے قتل کر دیا۔ معتز وصیف کے قتل سے بہت خوش ہوا۔

وصیف کی موت کے بعد چونکہ بغا کا دایاں بازو ٹوٹ گیا تھا اور معتز کی بھی ہمت بڑھ گئی تھی۔ اس لئے وہ خود تو بغا کے حریف ترکی امیر باکیاک کے پاس کرخ سامرا چلا گیا اور پھر وہاں سے جوسق جا پہنچا اور اپنے آدمی لگا کر بغا کو قتل کرا دیا۔

معتز کو طمانچے مار کر معزول کر دیا گیا۔ بغا کے قتل کے بعد چونکہ دوسرے ترک سردار بھی اپنی زندگیوں کو خطرہ میں سمجھنے لگے تھے۔ اسلئے وہ سب کے سب معتز کی جان کے درپے ہو گئے۔ بادشاہ کی مخالفت میں سب سے زیادہ پیش پیش ترک سردار وصیف کا بیٹا صالح تھا جو بادشاہ سے ترک سرداروں کے قتل کا انتقام لینے پر تُلا ہوا تھا۔

صالح بن وصیف نے بادشاہ سے اس طرح انتقام لیا کہ ۲۵۵ھ میں جبکہ کئی مہینے سے فوج کو تنخواہ نہیں ملی تھی۔ اس نے فوج کو بھڑکا کر حملہ کرا دیا۔ وزیر سلطنت احمد بن اسرائیل اور افسرانِ خزانہ کو پکڑ کر قید کر دیا اور صالح نے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم کو فوراً کم سے کم پچاس ہزار دینار دئے جائیں ورنہ اچھا نہ ہوگا لیکن وہاں تو خزانہ خالی تھا معتز ان کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔ فوج نے فوراً قصرِ سلطانی پر حملہ کر دیا اور بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ وہ محل سے نکل کر باہر آئے۔

بادشاہ جب باہر نہ آیا تو صالح فوج کو لیکر محل کے اندر گھس گیا اور معتز کو گرفتار

کر کے اسے پیٹتا ہوا اور گھسیٹتا ہوا محل سے باہر نکال لایا۔ اور اسے اتنا مارا کہ اُس کے کپڑے تک تار تار ہو گئے۔ اس زمانہ میں سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ صالح نے بادشاہ کو مزید سزا دینے کے لئے ننگے پاؤں تپتی ہوئی زمین پر کھڑا کر دیا۔ ایک طرف زمین کی تپش سے اس کے پاؤں جھلسے جا رہے تھے دوسری طرف وحشی ترک اس کے بے تحاشا طمانچے مار رہے تھے۔ یہاں تک کہ اُس سے مار مار کر تخت سے دستبرداری کی تحریر لے لی۔ اور اُسے مزید زد و کوب کرنے کے لئے چند ظالم ترکوں کے حوالے کر دیا جو اسے برابر مارتے پیٹتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے اس کا دانہ پانی بھی بند کر دیا۔

اس موقعہ پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ معتز کی کنجوس ماں قبیحہ اس قدر دولتمند تھی کہ وہ آسانی سے پچاس ہزار دینار تو کیا پچاس لاکھ دینار بھی دے سکتی تھی لیکن وہ اس بلا کی بخیل تھی کہ جب معتز نے اس نازک وقت میں ماں سے روپیہ طلب کیا تو اُس نے صاف انکار کر دیا۔ اور اسے بیٹے کی اس مصیبت پر ذرا بھی ترس نہ آیا بلکہ وہ اپنے خزانہ کو لیکر روپوش ہو گئی لیکن بعد میں اسے اپنا سارا خزانہ مجبور ہو کر صالح بن وصیف کو دینا پڑا۔

معتز کو معزول کرنے کے بعد ترک مہتدی کو جو بغداد میں نظر بند تھا لے آئے اور ۲۵۵ھ میں اسے تخت پر بٹھا دیا۔ معتز نے ۴ سال، ۸ مہینے حکومت کی لیکن اسے ایک دن کے لئے بھی چین میسّر نہ آسکا۔

معتز کے زمانہ کے متفرق حالات: معتز ہی کے دورِ حکومت میں "دولت صفاریہ" کی بنیاد سجستان میں رکھی گئی۔ اس حکومت کا بانی یعقوب بن لیث تھا۔ اور اس کا بھائی عمرو تھا۔ یہ دونوں ابتدا میں ٹھٹیرے کا پیشہ کرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ انھیں اقتدار و عروج حاصل ہو گیا اور انھوں نے مختصر سی مدت میں کرمان اور فارس پر بھی قبضہ کر لیا۔

اسی زمانہ میں مصر میں "دولت طولونیہ" کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا بانی ابن طولون تھا

یہ وہی طولون ہے جس کو مستعین کی گرفتاری کے بعد اس کی نگرانی پر ترکوں نے متعین کیا تھا جب اس سے مستعین کے قتل کے لئے کہا گیا تھا تو اس نے جواب دیا تھا کہ جس خلیفہ کی اطاعت کا طوق میری گردن میں ایک مرتبہ پڑ چکا ہے۔ میں اسے ہرگز قتل نہیں کر سکتا۔

حضرت امام علی نقیؑ جو حضرت امام تقیؑ کے صاحبزادے تھے۔ ان کا اسی بادشاہ کے زمانہ میں انتقال ہوا۔ سرتاج الاولیا حضرت سری سقطی نے بھی اسی بادشاہ کے دورِ حکومت میں رحلت فرمائی۔

مہتدی باللہ بن واثق

مہتدی واثق کا بیٹا اور معتصم بن ہارون کا پوتا تھا ترکوں نے معتز کو معزول کرنے کے بعد ۲۵۵ھ (۸۶۹ء) میں تختِ خلافت پر بٹھا دیا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۴۵ سال تھی۔ یہ خلفائے بنی عباس میں بڑا عابد و زاہد اور حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ ترکوں کے وحشیانہ اقتدار کی وجہ سے اس بادشاہ کو اپنے جوہر دکھانے کا موقعہ نہیں ملا۔ ورنہ یہ اپنے زمانہ کا دوسرا حضرت عمر بن عبدالعزیز ثابت ہوتا۔

مہتدی کے زہد اور اتقا کے بارے میں خطیب کہتے ہیں کہ یہ ایسا عابد و زاہد بادشاہ تھا کہ خلیفہ ہونے کے وقت سے لیکر اپنے قتل تک برابر روزے رکھتا رہا۔ ہاشم بن قاسم کا بیان ہے کہ ایک روز میرے سامنے مہتدی کا کھانا آیا تو ایک ڈلیا میں چند روٹیاں اور ایک برتن میں کچھ سرکہ اور نمک تھا اس نے اسی مختصر سے کھانے میں مجھے بھی شریک کر لیا۔ وہ بادشاہ ہونے کے باوجود فقیروں جیسی زندگی گذرتا تھا۔

عباسی خلفا کی عیش پرستیوں اور رنگینیوں کے افسانے آج بھی زبان زدِ عام ہیں لیکن مہتدی نے تختِ خلافت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی عباسی دربار اور عباسی حرم سرا کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ نہ درباری گویئے اور شعرا باقی رہے اور نہ حرم کی رنگینیاں

ہی برقرار ہیں شاہی دربار جو کہ خاصا مکتب اخلاق بن گیا اور حرم سرا نے فقیرانہ اور زاہدانہ رنگ اختیار کر لیا۔ محل سے قیمتی ساز و سامان سونے اور چاندی کے تمام ظروف ہٹا دیئے گئے اور ان کی جگہ خلفائے راشدین کے زمانہ کی سادگی نے لے لی۔ مینڈھوں اور مرغوں کے غول جو خلفائے عباسیہ کا دلکش مشغلہ تھے ان سب کو ذبح کر دیا گیا۔ اور شاہی باورچی خانہ بھی عام شہریوں کا باورچی خانہ بن گیا۔ لباس میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک لباس کئی کئی دن پہنے رہتا تھا۔

مہتدی کی اصلاحات:- مہتدی زہد و اتقا اور پرہیزگاری کے اس جوہر کو صرف اپنی ذات ہی تک محدود نہیں رکھنا چاہتا تھا بلکہ اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کی رعایا بھی پاکبازی، نیکی اور پرہیزگاری کا نمونہ بن جائے لہذا اس مقصد کے لیے وہ خود نماز کے بعد خطبہ دیتا تھا جس کے ذریعہ رعایا کو نیکی کی اور اچھی باتوں کی ترغیب دی جاتی تھی۔ اس نے رعایا کو نیک اور پاکباز بنانے کے لئے نئے نئے قوانین نافذ کر دیئے تھے مثلاً اس نے حسن فروشی اور شراب نوشی کو قانوناً ممنوع قرار دیدیا تھا۔ اور دوسری خلاف شرع باتوں سے روکنے کیلئے مخصوص احکامات جاری کر دیئے تھے۔

مہتدی کے ان زاہدانہ اور خشک قوانین کو اس کی رعایا نے بالکل پسند نہیں کیا کیونکہ رعایا خود بُری طرح عیش پرستی اور رنگینی میں ڈوب چکی تھی۔ یہ زاہدانہ پابندیاں سب سے زیادہ ان ترکوں کو شاق گذریں جو صرف ذاتی اغراض کے لئے نام کے مسلمان بنے ہوئے تھے۔ ورنہ ان کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ اپنی جہالت اور بربریت کی وجہ سے یہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ اسلام کیا ہے بس ان کا تو مشغلہ یہ تھا کہ قتل و خون برپا کرتے رہیں۔ بادشاہ سے لیکر رعایا کے ایک غریب فرد تک کو لوٹتے رہیں۔ خوب شرابیں پئیں۔ جوا کھیلیں۔ اور بدکاریاں کرتے رہیں۔ گویا مہتدی کا یہ نیک اقدام بھی لوگوں کو شاق گذرا گو کھلم کھلا اس کے نیک ارادوں کی کسی نے

مخالفت نہیں کی لیکن دل میں سب یہی کہتے تھے کہ "اس خشک ملا کی حکومت تو وبالِ جان بن گئی ہے"۔

مہتدی مذہبی اور اخلاقی اصلاحات کے علاوہ سیاسی اور ملکی اصلاحات کی جانب سے بھی غافل نہ تھا۔ گو ساری حکومت اور دفاتر ترکوں کے ہاتھ میں تھے اور انھوں نے اسے بے اختیار بنا رکھا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ جو کچھ کر سکتا تھا کئے جاتا تھا۔ اس نے دفاتر کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کی۔ راشی اور ظالم حکام کو سخت سزائیں دیں۔ عدل و انصاف کی روایات کو زندہ کرنے کے لئے "قبۃ المظالم" کے نام سے ایک عدالتِ عالیہ قائم کی جس میں وہ رعایا کی دادرسی کے لئے خود بیٹھتا تھا اور سب کی فریاد اور استغاثے خود سنتا تھا۔ غرضکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ بنی عباس کی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ حکومت کو پھر ایک بار انتہائی عروج پر پہنچا دے لیکن اس کے راستہ میں قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کی جاتی تھیں۔ جب وہ ان رکاوٹوں کو دیکھتا تھا تو دل مسوس کر رہ جاتا تھا۔

ترکوں کی دست درازیاں:- مہتدی تو مفید اصلاحات کی دھن میں لگا ہوا تھا اور حکومت کے مختارِ مطلق یعنی ترک لوٹ مار۔ غارتگری اور سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف تھے۔ چنانچہ صالح بن وصیف نے معتز کی کنجوس ماں سے سارا خزانہ چھین لیا تھا۔ وہ بخیل عورت جس نے بیٹے کو موت کے منھ میں پہنچا دیا اور ایک دمڑی نکال کر نہ دی اس کا انجام ہونا بھی یہی چاہئے تھا۔ صالح نے اس سے تقریباً پچیس لاکھ اشرفیاں اور اتنی ہی مالیت کے جواہرات وصول کرلئے تھے۔ اور نہ ایک معتز کی ماں پر ہی کیا موقوف ہے نہ جانے اس نے کس کس کو لوٹا تھا۔

صالح بن وصیف کا حریف ترک سردار موسیٰ بن بغا معتز کی حکومت کا تختہ الٹنے کے وقت رے میں تھا۔ جیسے ہی اسے اطلاع ملی کہ صالح نے معتز کی مخالفت میں ہنگامہ برپا کردیا ہے تو وہ رے سے دوڑا ہوا سامرا آیا۔ وہ جب سامرا پہنچا تو مہتدی تخت

خلافت پر بیٹھے چکے تھے ۔ معتز کی ماں صالح کے ہاتھوں لُٹ چکی تھی ۔ اور ایک ایسا انقلاب ہو چکا تھا جس کے بعد موسیٰ بن بغا کا خود اپنا اقتدار خطرہ میں پڑ گیا تھا ۔ وہ پہلے سامرا پہنچا پھر جب معلوم ہوا کہ مہتدی جوسق ہے تو وہ مع فوج کے جوسق جا پہنچا ۔ اور یہاں پہنچکر لوٹ اور غارتگری شروع کر دی ۔ آخر مہتدی کے سمجھانے سے وہ ٹھنڈا پڑا اور اس نے مہتدی سے یہ وعدہ لیکر کہ وہ صالح بن وصیف کی طرفداری نہیں کرے گا ۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔

موسیٰ بن بغا نے بظاہر تو مہتدی کی بیعت کر لی تھی لیکن در پردہ وہ اُسے معزول کرنے کی فکر میں تھا لیکن اُسے سب سے بڑی فکر اپنے حریف صالح بن وصیف کی تھی جو اچانک غائب ہو گیا تھا ۔ وہ بادشاہ کا قصہ پاک کرنے سے قبل صالح کو ختم کر دینا چاہتا تھا ۔ اسی زمانہ میں جب وہ صالح کی تلاش میں تھا تو اسے بتایا گیا کہ بادشاہ کو صالح کا علم ہے اور ان میں آپس میں خط و کتابت بھی ہے ۔ اس پر موسیٰ بن بغا لشکر لیکر بادشاہ پر چڑھ آیا اور زور دیا کہ بادشاہ صالح کا پتہ بتائے ۔

مہتدی بڑے دل گردہ کا آدمی تھا وہ بھلا موسیٰ سے کب دبنے والا تھا ۔ مسلح ہو کر مقابلہ کے لئے محل سے نکل آیا اور اُس نے موسیٰ سے کہا کہ "مجھے تمہارا منصوبہ پوری طرح معلوم ہے ۔ مجھے مستعین یا معتز نہ سمجھنا ۔ واللہ میں جان کی بازی لگانے کیلئے وصیتیں کر کے نکلا ہوں یاد رکھو جبتک میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں دبنے والا نہیں ۔" اس کے بعد مہتدی نے ایسی موثر تقریر کی کہ سب ٹھنڈے پڑ گئے اور واپس چلے گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا قصہ مختصر یہ کہ موسیٰ نے کسی نہ کسی طرح اپنے حریف صالح بن وصیف کو ڈھونڈھ نکالا اور اس کا کام تمام کرنے کے بعد مع باکیال کے موصل کی جانب مساور خارجی کے مقابلہ کے لئے چلا گیا ۔

ترکوں لڑانے اور توڑنے کی کوشش ۔ موسیٰ ابن بغا کی ان دست درازیوں کو دیکھتے

کے بعد مہتدی نے فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو وہ موسیٰ ابن بغا اس کے ساتھیوں اور دوسرے ترکوں کی طاقت توڑ کر رہیگا چنانچہ موسیٰ کے موصل چلے جانے کے بعد اسے موقع مل گیا۔ اس نے موسیٰ کے ایک بھائی محمد ابن بغا کو تو قتل کرا دیا۔ اور دوسرے بھائی عیسیٰ بن بغا اور ترک سردار بصیر مفلح کو قید کر دیا۔ اور باکیال کو جو موسیٰ بن بغا کے ساتھ موصل کی سرحد پر تھا لکھا کہ "فوراً موسیٰ کو قتل کر دو اور فوج کی کمان تم خود سنبھال لو"۔

مہتدی باکیال کو اپنا آدمی سمجھتا تھا مگر اسے مغالطہ تھا۔ چنانچہ باکیال نے مہتدی کا خط موسیٰ کے سامنے رکھ دیا۔ وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اور اسی وقت یہ طے پایا کہ باکیال جس پر کہ خلیفہ کو بہت اعتماد ہے دار السلطنت جائے اور خاموشی کے ساتھ بادشاہ کا خاتمہ کر دے لیکن بادشاہ کو ان منصوبوں کا پہلے ہی علم ہو گیا تھا چنانچہ اس نے باکیال کے دار السلطنت میں قدم رکھتے ہی پہلے تو اسے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ پھر قتل کرا دیا۔

مہتدی کا قتل اور متفرق حالات: موسیٰ ابن بغا کو اسی دوران میں اپنے بھائی محمد ابن بغا کے قتل اور دوسرے بھائی کے قید کئے جانے کی بھی اطلاع مل گئی تھی جسکی وجہ سے وہ اور بھی مشتعل ہو گیا۔ اس کے بعد جب اسے یہ خبر ملی کہ باکیال بھی قتل کر دیا گیا ہے تو وہ اپنا سارا لشکر لیکر بادشاہ پر پلٹ پڑا۔ بادشاہ بھی مقابلہ پر آ گیا۔ مگر بادشاہ کے ساتھ جمعیت بہت تھوڑی تھی کیونکہ دوسرے ترکوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ باوجودیکہ بادشاہ کے ساتھ مٹھی بھر سپاہی تھے مگر پھر بھی وہ بڑی جرأت کے ساتھ لڑا لیکن مٹھی بھر سپاہی کہاں تک پورے لشکر کا مقابلہ کرتے۔ مہتدی کو شکست ہو گئی اور اسے گرفتار کر کے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۵۶ھ میں پیش آیا تھا۔ مہتدی کی مدتِ خلافت صرف ایک سال ہے۔ ایک سال میں وہ اتنا کام کر گیا جو دوسرے خلفا سالہا سال میں بھی نہیں کر سکے تھے۔

مہتدی کے مرنے کے بعد جب اس کا ایک بکس ترکوں کے ہاتھ آیا تو انھوں نے

سمجھا کہ اس میں ہیرے جواہرات ہوں گے لیکن کھول کر دیکھا تو ایک پرانا جبہ اور معمولی سی ہنڈی نکلی۔ یہ وہ جبہ اور ہنڈی تھی جسے پہن کر وہ رات بھر عبادت کیا کرتا تھا۔

معتمد علی اللہ بن متوکل مہتدی کے قتل کے بعد ترکوں نے معتمد کو قید سے نکال کر اسے ۲۵۶ھ (۸۷۰ء) میں تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ معتمد متوکل کا بیٹا اور معتصم کا پوتا تھا تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۲۷ سال تھی۔ یہ کوفی لونڈی فیتان کے بطن سے پیدا ہوا تھا کسی اختلاف کے بغیر تمام اُمرائے سلطنت اور سپہ سالار افواج موسیٰ بن بغا نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

معتمد کو قسمت سے تخت تو مل گیا تھا لیکن اس میں حکمرانی کی قطعی اہلیت نہیں تھی بنابریں اُسکی اس کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اُس کے بھائی موفق نے جو ولیعہد بھی تھا۔ حکومت کا سارا کام خود سنبھال لیا۔ اور موفق کو عیش پرستی کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ چنانچہ موفق کا زیادہ وقت لہو ولعب میں گذرنے لگا۔

معتمد اور موفق میں رنجش:۔ موفق چونکہ حکومت کا مختار مطلق بنا ہوا تھا اور معتمد کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہیں تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر اُس کے دل میں بھائی کی جانب سے رنجش پیدا ہو گئی۔ اس میں خود تو اتنی طاقت تھی نہیں کہ وہ موفق کے خلاف کوئی قدم اُٹھا سکتا۔ لہٰذا اُس نے گورنر مصر احمد طولون سے خفیہ خط وکتابت کے ذریعہ سارے معاملات طے کر لئے اور شکار کا بہانہ کر کے خاموشی کے ساتھ احمد طولون کے پاس مصر روانہ ہو گیا۔ احمد طولون اور موفق میں چونکہ سخت مخاصمت تھی اس لئے احمد طولون نے موفق کے خلاف معتمد کو ہر قسم کی مدد دینے کا پختہ وعدہ کر لیا تھا۔

موفق کو جب معلوم ہوا کہ معتمد مصر کی جانب احمد طولون کے پاس روانہ ہو گیا ہے تو وہ بہت گھبرایا۔ اور اس نے اسحٰق بن کنداج کو لکھا کہ جس طرح بھی ہو راستہ ہی سے معتمد کو واپس کر دو۔" کنداج بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے راستہ ہی میں معتمد کو روک لیا۔

اور سمجھا بجھا کر سامرا واپس کر دیا۔ معتمد کے سامرا واپس آنے کے بعد موفق نے اس کی سخت نگرانی شروع کر دی اور اب اس کی حیثیت ایک سیاسی نظربند سے زیادہ نہیں تھی۔ معتمد نے اگرچہ موفق کی گرفت سے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن موفق حکومت پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ معتمد کی کچھ نہ چل سکی یہاں تک کہ ۲۷۸ھ میں موفق کا انتقال ہو گیا۔

موفق پر اُس کی زندگی میں گو یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ اس نے بھائی کو نظربند کر کے حکومت پر قبضہ جما رکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بگڑی ہوئی حکومت کو جس قابلیت سے موفق نے چلایا یہ اسی کا کام تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُس نے ترکوں کو اس طرح قابو میں لے لیا تھا کہ وہ کوئی بڑا فتنہ برپا نہ کر سکے۔ ورنہ ان کی حالت تو یہ تھی کہ وہ آئے دن ہنگامے برپا کرتے رہتے تھے اور خلفا کا قتل ان کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا۔ چنانچہ موفق کے مرنے کے بعد حکومتِ عباسیہ کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔

قرامطہ کا ظہور: جس سال موفق مرا ہے اسی سال یعنی ۲۷۸ھ میں کوفہ سے "قرامطہ" کے نام سے ایک نئی گمراہ کُن تحریک کا ظہور ہوا۔ اسے فرقہ باطنیہ کی تحریک کی ایک شاخ سمجھنا چاہیے۔ اس کا پہلا داعی حمدان قرمط تھا جو بظاہر تو بہت بڑا عابد و زاہد تھا لیکن درحقیقت اس نے اسلام کو مسخ کرنے کے لئے ایک نہایت ہی شرارت انگیز تحریک جاری کی تھی جو صدیوں تک مسلمانوں کو پریشان کرتی رہی۔

ان کے عقائد بڑے عجیب و غریب تھے۔ یہ محمد بن حنفیہ کو رسول اللہ کہتے تھے۔ ان کے نزدیک غسلِ جنابت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ شراب ان کے ہاں حلال تھی۔ قبلہ ان کا کعبہ کی بجائے بیت المقدس تھا۔ انھوں نے اپنے متبعین کو رمضان کے روزوں کی تکلیف سے نجات دے دی تھی بس سال کے دو روزے بالکل کافی تھے۔ انھوں نے اپنا ایک نیا قرآن بھی گھڑ لیا تھا جس کا نام "استفتاح" رکھ دیا تھا۔ یہ اسی کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ان کی اذان بھی الگ تھی اور نماز بھی الگ۔ یعنی انھوں نے ایک نیا مضحکہ انگیز مذہب ایجاد

کر لیا تھا۔ اسلام سے ناواقف ہزاروں جہلا اس نئے مذہب کا شکار بن گئے تھے۔

معتمد کی وفات اور متفرق حالات معتمد نے ایک رات نبیذ زیادہ پی لی تھی اسکے بعد کھانا کھالیا۔ اس بد احتیاطی کی وجہ سے کچھ ایسا زہر اس کے جسم میں پھیلا کہ اُس کے اثر سے اچانک رجب ۲۷۹ھ میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ وفات کے وقت اس کی عمر تقریباً ۵۱ سال تھی۔ اس نے ۲۳ سال تک ایک کٹھ پتلی بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کی۔

معتمد کے زمانہ کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ اسی بادشاہ کے دورِ حکومت میں ماوراءالنہر میں "دولت سامانیہ" کی بنیاد پڑی۔ اس کا بانی اسد بن سامان بہرام چوبین کی نسل سے تھا۔

معتمد کے دورِ حکومت میں جتنے بڑے بڑے علما نے رحلت کی اس سے قبل کسی بادشاہ کے عہد میں ایک ساتھ اتنے علما کبھی فوت نہیں ہوئے چنانچہ حضرت امام مسلمؒ، حضرت ابوداؤدؒ، حضرت ترمذیؒ۔ جیسے مشہور محدثین کا انتقال اسی بادشاہ کے دورِ حکومت میں ہوا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت امام حسن عسکریؒ جو حضرت امام علی نقیؒ کے صاحبزادے تھے اور حضرت ابراہیم ادہم نے بھی معتمد کے زمانہ ہی میں رحلت فرمائی۔ حضرت ابراہیم ادہم بلخ کے بادشاہ تھے جنہوں نے حکومت کو ٹھکرا کر فقیری اختیار کر لی تھی۔

معتضد باللہ بن موفق

یہ معتمد کے بھائی موفق کا بیٹا تھا جسے معتمد نے اپنی زندگی ہی میں ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ اپنے چچا معتمد کے مرنے کے بعد ۲۷۹ھ (۸۹۲ء) میں یہ تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر تقریباً سینتیس ۳۷ سال تھی۔ اپنے باپ موفق کی طرح اس میں بھی حکمرانی کی بڑی صلاحیت موجود تھی۔ چنانچہ جس طرح موفق نے اپنے زورِ اقتدار میں وحشی ترکوں کو اُبھرنے نہیں دیا تھا۔ اسی طرح اس کے زمانہ میں بھی ترک سر دار دبے رہے۔

معتضد کو بدقسمتی سے ایسی حکومت ملی تھی جس کی بنیادیں ہل چکی تھیں۔ اگر اسے کوئی مضبوط حکومت ملی ہوتی تو شاید اس کا نام تاریخ میں نہایت ہی درخشاں دکھائی

دیتا لیکن پھر بھی اس نے تخت نشین ہوتے ہی عباسی حکومت کی گرتی ہوئی عمارت کو سمبھالنے کیلئے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔

معتضد کے زمانہ کی اصلاحات: معتضد نہایت ہوشمند اور بڑے رعب، اور دبدبہ کا بادشاہ ہوا ہے۔ اسکے زمانہ میں تمام فتنے دب گئے تھے۔ اس کی بادشاہت کا زمانہ نہایت چین اور امن سے گذرا۔ اس نے خراج میں کمی کر دی تھی اور رعیت کو ظالم حکام کے ظلم وستم سے نجات دلادی تھی۔ معتضد نے چونکہ خلفائے بنی عباس کی گرتی ہوئی سلطنت کو سمبھال لیا تھا۔ اسلئے سفاح ثانی کے نام سے اسے یاد کیا جاتا تھا۔

مسعودی کا بیان ہے کہ معتضد کے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی سارے فتنے دب گئے تھے۔ خانہ جنگیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ چیزوں کے نرخ ارزاں ہو گئے تھے" طقطقی لکھتا ہے کہ "اس کی تخت نشینی کے وقت سلطنت ویران ہو چکی تھی مگر معتضد کے حُسنِ انتظام سے یہ سلطنت دوبارہ آباد ہو گئی۔ اس نے دولتِ عباسیہ کے منتشر شیرازہ کو پھر یکجا کر دیا۔ رعایا میں عدل وانصاف قائم کیا۔ اور مرتے وقت بڑی دولت چھوڑی"۔

معتضد کی وفات اور متفرق حالات: معتضد سات سال، اور نو مہینے حکومت کرنیکے بعد ۲۸۹ھ (۹۰۲ء) میں فوت ہو گیا۔ اس کی موت پر تمام ممالک محروسہ میں ماتم منایا گیا۔

قرامطہ کی وہ تحریک جو معتمد کے زمانہ میں کوفہ سے اُٹھی تھی اس نے اس بادشاہ کے عہدِ حکومت میں کافی زور پکڑ لیا تھا جب انھوں نے بصرہ اور بحرین میں شورش برپا کی تو معتضد نے پے در پے فوجیں بھیجکر ان کو بُری طرح کُچلا۔ اس معرکہ میں بے شمار قرامطی مارے گئے۔

عمرو بن لیث صفار یہ جو عجم کے بڑے حصہ پر قابض ہو چکا تھا اور اپنی سطوت اور طاقت کے سامنے کسی کو نظر میں نہیں لاتا تھا۔ اسی بادشاہ کے زمانہ میں بڑی ذلت وخواری کے ساتھ قید ہوا۔ اسی خلیفہ کے زمانہ میں ۲۸۱ھ میں سلطنتِ روما کا مشہور

شہر مکوریا فتح ہوا۔

ان علمائے کرام نے اس خلیفہ کے دورِ حکومت میں رحلت فرمائی۔ ابن المزاری المالکی۔ ابن ابی الدنیا۔ قاضی اسمٰعیل۔ حارث بن ابی اسامہ وغیرہ۔

مکتفی باللہ بن معتضد

مکتفی باللہ اپنے باپ معتضد کے بعد ۲۸۹ھ (۹۰۲ء) میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۲۵ برس ۶ سال تھی۔ یہ جیجک نامی ترک خاتون کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ خلفائے بنی عباس میں یہ نہایت خوبصورت اور وجیہ تھا۔

یہ بڑا نرم دل اور متحمل مزاج بادشاہ ہوا ہے۔ عفو و درگزر اس کی سرشت میں داخل تھا۔ رعایا کے حقوق کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے وہ تمام جائدادیں ان کے اصل مالکوں کو واپس کر دی تھیں جو اس کے باپ نے محل بنانے کے لئے رعایا سے چھین لی تھیں۔ اس کے علاوہ اس نے ان تمام عمارتوں کو جو مجرموں کو سزا دینے کے لئے تعمیر کی گئی تھیں۔ مسجدوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک کی بنا پر اسے رعایا میں غیر معمولی ہر دلعزیزی اور محبوبیت حاصل تھی۔ اخلاقی اعتبار سے گو مکتفی کا پایہ نہایت بلند تھا مگر حکمرانی کے معاملہ میں وہ اپنے باپ کی طرح لائق نہ تھا۔

قرامطہ کا زور۔ قرامطہ کی شورش گو معتضد ہی کے دور میں شام پر شروع ہو گئی تھی لیکن مکتفی کے زمانہ میں ان کا زور بہت زیادہ بڑھ گیا۔ انھوں نے شام میں بری طرح سے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اسلامی لشکر سے قرامطہ کا سخت مقابلہ ہوا جس میں قرامطی تحریک کا داعی شیخ یحییٰ اور اس کی جماعت کے بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ شیخ یحییٰ کے قتل کے بعد قرامطہ نے یحییٰ کے بھائی ابو العباس حسین کو جانشین بنا کر اسے امیر المومنین کا خطاب دیدیا۔ حمص بعلبک اور سلمیہ کو زیر کر کے انھوں نے وہاں مسلمانوں کا بری طرح قتلِ عام کیا۔

مکتفی انکے مقابلہ کیلئے خود گیا۔ جا بجا قرامطہ کو قتل کیا لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ اگر ایک جگہ یہ زیر ہو جاتے تھے تو دوسری جگہ نیا فتنہ کھڑا کر دیتے تھے۔ ۲۹۴ھ میں انھوں نے حج سے واپس آنے والے قافلوں کو بُری طرح لوٹا۔ اور پورے کے پورے قافلے تہہ تیغ کر دیئے۔ قرامطہ کے اس قتل اور غارتگری میں ان کی عورتیں بھی مردوں کے ساتھ برابر کی شریک تھیں۔ مکتفی نے ان کی سرکوبی کے لیئے ایک تازہ دم لشکر روانہ کیا جس نے کہ بُری طرح قرامطہ کا قتل عام کیا۔ اس جنگ میں قرامطی داعی حسین اور عیسیٰ بن مہر دیہ گرفتار ہو کر مارے گئے مگر پھر بھی قرامطہ کا زور کم نہ ہوا۔

مکتفی کی وفات اور متفرق حالات: مکتفی عین عالم جوانی میں جبکہ اس کی عمر ۳۲ سال تھی ۲۹۵ھ میں فوت ہو گیا۔ اُس نے چھ سال اور چھ مہینے حکومت کی۔

مکتفی کے دورِ حکومت کے چند اہم واقعات یہ ہیں۔ اُس کے زمانہ میں مصر سے طولونی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ موصل میں آلِ احمدان کی ایک نئی حکومت کی بنیاد پڑی۔ ۲۹۲ھ میں اسلامی فوجوں نے شہر انطاکیہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اور رُومی بیڑا جو ساٹھ جہازوں پر مشتمل تھا مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس مہم میں مسلمانوں کو اس قدر مالِ غنیمت ملا کہ ایک ایک سپاہی کے حصہ میں ایک ایک ہزار دینار آئے۔

اس کے زمانہ میں ان بزرگوں کا انتقال ہوا۔ عبد اللہ ابنِ احمد بن حنبل رح۔ ثعلب، امام العربیہ۔ قاضی ابو حازم۔ ابو حسین نوری۔ شیخ الصوفیہ۔

مقتدر باللہ بن معتضد اپنے بھائی مکتفی کے مرنے کے بعد ۲۹۵ھ (۹۰۸ء) میں مقتدر تیرہ برس کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔ مقتدر کی کم عمری کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ ایک مخالف جماعت نے اس کے تخت نشین ہوتے ہی کے فوراً ہی بعد عبد اللہ بن معتز کے ہاتھ پر بیعت کر کے بغاوت برپا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقتدر اور ابن معتز میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں

ابن معتز کو شکست ہو گئی۔ شکست کے بعد ابن معتز اور اس کے حامیوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔

مقتدر نہایت ہوشمند اور صحیح الدماغ نوجوان تھا۔ لیکن جوں جوں اس کی عمر جوانی کے قریب پہنچتی گئی وہ شراب نوشی کا عادی اور عورتوں کا دلدادہ بنتا چلا گیا۔ اسکی عشرت پسندی نے اس کے دل و دماغ کو بالکل ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔ عورتیں بُری طرح سے اس پر حاوی ہو گئی تھیں۔ اس نے خزانہ شاہی کے تمام بیش قیمت جواہرات اپنی محبوب عورتوں میں تقسیم کر دئے تھے۔ یہاں تک کہ حکومت پر بھی اس کے زمانہ میں عورتیں ہی مسلط ہو گئی تھیں اس کی ماں اور قہرمانہ ام موسیٰ کے ہاتھوں میں عنانِ حکومت تھی اور ان کے سامنے وزیر اور اُمرا کو بھی دم مارنے کی گنجائش نہیں تھی۔

مقتدر کی اس زن مُریدی کی بنا پر مونس اور دوسرے اُمرائے سلطنت اُس کے شدید مخالف بن گئے تھے۔ اسراف کا یہ عالم تھا کہ خراج کی ساری آمدنی عیش پرستی محبوب عورتوں کی ولادی اور زنانوں کی پرورش کے لئے وقف ہو گئی تھی۔ اس کے محل شاہی میں گیارہ ہزار زنانے یعنی خواجہ سرا موجود تھے۔ غرضکہ اس کی فضول خرچیوں کی بدولت شاہی خزانہ بالکل خالی ہو گیا تھا اور فوج کو کئی کئی مہینے تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ حکومت کی مالی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ بعض اوقات تنخواہ کی تقسیم کے لئے شاہی سامان کی فروخت تک کی نوبت آجاتی تھی۔

قرامطہ سنگِ اسود اُکھاڑ کر لے گئے: اس بادشاہ کی عشرت پسندی، فضول خرچی فوج کی جانب سے لاپرواہی اور عدم تدبر کی وجہ سے قرامطہ کا مملکتِ اسلامیہ میں اتنا زور بڑھ گیا تھا کہ وہ جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔ عراق و شام میں قرامطہ نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ ۳۱۱ھ میں بصرہ پر حملہ کر کے قرامطہ سترہ دن تک شہر کو لوٹتے رہے اور انہوں نے چھ دن تک کوفہ کو خوب لوٹا۔ ان کے اثرات بغداد تک پہنچ گئے تھے اور ان کے ڈر سے لوگ بغداد کو

چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے شام پر بھی قرامطہ نے ۳۱۶ھ میں حملہ کر کے اچھی طرح مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ پھر سوادِ پہنچ کر قیامت برپا کر دی۔

۳۱۷ھ میں قرامطہ کے داعی نے مکہ پر حملہ کر کے عین حج کے موقع پر مسجد الحرام میں حاجیوں کا قتلِ عام کیا قتل کے بعد بے شمار لاشیں چاہِ زمزم میں ڈال دیں اور اُسے بند کر دیا۔ خانۂ کعبہ کا دروازہ اور میزاب اُکھاڑنے کی کوشش کی۔ غلافِ کعبہ اُتار لیا۔ مکہ کی پُوری آبادی کو لُوٹ لیا اور شہر کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ حجرِ اسود کو توڑ دیا اور اسے اُکھاڑ کر لے گئے جو ۲۲ برس تک قرامطیوں کے قبضہ میں رہا چنانچہ مطیع کے عہدِ حکومت میں واپس لینے کے بعد اسے دوبارہ لگایا گیا۔ غرضکہ مقتدر کے دَورِ حکومت میں قرامطہ نے ایسی تباہی مچائی کہ ساری دُنیائے اسلام قرامطہ کے نام سے لرزنے لگی۔

مونس کی بغاوت اور مقتدر کا قتل: مونس مقتدر کا ایک معمولی ترک غلام تھا جس کو مقتدر نے بڑھاتے بڑھاتے امیر الأمراء کے درجہ تک پہنچا دیا تھا لیکن اس کے بعد ان دونوں میں اتنی کشیدگی بڑھ گئی کہ مونس مقتدر کا جانی دُشمن ہو گیا اور اس نے ۳۱۷ھ میں مقتدر اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے اپنے قصر میں قید کر دیا اور اس کے سوتیلے بھائی قاہر باللہ کی خلافت کا اعلان کر دیا لیکن بادشاہ کے حامی سرداروں نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مونس کے قصر پر حملہ کر کے مقتدر کو رہا کرا لیا۔ اور مونس کے ہمنواؤں کو شکست دے کر بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا۔ اس حادثہ کے بعد عارضی طور پر مونس اور مقتدر کے تعلقات صاف ہو گئے۔ لیکن چونکہ دلوں میں فرق تھا اس لئے ان دونوں میں پھر کشیدگی پیدا ہو گئی۔

مونس نے کچھ عرصہ کے بعد مقتدر کی حکومت کے خلاف باقاعدہ بغاوت برپا کر دی۔ موصل پر قبضہ کر لیا۔ شاہی فوج کو چونکہ کئی ماہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی اس لئے مونس نے شاہی فوج میں روپیہ تقسیم کر کے اُسے توڑ لیا اور بغداد پر حملہ کر دیا۔ اُمرائے سلطنت نے مقتدر کو مونس کا مقابلہ کرنے پر مجبور کیا مگر وہ کسی طرح آمادہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ آخر بڑی مشکل سے وہ لشکر لیکر

آگے بڑھا۔ لیکن جنگ کے خوف سے اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

شاہی لشکر اگرچہ بڑی بے جگری کے ساتھ لڑا لیکن بادشاہ کی کم ہمتی کی وجہ سے شاہی لشکر کو شکست ہو گئی۔ مونس کے آدمیوں نے مقتدر پر حملہ کر کے سنہ ۳۲۰ھ میں اسے قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر لکڑی پر آویزاں کر دیا۔ بدن کے کپڑے اتار کر لاش کو عریاں چھوڑ دیا جسے ایک راہ گیر نے گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیا۔ قتل کے وقت مقتدر کی عمر ۳۸ سال تھی۔ اس نے ۲۵ سال حکومت کی۔ ایک ترک سردار کے مقابلہ میں خلیفہ کی شکست نے خلافتِ عباسیہ کی رہی سہی ساکھ کو بھی خاک میں ملا دیا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ اب خلافت میں کوئی دَم باقی نہیں رہا۔

مقتدر کے زمانہ کے متفرق حالات:۔ مقتدر کے دَورِ حکومت کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں "دَولتِ فاطمیہ" کا قیام عمل میں آیا۔ افریقہ اور مصر کی یہ نئی حکومت بالکل خود مختار تھی۔ اس کو مرکزی حکومت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ یہ حکومت اپنے آپ کو خلافتِ بغداد کا مدِمقابل سمجھتی تھی۔ اس کے علاوہ جرجان میں "زیاری حکومت" قائم ہو گئی یعنی مرکزی حکومت کے کمزور ہونے کے بعد نئی نئی حکومتیں قائم ہونی شروع ہو گئی تھیں۔

مقتدر کے زمانہ میں کچھ بیرونی فتوحات بھی حاصل ہوئی تھیں۔ سنہ ۲۹۶ھ میں اناطولیہ پر فوج کشی کی گئی اور رُومیوں کی بہت بڑی تعداد کو گرفتار کیا گیا۔ سنہ ۳۱۰ھ میں دوبارہ رُوم پر حملہ کر کے کئی قلعے فتح کر لئے گئے لیکن سنہ ۳۱۴ھ کے بعد رومیوں کا دباؤ بڑھ گیا اور انھوں نے کئی علاقوں کو حملہ کر کے واپس لے لیا۔

مقتدر کے زمانہ میں ان علما نے انتقال کیا۔ محمد بن ابی داؤد۔ یوسف بن یعقوب قاضی ابن شریح شیخ شافعیہ جنید شیخ صوفیہ۔ نسائی صاحب سنن۔

قاہر باللہ بن معتضد

مقتدر کے قتل کے بعد اس کا سوتیلا بھائی قاہر باللہ شوال سنہ ۳۲۰ھ (سنہ ۹۳۲ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا ہی سخت گیر حکمراں

تھا اس نے اُن باغیوں کے خلاف بڑی سختی کے ساتھ قدم اُٹھایا جو اس کی حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتے تھے۔

قاہر جس وقت تخت نشین ہوا۔ اس وقت خزانہ بالکل خالی تھا اس نے خزانہ کو پُر کرنے کے لئے سب سے پہلے مقتدر کی ماں پر ظلم و زیادتی شروع کی کیونکہ اُسے یہ بتایا گیا تھا کہ اُس کے پاس بے اندازہ دولت ہے۔ قاہر نے اُس کے تمام اوقاف پر غاصبانہ قبضہ جما لیا اور حصول زر کے لئے اُس پر اتنی زیادتی کی کہ وہ جاں بحق ہو گئی۔ مقتدر کی ماں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ مقتدر کے بھائیوں اور متعلقین کی جانب متوجہ ہوا اور ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب کا سب چھین لیا۔

اس نے گانے والی لونڈیوں کو رکھنا ممنوع قرار دیدیا تھا۔ شراب کی بندش کر دی تھی۔ گویئے قید میں ڈالدئے تھے۔ خواجہ سراؤں کو اس نے شہر بدر کر دیا تھا لیکن یہ سب کچھ رعایا کے لئے تھا خود اسکی اپنی حالت یہ تھی کہ اس قدر شراب پیتا تھا کہ کسی وقت بھی نشہ نہیں اترتا تھا اور گانا اس قدر سنتا تھا کہ کبھی بس نہیں کرتا تھا۔

ترک سرداروں کا قتل :۔ امیر مونس اور دوسرے ترک سردار جو سر اُٹھائے تھے قاہر نے جب ان کو گرانا شروع کیا تو امیر مونس اور اس کے ساتھیوں میں سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ اور انھوں نے در پردہ قاہر کو معزول کر کے مکتفی باللہ کے لڑکے ابو احمد کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کر لیا اور یہ طے پایا کہ قاہر کو ختم کر دیا جائے۔

قاہر کو بھی اس کی اطلاع مل گئی۔ اُس نے نہایت ہوشیاری سے کام لیکر تینوں بڑے ترک سرداروں یعنی مونس بلق اور بلیق کو گرفتار کر لیا۔ اس کے علاوہ وزیر اعظم ابن مقلہ بھی گرفتار ہو گیا کیونکہ وہ بھی قاہر کو معزول کرنے کی سازش میں شریک تھا۔ ابو احمد بن مکتفی جسے یہ لوگ خلیفہ بنانا چاہتے تھے اسے دیوار میں چنوا کر ختم کر دیا اور تینوں ترک سرداروں کے سر قلم کرا دئے۔ مونس چونکہ بڑے سرداروں میں سے تھا۔ اور حکومت پر چھایا ہوا تھا اس لئے اس کے قتل کے

بعد فوج میں شورش پیدا ہو گئی مگر قاہر نے اس شورش کو فوراً دبا دیا۔

سرداروں کی بغاوت اور قاہر کی معزولی:۔ سابق وزیر اعظم ابن مقلہ جو گرفتاری کے فوراً ہی بعد فرار اور روپوش ہو گیا تھا۔ اس نے مونس، بلیق اور علی کے قتل کے بعد دوسرے ترک سرداروں کو در پردہ بھڑکانا شروع کیا۔ اور ان کو یقین دلا دیا کہ قاہر عنقریب ان کو بھی گرفتار کر کے قتل کر دیگا۔ چنانچہ ان سب نے متحد ہو کر اور قاہر کی گرفت سے بچنے کے لئے قاہر کے خلاف بغاوت برپا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلہ کے بعد انکی فوجوں نے ۳۲۲ھ میں قصر شاہی پر چڑھائی کر دی۔

قاہر کے خلاف یہ سب کچھ ہو گیا مگر اسے خبر تک نہ ہوئی۔ قاہر حسب معمول اس وقت بھی شراب کے نشہ میں مدہوش تھا۔ قصر شاہی کے باہر کوئی انتظام نہ تھا لہذا باغیوں کی فوجیں قصر شاہی کے اندر گھس گئیں۔ قاہر نے بھاگنے کی کوشش کی مگر محل کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا گیا تھا۔ قاہر یہ رنگ دیکھ کر وہ گھبرا کر ایک حمام کی چھت پر چڑھ گیا۔ باغیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اور قید خانہ میں ڈال کر اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر کر اندھا کر دیا۔

قاہر کے زمانہ کے متفرق حالات:۔ اس بادشاہ کے عہد حکومت کا سب سے اہم واقعہ فارس میں بنی بویہ کی حکومت کا قیام ہے۔ جو بنی بویہ آگے چل کر خلافت بنی عباس کے متولی بنے۔

محمد اصفہانی کہتے ہیں کہ قاہر کی معزولی کا سبب دراصل اسکی بدخلقی اور خونریزی تھی۔ صولی کہتے ہیں کہ قاہر نہایت جلد باز خونریز اور بداخلاق تھا۔ اس کا یہ جی چاہتا تھا کہ میں ہر وقت لوگوں کو قتل کرتے جاؤں اور شراب کے خم کے خم چڑھاتے جاؤں۔"

راضی باللہ بن مقتدر

قاہر کے معزول ہو جانے کے بعد ترکوں نے قاہر کے بھتیجے اور مقتدر کے بیٹے راضی باللہ کو قید خانہ سے نکال کر ۳۲۲ھ (۹۳۴ء) میں تخت خلافت پر متمکن کر دیا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر تقریباً پچیس سال تھی۔ حکومت کے اس انقلاب میں چونکہ قاہر کے سابق وزیر اعظم ابن مقلہ کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ اس لئے ترکوں

کے مشورہ سے اس بادشاہ نے اسی کو اس کی گذشتہ "خدمات" کے صلہ میں وزیر اعظم بنا دیا۔

راضی ایک پڑھا لکھا اور لائق نوجوان تھا لیکن اسے جو حکومت ملی تھی وہ برائے نام حکومت تھی سلطنتِ عباسیہ بالکل پاش پاش ہو چکی تھی صرف بغداد اور نواحِ بغداد پر خلیفہ کا قبضہ تھا اور یہ قبضہ بھی برائے نام تھا کیونکہ ترک اُمرا اس پر بالکل حاوی تھے مگر اس کے باوجود راضی نے عباسی حکومت کا ٹھاٹھ باٹ بدستور قائم رکھا۔ شاہی خدم و حشم میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔

راضی کے زمانہ میں اگرچہ عباسی حکومت کی مالی حالت نہایت نازک تھی لیکن پھر بھی راضی نے اپنی فیاضی اور سیر چشمی کی بنا پر عباسی حکومت کی قدیمی روایات کو برقرار رکھا۔ علما اور شعرا کی یہ خوب سرپرستی کرتا تھا۔ اس کے ندیم اور حاشیہ نشین مالا مال ہو گئے تھے۔ جو کوئی اس کے دربار میں پہنچ جاتا تھا خالی ہاتھ نہیں آتا تھا۔

امیر الامرا کا نیا عہدہ۔ عباسی حکومت میں سب سے بڑا عہدہ وزیر سلطنت کا تھا لیکن مقتدر کے زمانہ سے "امیر الامرا" یعنی وزیر اعظم کا ایک نیا عہدہ ترک سرداروں نے قائم کر دیا تھا مگر راضی کے عہد حکومت میں امیر الامرا کے اس عہدہ نے محض با اثر اُمرائے سلطنت کو خوش رکھنے کے لئے ایک نئی صورت اختیار کر لی یعنی امیر الامرا بجائے وزیر اعظم کے "چھوٹا خلیفہ" شمار ہونے لگا۔ اس عہدہ کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جس طرح خطبہ میں خلیفہ اور ولیعہد کا نام لیا جاتا تھا اسی طرح امیر الامرا کا نام بھی لیا جانے لگا۔ راضی نے یہ عہدہ سب سے پہلے ابن رائق کو تفویض کیا۔ اس نئے عہدہ کے قیام کے بعد خلیفہ کے رہے سہے اختیارات بھی ختم ہو گئے۔ امیر الامرا یعنی "چھوٹا خلیفہ" جو چاہتا تھا کرتا تھا اور خلیفہ ایک عضو معطل بنکر رہ گیا تھا۔ اس عہدہ کا سب سے خطرناک پہلو یہ تھا کہ اس کے حصول کے لئے باقاعدہ امیروں میں لڑائیاں چھڑ گئیں۔ چنانچہ جس امیر کی طاقت بڑھ جاتی تھی وہ امیر الامرا پر حملہ کر کے اسے اس کے عہدہ سے ہٹا دیتا تھا اور خود امیر الامرا بن جاتا تھا۔ مثال کے طور پر راضی کے عہد میں پہلے تو اس عہدہ پر ابن رائق کو سرفراز کیا گیا۔ لیکن جب ایک دوسرے سردار بجکم نے بغداد پر حملہ کر کے ابن رائق کے لشکر کو شکست دیدی تو راضی نے بجکم کو امیر الامرا بنا دیا۔ غرضکہ جو امیر

بھی چاہتا تھا تلوار کے زور سے اس نئے عہدہ پر قبضہ جمالیتا تھا۔ گویا اس عہدہ کی وجہ سے خلافتِ اسلامیہ میں خونریزی اور تباہی کا ایک نیا باب شروع ہوگیا تھا

عباسی سلطنت کے ٹکڑے:۔ عباسی حکومت راضی کے زمانہ میں پاش پاش ہوچکی تھی شمالی افریقہ کا علاقہ عرصہ سے عباسیوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور یہاں خودمختار اور آزاد حکومت قائم ہوچکی تھی۔ مصر اور شام کے ایک حصہ میں محمد بن طغج کی نیم آزاد حکومت قائم تھی ماوراءالنہر میں سامانی حکمراں حکمرانی کر رہے تھے۔ دیار ربیعہ اور دیار مضر میں آلِ حمدان کی حکومت تھی طبرستان اور جرجان میں دیلمی حکومت قائم ہوچکی تھی۔ فارس کے علاقہ اور خوزستان کے ایک حصہ پر عماد الدولہ قابض تھا۔ اور اُس کے بڑے حصہ پر ابوعبداللہ بریدی مسلط تھا۔ عراق عجم کے لئے رکن الدولہ اور وشمگیر میں رسہ کشی جاری تھی۔ کرمان ابوعلی محمد بن الیاس کے تصرف میں تھا۔ بحرین اور یمامہ پر قرامطہ مسلط تھے۔ بصرہ اور واسط ابن رائق کے پاس تھے۔ غرضکہ سلطنتِ عباسیہ چھوٹے چھوٹے بے شمار ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی۔ صرف بغداد اور نواح بغداد پر خلیفہ کا جو تھوڑا بہت اقتدار باقی رہ گیا تھا اس پر امیرالامراء نے قبضہ جمالیا تھا۔

راضی کی وفات اور متفرق حالات:۔ راضی اس برائے نام سلطنت پر سات برس حکومت کرنے کے بعد ۳۲۹ھ (۹۴۱ء) میں مختصر سی علالت کے بعد فوت ہوگیا۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۳۱ سال تھی۔

وزیرِاعظم ابن مقلہ اور سالارِ افواج محمد بن یاقوت میں سخت مخالفت تھی ۳۲۳ھ میں فوجوں نے ابنِ مقلہ کے مکان کا محاصرہ کرکے ابنِ مقلہ کو گرفتار کرلیا اور ترکوں نے ابنِ مقلہ کی بجائے دوسرے وزیر کے تقرر کا مُطالبہ کیا۔ راضی نے وزیر کا انتخاب ان ہی پر چھوڑ دیا۔ انھوں نے عبدالرحمٰن بن عیسیٰ کو وزیر مقرر کر دیا۔ گویا ترک اس قدر حاوی تھے کہ وہ جس سے بھی خفا ہوجاتے تھے اسے طاقت سے کام لیکر فوراً معزول کر دیتے تھے۔

راضی کے عہدِ حکومت میں قرامطہ کا زور اتنا بڑھا ہوا تھا کہ انھوں نے حج کرنے کی قطعی

ممانعت کر دی تھی چنانچہ ۳۲۲ھ سے لیکر ۳۲۷ھ تک یعنی پانچ سال تک مسلمان حج کے لیے نہیں جا سکے آخر پانچویں سال قرامطہ نے اس شرط پر مسلمانوں کو حج کی اجازت دی کہ ہر حاجی فی اونٹ پانچ دینار حج کا ٹیکس ادا کرے۔ اسلامی تاریخ میں یہ حج کا پہلا ٹیکس ہے جو مسلمانوں سے وصول کیا گیا۔

متقی للہ بن مقتدر

راضی کے مرنے کے بعد ارکانِ سلطنت نے راضی کے بھائی متقی للہ بن مقتدر کو ۳۲۹ھ (۹۴۱ء) میں تخت نشین کر دیا تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۴ سال تھی۔ یہ فطرتاً نہایت نیک اور عبادت گذار تھا۔ اس نے محل کی کنیزوں کی جانب کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ روزے بہت رکھتا تھا۔ اس کا زیادہ وقت عبادت اور ریاضت میں گذرتا تھا۔ اس نے کبھی نبیذ تک نہیں پی۔ کہا کرتا تھا کہ مجھ کو قرآن مجید کے علاوہ کسی مصاحب کی ضرورت نہیں ہے۔

اس نے تخت نشین ہونے کے بعد امیر الامراء بجکم کے پاس جو واسط میں تھا خلعت اور لوائے خلافت بھیجا گویا اس نے بھی اپنے بھائی کی طرح بجکم کی امیر الامرائی کو تسلیم کر لیا تھا۔ وزارت کا عہدہ سلیمان بن وہب کے پاس بدستور رہا لیکن امیر الامرائی کے نئے عہدہ کے بعد وزارت کا عہدہ مضحکہ انگیز اور برائے نام تھا۔

امیر الامرائی کے لئے رسہ کشی متقی نے تخت نشینی کے وقت بجکم کو امیر الامرائی یعنی چھوٹا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا لیکن بجکم جب جنگ میں مارا گیا تو امیر الامرائی کے حصول کے لئے امرائے سلطنت میں رسہ کشی شروع ہو گئی۔ ابن بریدی مدت سے امیر الامرائی کے عہدہ کا متمنی تھا وہ ایک بڑا لشکر لیکر بغداد میں داخل ہو گیا۔ اپنی فتح پر وہ اس قدر مغرور تھا کہ اس نے بادشاہ کے پاس آنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی لیکن بادشاہ نے خوشامد میں اس کے پاس پیامِ تہنیت بھیجا جب اس نے پانچ لاکھ دینار طلب کئے تو وہ بھی روانہ کر دئے۔ بریدی نے وزیر سلطنت کو معزول کر کے قید میں ڈالدیا۔ بریدی کی بدقسمتی سے اچانک اس کی فوج میں بغاوت پھیل گئی اور ترکوں کے سردار کورتکین نے بریدی سے سب کچھ چھین کر اسے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

کورتکین نے چونکہ بریدی کو شکست دیکر خود بغداد پر اقتدار حاصل کر لیا تھا اس لئے متقی نے اب اسے امیر الامرا تسلیم کر لیا لیکن چند ہی یوم کے بعد جب ابن رائق ایک لشکرِ عظیم لیکر بغداد پر قابض ہو گیا اور اس نے کورتکین کو شکست دیدی تو بادشاہ نے ابن رائق کو امیر الامرا کا عہدہ پیش کر دیا۔ غرضکہ اسی طرح بغداد پر آئے دن حملے ہوتے رہے شہر لٹتا رہا۔ نئے نئے امیر الامرا اقتدار حاصل کرتے رہے چنانچہ چند روز کے بعد ناصر الدولہ خونریزی کے بعد امیر الامرا بن گیا پھر ترک سردار توزون نے بغداد کو فتح کر کے اپنی امیر الامرائی قائم کر لی۔

امیر توزون نے متقی کو معزول کر دیا۔ متقی کو توزون پر اعتماد نہ تھا اور توزون بھی متقی پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ دونوں میں شکر رنجی بڑھتی چلی گئی آخر متقی توزون کے خوف سے موصل جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ناصر الدولہ کی فوجیں اسے مع اہل و عیال کے موصل لے گئیں خلیفہ کے بغداد سے چلے جانے کے بعد اگرچہ توزون کے آدمیوں نے اہلِ بغداد پر بڑے ظلم ڈھائے مگر بادشاہ اسی طرح کبھی ایک امیر کے پاس جاتا تھا اور کبھی کسی دوسرے امیر کے پاس۔ کبھی ایک امیر سے امداد طلب کرتا تھا اور کبھی دوسرے امیر کو اپنی مدد کے لئے دعوت دیتا تھا۔

توزون بھی خلیفہ کی تاک میں لگا ہوا تھا اس نے خوشامد در آمد کر کے بادشاہ کو بغداد واپس آنے پر آمادہ کر لیا۔ بڑے وعدہ وعید کے بعد بادشاہ بغداد کی جانب چل دیا دوسرے امرا نے ہر چند روکا لیکن اس پر توزون کا جادو چل چکا تھا۔ جب توزون کو معلوم ہوا کہ بادشاہ آ رہا ہے تو وہ بادشاہ کے استقبال کے لئے نکلا۔ انبار کے قریب دونوں کی ملاقات ہوئی۔

توزون نے جیسے ہی بادشاہ کو دیکھا فوراً گھوڑے سے کود کر زمین کو بوسہ دیا۔ اور رکاب پکڑ کر بادشاہ کے ساتھ ہو لیا۔ بادشاہ نے اُس سے سوار ہونے کے لئے ہر چند کہا مگر وہ سوار نہ ہوا اور ان خیموں تک بادشاہ کے ہمرکاب پیدل ہی آیا جو بادشاہ کے لئے نصب کئے گئے تھے مگر بادشاہ کے خیمہ میں قدم رکھتے ہی توزون نے محرم ۳۳۳ھ میں بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اسکی آنکھوں میں گرم سلائی پھروا کر اندھا کر دیا اور بغداد لیجا کر قید خانہ میں ڈلوا دیا۔ اس کی مدت خلافت

ساڑھے تین سال ہے۔

متقی کے زمانہ کے متفرق حالات: ۳۳۱ھ میں رومیوں نے اسلامی علاقوں پر حملہ کر کے مسلمانوں کو بُری طرح سے قتل کیا۔ یہ شام کی سرحد میں گھس آئے اور پانچ ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ۳۳۲ھ میں روسیوں نے بحر اسود کی راہ سے آذر بائیجان پر حملہ کر دیا اور بڑھتے بڑھتے بردعہ تک پہنچ گئے مسلمانوں نے مقابلہ کیا مگر شکست ہو گئی ہزاروں مسلمان ان کے ہاتھ سے مارے گئے۔

اس بادشاہ کے عہدِ حکومت میں بغداد میں ایسا قحط پڑا جس کی مثال اس سے قبل کی تاریخ میں مفقود ہے۔ ایک ایک بوری گندم تین تین سو دینار کو بک گیا۔

مستکفی باللہ بن مکتفی

متقی کو معزول اور اندھا کرنے کے بعد ترک سردار تورون نے مکتفی کے بیٹے مستکفی کو ۳۳۳ھ (۹۴۴ء) میں تختِ خلافت پر بٹھا دیا۔ تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر اکتالیس سال تھی۔ سابق بادشاہ متقی سے جسے نابینا کر دیا گیا تھا اُس کی بیعت لی گئی۔ اور اس کے بعد متقی کو دوبارہ قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اٹھارہ سال قید میں زندگی گذارنے کے بعد متقی مرا متقی کے علاوہ خاندانِ بنی عباس کا ایک دوسرا بادشاہ قاہر بھی اندھا کئے جانے کے بعد قید خانہ میں زندگی کے باقی دن گذار رہا تھا۔

امیر الامرائی کا جھگڑا: مستکفی نے تخت نشین ہونے کے بعد سابق امیر الامرا تورون کو خلعت عطا کی اور تاج پہنایا۔ تورون نے چونکہ مستکفی کو حکومت دلائی تھی اس لئے وہ حکومت پر بالکل حاوی ہو گیا حقیقت یہ ہے کہ اصل بادشاہ وہی تھا مستکفی تو نام کا خلیفہ تھا تورون نے ایک ایک کر کے اپنے مخالف اُمرا کو ختم کرنا شروع کیا سب سے پہلے اس نے مستکفی کو ساتھ لیکر اور معز الدولہ کو شکست دیکر اُسے واسط سے نکال دیا اور واسط کا علاقہ ابوالقاسم بریدی کو ٹھیکہ پر دیدیا۔ پھر عبداللہ بن بریدی کے بھائی ابوالحسین بریدی کو اس کے بھیجے ابوالقاسم سے ایک بڑی رشوت لیکر مستکفی کے سامنے قتل کرا دیا۔

۳۳۴ھ میں جب امیر الامرا توزون مر گیا تو اس کا نائب شیرزاد امیر الامرا بن گیا لیکن چند ہی روز بعد جب فوج نے شیرزاد کے خلاف بغاوت برپا کر دی اور بغداد میں پھیل گئی تو معز الدولہ دیلمی والیٔ فارس ایک بڑے لشکر کے ساتھ بغداد میں داخل ہو گیا۔ مستکفی نے امیر الامرائی کا عہدہ اُسے پیش کر دیا۔ معز الدولہ دیلمی خاندان بنی بویہ سے تھا جو شیعہ تھے اس طرح عباسی حکومت اب شیعوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ معز الدولہ نے برسر اقتدار آنے کے بعد مستکفی سے تمام اختیارات اور حقوق سلب کر لئے اور اس کے گذارہ کے لئے پانچ ہزار دینار ماہانہ اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کر دی۔

مستکفی کی معزولی اور بنی بویہ کا عروج:۔ عباسی حکومت میں جب سے امیر الامرائی کی لعنت شروع ہوئی تھی حکومت کلیتہً امیر الامرا کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ ذرا سے شبہ پر جس بادشاہ کو چاہتے تھے معزول کر دیتے تھے چنانچہ امیر الامرا معز الدولہ کو یہ شبہ ہو گیا کہ بادشاہ اُسے امیر الامرا کے عہدہ سے ہٹانے کے لئے دوسرے اُمرا سے ساز باز کر رہا ہے پس اس شبہ کی بنا پر ایک روز معز الدولہ کے آدمیوں نے خلیفہ مستکفی کو تخت شاہی سے گھسیٹ کے نیچے گرا دیا اور گھسیٹتے ہوئے معز الدولہ کے مکان تک خلیفہ کو پیدل لے گئے اور وہاں لیجا کر اسے قید کر دیا۔ شاہی محل کو لوٹ لیا۔ اور مستکفی کو اندھا کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ اس بادشاہ نے ایک سال اور چار مہینے حکومت کی۔

بنی بویہ کو مستکفی کے عہدِ حکومت میں امیر الامرائی کیا ملی کہ وہ خلافت عباسیہ کے مختارِ مطلق بن گئے۔ خطبہ میں ان کا نام پڑھا جانے لگا سکوں پر ان کا نام نقش ہونے لگا۔ دربار میں یہ خلیفہ کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ یہی بن گئے تھے اصل خلیفہ کی حیثیت تو ان کے مقابلہ میں ایک وظیفہ خوار سے زیادہ نہیں تھی۔ بنی بویہ کے تسلط کے بعد بھی گو عباسی خلافت کئی صدیوں تک برائے نام قائم رہی لیکن اصل میں یہ بنی بویہ کے تسلط کے بعد ہی ختم ہو گئی تھی۔

مطیع اللہ بن مقتدر

امیر الامرا معز الدولہ نے مستکفی کو معزول اور اندھا کرنے کے بعد خلیفہ مقتدر کے بیٹے مطیع اللہ کو ۳۳۴ھ (۹۴۶ء) میں تختِ خلافت پر بٹھا دیا۔ مطیع اللہ بھی اپنے پیش رو خلفا کی طرح برائے نام بادشاہ تھا۔ امیر الامرا نے اس کا وظیفہ پانچ ہزار دینار ماہانہ سے گھٹا کر سو دینار روزانہ کر دیا۔ اس بادشاہ کی تخت نشینی کے وقت چونکہ خزانہ خالی تھا۔ اور فوجوں میں تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بددلی پھیلی رہی تھی اس لئے فوجوں کا پیٹ بھرنے کے لئے معز الدولہ نے پہلے تو رعایا کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ اس کے بعد شاہی جاگیریں اور امرا کی جاگیریں چھین کر فوجی افسروں کے حوالے کر دیں۔ معز الدولہ یعنی بنی بویہ عباسی حکومت کے مختارِ مطلق بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے طاقت کے بل پر اپنے رقیب امرا کو خوب کچلا۔

شیعی مراسم اور تعزیہ داری کی ابتدا:- بنی بویہ چونکہ شیعہ تھے اس لئے عباسی حکومت پر تسلط جمانے کے بعد انھوں نے اچھی طرح سے شیعیت کی تبلیغ کی اور شیعی مراسم جاری کئے یہاں تک کہ کھلم کھلا تبرے بازی ہونے لگی چنانچہ ۳۵۱ھ میں جامع مسجد بغداد کے دروازہ پر یہ عبارت لکھوا دی گئی "معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت اور ان پر بھی لعنت جنھوں نے کہ بنی فاطمہ کا حق دبایا اور باغ فدک غصب کیا اور اس پر لعنت جس نے حضرت امام حسن کو رسول اللہ صلعم کے پاس مدفون نہیں ہونے دیا۔" رات کو کسی نے اس عبارت کو مٹا دیا۔ صبح کو جب معز الدولہ نے اس عبارت کو دوبارہ لکھوانا چاہا تو وزیر مہلبی نے یہ مشورہ دیا کہ اس کی جگہ یہ عبارت لکھوائی جائے "امیر معاویہ پر لعنت اور آلِ رسول کے ساتھ تمام ظلم کرنے والوں پر لعنت۔" چنانچہ یہی عبارت لکھوا دی گئی۔ غالباً تبرے کی ابتدا یہیں سے ہوئی ہے۔

۳۵۲ھ سے باقاعدہ عزاداری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ عاشورے کے روز بازار بند کرا دیئے گئے۔ نانبائیوں کو کھانا پکانے کی ممانعت کر دی گئی۔ بازار میں ایک کلس دار لکڑی نصب کرا کر اس پر ایک موٹا سیاہ کپڑا ڈلوا دیا گیا جس کے سامنے سے عورتیں بال کھولے ہوئے ماتم

کرتی ہوئی اور اپنے منہ پر طمانچے مارتی ہوئی اور امام حسینؑ کا ماتم کرتی ہوئی جلوس کی صورت میں نکلیں یعنی تعزیہ داری شروع ہوگئی۔ اسی سال ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر کے منانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اہل بغداد کے لیے چونکہ یہ تمام شیعی مراسم نئی بات تھی اس لیے پہلے تو چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اس کے بعد محرم ۳۵۳ھ میں شیعوں اور سنیوں میں سخت فساد ہوگیا اور بغداد میں بڑی بدامنی پھیل گئی۔

عزالدولہ کا اقتدار اور مطیع کی دستبرداری:۔ ۳۵۶ھ میں معزالدولہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا بختیار عزالدولہ کے لقب کے ساتھ امیرالامراء کے منصب پر سرفراز ہوا۔ یہ بڑا نااہل و نالائق تھا۔ اس کی نااہلیت کی وجہ سے ترک سرداروں سے اس کے تعلقات بگڑ گئے تھے۔ بنی بویہ کی طاقت کا بہت کچھ دارومدار ترکوں پر تھا۔ اور ترکوں سے اس کی مخالفت اتنی بڑھی کہ ترک سردار سبکتگین نے بغداد پر قبضہ جما لیا۔ اور عزالدولہ کی ماں اور بھائیوں کو بغداد سے نکل جانے کیلئے مجبور کر دیا۔ غرضیکہ اس کے زمانہ میں ترکوں اور دیلمیوں میں اچھی خاصی خانہ جنگی برپا ہوگئی۔ ترکوں اور دیلمیوں کے اس اختلافات سے قبل مطیع پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ اس حملے نے اسے بالکل ناکارہ بنا دیا تھا۔ جب اس کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو سبکتگین نے اُسے ۳۶۳ھ میں اپنے بیٹے طائع کے حق میں دستبردار کر دیا۔

سنگِ اسود کی واپسی اور چند دیگر واقعات:۔ اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ قرامطہ خانہ کعبہ سے سنگِ اسود اکھاڑ کر لے گئے تھے۔ یہ سنگِ اسود تقریباً ۲۲ سال تک قرامطہ کے قبضہ میں رہا۔ بائیس سال کے بعد ۳۳۹ھ میں اسے قرامطہ سے لیکر دوبارہ اپنی جگہ پر نصب کیا گیا اور اُس کے گرد ایک چاندی کا حلقہ بنا دیا گیا۔ محمد بن نافع خزاعی کہتے ہیں کہ حجرِ اسود کو دوبارہ نصب کرنے سے قبل میں نے اسے بچشم خود دیکھا تھا۔ اس کے سرے پر ایک سیاہ لکیر تھی باقی تمام سفید تھا۔ اس کا طول بقدر ایک گز کے تھا۔ کہتے ہیں کہ جب قرامطہ سنگِ اسود کو مکہ سے لیکر گئے تھے تو اسے پے در پے چالیس اونٹوں پر رکھا گیا تھا کیونکہ جو اونٹ بھی اسے لیکر چلتا تھا وہ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد مرجاتا تھا لیکن جب اسے واپس

لایا گیا تو ایک اُونٹ بڑی آسانی سے لے آیا۔

عباسی حکومت چونکہ لب دَم تھی اس لئے رومیوں نے اپنے علاقوں کی واپسی کے لئے مملکتِ اسلامیہ پر حملے شروع کر دئے تھے چنانچہ انھوں نے جزیرہ اقریطش پر قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی بڑی تباہی مچائی۔

طائع اللہ بن مطیع اللہ

اپنے باپ مطیع کے حکومت سے دستبردار ہونے کے بعد طائع اللہ ۳۶۳ھ (۹۷۴ء) میں تختِ خلافت پر بٹھایا گیا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر تینتالیس سال کی تھی۔ اپنے باپ کی طرح یہ بھی نام کا خلیفہ تھا بلکہ اس نے تو امیر الامرا کو بڑھاتے بڑھاتے خلیفہ کا درجہ دیدیا تھا۔ یہ بے حد کمزور اور ناقص العقل فرمانروا تھا۔ امیر سبکتگین کو اس بادشاہ نے نصیر الدولہ کا خطاب دیا تھا جب بادشاہ کی سواری نکلتی تھی تو امیر سبکتگین سواری کے آگے آگے چلتا تھا۔

عزالدولہ کا زوال اور عضد الدولہ کا عروج۔ امیر الامرا عزالدولہ اور سبکتگین میں رنجش تو پہلے ہی سے موجود تھی۔ طائع کی تخت نشینی کے بعد ان دونوں میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی جس سے کہ عزالدولہ کے اقتدار کو سخت نقصان پہنچا۔ عزالدولہ نے اپنے چچازاد بھائی عضد الدولہ کو سبکتگین کے مقابلہ کیلئے امداد کے واسطے بلایا عضد الدولہ اسکی مدد کو بغداد پہنچ تو گیا مگر اسے بغداد ایسا پسند آیا کہ اس نے بغداد میں ہی ڈیرے ڈالدئے اور یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ بادشاہ نے عزالدولہ کو معزول کر کے عضد الدولہ کو امیر الامرا بنا دیا ہے بس پران دونوں میں بھی جنگ چھڑ گئی آخر ۳۶۷ھ میں عزالدولہ گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا اور عضد الدولہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔

نام نہاد خلفائے عباسیہ کی حالت یہ تھی کہ جو بھی سردار طاقت کے بل پر حاوی ہو جاتا تھا یہ اسکی خوشامدیں کرنے لگتے تھے۔ چنانچہ عضد الدولہ کی کامیابی کے بعد طائع نے اسے نہ صرف امیر الامرا کے منصب پر سرفراز کر دیا بلکہ اسے خلعت عطا فرمائی۔ جواہر نگار تاج اور کنگن عطا کئے خود اپنے ہاتھ سے اس کی گردن میں تلوار حمائل کی۔ دو جھنڈے دئے جن میں سے ایک چاندی کا جھنڈا بھی

تھا جو صرف ولیعہد کے لئے مخصوص تھا اور ایک عہد نامہ پڑھ کر سنایا جس میں اس کے ولیعہد نامزد کئے جانے کا اعلان تھا۔ حالانکہ اس وقت تک ولیعہد یا تو خلیفہ کا بیٹا یا اس کا قریبی عزیز ہوا کرتا تھا۔

طائع نے عضد الدولہ کو اتنا بڑھایا کہ اسے ایک سرے سے خلیفہ ہی بنا دیا چنانچہ عضد الدولہ کے زمانہ میں خلیفہ کی وقعت بالکل ختم ہو گئی اور وہ امیر الامرا کا اچھا خاصہ حاشیہ نشین بن گیا تھا ۳۷۲ھ میں جب عضد الدولہ مر گیا تو خلیفہ نے اس کے بیٹے صمصام الدولہ کو امیر الامرا مقرر کر دیا۔ لیکن ۳۷۶ھ میں جب صمصام الدولہ کے بھائی شرف الدولہ نے صمصام پر چڑھائی کر کے شکست دیدی اور اس کی آنکھیں نکلوا دیں تو طائع نے شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔ اور اسے امیر الامرا کا عہدہ تفویض کر دیا۔

طائع کی معزولی اور متفرق حالات: ۳۷۹ھ میں شرف الدولہ مر گیا اور اپنی جگہ اپنے بھائی ابو نصر بہاء الدولہ کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ بادشاہ خود بہاء الدولہ کے مکان پر تعزیت کے لئے گیا۔ اسے ہفت خلعت عطا کی جواہرات سے مرصع گلو بند گلے میں اور کنگن ہاتھوں میں پہنائے۔ لیکن دو سال کے بعد جب طائع اور بہاء الدولہ میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی تو بہاء الدولہ کے آدمیوں نے بھرے دربار میں طائع کو تخت سے گھسیٹ کر نیچے گرا دیا۔ اور اسے گرفتار کر لیا۔ بادشاہ کا گناہ صرف اتنا تھا کہ اُس نے بہاء الدولہ کی ایک خواص کو سزا دیدی تھی۔ بادشاہ کو حکم دیا گیا کہ وہ مقتدر کے بیٹے قادر باللہ کے حق میں دستبردار ہو جائے۔ بادشاہ میں بھلا کیا طاقت تھی جو انکار کر سکتا چنانچہ وہ شعبان ۳۸۱ھ میں دستبردار ہو گیا۔ اور نظر بندی کی مصیبتیں برداشت کرتا ہوا ۳۹۲ھ میں رحلت کر گیا۔ اس نے سترہ سال آٹھ مہینے حکومت کی۔

طائع کے عہد میں ۳۶۳ ہجری سے مصر۔ شام اور مملکت اسلامیہ کے اکثر حصوں میں شیعیت کا زور بے حد بڑھ گیا تھا۔ یہاں تک کہ حرمین میں بھی مصر کے فاطمی حکمران کے نام کا

خطبہ پڑھا جانے لگا تھا۔

طائع کے عہدِ حکومت ہی میں افغانستان میں غزنوی حکومت کا قیام عمل میں آیا تھا اس کا بانی محمود غزنوی کا باپ سبکتگین تھا جو سامانی حکمران البتگین کا ترکی غلام تھا۔ البتگین جب مر گیا تو اس کا بیٹا اسحٰق تخت نشین ہوا۔ اسحٰق کی موت کے بعد امرائے سلطنت نے سبکتگین کو تخت نشین کیا۔ یہ ۳۶۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا

قادر باللہ بن مقتدر

امیر الامرا بہاء الدولہ نے طائع کو معزول کرنے کے بعد ۳۸۱ھ (۹۹۱ء) میں مقتدر باللہ کے بیٹے قادر باللہ کو تخت نشین کیا۔ یہ دمنہ نامی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۴۴ سال تھی۔

قادر باللہ بہت بڑا عالم فاضل اور فقیہ تھا۔ خطیب کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ اعلیٰ درجہ کا سیاستدان اور بڑا عبادت گزار تھا۔ ہمیشہ تہجد ادا کرتا تھا۔ صدقہ اور خیرات بہت کرتا تھا۔ اس نے ایک کتاب "فضائل صحابہ" عقائد کی اصلاح کی غرض سے لکھی تھی۔ جو ہر جمعہ کو نمازیوں کے سامنے جامع مسجد میں پڑھی جاتی تھی۔ قادر باللہ بھی گو پیشرو خلفا کی طرح بالکل امیر الامرا کے تابو اور قبضہ میں تھا لیکن پھر بھی اس نے خلفا کی عظمت کو برقرار رکھا۔ امیر الامرا کو حد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ یہ بڑے دبدبہ اور شان کا حکمران تھا۔ اسے اگر اچھا دور ملا ہوتا تو یہ دوسرا ہارون الرشید ثابت ہوتا۔

محمود غزنوی کو خلعت اور خطاب: خلافت عباسیہ گو کتنی ہی کمزور ہو گئی تھی لیکن اسے پھر بھی دینی سلطنت کے اعتبار سے زبردست عظمت حاصل تھی چنانچہ مشرق و مغرب کی کوئی بھی اسلامی حکومت اس وقت تک باقاعدہ حکومت تسلیم نہیں کی جاتی تھی جب تک کہ ان سے خلفائے اسلام سے سندِ حکومت نہ مل جائے۔

سبکتگین کے انتقال کے بعد چونکہ محمود غزنوی کے چھوٹے بھائی اسمٰعیل نے حکومت پر قبضہ جما لیا تھا۔ اس لئے محمود کو اس سے جنگ کر کے ۳۸۸ھ میں تخت حاصل کرنا پڑا۔ محمود نے تخت نشین ہونے کے بعد قادر باللہ سے باقاعدہ حکمرانی کی سند طلب کی تھی جس کے جواب میں ۳۸۹ھ

میں خلیفہ نے محمود کی حکومت تسلیم کرلی تھی اور اسے خراسان کی حکومت کا پروانہ۔ لواء خلعت۔ اور یمین الدولہ۔ امین الملت ولی امیر المومنین کے خطابات عطا کئے تھے محمود غزنوی نے کامل بتیس سال تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی۔ اس نے ترکستان سے لیکر ہندوستان تک ایک نہایت ہی طاقتور اسلامی حکومت قائم کرلی تھی۔

قادر باللہ کی وفات اور متفرق حالات:۔ قادر باللہ بہت بوڑھا ہوچکا تھا۔ ایک سال کی مسلسل علالت کے بعد ذی الحجہ ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء) میں اس کا ۸۷ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا اس نے ۴۲ سال خلافت کی۔ اتنا طویل زمانہ اس کے پیشرو خلفاء میں سے کسی کو بھی میسر نہیں آیا تھا۔

قادر میں بڑی خوبیاں تھیں زمانۂ دراز کے بعد ایسا خلیفہ بنی عباس میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے زمانہ میں بھی اگرچہ اُمرائے سلطنت میں خانہ جنگیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن رعایا کو ان خانہ جنگیوں سے بہت کم پریشانی ہوئی۔ اس کے علاوہ بغداد پر امیر الامرا کے عہدے کے لئے چڑھائیوں کا جو سلسلہ شاہانِ ماسبق کے زمانہ میں جاری تھا۔ اس کا منظاہرہ اس بادشاہ کے دور میں بہت کم ہوگیا تھا۔

بنی بویہ کے اقتدار کی وجہ سے شیعت کا جو زور بڑھ گیا تھا وہ بھی اس بادشاہ کے زمانہ میں کم ہوگیا اس بادشاہ کے عہدِ حکومت سے قبل کھلم کھلا صحابہ پر تبرا بھیجا جاتا تھا۔ اکثر اوقات حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا احترام کرنے والے سنیوں کو قتل تک کردیا جاتا تھا۔ قادر نے شیعوں کی یہ زیادتیاں ختم کردیں۔ اس کے علاوہ اس بادشاہ نے اور بھی بہت سی اصلاحات کیں۔ فردوسی شاعر کا اسی بادشاہ کے عہد میں انتقال ہوا ہے۔

قائم بامر اللہ بن قادر

قادر باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا قائم بامر اللہ ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء) میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ یہ بدر الدجی نامی ارمنی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۱ سال تھی۔ قائم نہایت ہوشمند صالح اور نیک خلیفہ ہوا

ہے۔ اس کے عہدِ حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سلجوقیوں کے ذریعہ بنی بویہ کی طاقت کو بالکل پاش پاش کرکے رکھ دیا۔ بی بویہ نے سالہا سال سے شاہانِ عباسی کو اپنا قیدی بنا رکھا تھا اور بادشاہ کے پردہ میں زمانۂ دراز سے من مانی کارروائیاں کر رہے تھے۔

جلال الدولہ اور ابوکالے جار:۔ قائم جس وقت تخت نشین ہوا امیر الامرا جلال الدولہ حکومت کا مختار مطلق بنا ہوا تھا لیکن اس کی کم فہمی اور غفلت شعاری کی وجہ سے خزانہ بالکل خالی تھا اور فوجوں میں تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بری طرح بے چینی پھیلی ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج میں بغاوت پیدا ہوگئی۔ اور یہ بغاوت اتنی بڑھی کہ جلال الدولہ بغداد چھوڑ کر بھاگ گیا۔ گو یہ بغاوت بعد میں دب گئی تھی لیکن جلال الدولہ جب تک زندہ رہا فوجی بغاوتیں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد برابر اٹھتی رہیں۔ آخر ۴۳۵ھ میں جلال الدولہ کا انتقال ہوگیا۔

ابوکالے جار جو مدت سے عراق کی حکومت، اور امیرالامرائی کا متمنی تھا۔ اس نے جلال الدولہ کے مرنے کے بعد قائم کو بے اندازہ روپیہ اور تحائف دے کر راضی کرلیا۔ قائم نے بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری کردیا۔ کالے جار فوج لیکر بغداد آگیا اور اس نے حکومت سنبھال لی۔ ۴۴۰ھ میں ابوکالے جار کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے ملک الرحیم کو سلطنتِ عباسیہ کی تولیت اور عراق کی حکومت مل گئی لیکن اس کے دور میں حکومت کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ حالت یہ تھی کہ دیالمہ میں بری طرح خانہ جنگی برپا تھی۔ اس کے ساتھ ہی دیالمہ کے ایک ترکی غلام بساسیری نے ملک الرحیم کے دور میں اتنا عروج حاصل کرلیا تھا کہ وہ پوری سلطنت پر چھا گیا تھا۔ غرضکہ بغداد اچھا خاصہ مختلف طاقتوں کی خانہ جنگی کا اکھاڑا بن گیا تھا۔

طغرل بیگ سلجوقی کا اقتدار:۔ طغرل بیگ حکومت سلجوقی کا ایک با اقبال فرمانروا تھا جس نے عراق۔ عجم۔ اصفہان۔ طبرستان۔ جرجان اور خوارزم وغیرہ کے اکثر حکمرانوں کو شکست دیکر سلجوقی حکومت کو نہایت ہی مضبوط بنا دیا تھا طغرل بیگ سلجوقی حکومت کے بانی سلجوق کا پوتا تھا جس کی شمشیر خارا شگاف کا بڑا شہرہ تھا۔ طغرل بیگ نے جب سلجوقی حکومت کو ایک باقاعدہ حکومت

کی شکل دیدی تو اُس زمانہ کے دستور کے مطابق اس نے خلیفہ قائم سے حکومت کی سند کی خواہش کی۔ قائم نے ۴۴۳ھ میں اُسے سندِ حکومت بھی بھیجدی اور رکن الدولہ کا خطاب بھی عطا کر دیا۔ اور طغرل کو بغداد آنے کی دعوت دیدی۔ طغرل جو خلفائے بغداد کا بے حد معتقد تھا۔ اس نے خلیفہ کی اس عزت افزائی کے جواب میں نہایت ہی قیمتی جواہرات اور تحائف روانہ کئے اور بغداد آنے کا وعدہ کیا۔

طغرل کئی سال تک تو جنگ آزمائیوں اور ملکی انتظامات میں ایسا مصروف رہا کہ وہ بغداد کی جانب رُخ ہی نہ کر سکا لیکن ۴۴۷ھ میں وہ اپنی سلطنت کو بھائیوں اور بھتیجوں کے سپرد کرنے کے بعد بغداد کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس کے بغداد آنے پر امیر الامرا ملک الرحیم اور دوسرے سرداروں میں ہلچل برپا ہو گئی۔ کیونکہ طغرل کے بغداد پہنچنے کے ساتھ ہی خلیفہ کے حکم سے طغرل کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا تھا لیکن ایک تازہ مصیبت یہ کھڑی ہو گئی کہ ملک الرحیم کے سپاہیوں، بغداد کے باشندوں اور سلجوقیوں میں خاص شہر بغداد میں باقاعدہ ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی۔ طغرل نے اس تمام خانہ جنگی کا ذمہ دار ملک الرحیم کو قرار دیتے ہوئے اُسے گرفتار کر لیا۔ مختصر یہ کہ طغرل کی آمد پر بڑے بڑے ہنگامے برپا ہوئے لیکن اس کے بغداد آنے کے بعد بنی بویہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور سلطنتِ عباسیہ کی عنانِ حکومت طغرل کے ہاتھ میں آ گئی۔ اور قائم کی لڑکی سے طغرل کی شادی ہو گئی۔

طغرل نے سلطنت عباسیہ کی عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد تمام مخالف اور شرارت پسند عناصر کو دبا دیا۔ آخر طغرل آٹھ سال تک خلافتِ بغداد کی تولیت کے فرائض انجام دینے کے بعد ۴۵۵ھ میں فوت ہو گیا۔ طغرل بڑا پاکباز اور سچا مسلمان تھا۔ اس نے عباسی حکومت کی بڑے خلوص کے ساتھ خدمت انجام دی۔ طغرل کے بعد اس کا بھائی الپ ارسلان جانشین ہوا۔ جس نے نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل کیں اور اس کے بعد ملک شاہ سلجوقی تخت نشین ہوا۔

قائم کی وفات اور متفرق حالات:۔ طغرل نے چونکہ خلافت عباسیہ کو بنی بویہ کے پنجہ

سے آزاد کر دیا تھا۔ اس لئے طغرل کے مرنے کے بعد بھی قائم بامر اللہ دس بارہ سال تک بڑی خوبی کے ساتھ حکومت کو چلاتا رہا اور کسی کو عباسی حکومت کی جانب آنکھ اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوئی قائم ۴۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۶۷ھ میں فوت ہو گیا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۷۶ سال تھی۔

قائم بڑا ہی دیندار متقی اور زاہد و عابد خلیفہ ہوا ہے۔ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ شب بیدار تھا۔ ساری ساری رات عبادت کیا کرتا تھا۔ علمی اعتبار سے بھی اس کا پایہ نہایت بلند تھا۔ اس بادشاہ کے عہد حکومت میں ۴۲۵ھ میں حضرت ابوالحسن خرقانی کا انتقال ہوا جو اولیا کبار میں سے تھے۔ اور ۴۲۸ھ میں اسی بادشاہ کے دور میں شیخ ابو علی سینا نے رحلت کی یہ اپنے زمانہ کا بڑا نامی حکیم ہوا ہے۔

مقتدی بامر اللہ بن محمد

مقتدی بن محمد قائم بامر اللہ کا پوتا تھا۔ یہ قائم کے مرنے کے بعد ۴۶۷ھ (۱۰۷۴ء) میں مسند خلافت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر انیس سال تھی۔ یہ نہایت ہی دیندار۔ مخیر اور عالی ہمت بادشاہ تھا اس کے زمانہ میں بہت سی اصلاحات ہوئی ہیں۔ یہ اپنی مملکت کو غیر شرعی افعال سے بالکل پاک کر دینا چاہتا تھا۔

مقتدی نے بغداد میں گانا بجانا قانوناً ممنوع قرار دیدیا تھا۔ حمام جو عشرت پسندی کے مرکز بنے ہوئے تھے ان پر بھی اس نے بہت سی پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ حماموں کے اونچے اونچے برج جن سے کہ قرب وجوار کے مکانوں کی بے پردگی ہوتی تھی۔ اس نے گروا دیئے تھے اور شراب نوشی کی سختی کے ساتھ بندش کر دی تھی۔

اس کے زمانہ میں سلجوقیوں کا زور بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اور سلجوقیوں کو خلافت عباسیہ کے ساتھ وہ عقیدت باقی نہیں رہی تھی جو شروع میں تھی بلکہ سلجوقیوں کی خواہش یہ تھی کہ وہ خلیفہ وقت کو اپنا مطیع اور تابع فرمان بنالیں لیکن مقتدی برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ ان کا

اقتدار حد سے متجاوز نہ ہونے پائے گو اُسے اس مقصد میں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی لیکن پھر بھی اس نے جہاں تک ممکن تھا خلافت کے وقار کو برقرار رکھا۔

سلجوقیوں کا زور: سلجوقیوں کا زور یوں تو مقتدی کے دادا قائم ہی کے عہد حکومت میں کافی بڑھ گیا تھا۔ طغرل کے مرنے کے بعد الپ ارسلان نے سلجوقی حکومت کو مشرق کی سب سے بڑی حکومت بنا دیا تھا۔ اصفہان طبرستان۔ جرجان اور خوارزم کے اکثر و بیشتر علاقوں پر تو وہ پہلے ہی قابض تھے۔ گرجستان فلسطین حلب اور ترکستان کے اکثر حصے الپ ارسلان کے عہد میں انھوں نے فتح کر لیے۔ الپ ارسلان کے بعد جب ملک شاہ سلجوقی کا عہد حکومت شروع ہوا تو اس کے زمانہ میں سلجوقیوں کو نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔ دمشق پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ شام میں سلجوقی حکومت قائم ہو گئی۔ ترکستان کے کچھ مزید علاقے بھی فتح ہو گئے غرضکہ سلجوقی حکومت رفتہ رفتہ مشرق کی سب سے بڑی حکومت بن گئی۔

عباسی سلطنت پر سلجوقیوں کا قبضہ: عباسی حکومت پر گو طغرل سلجوقی کے زمانہ ہی سے سلجوقیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا لیکن طغرل کو چونکہ عباسیوں کے ساتھ عقیدت تھی۔ اس لیے اس کا اقتدار عباسیوں کے لیے مضر ہونے کی بجائے مفید ثابت ہوا لیکن ملک شاہ سلجوقی کو جب یہ اقتدار ورثہ میں ملا تو عباسیوں کے ساتھ سلجوقیوں کی عقیدت ختم ہو چکی تھی انھوں نے دیالمہ کی طرح عباسیوں پر حاکمانہ اور تشدد دانہ روش اختیار کر لی شروع کر دی جس سے کہ مقتدی اور ملک شاہ سلجوقی کے تعلقات خوشگوار نہیں رہے۔ مقتدی کیونکہ ملک شاہ کے ساتھ خوشگوار تعلقات پیدا کرنا چاہتا تھا اس لئے اُس نے ملک شاہ کی لڑکی کے لئے اپنی شادی کا پیغام بھی دے دیا تھا جو چند شرائط کے ساتھ منظور ہو گیا تھا اور مقتدی کی شادی ملک شاہ کی بیٹی سے ہو گئی تھی ملک شاہ سلجوقی اپنی جنگی مہمات کی وجہ سے کیونکہ خود تو بغداد کی جانب توجہ نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے اپنا ایک نمائندہ بغداد میں متعین کر دیا تھا جو حکومت کے کاروبار کو چلاتا تھا۔ مقتدی کی تخت نشینی کے بارہ سال بعد ۴۷۹ھ میں ملک شاہ پہلی مرتبہ بغداد آیا۔ بادشاہ

کی خدمت میں تحائف پیش کئے اور دربارِ خلافت سے خلعتِ فاخرہ حاصل کی۔ ملک شاہ کے قیام بغداد ہی کے زمانہ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس کی بیٹی رخصت ہو کر بغداد آئی اور حرم شاہی میں داخل ہوئی مقتدی نے ملک شاہ کی بیٹی سے یہ رشتہ اس لئے کیا تھا تاکہ دونوں حکمرانوں کے تعلقات خوشگوار ہو جائیں لیکن طبائع کے اختلاف اور خانگی پیچیدگیوں کی بنا پر میاں بیوی میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ ملک شاہ نے بیٹی کو واپس بلا لیا اور وہ باپ کے گھر آنے کے بعد چند ہی روز بعد مر گئی جس کی وجہ سے ملک شاہ اور مقتدی کے تعلقات اور بھی زیادہ خراب ہو گئے۔

باطنی تحریک کا داعی حسن بن صباح ۔ مقتدی اور ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں باطنی تحریک نے بہت بڑی قوت حاصل کر لی تھی۔ اسمٰعیلی یا باطنی فرقہ کو اگرچہ شیعہ فرقہ ہی کی ایک شاخ بتایا جاتا ہے لیکن اصلیت یہ ہے کہ اس کا شیعیت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے صرف اس لئے اسے شیعہ فرقہ کی شاخ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس تحریک کے بانیوں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اسے حضرت امام جعفر صادق کے صاحبزادے حضرت امام اسمٰعیل سے منسوب کر دیا تھا۔

اس تحریک کا سب سے بڑا داعی حسن بن صباح تھا جو نہایت ہوشمند اور عالی دماغ شخص تھا یہ رے کا باشندہ تھا اور بہت بڑا عالم و فاضل تھا اس نے قزوین کے قریب قلعہ الموت پر قبضہ جمانے کے بعد اسے باطنی تحریک کا مرکز بنا لیا تھا۔ اور ہزاروں مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں مبتلا کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ فداکاروں کی ایک بہت بڑی ایسی جماعت تھی۔ جن کے ذریعہ یہ جس کو چاہتا تھا قتل کرا دیتا تھا۔

اس تحریک کی غارتگری رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی کہ دن دہاڑے وہ تمام بڑے بڑے لوگ قتل ہونے لگے جو اس تحریک کے مخالف تھے۔ چنانچہ سلجوقی حکومت کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی نے جب باطنی تحریک کو کچلنے کے لئے قدم اٹھایا تو حسن بن صباح اُس کا بھی مخالف بن گیا۔

اور ایک فدائی کے ذریعہ اُسے ۴۸۵ھ میں خنجر سے ہلاک کرا دیا۔ مختصر یہ کہ یہ تحریک اُس زمانہ کے بادشاہوں۔ اُمرا اور مقتدر حضرات کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گئی تھی۔

متفرق حالات اور مقتدی کی وفات:۔ اس سے پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ ملک شاہ کی لڑکی سے مقتدی کی شادی ہوگئی تھی مگر اس لڑکی کی موت کے بعد سے ملک شاہ اور مقتدی کے تعلقات بے حد کشیدہ ہو گئے تھے چنانچہ اس کشیدگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۴۸۵ھ میں جب ملک شاہ دوبارہ بغداد آیا تو اس نے یہاں اپنے قیام کے لئے نیز دوسرے اُمرائے سلجوقی کے رہائش کے لئے نئی نئی عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا اور خلیفہ کو حکم دیا کہ وہ فوراً بغداد خالی کر کے کسی دوسری جگہ چلا جائے۔ خلیفہ نے ملک شاہ سے مہلت طلب کی تو اس نے بڑی مشکل سے دس روز کی مہلت دی لیکن ابھی دس روز گذرنے بھی نہیں پائے تے کہ ملک شاہ اچانک بیمار ہو کر مر گیا۔

ملک شاہ کی موت سے اگرچہ مقتدی کو ایک بڑی پریشانی سے نجات مل گئی تھی لیکن اسکی زندگی نے وفا نہیں کی چنانچہ ۴۸۷ھ میں شمس النہار نامی لونڈی نے مقتدی کو زہر دیدیا جس کے اثر سے وہ ہلاک ہو گیا۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۳۹ سال تھی۔ اس نے تقریباً بیس سال حکومت کی۔

مستظہر باللہ بن مقتدی

مقتدی بامراللہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا مستظہر باللہ ۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) میں تختِ خلافت پر بیٹھا تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر صرف سولہ سال تھی ابنِ اثیر کہتے ہیں کہ مستظہر نہایت نرم مزاج۔ کریم الاخلاق تھا اور نیک کاموں کی طرف اسے بے حد رغبت تھی۔ علمی اعتبار سے بھی وہ بہت بڑا عالم و فاضل تھا۔ اس بادشاہ کے زمانہ میں سلجوقیوں کی خانہ جنگی اور عیسائیوں کی جنگ صلیبی کی وجہ سے بڑے بڑے انقلابات رُونما ہوئے لیکن اس کے باوجود بھی مستظہر نے بغداد اور عباسی سلطنت میں اپنے تدبر سے امن و امان برقرار رکھا اور رعایا نے اس کے

دورِ حکومت میں بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی۔

مستظہر باللہ کے عہدِ حکومت میں بھی سلاطین سلجوقی حسبِ سابق خلافتِ عباسیہ کے ولی کے فرائض انجام دیتے رہے یعنی حکومت کا نظم ونسق ان ہی کے ہاتھوں میں رہا۔ مستظہر کی تخت نشینی کے وقت سلطان برکیارق بغداد ہی میں موجود تھا۔ اس کے مرنے کے بعد جب اس کا کمسن لڑکا ملک شاہ ثانی جانشین قرار پایا تو مستظہر نے اس کا نام خطبوں میں جاری کر دیا۔ اس کے بعد جب سلطان محمد بن ملک شاہ کی حکومت قائم ہوئی تو اسے بھی عباسی حکومت کا ولی بنا دیا گیا۔

جنگ صلیبی کی ابتدا۔ جنگِ صلیبی جس کا سلسلہ تقریباً دو سو برس تک جاری رہا اسکی ابتدا خلیفہ مستظہر ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ گو جنگ صلیبی کا براہِ راست حکومتِ عباسیہ سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن ان لڑائیوں میں کیونکہ مسلمانوں پر عیسائیوں کی جانب سے بے پناہ مظالم توڑے گئے تھے۔ اس لئے پوری دنیائے اسلام متاثر ہوگئی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائیوں نے جزیرہ سسلی مسلمانوں سے چھین لیا تھا اور اسپین میں بھی مسلمانوں کی اُموی حکومت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی ان کمزوریوں کی وجہ سے عیسائیوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے چنانچہ عیسائی بادشاہوں نے متحد ہو کر صلیب یعنی مذہب کے نام پر مسلمانوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا تھا

اس مسیحی جہاد میں غیر تربیت یافتہ عیسائی رضا کار جن کی تعداد تیرہ لاکھ تھی مذہبی جوش سے اندھے ہو کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے لیکن جب مسلمانوں نے ان سب کو کاٹ کر رکھ دیا تو عیسائی حکومتوں میں اور بھی جوش بڑھ گیا اور عیسائی ممالک کی تربیت یافتہ فوجیں لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کے مقابلہ پر آڈٹیں۔ چنانچہ ۱۰۹۰ء میں انھوں نے سلجوقیوں کے پایۂ تخت قونیہ کو زیر کر لیا۔ اس کے بعد عیسائی فوجیں شام کی طرف بڑھیں اور انھوں نے ایک طویل محاصرہ کے بعد انطاکیہ فتح کر لیا۔ اور اس شہر کی پوری مسلم

آبادی کو تہہ تیغ کر دیا۔ پھر انھوں نے معرۃ النعمان فتح کر کے تین دن تک مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ ایک لاکھ کے قریب مسلمان قتل ہوئے اور اتنے ہی غلام بنا لئے گئے۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ:۔ اس تباہی اور غارتگری کے بعد عیسائی فوجیں بیت المقدس کی جانب بڑھیں۔ بیالیس دن کے محاصرہ کے بعد عیسائیوں نے ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس بھی فتح کر لیا۔ اس فتح کے بعد کئی ہفتوں تک یہ مسلمانوں کا قتلِ عام کرتے رہے صرف مسجدِ اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمان مارے گئے جن میں سے بڑی تعداد مختلف ممالک کے گوشہ نشین اور عبادت گزار مسلمانوں کی تھی اس کے بعد عیسائیوں نے ایک ایک کر کے شام اور فلسطین کے دوسرے شہر فتح کرنے شروع کئے۔ غرضکہ قریب قریب پورے شام اور فلسطین پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔ صرف حمص حماۃ۔ دمشق حلب اور چند چھوٹے چھوٹے شہر مسلمانوں کے پاس رہ گئے۔ سلطنتِ اسلامیہ کے قیام کے بعد گزشتہ پانچ سو برس میں عیسائیوں کو پہلی مرتبہ ان علاقوں پر قبضہ کرنے کا موقع مسلمانوں کی کمزوریوں کی وجہ سے ہاتھ آ گیا تھا۔

اس جنگِ صلیبی میں مسلمانوں کے قتلِ عام اور شکستوں پر شکستوں کی وجہ سے تمام دنیائے اسلام میں عموماً اور دارالخلافہ بغداد میں خصوصاً اسلامی فرمانرواؤں اور خلیفہ کی کمزوری کے خلاف سخت اضطراب پھیل گیا تھا جامع سلطانی میں ایک بہت بڑا احتجاجی جلسہ منعقد ہوا جس میں مشتعل ہجوم نے مسجد کے منبر تک کو توڑ ڈالا۔ اور اس کے بعد مشتعل ہجوم نے امرائے سلطنت اور خلیفہ کے محلوں کا محاصرہ کر لیا۔ امرائے سلطنت اور خلیفہ نے بڑی مشکل سے مسلمانوں کو ٹھنڈا کیا اور عوام کے مطالبہ پر ایک مختصر سی فوج عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دی جسے بُری طرح شکست ہوئی۔

مستظہر کی وفات: مستظہر ۲۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) میں مختصر سی علالت کے بعد فوت ہو گیا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۴۲ سال تھی۔ اسی بادشاہ کے

عہد میں حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے انتقال فرمایا تھا۔

مسترشد باللہ بن مستظہر

مسترشد باللہ اپنے باپ مستظہر کی موت کے بعد ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے وقت اسکی عمر ۲۷ سال تھی مسترشد جیسا خلیفہ مدت کے بعد مسند خلافت پر بیٹھا تھا۔ یہ پکا دیندار اور شریعت اسلامیہ پر پوری طرح پابند ہونے کے علاوہ بہت بڑا جانباز بھی تھا۔ اس نے کئی اہم لڑائیوں میں بنفس نفیس حصہ لیا ہے۔

مسترشد نے حلہ موصل اور خراسان میں اپنی شمشیر خارا شگاف کے بڑے بڑے جوہر دکھائے ہیں۔ ہمدان کے قریب جب وہ داد شجاعت دے رہا تھا تو شکست کے بعد سلجوقیوں نے اسے قید کر کے آذربائیجان بھیج دیا۔ تھا سچ تو یہ ہے کہ اس خلیفہ نے اپنی ہمت، جرأت اور شجاعت سے پھر ایک بار خلافت اسلامیہ میں نئی زندگی اور روح پیدا کر دی تھی۔

مسترشد کی سلجوقی سلطان سے جنگ:۔ اس بادشاہ کے دور میں بھی حسب سابق سلجوقی اقتدار بدستور بغداد پر قائم تھا لیکن سلجوقیوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلیفہ کے لئے یہ دشواری پیدا ہو گئی تھی کہ وہ سلجوقی شہزادوں میں سے کس کی حمایت کرے اور کس کی حمایت نہ کرے چنانچہ ۵۲۵ھ میں جب سلطان محمود بن ملک شاہ سلجوقی مر گیا تو اس کی جگہ اسکا بیٹا داؤد سلطان مقرر ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کے چچا زاد بھائی مسعود بن محمد نے اس پر یورش کر دی۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی آخر صلح ہو گئی۔

بغداد کے خطبہ میں نائب سلطنت کی حیثیت سے مسعود کا نام شروع ہو گیا اور اسکے ساتھ ہی خلیفہ کے حکم سے خطبہ میں داؤد کا نام بھی لیا جانے لگا جس سے مسعود کو ناگواری پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس ناگواری کی بنا پر خلیفہ اور مسعود میں ان بن ہونے کے بعد باقاعدہ جنگ چھڑ گئی خلیفہ مسترشد بڑی بہادری کے ساتھ لڑا۔ لیکن جب خلیفہ کے لشکر نے نمک حرامی کر کے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو خلیفہ کو مسعود کے مقابلہ میں شکست ہو گئی۔ مسعود نے خلیفہ کو مع اسکے

ساتھیوں کے ہمدان میں قید کر دیا۔ اہلِ بغداد کو جب خلیفہ کی گرفتاری اور قید کا حال معلوم ہوا تو ایک کہرام مچ گیا اور بغداد کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی سلجوقیوں کے خلاف مسلمانوں میں سخت ناگواری پھیل گئی۔

سلطان سنجر سلجوقی کو جب خلیفہ کی گرفتاری کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھتیجے مسعود کے پاس قاصد بھیجکر ہدایت کی کہ "تم فوراً خود خلیفہ کے پاس جاؤ اور زمینِ خدمت چوم کر اپنی خطاؤں کی معافی مانگو کیونکہ ہمارے لئے کسی طرح بھی یہ روا نہیں ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کی روش سے انحراف کرتے ہوئے خلفاء کے خلاف کوئی غلط قدم اُٹھائیں۔ خلیفہ کی گرفتاری کی وجہ سے جامع مسجدوں میں نماز اور خطبوں کا نہ ہونا کتنے غضب کی بات ہے۔ تم فوراً خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو پورے احترام اور احتشام کے ساتھ دار الخلافہ میں لیکر آؤ۔"

مسترشد کی رہائی اور قتل: سلطان سنجر کی اس ہدایت کے بعد مسعود سلجوقی خود خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زمینِ خدمت چوم کر معافی مانگی۔ اور خلیفہ کی روانگی کے جملہ انتظامات مکمل کر دیئے لیکن قبل اس کے کہ خلیفہ روانہ ہو۔ پہرہ داروں کی غفلت سے باطنیوں کی ایک جماعت اُس کے خیمہ میں گھس گئی اور ذیقعد ۵۲۹ھ میں خلیفہ کو قتل کر دیا قتل کے وقت مسترشد کی عمر ۴۳ سال تھی اس نے سترہ برس اور چھ مہینے خلافت کی۔

مسترشد کے قتل کے بارے میں مورخین کی مختلف رائیں ہیں۔ ایک طبقہ کی تو یہ رائے ہے کہ "واقعی باطنیوں ہی نے خلیفہ کو قتل کیا تھا" لیکن دوسرے طبقہ کا یہ کہنا ہے کہ "سلطان مسعود چونکہ مسترشد کی اعلیٰ جنگی قابلیت اور سیاست دانی کی وجہ سے بے حد خائف تھا اس لئے اسی نے باطنیوں کے پردہ میں خلیفہ کو ختم کرا دیا تھا تاکہ کام بھی ہو جائے اور اس پر الزام بھی نہ آئے"۔ چنانچہ خلیفہ کے قتل کے بعد سلطان مسعود ہی نے سب سے زیادہ اس کا ماتم کیا تھا۔ جس سے اس کی سازش کے بارے میں شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔

حضرت امام احمد غزالی جو حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کے بھائی تھے۔ ان کا اسی بادشاہ

کے عہد میں انتقال ہوا تھا حضرت خواجہ مودود چشتیؒ نے بھی اسی بادشاہ کے زمانہ میں وفات پائی تھی۔

راشد باللہ بن مسترشد

مسترشد کے قتل کے بعد اس کا بیٹا راشد باللہ ۵۲۹ھ (۱۱۳۴ء) میں مسندِ خلافت پر بیٹھا تخت نشینی کے وقت اسکی عمر بیس سال تھی۔ یہ نہایت عقلمند بہادر اور نیک سیرت بادشاہ تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت چونکہ سلاطین سلجوقیہ کا زوال شروع ہو چکا تھا اسلئے اکثر سلجوقی اُمرائے سلطنت سلطان مسعود سلجوقی سے کبیدہ خاطر ہو کر اس کے پاس بغداد آ گئے تھے جن میں عماد الدین زنگی اور مسعود کا داماد اور بھتیجہ داؤد والی آذربائیجان بھی شامل تھا۔

سلطان مسعود سلجوقی اور راشد کی جنگ: سلطان مسعود سلجوقی نے حکومتِ عباسیہ کے نائب السلطنت کی حیثیت سے جو کچھ راشد کے باپ کے ساتھ کیا تھا۔ اس کی وجہ سے راشد دل ہی دل میں مسعود سے نفرت کرتا تھا جب اس کے پاس عماد الدین زنگی اور داؤد سلجوقی آ گئے تو اس کی ہمت بڑھ گئی۔ داؤد سلطان محمود سلجوقی کا لڑکا اور سلجوقی تخت کا اصلی وارث تھا راشد نے نائب السلطنت کی حیثیت سے مسعود کا نام نکال کر خطبہ میں داؤد کا نام داخل کر دیا یعنی اسے نائب السلطنت بنا دیا۔ ادھر عماد الدین زنگی کو دو لاکھ دینار دیکر فوج کا سارا انتظام اس کے ہاتھ میں دیدیا۔ عماد الدین اپنی شجاعت کے لئے بے حد مشہور تھا۔

سلطان مسعود سلجوقی کو جب پتہ چلا کہ خلیفہ اس کے مخالفین کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اور اس نے فوراً خلیفہ کے خلاف فوج کشی کر کے بغداد کا محاصرہ کر لیا لیکن دو ماہ کے بعد وہ ناکام ہو کر واپس چلا گیا۔ چند روز کے بعد اس نے بغداد پر دوبارہ حملہ کیا۔ راشد بھی مقابلہ کے لئے میدان میں آ گیا لیکن خلیفہ کے لئے یہ دشواری پیدا ہو گئی کہ عماد الدین زنگی کے علاوہ تمام اُمرائے سلطنت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ خلیفہ نے یہ رنگ دیکھا تو وہ بھی عماد الدین زنگی کے ہمراہ موصل چلا گیا اور اس طرح بغداد پر ۵۳۰ھ میں

مسعود سلجوقی کا قبضہ ہوگیا۔

راشد کے خلاف فتویٰ اور معزولی

سلطان مسعود سلجوقی نے جب دیکھا کہ شکار اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو اس نے یہ چال چلی کہ راشد پر خونریزی، شراب نوشی اور اموال کے غصب کرنے کے جھوٹے الزامات گھڑنے کے بعد علما سے استفتار کیا کہ جس شخص میں یہ عیوب ہوں کیا اس کی امامت اور امارت جائز ہے؟ اور اگر امامت جائز نہیں ہے تو کیا نائب السلطنت کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی بیعت کو فسخ کرکے کسی دوسرے شخص کو خلیفہ مقرر کردے؟

بغداد پر مسعود سلجوقی کا کافی اقتدار تھا۔ ایمان فروش علما کی کوئی کمی نہیں تھی۔ لہٰذا مسعود کے لئے راشد کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ قاضی شہر ابن کرخی سلطان کے قابو کا آدمی تھا اس نے الٹی سیدھی شہادتیں سننے کے بعد راشد کی معزولی کا فتویٰ دیدیا۔ چنانچہ ذیقعد ۵۳۰ھ میں جبکہ راشد موصل میں تھا اسے معزول کر دیا گیا۔

راشد معزولی کے دو سال بعد تک زندہ رہا دو سال کے بعد جب وہ اصفہان میں تھا۔ تو ۵۳۲ھ میں کچھ عجمی اس کے خیمہ میں گھس آئے اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے ساتھی بھی اس حادثہ میں مارے گئے۔

مقتفی لامر اللہ بن مستظہر

نائب السلطنت سلطان مسعود سلجوقی کو عباسی خلافت سے اس قدر عناد پیدا ہوچکا تھا کہ اگر اس کے امکان میں ہوتا تو وہ ان کو بالکل ختم کرکے بغداد میں بھی سلجوقی حکومت کی بنیاد رکھ دیتا لیکن خلیفہ کی دینی سیادت کیونکہ باقی تھی اور مسعود میں بھی کوئی دم باقی نہیں رہا تھا اس لئے اس نے مجبوراً راشد کے چچا مقتفی کو سنہ ۵۳۰ھ (۱۱۳۵ء) میں تخت پر بٹھادیا۔ تخت نشینی کے وقت مقتفی کی عمر چالیس سال تھی۔

سلطان مسعود نے مقتفی کو تخت نشین تو کر دیا تھا مگر اسے سیاسی اور مالی اختیار سے بالکل مفلوج بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ چنانچہ اس نے محل شاہی کے تمام قیمتی سامان

پر جس میں جواہرات، سونے چاندی کے برتن، زرنگار پردے اور گھوڑے وغیرہ بھی شامل تھے قبضہ جمالیا۔ خلیفہ کے لئے بہت معمولی سامان اور اصطبل میں صرف چار گھوڑے اور آٹھ خچر چھوڑ دیئے۔ نیز باغات اور خلیفہ کی ذاتی املاک و جائداد پر بھی قبضہ جمالیا اور اس پر طرہ یہ کہ خلیفہ سے ایک لاکھ دینار نقد کا بھی مطالبہ شروع کر دیا۔ مقتفی نے اس مطالبہ کے جواب میں مسعود سے کہلوا بھیجا کہ "بڑے تعجب کی بات ہے کہ سب کچھ جاننے کے باوجود تم مجھ سے ایک لاکھ دینار کا مطالبہ کر رہے ہو تم کو معلوم ہے کہ مسترشد سارا خزانہ نکال کر لیجا چکا ہے اس سے جو بچ گیا تھا وہ راشد لے گیا پھر جو ساز و سامان باقی رہ گیا تھا اس پر خود تم نے قبضہ جمالیا ہے ایسی حالت میں میرے پاس کیا رکھا ہے کہ تمہارا مطالبہ پورا کروں میرے لئے اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ میں دارالخلافہ چھوڑ کر جدھر منہ اٹھے چلا جاؤں۔"

اس جواب کے ملنے کے بعد مسعود نے خلیفہ سے تو کسی قسم کی رقم کا مطالبہ نہیں کیا لیکن بغداد کے امرا۔ مالکانِ جائداد اور تاجروں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے اس کے خلاف عام بیزاری کا جذبہ بڑھتا چلا گیا۔

نائب السلطنت کی مصیبت سے نجات:۔ امیر الامرا یعنی نائب السلطنت کا طوق غلامی مدتِ دراز سے خلفائے عباسیہ کے لئے ایک مستقل مصیبت بنا ہوا تھا۔ اس سے قبل تو بنی بویہ کے امرا اس عہدہ کے پردہ سے خلیفہ کو شاہِ شطرنج بنا کر حکومت کرتے رہے۔ اس کے بعد طغرل کے زمانہ سے سلجوقیوں نے بنی بویہ کی جگہ لیلی اور طغرل کے بعد کے سلاطینِ سلجوقی جس خلیفہ کو چاہتے تھے تخت نشین کر دیتے تھے۔ اور جس سے ناراض ہو جاتے تھے اسے یا تو معزول کر دیتے تھے یا قتل کرا دیتے تھے۔

سلطان مسعود سلجوقی تو اس فکر میں تھا کہ اگر اسے موقعہ مل جائے تو وہ ایک سرے ہی سے خلفائے عباسیہ کی برائے نام حکومت کو ختم کر کے بغداد اور ممالک محروسہ میں نئے سرے سے سلجوقی حکومت قائم کرے لیکن کچھ تو مقتفی کی عالی دماغی اور دلیری کی وجہ سے اور

کچھ سلجوقیوں کی خانہ جنگی کی بنا پر خلافتِ بغداد میں سلجوقیوں کی مداخلت بالکل ختم ہوگئی۔ خلافت کا نظامِ حکومت کلیتہً خلیفہ کے قبضہ میں آگیا اور سلطان مسعود کو خلافت کی ساری آمدنی خلیفہ کے حوالے کردینی پڑی اور عراق جو مدتِ دراز سے امیر الامراؤں یا نائب السلاطین کی ذاتی ملکیت بنا ہوا تھا۔ اس پر زمانۂ دراز کے بعد پھر خلفا کا اقتدار اور قبضہ ہوگیا۔

مقتفی پہلا خلیفہ تھا جس نے خلافتِ بغداد کو نائبوں کے قبضہ سے نکال کر دوبارہ اپنی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کی یہ بڑا بہادر اور بے جگر بادشاہ تھا جو خود لڑائیوں میں جاکر نبرد آزما ہوتا تھا۔ اور ذاتی طور پر حکومت کے کاموں میں حصہ لیتا تھا سلطان مسعود سلجوقی جب تک زندہ رہا وہ برابر خلافتِ عباسیہ کے خلاف کچھ نہ کچھ فتنے برپا کرتا رہا لیکن ۵۴۷ھ میں سلطان مسعود کے مرنے کے بعد خلافتِ بغداد ہمیشہ کے لئے سلجوقیوں کی فتنہ پردازی اور دست درازیوں سے پاک ہوگئی۔

عماد الدین زنگی اور صلیبی لڑائیاں: صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ اتابکی خاندان کے عالم وجود میں آنے سے بہت قبل چھڑ چکا تھا جس پر اس سے قبل ہم روشنی ڈال چکے ہیں۔ شام مصر اور جزیرہ وغیرہ کے فرمانرواؤں نے ہر چند عیسائیوں کے مقابلہ کی کوشش کی لیکن ان میں کوئی دم نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی تقریباً پورے شام اور فلسطین پر قابض ہوگئے لیکن مقتفی کے دورِ خلافت میں اتابکی حکومت کے روحِ رواں عماد الدین زنگی نے عیسائیوں پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ سارا یورپ بلبلا اٹھا۔ چنانچہ عماد الدین زنگی نے اور اس کے جانشین نور الدین زنگی نے عیسائیوں کو مار مار کر شام سے نکالدیا اور ان شہروں میں سے اکثر و بیشتر شہر ۵۴۲ھ تک عیسائیوں سے واپس لے لئے ایوبی خاندان جس کے مایہ ناز فرزند صلاح الدین ایوبی نے آگے چلکر عیسائیوں کے دانت کھٹے کردیے تھے اور بیت المقدس کو عیسائیوں سے واپس لیا تھا وہ بھی زنگیوں ہی کا ساختہ پرداختہ تھا۔

مقتفی کی وفات اور متفرق حالات: مقتفی چوبیس سال اور تین مہینے حکومت

کرنے کے بعد ۵۵۵ھ (۱۱۶۰ء) میں فوت ہوگیا۔ ذہبی کہتے ہیں کہ مقتفی سرتاج الخلفا۔ عالم ادیب۔ شجاع اور حکمرانی کی تمام خوبیوں سے مرصع تھا۔ اس کے دورِ خلافت میں کوئی بات ایمان و دیانت کے خلاف نہیں ہونے پائی۔ مقتفی نے کعبہ شریف میں ایک نیا دروازہ تعمیر کیا تھا اور اپنے دفن کے لئے عقیق کا ایک تابوت تیار کر لیا تھا۔"

اسی خلیفہ کے عہدِ حکومت میں جاراللہ مخشری نے ۵۳۰ھ میں اور حکیم سنائی نے ۵۳۵ھ میں اور شیخ الاسلام حضرت احمد جام اور حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانی نے ۵۳۶ھ میں انتقال فرمایا۔

مستنجد باللہ بن مقتفی

مقتفی نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے مستنجد کو نامزد کر دیا تھا۔ مقتفی پر جب نزع کی کیفیت طاری تھی اور مستنجد اسے دیکھنے کے لئے محل میں گیا تو مقتفی کی ایک محبوب لونڈی نے شاہی کنیزوں کے ذریعہ مستنجد کو ہلاک کرانا چاہا تاکہ مستنجد کے خاتمہ کے بعد یہ لونڈی اپنے بیٹے کو جو مقتفی کے نطفہ سے تھا تخت نشین کر سکے لیکن مستنجد بچ گیا۔ مقتفی کی محبوب لونڈی گرفتار کر لی گئی اور وہ کنیزیں جو مستنجد کو ہلاک کرنے پر متعین کی گئی تھیں قتل کر دی گئیں۔

اس حادثہ سے بچنے کے بعد ۵۵۵ھ (۱۱۶۰ء) میں مستنجد اپنے باپ کی جگہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۴۵ سال تھی۔ مستنجد کا باپ چونکہ سلجوقیوں کے اثر و رسوخ کو ختم کر چکا تھا۔ اس لئے مستنجد کو ایک ایسی حکومت ملی تھی جو غیروں کے تسلط سے بالکل پاک تھی۔

نورالدین زنگی اور صلیبی لڑائیاں: مستنجد کے ابتدائی دورِ حکومت کا اہم ترین واقعہ نورالدین زنگی اور عیسائیوں کی صلیبی جنگ ہے۔ گو اس لڑائی کو براہِ راست خلافت عباسیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن پھر بھی خلافت عباسیہ کی پوری ہمدردی اس جنگ میں نورالدین زنگی کے ساتھ تھی۔

نور الدین اپنے باپ عماد الدین زنگی کے ساتھ صلیبی لڑائیوں میں نہایت اہم کارنامے انجام دے چکا تھا۔ عماد الدین کے بعد جب نور الدین کا اقتدار شروع ہوا تو اس نے اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ عیسائیوں کے خلاف صرف کر دی ۵۵۹ھ میں اس نے شام کے عیسائیوں پر پوری طاقت سے حملہ کر کے شام میں عیسائی حکومت کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ تمام بڑے بڑے عیسائی سرداروں کو گرفتار کر لیا اور حارم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس جنگ میں نور الدین زنگی نے جن عیسائی فرمانرواؤں کو گرفتار کیا تھا ان کے نام یہ ہیں :۔ بوہمینڈ والیٔ انطاکیہ۔ قمص والیٔ طرابلس جنرل ڈیوک اور جوسلین کے لڑکے بوہمینڈ نے زر فدیہ دیکر رہائی حاصل کر لی تھی۔

مصر پر صلاح الدین ایوبی کا اقتدار

مستنجد کے زمانہ میں مصر کی فاطمی حکومت بے حد کمزور ہو چکی تھی۔ فاطمی خلفا کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی۔ حکومت پر وزرا کا پورا تسلط تھا۔ فاطمی خلیفہ نے جب وزیر سلطنت امیر شاور کو ایک دوسرے امیر ضرغام کے اثر میں آ کر وزارت کے عہدہ سے معزول کر دیا تو وہ شام پہنچا اور نور الدین زنگی سے درخواست کی کہ اگر وہ طاقت سے کام لیکر اُسے بحال کرا دے تو وہ مصر کے ایک تہائی حصّہ پر اُس کا قبضہ کرا دیگا۔

نور الدین زنگی کو عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مصر کی ضرورت تھی اس نے اپنے تجربہ کار امیر اسد الدین شیر کوہ کو فوج دیکر امیر شاور کے ساتھ روانہ کر دیا۔ امیر شاور کا حریف امیر ضرغام مقابلہ نہ کر سکا۔ وہ قاہرہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور وزیر شاور کو دوبارہ اپنا منصب حاصل ہو گیا۔

وزیر شاور نے بد عہدی کی، اُس نے منصب وزارت پر قبضہ جمانے کے بعد اسد الدین شیر کوہ کو مصر سے نکالنے کے لئے عیسائیوں کو بلا لیا۔ اسد الدین کی عیسائیوں اور مصری فوجوں سے سخت جنگ ہوئی۔ آخر مصریوں نے پچاس ہزار اشرفی دیکر اسد الدین سے

صلح کرلی۔ اسدالدین واپس شام چلا آیا۔ لیکن عیسائی جن کو کہ مصریوں نے اپنی مدد کے لئے بلایا تھا وہ مصر کی فاطمی حکومت پر چھا گئے۔

فاطمی خلیفہ کو عیسائیوں نے اس قدر پریشان کیا کہ وہ نورالدین سے مدد مانگنے پر مجبور ہو گیا۔ نورالدین عیسائیوں کا جانی دشمن تھا اس نے وزیر شاور کی گذشتہ بدعہدی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوبارہ اسدالدین شیرکوہ کو بھیجدیا۔ اس مرتبہ اسدالدین شیرکوہ کا بھتیجہ صلاح الدین یوسف بن ایوب بھی اس کے ساتھ تھا۔ اسدالدین شیرکوہ کے مصر کی جانب رُخ کرتے ہی عیسائی اس کے خوف سے بھاگ گئے۔

فاطمی خلیفہ نے اسدالدین کو خلعت عطا کی۔ وزیر سلطنت امیر شاور چونکہ اسدالدین شیرکوہ کا مخالف تھا اس لئے اس نے شیرکوہ کی جان لینے کی کوشش کی۔ اس پر فاطمی خلیفہ نے وزیر شاور کو قتل کرا کے منصبِ وزارت اسدالدین شیرکوہ کے حوالے کر دیا لیکن دو ہی مہینے کے بعد جب اسدالدین شیرکوہ مر گیا تو ۵۶۴ھ میں یہ اہم عہدہ اس کے لائق بھتیجے صلاح الدین یوسف بن ایوب کے سپرد کر دیا گیا۔ صلاح الدین ایوبی نے تمام مخالف عناصر کو کچل ڈالا۔ اور مصر کی پوری حکومت اپنے ہاتھ میں لےلی فاطمی خلیفہ تو صرف نام کا بادشاہ تھا۔

مستنجد کو حمام میں بند کر کے ہلاک کر دیا: مستنجد کے قتل کا واقعہ محض اُمرا کی آپس کی مخالفت کی بنا پر پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ وزیر سلطنت ابوجعفر اور امیر عضدالدین اور امیر قطب الدین میں شدید مخالفت تھی۔ خلیفہ چونکہ وزیر سلطنت ابوجعفر کا حامی تھا اس لئے یہ دونوں امیر خلیفہ کے بھی دشمن ہو گئے۔ ۵۶۶ھ میں خلیفہ سخت بیمار ہو گیا مخالف امرا عضدالدین اور قطب الدین نے شاہی طبیب کو اپنے ساتھ ملا لیا طبیب نے بادشاہ کو حمام کرنے کا مشورہ دیا۔ حالانکہ بادشاہ میں کمزوری کی وجہ سے حمام کی طاقت نہ تھی لیکن دونوں امیروں نے اسے زبردستی لیجا کر حمام میں بند کر دیا۔ اور وہ اس میں گھٹ کر مر گیا۔ اس خلیفہ نے دس سال حکومت کی۔ انتقال کے وقت اس کی عمر چھپن سال تھی۔

غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی وفات:۔ اسی خلیفہ کے عہدِ حکومت میں سرتاج الاولیا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی تھی آپ حضرت امام حسنؑ کی بارھویں پشت میں قصبہ جیلان میں پیدا ہوئے تھے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں جیلان سے بغداد تشریف لائے اور علم ظاہر و باطن میں کمال پیدا کیا۔ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ سے فیضِ باطنی حاصل کیا تھا۔

مستضئ بامر اللہ بن مستنجد

مستنجد کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا مستضئ بامر اللہ ۵۶۶ھ (۱۱۷۰ء) میں تختِ خلافت پر بیٹھا تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۳ سال تھی۔ اس خلیفہ کے عہدِ حکومت کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں صلاح الدین ایوبی نے مصر کی فاطمی حکومت کو ختم کر کے اپنی نئی ایوبی حکومت کی بُنیاد رکھی اور کئی صدی کے بعد مصر میں پھر عباسی خطبہ جاری ہوا۔

مستضئ بڑا خوش اقبال۔ عادل۔ انصاف پسند اور نیک خلیفہ ہوا ہے۔ ابنِ جوزی کہتے ہیں کہ "اس نے تختِ خلافت پر متمکن ہوتے کے ساتھ ہی تمام ناجائز ٹیکس اُڑا دیئے تھے۔ یہ جائز محصول کے علاوہ رعایا سے ایک حبّہ بھی لینا حرام سمجھتا تھا"۔ ابنِ جوزی کا بیان ہے کہ "اس نے ایسا عدل پھیلایا کہ ہم نے اپنی عمر میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ ہاشمیوں، علویوں، علماء، مدرسین اور مسافروں پر بے انتہا مال خرچ کرتا تھا۔ نہایت حلیم بامروّت اور طبیعت کا بیحد نرم تھا"۔ غرضکہ اس کا دور بہترین دور تھا جس میں کہ رعایا نے بڑی خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی گذاری۔

مصر پر صلاح الدین ایوبی کا قبضہ:۔ صلاح الدین ایوبی وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر سرفراز ہوتے کے ساتھ ہی پوری طرح مصر کی فاطمی حکومت پر حاوی ہو چکا تھا۔ مصر کے جو امرا اور سردار اس کے مقابلہ پر آئے اس نے ان کو یا تو قتل کرا دیا یا راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ جب صلاح الدین ایوبی پوری طرح مصر کی فاطمی حکومت پر حاوی ہو چکا تو اُسے اپنے آقا

نورالدین زنگی کی جانب سے ہدایت ملی کہ وہ عاضد فاطمی کا خطبہ بند کر کے عباسی خلیفہ مستضی کا خطبہ جاری کرے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا صلاح الدین کو اس بات کا بڑا اندیشہ تھا کہ جب شیعی خلیفہ کا نام نکال کر خطبہ میں سُنّی خلیفہ کا نام داخل کیا جائیگا تو سخت ہنگامہ برپا ہو جائیگا لیکن صلاح الدین کا اس قدر اثر قائم ہو چکا تھا کہ کسی نے چوں تک نہ کی۔

جس زمانہ میں کہ دولت علیدیہ فاطمیہ کے آخری خلیفہ عاضد فاطمی کا نام خطبہ سے نکالا گیا تھا وہ سخت بیمار تھا۔ اسکے نام کے نکالے جانے کے دو تین دن بعد ہی عاضد فاطمی کا ۵۶۷ھ میں انتقال ہو گیا۔ عاضد فاطمی کے مرنے کے بعد کسی کو صلاح الدین کے مقابلہ میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ عاضد کے جانشین کا نام پیش کرتا لہذا صلاح الدین ایوبی نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور اس طرح تین صدی کے بعد مصر سے فاطمی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ اور وہاں ایوبی خاندان کی ایک جدید حکومت قائم ہو گئی جس نے کہ جنگِ صلیبی میں آگے چل کر عیسائیوں کے مقابلہ میں بڑے اہم کارنامے انجام دیئے۔

صلاح الدین کا مصر کے بعد دمشق پر بھی قبضہ: صلاح الدین ایوبی کے محسن نورالدین زنگی کی وفات کے بعد ۵۶۹ھ میں گو اس کے کمسن لڑکے ملک صالح کو دمشق میں تخت نشین کر دیا گیا تھا لیکن چونکہ اتابکی اُمرا کی خود غرضیاں کارفرما تھیں اس لئے اتابکی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔

شام کے بیشتر حصہ پر متعدد عیسائی حکمران قابض تھے فلسطین پر عیسائیوں کا اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ زوال پذیر اتابکی حکومت کی حالت دیکھ کر عیسائیوں کی نظریں دمشق پر بھی پڑ رہی تھیں۔ موصل کا سلطان سیف الدین غازی خود عیسائیوں کی جانب جھکا ہوا تھا۔ اور عیسائیوں کی مدد سے دمشق پر قبضہ کے منصوبے تیار کر رہا تھا۔ بعض دردمند اور نیک دل اتابکی امرا نے اتابکی حکومت کی یہ نازک حالت دیکھی تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اتابکی حکومت پر عیسائیوں کا قبضہ ہونے کے بعد یہاں کے مسلمانوں کا بھی وہی دردناک انجام نہ ہو جو شام اور فلسطین

کے لاکھوں مسلمانوں کا ہوچکا ہے۔ لہٰذا انھوں نے یہ طے کیا کہ زوال پذیر اتابکی حکومت کے مسلمانوں کو عیسائیوں کے دستبرد سے بچانے کے لئے اسکے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ سلطانِ مصر صلاح الدین ایوبی کو دمشق آنے اور اتابکی حکومت کو سنبھالنے کی دعوت دیجائے۔

صلاح الدین ایوبی کو جیب دردمند اور اسلام دوست اتابکی امرا کا دمشق آنے کے لئے پیغام ملا تو وہ فوراً اصلاح حال کے لئے ایک لشکر جرّار لیکر روانہ ہوگیا چنانچہ ۵۷۰ھ میں وہ دمشق پہنچا تو دردمند اتابکی اُمرا نے دمشق کا شہر اس کے حوالے کردیا۔ صلاح الدین کا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ اتابکی حکومت کو مٹایا جائے۔ وہ تو آئندہ کے خطرات اور عیسائیوں کی دستبرد سے اتابکی حکومت کو بچانا چاہتا تھا لیکن اس کے آنے پر جب ملک صالح اور سیف الدین غازی نے متحد ہوکر صلاح الدین کے خلاف عیسائیوں سے سازباز کرلی تو صورت ہی بالکل تبدیل ہوگئی اور اس نے رفتہ رفتہ بعلبک، حلب اور اکثر علاقوں کو فتح کرلیا۔ اور اس طرح دمشق کی اتابکی حکومت کے بیشتر حصہ پر قبضہ جمانیکے بعد صلاح الدین مصر واپس چلا گیا۔

مستضئی کی وفات اور متفرق حالات: مستضئی نو سال اور سات مہینے حکومت کرنے کے بعد ۵۷۵ھ (۱۱۸۰ء) میں فوت ہوگیا۔ یہ نہایت نیک اور خوش اقبال خلیفہ تھا اس کے زمانہ میں خلافت کی شان دوبالا ہوگئی تھی۔ اور اس کے دور میں رعایا نے بڑے امن وسکون کی زندگی بسر کی یمن سے لیکر مصر و افریقہ تک اسکے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

ذہبی کہتے ہیں کہ:- اس خلیفہ کے عہدِ حکومت میں بغداد میں شیعیت کا زور بالکل گھٹ گیا تھا اور وہ تمام شیعی مراسم موقوف ہوگئے تھے جو سابقہ خلفا اور بنی بویہ کے زمانہ میں جاری ہوگئے تھے۔

ناصر الدین اللہ بن مستضئی

مستضئی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ناصر الدین اللہ ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں تختِ خلافت پر بیٹھا

تخت نشینی کے وقت اسکی عمر ۲۲ سال تھی۔ خاندانِ بنی عباس میں یہ بڑا فاضل اور باعظمت خلیفہ ہوا ہے۔ اس کے زمانہ میں دُنیائے اسلام کے جتنے بھی سلاطین تھے وہ سب اسکے مطیع اور فرمانبردار تھے۔ اس نے سیاست اور طاقت کے بل پر بڑے باغیوں اور سرکشوں کو اپنے سامنے جھکا لیا تھا اسکی سطوت اور عظمت کا یہ عالم تھا کہ مشرق سے لیکر مغرب تک کے تمام اسلامی ممالک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اُس کی ہوشمندی اور سیاست دانی کی کیفیت یہ تھی کہ یہ دو دشمن سلاطین میں جب چاہتا تھا دوستی کرا دیتا تھا اور دوست سلاطین کو اس طرح آپس میں لڑوا دیتا تھا کہ کسی کو کانوں کان بھی اس کی شطرنجی چالوں کا پتہ نہ چلتا تھا۔

خلیفہ ناصر الدین کے زمانہ میں خبر رسانی کا شعبہ اس قدر مکمل اور وسیع تھا کہ دُور دراز ممالک میں بھی اس کے خبر رساں موجود رہتے تھے جو اسے برابر خبریں پہنچاتے رہتے تھے چنانچہ لوگ گھروں میں گفتگو کرتے وقت بھی اس سے ڈرتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں یہ خیال قائم ہو گیا تھا کہ اس خلیفہ کو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس بادشاہ کے دورِ حکومت کے دو واقعے تاریخ میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں بیت المقدس کی فتح اور دوسرے تاتاری سردار چنگیز خاں کا عروج جس نے کہ آگے چل کر عباسی حکومت کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیا۔

صلاح الدّین کا عیسائیوں کے خلاف جہاد:۔ ناصر الدین اللہ کے ابتدائی دورِ حکومت میں ۵۷۶ھ اور ۵۷۷ھ میں والئی موصل سیف الدین غازی اور والئی حلب ملک الصالح کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان دونوں کے بعد دو زنگی شاہزادے برسرِ اقتدار تھے یعنی مسعود زنگی والئی موصل اور عماد الدین زنگی ثانی والئی حلب یہ دونوں صلاح الدین کے جانی دشمن تھے چنانچہ ان دونوں نے قومی غیرت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شام کے عیسائی حکمرانوں سے اتحاد کرنے کے بعد صلاح الدین کے دمشق کے علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع

کر دیا تھا۔

صلاح الدین کو جب معلوم ہوا کہ زنگی شاہزادے عیسائیوں سے مل گئے ہیں تو وہ فوراً دمشق پہنچا۔ اور اس نے زنگی شاہزادوں اور اتابکی اُمرا کے علاقوں پر یورش کر کے پہلے جزیرہ فتح کیا۔ پھر سنجار پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد آمد۔ حلب اور حارم کو زیر کر کے عیسائیوں کے دوست زنگی شاہزادوں اور اتابکی اُمرا کی ساری طاقت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

ان فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد وہ عیسائیوں کی جانب متوجہ ہوا عیسائیوں کا ایک بہت بڑا لشکر اُس کے مقابلہ کے لئے الغوکہ میں جمع ہو گیا۔ اس لشکر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں ایک ہزار تین سو تو صرف عیسائی نائٹ تھے۔ صلاح الدین بھی الغوکہ پہنچ گیا۔ بڑے معرکہ کی جنگ چھڑ گئی۔ عیسائیوں کو شکست ہو گئی اور انھوں نے نہایت ہی گری ہوئی شرطوں پر صلاح الدین سے صلح کر لی۔ مگر عیسائیوں نے صلح محض اس لئے کی تھی تاکہ انھیں جنگی تیاریوں کے لئے مہلت مل جائے۔ چنانچہ صلح کے بعد ہی ان کی بدعہدیاں شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ عیسائیوں نے انتہائی پستیٔ اخلاق کا ثبوت دیتے ہوئے آقائے دو جہاں کی شان میں بھی گستاخیاں شروع کر دیں۔

صلاح الدین بھلا ان بدتمیزیوں کو کہاں برداشت کر سکتا تھا وہ پھر ان کے مقابلہ پر میدان میں آ گیا۔ صفوریہ کے قریب صلاح الدین کا عیسائیوں کے پچاس ہزار کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ عیسائی لشکر اگرچہ اسلامی لشکر سے پانچ گنا زیادہ تھا مگر پھر بھی عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس جنگ میں تمام بڑے بڑے عیسائی اُمرا یا تو قتل ہو گئے تھے یا انھیں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۱۸۷ء میں پیش آیا تھا صلاح الدین نے ایک ایک کر کے عیسائیوں کے قبضہ سے شام اور فلسطین کے تمام اسلامی علاقے نکال لئے۔

بیت المقدس کی فتح: شام اور فلسطین کی فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد سلطان صلاح الدین نے رجب ۵۸۳ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ اور بیت المقدس کے

عیسائیوں کو پیغام بھیجا۔ کہ "بیت المقدس ہمارے لئے بھی اسی طرح قابلِ احترام ہے جس طرح کہ تمہارے لئے ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ خونریزی کے بغیر یہ مقدس مقام مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے" لیکن عیسائیوں نے صاف انکار کر دیا۔ آخر صلاح الدین کو مجبور ہو کر تلوار میان سے نکالنی پڑی۔ اور بیت المقدس کے لئے بڑی خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ عیسائی شروع میں تو بڑی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے لیکن بعد میں ان کی ہمت لوٹ گئی۔ جب عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ شہر کو بچانا ناممکن ہے تو وہ جان و مال کی حفاظت کی شرط پر شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

مختصر یہ کہ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو عیسائیوں نے بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اکیانوے سال کے بعد یہ خانۂ خدا پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ مسلمانوں نے بیت المقدس پر قبضہ کے بعد عیسائیوں کے ساتھ جو فیاضانہ سلوک کیا ہے۔ اُسکی داستانوں سے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ عیسائیوں کی تاریخیں بھی رنگی ہوئی ہیں۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد صلاح الدین ایوبی کے کیسے کیسے زبردست معرکے عیسائیوں سے ہوئے ہیں اسکی تفصیل آگے چل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے حالات میں بیان کی جائیگی۔

تاتاری سردار چنگیز خاں کا عروج: تاتاری سردار چنگیز خاں جس کے جانشینوں نے آگے چل کر عباسی حکومت کا تختہ اُلٹا۔ اُس کا عروج خلیفہ ناصر الدین ہی کے عہدِ حکومت میں ہوا تھا۔ تاتاریوں کا وطن منگولیا تھا۔ جہاں یہ نیم وحشیوں کی زندگی گذارتے تھے۔ یہ آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔ کُتوں کی کھال اُوڑھتے تھے۔ حرام و حلال میں انھیں تمیز نہ تھی۔ کُتے کا گوشت بڑے ذوق و شوق سے کھاتے تھے۔ انسان کا گوشت بھی کھا لیتے تھے۔ نکاح اور بیاہ کا ان کے ہاں کوئی رواج نہ تھا۔ جو عورت جس کے ہاتھ پڑ جاتی تھی وہ اس سے اپنی خواہش پوری کر لیتا تھا۔ بیٹی اور بہن بھی ان کے ہاں جائز تھی۔ بعض اوقات صرف ایک عورت کئی کئی مردوں کے لئے کافی ہو جاتی تھی۔

چنگیز خاں کا باپ تاتاری قوم کا ایک بڑا سردار تھا۔ جب وہ مر گیا تو چنگیز نو عمر تھا۔ نو عمری کی بنا پر تاتاریوں نے اُسے سردار تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنگیز خاں جوان ہونے کے بعد بڑا جواں مرد اور حوصلہ مند ثابت ہوا۔ اُس نے سرداری حاصل کرنے کے لئے جد و جہد شروع کر دی۔ اور رفتہ رفتہ اتنی طاقت بڑھالی کہ اُس نے تمام تاتاری سرداروں کو زیر کر لیا۔ اور اپنی حکومت کو چین اور ترکستان تک پھیلا کر ایک باعظمت بادشاہ کی حیثیت حاصل کر لی۔

چنگیز خاں اپنی وسیع سلطنت سے بالکل مطمئن تھا وہ شاید دیگر ممالک کی جانب رُخ بھی نہ کرتا اگر خوارزم شاہ نے حکومت اور طاقت کے زعم میں تاتاری تاجروں اور ایلچیوں کو قتل نہ کر دیا ہوتا۔ خوارزم شاہ نے اپنی اس حماقت سے چنگیز خاں کو نہ صرف خوارزم شاہی حکومت کا دشمن بنا دیا تھا بلکہ وہ پوری دُنیائے اسلام کے خون کا پیاسا بن گیا تھا چنانچہ اُس نے پورے وسطی ایشیا سے اسلامی حکومتوں کو مٹا کر لاکھوں مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر ڈالا۔

چنگیز خاں ۶۱۶ھ میں وحشی تاتاریوں کے غول لیکر خوارزم شاہ اور مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے نکلا اور خوارزم شاہی سلطنت کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس نے سمرقند بخارا۔ ماوراء النہر اور سارے خوارزمی علاقہ میں ایسی تباہی اور غارتگری مچائی جس کی مثال اس سے قبل کی دُنیا کی تاریخ میں مفقود تھی۔ نہ عورتوں کو چھوڑا نہ بچوں کو۔ نہ ضعیفوں پر رحم کیا اور نہ بیماروں پر۔ شہروں کو آگ لگا دی۔ کھیتیوں کو اُجاڑ دیا۔ مساجد کو ڈھا دیا۔ خوارزم شاہ فرار ہو کر نیشا پور پہنچا۔ جب تاتاری وہاں بھی پہنچ گئے تو وہ ہمدان بھاگ گیا۔ تاتاریوں نے ہمدان میں اسے گھیر لیا۔ اس کے تمام ساتھی مارے گئے۔ مگر خوارزم شاہ بچ کر نکل گیا اور بھاگ کر جزیرہ میں پناہ گزیں ہو گیا اور وہیں ذات الجنب کے مرض میں مبتلا ہو کر ۶۱۷ھ میں فوت ہو گیا۔ جس وقت وہ مرا ہے تو اس کی بدحالی کا یہ عالم تھا کہ کفن تک میسر نہ آیا جن کپڑوں میں مرا تھا اسی میں دفن کر دیا گیا۔ خوارزمی حکومت کو تباہ کرنے کے بعد تاتاری ہر چہار طرف اسلامی ملکوں میں پھیل

پھیل گئے اور انھوں نے بُری طرح تباہی برپا کرنی شروع کر دی۔

ناصر کی وفات اور متفرق حالات:۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ "آخر عمر میں ناصر کی نظر بے حد کمزور ہو گئی تھی بعض کہتے ہیں کہ دید بالکل جاتی رہی تھی لیکن اس نے کسی کو بھی اپنی اس کمزوری کا علم نہیں ہونے دیا۔ اپنی ایک کنیز کو اس نے اپنے خط کی ایسی مشق کرا دی تھی کہ وہ بالکل ناصر کے خط کی طرح لکھنے لگی تھی۔ اسی سے ناصر حکم لکھوایا کرتا تھا۔ کسی کو تمیز تک نہیں ہوتی تھی کہ خلیفہ کا لکھا ہوا ہے یا کسی دوسرے کا۔"

ناصر الدین کی عمر جب ستر سال ہو گئی تو وہ لقوے کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور اسی مرض میں ۶۲۲ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ۴۷ سال بڑے دبدبہ اور شان کے ساتھ حکومت کی۔

ذہبی کہتے ہیں کہ "کسی خلیفہ نے اتنی طویل مدت تک خلافت نہیں کی۔ اس کی مدتِ خلافت ۴۷ سال ہے۔ اس خلیفہ نے ساری عمر بڑی عزت کے ساتھ زندگی گذاری۔ تمام دشمنوں کا اس نے قلع قمع کر دیا اور تمام سلاطینِ اسلام نے اس کی اطاعت کا اظہار کیا۔ اگر کسی نے بغاوت کی تو فوراً اسے دبا دیا۔ یہ خلیفہ اس قدر خوش اقبال تھا کہ جس نے بھی اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ خوارزم شاہ نے اس بادشاہ پر پچاس ہزار لشکر کے ذریعہ فوج کشی کی تھی مگر اس کی فوج کا بیشتر حصہ بے موسم برف باری کی وجہ سے راستہ ہی میں تباہ ہو گیا۔ اس کے بعد تاتاریوں نے اس کے ملک پر یورش کر کے خوارزم شاہی حکومت کو بالکل ختم کر دیا۔"

ناصر الدین پہلا خلیفہ ہے جس نے خانۂ کعبہ پر سبز پردے ڈالے اس سے قبل سفید ریشمیں پردے ڈالے جاتے تھے۔ ناصر کے بعد سیاہ پردے ڈالے جانے لگے جن کا اس وقت تک رواج ہے۔

ناصر الدین میں جہاں بے شمار خوبیاں تھیں وہاں ایک بڑا عیب یہ بھی تھا کہ وہ دولت کے معاملہ میں بڑا حریص تھا۔ حصولِ زر کے لئے اس نے رعایا پر بڑی بڑی زیادتیاں کی ہیں بہت سے نئے نئے ٹیکس لگا دئے تھے اور مال و جائداد کی وصولی کی خاطر اس نے سیکڑوں آدمیوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا تھا۔ ابن اثیر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "اس کے مظالم

اور محصولوں کی زیادتی کی وجہ سے عراق کا پورا ملک ویران ہو گیا تھا۔"

اس بادشاہ کے عہدِ حکومت میں ان معتمد حضرات نے رحلت فرمائی۔ شہاب الدین قتیل اللہ۔ یہ بہت بڑے اور مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ اوحد الدین انوری۔ یہ مشہور شاعر تھا سلطان الشعرا خاں عجم خاقانی حضرت نظام الدین گنجوی۔ ابو الفرج ابن الجوزی محدث ظہیر الدین فاریابی حضرت امام فخر الدین رازی اور حضرت نجم الدین کبریٰ۔

ظاہر بامر اللہ بن ناصر

ناصر الدین کی موت کے بعد اس کا بیٹا ظاہر بامر اللہ ۶۲۲ھ (۱۲۲۵ء) میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۵۲ سال تھی۔ یہ بڑا دیندار۔ نیک اور انصاف پسند خلیفہ ہوا ہے۔ اس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے کے ساتھ ہی خلافتِ بغداد کو ایک ایسی سچی دینی حکومت بنانے کی کوشش کی جو صحیح معنوں میں خلافتِ راشدہ کا نمونہ بن جائے۔

ابنِ اثیر کہتے ہیں کہ جب ظاہر خلیفہ ہوا تو اس نے حکمرانی اور عدل و انصاف میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی پوری کوشش کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے بعد اس جیسا کوئی خلیفہ نہیں ہوا تو یہ بالکل صحیح اور درست ہوگا۔

ٹیکسوں کی منسوخی اور جائدادوں کی واپسی:۔ ظاہر کے باپ اور خلفائے متقدمین نے ایسے بڑے بڑے ٹیکس لگا دئے تھے۔ جن کے بوجھ تلے رعایا بری طرح دبی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ سرکاری اور ذاتی ضرورتوں کے لئے رعایا کی بہت سی عمارتوں پر بھی ناجائز طریقہ پر قبضہ جمالیا گیا تھا۔ ظاہر نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی رعایا کی تمام جائدادیں اور زمینیں ان کے اصلی مالکوں کو واپس کر دیں۔ رعایا سے بالجبر جو روپیہ وصول کیا گیا تھا وہ سب رعایا کو لوٹا دیا اور تقریباً تمام ناجائز ٹیکس منسوخ کر دئے۔ چنانچہ اس کے باپ کے عہدِ حکومت سے قبل عراق سے محض دس ہزار دینار ٹیکس وصول کیا

جاتا تھا۔ مگر اس کے باپ نے بڑھا کر اسّی ہزار کر دیا تھا۔ اس نے پھر وہی پہلا ٹیکس یعنی دس ہزار کر دیا۔ غرضکہ اس نے اس حد تک ٹیکس کم کر دئے تھے کہ خزانہ خالی ہونا شروع ہو گیا تھا۔

یہ خلیفہ بے حد فیاض اور سیر چشم تھا۔ چنانچہ عید الفطر کی شب کو جب اس نے علما اور صلحا میں ایک لاکھ دینار تقسیم کئے تو بعض ارکانِ حکومت نے اس سے کہا کہ "آپ اتنا خرچ کرتے ہیں کہ سابق خلفا اس کے مقابلہ میں دسواں حصہ بھی خرچ نہیں کرتے تھے"۔ اس نے جواب دیا کہ "میں نے شام کے وقت دکان کھولی ہے۔ مجھے اچھی طرح نیکیاں کر لینے دو میری زندگی ہی کتنی باقی ہے"۔ ابنِ جوزی کہتے ہیں کہ "ظاہر جب خزانہ میں داخل ہوا تو خزانچی نے عرض کیا "حضور آپکے باپ کے زمانہ میں یہ بھرا رہتا تھا"۔ اس نے جواب دیا کہ "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ میں ایسی کونسی تدبیر اختیار کروں جس سے خزانہ بھرا رہے۔ مجھے تو بس راہِ خدا میں خرچ کرنا آتا ہے۔ میرے نزدیک تو خزانہ ہوتا ہی اس لئے ہے کہ اسے خرچ کیا جائے۔ جمع کرنا ہمارا کام نہیں ہے بلکہ سوداگروں کا کام ہے"۔ ناصر نے اپنے زمانہ میں ایک حوض بھر سونا بڑی مشکل سے جمع کیا تھا۔ ظاہر نے اسے چند مہینوں کے اندر رعایا اور غربا میں تقسیم کر دیا۔

تجارتی پابندیوں کی وجہ سے موصل وغیرہ میں عموماً غلہ بے حد گراں رہتا تھا۔ ظاہر نے غلہ پر سے ہر قسم کی پابندی اور ٹیکس اڑا دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ غلہ ارزاں ہو گیا۔ غلہ کو اور زیادہ ارزاں کرنے کی غرض سے ظاہر نے سرکاری غلے خانوں کا غلہ بازار سے کم نرخ پر فروخت کرانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے غلہ کا نرخ اور بھی گر گیا اور رعایا کو سستے داموں غلہ ملنے لگا۔

ظاہر کی وفات: ظاہر تخت نشینی کے نو مہینے بعد ۶۲۳ھ میں مختصر سی علالت کے بعد فوت ہو گیا۔ اس نے اس مختصر سی مدت میں وہ نیک کام کئے ہیں جو دوسرے خلفا سالہا سال میں بھی نہیں کر سکے تھے۔

مستنصر باللہ بن ظاہر

مستنصر اپنے باپ ظاہر بامر اللہ کی وفات کے بعد

۶۲۳ھ (۱۲۲۶ء) میں مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ یہ ایک ترکی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۲۳ سال تھی۔ وہ اپنے باپ کا صحیح معنوں میں جانشین تھا بلکہ بعض محاسن اور خصوصیات میں وہ اپنے باپ سے بھی آگے تھا۔

اُس نے اپنے دَورِ حکومت میں ایسے اہم کارنامے انجام دئے ہیں جن کی وجہ سے پھر ایک بار ہارون اور مامون کے عہدِ حکومت کی یاد تازہ ہوگئی۔ اس نے تخت نشینی کے فوراً ہی بعد اعلان کر دیا تھا کہ میری حکومت میں ہر شخص کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائیگا ہر حاجت مند کی حاجت پوری کی جائے گی اور ہر مظلوم کی داد رسی ہوگی۔ اس کا زمانہ عدل وانصاف سخاوت اور مظلوموں کی دادرسی کے اعتبار سے ایک تمثیلی دور تھا۔

مستنصر نے اپنے زمانہ میں علم ودین کی بہت بڑی خدمت انجام دی تھی۔ اس نے مسجدیں تعمیر کرائیں سڑکیں اور سرائیں بنوائیں۔ مدارس جاری کئے شفاخانے کھولے دین کو خوب مضبوط کیا۔ اور دشمنانِ دین کی اچھی طرح سے سرکوبی کی اور مسلم عوام کو سنّتِ رسول اللہ پر چلنے کی ترغیب دی۔ اس نے خلافت کے نظام کو بے حد چست بنا دیا تھا اور خلافت کے تحفّظ کے لئے اتنی بڑی فوج تیار کی تھی۔ جو دنیا کی بڑی سے بڑی حکومت سے پوری طرح ٹکر لے سکتی تھی۔

مستنصر کا عظیم الشان مدرسہ: مستنصر کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بغداد میں ایک ایسا عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جس کی نظیر اُس وقت رُوئے زمین پر موجود نہیں تھی۔ مستنصر نے ۶۲۵ھ میں اس مدرسہ کی بُنیاد دجلہ کے کنارے رکھی تھی۔ سات سال کے اندر اس مدرسہ کی عظیم الشان عمارت تیار ہوئی تھی۔

اس مدرسہ کی عمارت میں سیکڑوں کمرے تھے۔ کتب خانہ کے لئے ایک مستقل عمارت تھی۔ مدرسہ سے ملحق ایک شاندار مسجد تھی۔ مدرسہ سے متعلق شفاخانہ تھا اور باورچی خانہ تھا جس سے کہ طلبا کو کھانا مفت ملتا تھا۔ کھانا نہایت اعلیٰ قسم کا ہوتا تھا جس میں مٹھائیاں

پھل اور میوے بھی شامل ہوتے تھے۔ ٹھنڈے پانی کے لئے آبدار خانہ تھا۔ اس مدرسہ میں تعلیم پانے والے طلبا کو جن کی تعداد سیکڑوں تھی۔ کھانے کے علاوہ مکان۔ چارپائی۔ بستر۔ روشنائی کاغذ اور کتابیں حکومت کی جانب سے مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ اور جیب خرچ کے لئے ہر طالب علم کو ایک اشرفی ماہانہ مدرسہ کی جانب سے دی جاتی تھی طلبا کے لئے حمام بھی تعمیر کئے گئے تھے۔

اس مدرسہ میں چاروں عقائد کے طلبا کی تعلیم کا مکمل انتظام تھا۔ چار صدر مدرس تھے جو شیخ الحدیث۔ شیخ النحو۔ شیخ الفرائض اور شیخ الطب کے نام سے موسوم تھے۔ ان کے ماتحت لاتعداد چھوٹے مدرس تھے۔ اس مدرسہ کے کتب خانہ کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے لئے جو لاجواب اور منتخب کتابیں آئی تھیں وہ ایک سو ساٹھ اونٹوں پر بار کی گئی تھیں۔ ابنِ واصل کا کہنا ہے کہ "اس سے بہتر مدرسہ روئے زمین پر کبھی نہیں بنا۔" اور یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال زمانۂ ماسبق میں معدوم تھی۔

تاتاریوں کی یورش اور خلافتِ بغداد: مستنصر کے دورِ حکومت میں تاتاریوں نے نہ صرف بچی کھچی خوارزم شاہی حکومت کو بالکل ختم کر دیا تھا۔ بلکہ انھوں نے سلطنتِ عباسیہ کے گرد و پیش کے تمام ممالک پر قبضہ جما لیا تھا لیکن ان کو ابھی تک براہِ راست عباسی حکومت پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اس کے دو سبب تھے۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ تاتاری گو وحشی تھے لیکن عباسی حکومت کی مذہبی عظمت سے بخوبی واقف تھے اور ان کو اندیشہ تھا کہ وہ اس حکومت پر ہاتھ ڈال کر کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مستنصر نے تاتاریوں کے خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اپنی فوجی طاقت کو اتنا بڑھا لیا تھا کہ خلافتِ اسلامیہ بڑی آسانی کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کر سکتی تھی مستنصر کی عظیم الشان فوجی طاقت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس ایک لاکھ کے قریب تو صرف منتخب سوار فوج موجود تھی۔ اور باقی فوج کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مستنصر کی وفات اور متفرق حالات: مستنصر سترہ سال حکومت کرنے کے بعد ۶۴۰ھ میں اکتالیس سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اُس کی موت بے وقت تھی جس سے کہ خلافتِ اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچا چنانچہ اُس کے بعد جو نا اہل خلیفہ تخت نشین ہوا اس کے دورِ حکومت میں خلافتِ عباسیہ بالکل ختم ہو گئی

مستنصر کے عہدِ حکومت کا ایک افسوسناک واقعہ یہ بھی ہے کہ مرحوم سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھتیجے ملک الکامل نے اپنی کم عقلی اور کمزوری کی بنا پر ۶۲۶ھ میں عیسائیوں سے ایک معاہدہ کر کے ان کو بیت المقدس میں چند خاص حقوق دیدیئے تھے جن کی رُو سے عیسائیوں کا بیت المقدس پر عارضی طور پر تسلط ہو گیا تھا۔ اور وہ آزادانہ بیت المقدس میں آنے جانے لگے تھے۔ کامل کی اس کمزوری کو دُنیائے اسلام میں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔

مستعصم باللہ بن مستنصر

یہ خلفائے بنی عباس میں سے آخری خلیفہ تھا جو اپنے باپ مستنصر کے مرنے کے بعد ۶۴۰ھ (۱۲۴۲ء) میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔ یہ ہاجرہ نامی ایک لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ مستعصم گو نرم مزاج۔ خوش اخلاق اور بہت سی خوبیوں کا مالک تھا لیکن حکمرانی کی اس میں مطلق صلاحیت نہ تھی چنانچہ اس کا بیشتر وقت گانے بجانے اور تفریحی مشاغل میں صرف ہوتا تھا۔ اسکے دوست احباب زیادہ تر جاہل اور کم درجہ کے لوگ تھے۔

مستنصر کے بعد اگر کوئی اس کا صحیح جانشین ہو سکتا تھا تو وہ مستنصر کا بھائی خفاجی تھا جو ہمت، شجاعت، تدبر اور ہوشمندی میں دوسرا مستنصر تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "اگر خدا نے کبھی مجھ کو خلافت کی دولت سے نوازا تو میں دریائے جیحوں عبور کر کے تاتاریوں کی طاقت کو جڑ اور بُنیاد سے اُکھاڑ کر پھینک دوں گا" اور واقعی وہ ایسا کر بھی سکتا تھا کیونکہ وہ شجاعت اور فنِ سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا لیکن خود غرض اُمرائے سلطنت نے اسکی بیعت

سے صرف اس لئے گریز کیا کیونکہ ان کو مضبوط خلیفہ کی بجائے ایک ایسے کمزور خلیفہ کی ضرورت تھی جسے وہ کٹھ پتلی بنا کر جس طرح چاہیں نچا سکیں اور اس مقصد کے لئے مستعصم سے بہتر خلیفہ ملنا ان کے لئے ناممکن تھا۔

غدار وزیر علقمی کے کرتوت:۔ مستعصم عشرت پسندی اور لہو ولعب کا دلدادہ تھا۔ اسے حکومت کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لہذا اس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی حکومت کے تمام اختیارات اپنے وزیر علقمی کے حوالے کر دئے تھے۔ علقمی شیعیت کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اسے عباسی حکومت سے فطری عناد تھا۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ عباسی حکومت کو ختم کر کے علوی حکومت کا سنگ بنیاد قائم کرے۔ چنانچہ اس نے اقتدار حاصل ہوتے کے ساتھ ہی عباسی سلطنت کی بنیادوں کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا۔

وزیر علقمی کی ابن الوقتی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو اس نے عباسی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے تاتاریوں کے ساتھ سازباز شروع کر دی۔ اور دوسری طرف اس نے فوج کے ایک بڑے حصہ کو برخاست کر دیا اور کچھ مدت کے بعد جو فوج باقی رہ گئی تھی اسمیں بھی کمی کر دی گویا اس نے دیدہ ودانستہ فوجی اعتبار سے عباسی حکومت کو مفلوج بنا دیا۔

علقمی نے اہلِ بغداد کے لئے شیعہ اور سنی کا ایک نیا جھگڑا کھڑا کر کے شہر کے امن کو بھی برباد کر ڈالا۔ یہ جھگڑا اس لئے اور بھی بڑھ گیا کیونکہ بغداد کے شیعوں کو تو علقمی وزیر کی حمایت کا غرور تھا اور سنی یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا خلیفہ سنی ہے۔ لہذا دونوں اپنی اپنی جگہ اپنی پوزیشن کو مضبوط سمجھتے تھے اور دوسرے کو نظر میں نہیں لاتے تھے لہذا سنیوں اور شیعوں میں مستقل ہنگامے شروع ہو گئے جس سے شہر کا سارا امن برباد ہو گیا اور دار الخلافہ کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔

ہلاکو خاں کا حملہ اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ:۔ علقمی فوجی اعتبار سے تو عباسی حکومت کو پہلے ہی مفلوج بنا چکا تھا۔ دار الخلافہ کا امن اس نے شیعہ سنی کا جھگڑا اٹھا کر برباد کر دیا تھا یعنی عباسی سلطنت میں نہ تو بیرونی حملہ کے مقابلہ کی طاقت باقی رہی تھی اور نہ اندرونی

امن بھی محال تھا۔ ایسی حالت میں کوئی بھی بیرونی دشمن اس سلطنت پر حملہ کرکے آسانی سے قبضہ جما سکتا تھا۔ العلقمی بیرونی حملہ کا انتظام بھی پوری طرح کر چکا تھا۔ ہلاکو خاں سے اسکے وعدے وعید ہو چکے تھے۔ اور یہ طے پا گیا تھا کہ ہلاکو عباسی خلیفہ کو ختم کرکے کسی علوی کو خلیفہ نامزد کر دیگا۔ اور نائب السلطنت کا عہدہ علقمی کو دیدیا جائیگا۔

علقمی کے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق ذی الحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو کی ٹڈی دل فوج نے اچانک بغداد پر حملہ کر دیا۔ عباسیوں کے پاس بھلا فوج کہاں رکھی تھی جو وہ ہلاکو کا مقابلہ کرسکے فوج کو تو علقمی پہلے ہی برخاست کر چکا تھا لیکن پھر بھی جو تھوڑی بہت فوج تھی اس نے بڑی پامردی کے ساتھ تاتاری لشکر کا مقابلہ کیا۔ مٹھی بھر فوج کہاں تک تاتاریوں کے لشکر جرار کے مقابلہ پر ٹھہر سکتی تھی۔ عباسیوں کو شکست ہو گئی اور تاتاریوں نے پورے بغداد کو محاصرہ میں لے لیا۔ گویا بغداد تاتاریوں کی مٹھی میں آگیا۔

آخری عباسی خلیفہ کا بے دردانہ قتل:۔ غدار علقمی نے اس کے بعد ایک اور خطرناک چال چلی۔ اس نے خلیفہ، علما اور فقہا کو صلح کا یقین دلاکر ان سب کو ہلاکو کے کیمپ میں چلنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ چنانچہ خلیفہ مستعصم اور اس کے ساتھ بغداد کے تمام علما۔ فقہا اور معززین ہلاکو سے صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے اس کے کیمپ میں جا پہنچے۔ ہلاکو ان کا منتظر ہی تھا۔ اس نے چُن چُن کر سب کو تہہ تیغ کر دیا۔ مستعصم کو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر ختم کر دیا۔ اور اس کی لاش کو گھوڑوں کے پیروں تلے مسلوا کر پارہ پارہ کر دیا گویا خلیفہ کو گور و کفن تک میسّر نہیں آیا۔ غرضکہ اس آخری عباسی خلیفہ کے قتل کے بعد محرم ۶۵۵ھ میں عباسی خلافت ختم ہو گئی۔

بغداد میں قتل عام اور عراق پر قبضہ:۔ خلیفہ کو ختم کرنے کے بعد تاتاری بھوکے بھیڑیوں کی طرح بغداد میں گھس پڑے۔ اور مسلسل چالیس روز تک شہر کو لوٹتے رہے۔ اور قتل عام برپا کرتے رہے۔ نہ انھوں نے عورتوں کو بخشا نہ بچوں کو۔ نہ بیماروں پر ترس کھایا، نہ بوڑھوں پر

آیا اور وہ بوڑھوں پر۔ بغداد کے گلی کوچوں میں خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ اور ہر طرف لاشوں کے انبار کے علاوہ کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں صرف بغداد میں تقریباً سولہ لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔ ہزاروں عورتوں نے اپنی آبرو بچانے کے لئے کنوؤں میں اور دریائے دجلہ میں ڈوب کر اپنی جانیں دیدیں۔ تاتاریوں کو بغداد کی لوٹ سے اتنا سامان ملا تھا کہ جوان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا یعنی بغداد کی تباہی و بربادی نے ان کو مالا مال کر دیا تھا۔ بغداد کے بعد تاتاری پورے عراق پر قابض ہو گئے۔ اور خلافت عباسیہ جس کی بنیاد ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں ابوالعباس سفاح نے رکھی تھی مستعصم کے قتل اور بغداد کی بربادی کے بعد سوا پانچ سو سال کے بعد ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں ختم ہو گئی۔

وزیر علقمی کی مایوسی اور موت:۔ ہلاکو نے بغداد اور عراق کی فتح کے بعد جب اپنے عمال مقرر کرنے شروع کئے تو غدار وزیر علقمی کو قطعی نظر انداز کر دیا۔ علقمی نے تاتاریوں کو ان کے وعدے یاد دلا کر کسی علوی کو تخت خلافت پر بٹھانے کے لئے ہر چند آمادہ کرنا چاہا لیکن تاتاریوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ جب علقمی نے ہلاکو پر زیادہ زور دیا تو اس نے علقمی کو کتے کی طرح دھتکار دیا۔ غرضکہ علقمی کو اس نمک حرامی کا یہ صلہ ملا کہ وہ انتہائی ذلت اور خواری کی حالت میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر چند ہی روز میں مر گیا۔

—— ح (علیہ) ع ——



نواں باب

اسپین (یورپ)

کی خود مختار اسلامی حکومتیں

۱۳۸ھ تا ۸۹۷ھ
۷۵۶ء تا ۱۴۹۲ء



کتبہ حسن علی

خودمختار اسلامی حکومتیں

پچھلے آٹھ ابواب میں ہم رسول اللہ صلعم کی تبلیغی اور جنگی سرگرمیوں خلفائے راشدین کی فتوحات شاہان بنی اُمیہ کی حکومت اور خلفائے بنی عباس کی سلطنت پر مفصل تبصرہ کرنے کے بعد یہ بتا چکے ہیں کہ گذشتہ ساڑھے چھ سو برس میں مسلمانوں نے کیسی کیسی عظیم الشان فتوحات حاصل کی ہیں۔ اور کس طرح مملکتِ اسلامیہ کو دُنیا کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک پھیلا دیا تھا حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام فتوحات اس قدر شاندار ہیں جن کی مثال آج بھی دُنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے اسلامی فتوحات کی ابتدا اور اسلامی حکومت کا قیام کچھ ایسی مبارک ساعت میں ہوا تھا کہ جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا۔ دُنیائے اسلام میں نئی نئی ایسی بے شمار خودمختار اسلامی حکومتوں کا اضافہ ہوتا گیا۔ جنہوں نے کہ حکومتوں کی تاریخ میں اپنے لئے ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لی اور جن کے شاندار کارناموں سے دُنیا حیران رہ گئی۔ گو یہ تمام خودمختار اسلامی حکومتیں زیادہ تر مرکزی اسلامی حکومت یعنی خلافت اسلامیہ ہی کا حصہ تھیں جو خودمختار ہوگئی تھیں لیکن بعد کو انہیں اس قدر اہمیت حاصل ہوئی کہ ان میں سے ہر خودمختار اسلامی حکومت کی ایک مستقل اور جداگانہ تاریخ بن گئی۔

شاہان بنی اُمیہ سے لیکر خلفائے بنی عباس کے عہدِ حکومت تک چونکہ اسلامی فتوحات کا دائرہ بے حد وسیع ہوگیا تھا اور مملکتِ اسلامیہ مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک دُنیا کے بیشتر حصہ پر پھیل گئی تھی اس لئے کسی ایک خلیفہ یا شہنشاہ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ ان لاتعداد اسلامی حکومتوں کو یکجا رکھ کر ان سب پر تن تنہا حکومت کرسکے لہذا

یہ ضروری ہو گیا کہ مملکتِ اسلامیہ کئی حصّوں میں تقسیم ہو جائے جن پر مختلف بادشاہ اور سلاطین علٰحدہ علٰحدہ حسن و خوبی کے ساتھ حکمرانی کر سکیں۔

نئی نئی خود مختار اسلامی حکومتوں کے قائم ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ شاہان بنی اُمیّہ اور خلفائے بنی عباس کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے مرکزی اسلامی حکومت یعنی خلافتِ اسلامیہ میں اتنی طاقت ہی نہیں رہی تھی کہ وہ ان بے شمار ممالک کو جو کرۂ ارض پر دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے قابو میں رکھ سکتی لہٰذا اکثر ممالک کے گورنر اور سردار خود مختار بن گئے۔ اور انھوں نے خود مختار ہونے کے بعد اپنے اپنے ممالک کو خوب ترقی دی یعنی جہاں خلافتِ اسلامیہ سے بہت سے اسلامی ممالک کے نکل جانے کے بعد یہ نقصان پہنچا کہ مرکزی اسلامی حکومت کمزور ہو گئی۔ وہاں یہ فائدہ بھی پہنچا کہ دُنیا میں ایک کی بجائے کئی ایسی خود مختار اور ممتاز اسلامی حکومتیں قائم ہو گئیں جن کا نظامِ حکومت مرکزی اسلامی حکومت سے بھی کہیں زیادہ چست اور مضبوط تھا۔

مرکزی خلافت یا مرکزی اسلامی حکومت سے علٰحدہ ہونے کے بعد جو نئی نئی خود مختار اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان کا جال اسلامی تاریخ میں مکڑی کے جالے کی طرح پھیلا ہوا ہے کیونکہ ہر اسلامی حکومت سے کئی کئی حکومتیں بنتی چلی گئی ہیں جن پر مختلف اوقات میں مختلف خاندانوں نے صدیوں تک حکومت کی ہے ظاہر ہے کہ ان لاتعداد خود مختار اسلامی حکومتوں کی تفصیل اس چھوٹی سی تاریخ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے ہم صرف وہی واقعات بیان کرینگے جس کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ ہمارا دل تو یہی چاہتا ہے کہ مرکزی حکومت کی تاریخ کی طرح ہم ان خود مختار اسلامی حکومتوں پر بھی پوری تفصیل کے ساتھ تبصرہ کریں لیکن چونکہ ہم کم سے کم اوراق میں زیادہ سے زیادہ اسلامی حکومتوں کے واقعات پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم آگے چل کر کسی قدر اختصار سے کام لیں گے۔

دُنیا کی مختلف قوموں کی تاریخ کا اگر گہری نظر سے مُطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی قوم گر گئی ہے۔ تو وہ فنا ہو گئی ہے لیکن مسلمان قوم کی تاریخ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ یہ قوم بار بار گر گر کر اُبھری ہے۔ اور اسلامی سلطنتیں بار بار مٹ مٹ کر بنی ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی ایک اسلامی سلطنت مٹ گئی ہے تو اس کی خاک سے کئی کئی اسلامی حکومتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ یا اگر دُنیا کے کسی حصّہ سے کوئی اسلامی حکومت ختم ہو گئی ہے تو فوراً ہی اُس کی بجائے دوسری اسلامی سلطنت دُنیا کے کسی دوسرے حصّہ میں اس سے بھی زیادہ شاندار صورت میں عالم وجود میں آ گئی ہے۔ یہ وہ امتیازی خصوصیت ہے جو آفرینشِ عالم سے لیکر آج تک دُنیا کی کسی قوم کو حاصل نہیں ہوئی جس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان قوم پیدا ہی اسی لئے کی گئی ہے کہ گر گر کر اُبھرے اور مٹ مٹ کر زندہ ہو۔ یہ اگر فیضانِ الٰہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

آئندہ اوراق میں ہم چند آزاد اور خود مختار اسلامی حکومتوں کی مختصر تاریخ بیان کریں گے ان سے یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ مرکزی حکومت یعنی خلافت کے کمزور ہو جانے کے بعد کس طرح نئی نئی اسلامی سلطنتیں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ اور ان کے حکمرانوں نے کیسے دبدبے اور شان کے ساتھ صدیوں تک حکومت کی ہے۔ چنانچہ دورِ حاضرہ میں بھی جتنی اسلامی حکومتیں موجود ہیں وہ سب کی سب ان ہی حکومتوں کی خاک سے پیدا ہوئی ہیں۔

اسپین پر سلاطینِ بنی اُمیّہ کی خود مختار حکومت

اسپین کی سب سے پہلی خود مختار اور آزاد اسلامی حکومت کا بانی عبدالرحمٰن بن مُعاویہ ہے جس نے ۱۳۸ھ (۷۵۶ء) میں اسپین پہنچ کر اور وہاں کے برسر اقتدار سرداروں کو زیر کر کے اسپین میں خاندانِ بنی اُمیہ کی نئے سرے سے آزاد اور خود مختار حکومت قائم کی۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ خاندانِ بنی اُمیہ کے مشہور فرمانروا ہشام بن عبدالملک کا پوتا تھا۔ یہ بڑا ہی حوصلہ مند نوجوان تھا۔ اس نے اسپین میں ایک ایسی مضبوط اُموی حکومت کی بنیاد قائم کی کہ اس کے جانشین صدیوں تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ یہاں حکومت کرتے رہے۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کی قائم کردہ اس اسلامی سلطنت کی دھاک کا یہ عالم تھا کہ یورپ کے تمام بڑے بڑے بادشاہ اس سلطنت کے نام سے کانپتے تھے۔

قبل اس کے کہ ہم عبدالرحمٰن بن مُعاویہ کے حالات پر روشنی ڈالیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسپین میں مسلمانوں کے داخلے اور فتوحات کی پُرانی تاریخ کا ہلکا سا خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو اسپین کی اس آزاد اور خود مختار حکومت کے واقعات کے سمجھنے میں سہولت ہو۔ اسپین میں مسلمانوں کی فتوحات پر گو ہم خاندانِ بنی اُمیّہ کے حالات میں روشنی ڈال چکے ہیں لیکن پھر بھی ہم اس جگہ اسپین میں مسلمانوں کے داخلے اور فتوحات کے واقعات کا خلاصہ پیش کر دینا ضروری سمجھتے ہیں

اسپین میں مسلمانوں کا داخلہ اور فتوحات

اسپین پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ ۹۲ھ (۷۱۱ء) میں ولید بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں کیا تھا۔ یہ حملہ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے جبکہ طارق بن زیاد نے یورپ کی اس عظیم الشان سلطنت کے خلاف صرف سات ہزار کے معمولی سے لشکر کے

ذریعہ حملہ کرکے جرأت اور دلیری کی ایک غیر فانی مثال قائم کر دی تھی۔ طارق کے حملہ کرتے ہی اسپین کا آزمودہ کار عیسائی بادشاہ لرزیق مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ صف آرا ہو گیا۔ بے سروسامان طارق کو اس بے پناہ لشکر سے نبرد آزما ہونے کیلئے صرف پانچ ہزار سپاہیوں کی مزید امداد افریقہ سے مل سکی۔ اور اس طرح اس کے پاس بارہ ہزار کا لشکر ہو گیا۔ ایک طرف بارہ ہزار بے سروسامان اجنبی مسلمانوں کی پیدل فوج تھی اور دوسری جانب اسپین کا ایک لاکھ کا لشکر عظیم تھا جس کی بیشتر تعداد کے پاس گھوڑے تھے اور جو پوری طرح آلات حرب سے مسلح تھے جنگ چھڑ گئی۔ کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ بارہ ہزار کی یہ بے سروسامان اسلامی فوج ایک لاکھ کے اس اسپینی لشکر پر غالب آجائیگی جسکو اپنے وطن میں ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی سہولتیں حاصل تھیں لیکن دُنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ مٹھی بھر سرفروش مسلمانوں نے ایک اجنبی ملک میں گھس کر ایک لاکھ کے لشکر عظیم کی بیشتر تعداد کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس جنگ کے بعد پوری کی پوری اسلامی فوج جو پیدل تھی اُس کے ہر سپاہی کو ایک کی بجائے کئی کئی گھوڑے مل گئے اور بے اندازہ مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ غرضکہ اس پہلی ہی عظیم الشان فتح کے بعد طارق نے اسپین میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔

افریقہ کے اسلامی گورنر موسیٰ بن نصیر کو جب طارق کی اس عظیم الشان فتح کی خبر ملی تو وہ فوراً ایک تازہ دم لشکر لیکر طارق کی امداد کے لئے اسپین پہنچ گیا۔ موسیٰ کے اسپین پہنچنے کے بعد ان دونوں نے مل کر ایک سال سے بھی کم مدت میں نہ صرف اسپین اور پرتگال کا پورا ملک فتح کر لیا بلکہ فرانس کا وہ تمام جنوبی علاقہ بھی فتح کر لیا جو اسپین سے ملحق تھا۔ یہ دونوں لائق سردار اگرچہ پورے یورپ کی فتح کا تہیہ کئے ہوئے تھے لیکن موسم سرما کی شدت کے شروع ہونے کی بنا پر ان کو اپنی مہم کو سالِ آئندہ پر ملتوی کر دینا پڑا اور انہوں نے طے کیا کہ آئندہ سال پہلے ملکِ فرانس کو فتح کرکے آسٹریا۔ اٹلی اور بلقان کو زیر کرتے ہوئے پہلے تو قسطنطنیہ جائیں گے اور اس کے بعد ایک ایک کرکے یورپ کے تمام ممالک فتح کر لینگے۔ اللہ اللہ کیا حوصلے تھے۔

ولید بن عبدالملک جو بیرونی ممالک کی فتوحات کا سب سے زیادہ دلدادہ تھا۔ اگر زندہ رہتا تو کوئی تعجب نہ تھا کہ آئندہ سال یورپ کے پورے برّاعظم پر اسلام کا جھنڈا لہرا رہا ہوتا لیکن اسپین پرتگال اور جنوبی فرانس کی فتح کے فوراً ہی بعد چونکہ ولید بن عبدالملک کی اچانک موت واقع ہوگئی۔ اس لئے یورپ کی فتح کی یہ اسکیم پھر کبھی پوری نہ ہوسکی۔ چنانچہ ولید کے مرنے کے بعد جب اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک تختِ خلافت پر بیٹھا تو اس نے محض ذاتی مخالفت کی بنا پر ولید کے زمانہ کے تمام سپہ سالاروں کو چن چن کر یا تو قتل کر دیا یا قید کر دیا یا ان کو معزول کر دیا۔ لہٰذا فاتح اسپین طارق کو معزول کر دیا گیا۔ اور موسیٰ بن نصیر کو جیلخانہ میں ڈالدیا گیا اور اس طرح یورپ میں اسلامی فتوحات صرف اسپین پرتگال اور جنوبی فرانس تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ بعد کو جنوبی فرانس بھی مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔

اسپین اور پرتگال کی فتح کے بعد وہاں کا سب سے پہلا اسلامی گورنر موسیٰ بن نصیر کا بیٹا عبدالعزیز بن موسیٰ مقرر ہوا تھا لیکن سلیمان بن عبدالملک نے اسے بھی قتل کرا دیا تھا۔ اور ایوب بن حبیب کو اس کی جگہ گورنر مقرر کر دیا تھا۔ ایوب بن حبیب کے بعد یکے بعد دیگرے خلافتِ اسلامیہ کی جانب سے اسپین میں انیس ۱۹ گورنر مقرر ہوئے۔ لیکن شاہانِ بنی اُمیّہ کے آخری زمانہ سے اسپین کی حکومت کا انتظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ یہاں ایک طرف تو عرب اور بربری سرداروں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی۔ دوسری جانب عربوں کے یمنی اور مضری قبائل میں بڑی طرح جنگ برپا تھی۔

مرکزی اسلامی حکومت چونکہ بے حد کمزور ہوگئی تھی۔ اس لئے وہ اسپین کے مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کی جانب توجہ نہ کر سکی۔ چنانچہ اسپین کی بدنظمی یہاں تک بڑھ گئی کہ اسپین کا جو سردار بھی دوسرے سرداروں پر غالب آجاتا تھا وہ طاقت کے بل پر خود ہی

اسپین کا گورنر بن جاتا تھا اور وہاں کی حکومت اپنے ہاتھ میں سنبھالتا تھا چنانچہ اسپین کا سب سے آخری گورنر یوسف بن عبدالرحمٰن تھا جس نے کہ اسپین کے تمام دوسرے سرداروں کو شکست دیکر وہاں کی حکومت پر قبضہ جما لیا تھا اور خود ہی گورنر بن بیٹھا تھا۔ اسپین کی آزاد اور خود مختار اسلامی حکومت کے بانی عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اسپین پہنچکر اسی آخری گورنر یوسف سے اسپین کی حکومت چھینی تھی۔

اسپین کا پہلا خود مختار بادشاہ عبدالرحمٰن بن معاویہ

شاہانِ بنی اُمیہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب ۱۳۲ھ میں حکومت کا انقلاب ہوا اور عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی تو خاندانِ بنی اُمیہ کا بُری طرح قتلِ عام شروع ہو گیا لیکن عبدالرحمٰن چونکہ اس وقت دمشق سے دریائے فرات کے کنارے اپنی ذاتی جاگیر میں انتظام کی غرض سے آیا ہوا تھا۔ اسلئے بچ گیا۔ اگر وہ بھی دمشق میں ہوتا تو اسے بھی دوسرے اموی شہزادوں کی طرح تہہ تیغ کر دیا جاتا۔

اسے جوں ہی اپنی جاگیر میں یہ اطلاع ملی کہ حکومت پر عباسیوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور خاندانِ بنی اُمیہ کے افراد کو چُن چُن کر قتل کیا جا رہا ہے تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا اور پا پیادہ جنگل اور بیابانوں کا سفر طے کرتا ہوا فلسطین جا پہنچا یہاں اتفاق سے اُسے اپنے خاندان کا پُرانا غلام بدر بھی مل گیا۔ اسے ساتھ لیکر وہ مصر ہوتا ہوا افریقہ جا پہنچا افریقہ پہنچنے کے بعد افریقہ کے عباسی گورنر نے جب اسے گرفتار کرنا چاہا تو بچ کر نکل گیا اور بربری علاقے میں جا کر رُوپوش ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ماں چونکہ بربری نسل سے تھی اس لئے بربریوں نے اس کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کی۔ اور گورنر افریقہ کی سخت تلاش اور جستجو کے باوجود چار پانچ سال تک عبدالرحمٰن بن معاویہ کا کوئی سراغ افریقہ کے عباسی عمّال کو نہ مل سکا۔

جس زمانہ میں کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ افریقہ میں رُوپوش تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا جبکہ

اسپین میں بُری طرح بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اور خانہ جنگی برپا تھی۔ اور اس خانہ جنگی کی تمام اطلاعیں عبدالرحمٰن بن معاویہ کو افریقہ میں برابر مل رہی تھیں۔ عبدالرحمٰن بڑا ہی ہوشیار اور حوصلہ مند نوجوان تھا۔ اس نے سوچا کہ اسپین کی سلطنت پر قبضہ جمانے کے لئے یہ بہترین موقع ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے خاندانی غلام بدر کو اسپین بھیجکر ان تمام سرداروں کو ہموار کرلیا۔ جو اسپین کے موجودہ گورنر یوسف کے مخالف تھے۔ چنانچہ یوسف کے تمام مخالف سرداروں نے بدر کو یقین دلادیا کہ وہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کی حکومت کے قیام میں ہر قسم کی جانی اور مالی امداد کے لئے بالکل تیار ہیں اور ان سرداروں نے عبدالرحمٰن کو اسپین لانے کے لئے ایک خاص جہاز کا بھی فوراً انتظام کردیا۔ اس کے علاوہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے اسی جہاز کے ذریعہ بدر کے ہمراہ ان سرداروں کے نمائندوں کا ایک وفد بھی افریقہ روانہ کردیا۔ اب عبدالرحمٰن کے لئے راستہ بالکل صاف تھا لہٰذا جہاز اور وفد کے پہنچتے ہی عبدالرحمٰن بن معاویہ فوراً افریقہ سے اسپین کے لئے روانہ ہوگیا

عبدالرحمٰن بن معاویہ جس وقت اسپین کے ساحل پر اُترا تو بنی اُمیہ کی حکومت کے زمانہ کے بڑے بڑے اُمرا گورنر یوسف کے تمام مخالف سردار اور ہزاروں اسپین کے باشندے اس کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ چنانچہ سرزمینِ اسپین پر قدم رکھتے کے ساتھ ہی اُن تمام قبائل نے اس کے سامنے سرِ اطاعت خم کردیا۔ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ جو خاندان بنی اُمیہ سے محبت رکھتے تھے یا جو موجودہ برسرِ اقتدار گورنر یوسف کے مخالف تھے۔ اور ان سبھی نے ملکر گورنر یوسف کے مقابلہ کے لئے عبدالرحمٰن بن معاویہ کے پاس ایک بہت بڑا لشکر بھی فراہم کردیا۔ اس کے علاوہ اشبیلیہ۔ ریاشند وز۔ مورور اور چند دوسرے علاقے کے مسلمانوں نے بھی عبدالرحمٰن بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

عبدالرحمٰن کا اسپین میں فاتحانہ داخلہ

عبدالرحمٰن کو جب اہلِ اسپین کی عام

حمایت کا یقین ہوگیا تو وہ فوج لیکر گورنر یوسف کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کی خوش قسمتی سے ان دنوں گورنر یوسف ایک دُور دراز کی مہم میں اُلجھا ہوا تھا۔ اس لئے عبدالرحمٰن کے لئے میدان بالکل خالی تھا۔ عبدالرحمٰن سب سے پہلے پایۂ تخت قرطبہ کی جانب بڑھا۔ قرطبہ میں یوسف کی جو فوج موجود تھی۔ وہ ٹوٹ کر عبدالرحمٰن سے آن ملی اور کسی دشواری کے بغیر عبدالرحمٰن بن معاویہ کا قرطبہ پر قبضہ ہوگیا۔ گورنر یوسف کو جب اس تازہ انقلاب کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے لشکر کو لیکر قرطبہ کی جانب دوڑا لیکن یوسف کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اسپین کے تقریبًا تمام شہروں کی فوجیں ٹوٹ ٹوٹ کر عبدالرحمٰن سے جا ملی تھیں اور یوسف کی طاقت بہت ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ مگر پھر بھی یوسف نے عبدالرحمٰن کا مقابلہ کیا مگر اس مقابلہ میں گورنر یوسف کو شکست ہوگئی اور اس نے مجبورًا عبدالرحمٰن بن معاویہ کی اطاعت قبول کر لی۔ اور عبدالرحمٰن بن معاویہ اسپین کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ گورنر یوسف نے چونکہ اطاعت کے بعد بھی بغاوت برپا کرنی چاہی تھی اس لئے اسے شکست دینے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے اسپین میں خود مختار حکومت قائم کرنے کے بعد خلافتِ اسلامیہ دو حصوں میں بٹ گئی یعنی مغرب میں تو امویوں کی خلافت اسپین میں قائم ہوگئی جس کا دارالسلطنت قرطبہ تھا۔ اور مشرق میں عباسیوں کی خلافت قائم تھی جس کا دارالخلافہ بغداد تھا۔

عبدالرحمٰن کی عباسیوں سے جنگ

خلفائے بنی عباس کے لئے یہ چیز بے حد تکلیف دہ تھی کہ جس خاندانِ بنی اُمیہ کی حکومت کو انھوں نے ختم کیا تھا۔ اسی خاندان کے ایک شہزادہ نے اسپین پہنچکر وہاں نئے سرے سے بنی اُمیہ کی حکومت قائم کر لی تھی اور اس خوبصورت ملک کو عباسیوں کے قبضہ سے نکال لیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ منصور عباسی نے افریقہ کے گورنر علا بن مغیث کو سختی کے ساتھ ہدایت کی کہ وہ فورًا ایک لشکرِ عظیم کے ذریعہ اسپین پر حملہ کر کے اسے جس طرح بھی ممکن ہو بنی اُمیہ کے قبضہ سے

نکال لے چنانچہ ۱۳۹ھ میں اچانک عباسیوں کی جانب سے اسپین پر حملہ ہوگیا۔

اس حملہ میں عباسی سپہ سالار علا ابن مغیث کو اس لئے اور بھی کامیابی ہوئی کیونکہ اسکے ساتھ اسپین کے بعض ایسے سردار بھی مل گئے تھے جو عبدالرحمٰن بن معاویہ کی حکومت سے ناخوش تھے۔ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ اسپین کا بیشتر علاقہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے قبضہ سے نکل گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ عبدالرحمٰن کو دو مہینے تک قلعہ قرمونہ میں محصور رہنا پڑا۔ لیکن عبدالرحمٰن نے جب یہ دیکھا کہ رسد ختم ہو رہی ہے۔ اور لڑے بغیر عباسی لشکر سے مفر کی کوئی صورت نہیں تو وہ قلعہ سے نکل کر عباسی لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ عبدالرحمٰن کے پاس اگرچہ فوج بہت کم تھی لیکن وہ ایسی بہادری سے لڑا کہ عباسیوں کو سات ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور عبدالرحمٰن کا دوبارہ پورے اسپین پر قبضہ ہوگیا۔

جنوبی فرانس مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا

عباسیوں کے اس سخت حملہ کو ناکام بنانے کے بعد گو عبدالرحمٰن بن معاویہ کے پاؤں پوری طرح اسپین میں جم گئے تھے لیکن اُسے آئے دن نئی نئی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کبھی تو اس کو ان اندرونی بغاوتوں کا قلع قمع کرنا ہوتا تھا۔ جو عباسی حکومت کے حامی برابر برپا کرتے رہتے تھے اور کبھی اُسے اُن عیسائیوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ جنہوں نے کہ نہایت خاموشی کے ساتھ شمالی اسپین کے پہاڑی علاقہ میں ایک چھوٹی سے عیسائی ریاست قائم کرلی تھی۔

عبدالرحمٰن چونکہ ملک کی اندرونی بغاوتوں میں اُلجھا ہوا تھا اس لئے وہ فرانس کے مفتوحہ علاقہ پر قبضہ نہ رکھ سکا۔ اور یہ علاقہ فرانس کے بادشاہ شارلیمین نے ایک مختصر سی جنگ کے بعد مسلمانوں سے چھین لیا۔ شاہ فرانس شارلیمین کو فتح دینے میں سب سے زیادہ ہاتھ عباسی حکومت کے اُن پٹھوؤں کا تھا جو اسپین میں موجود تھے۔

جنوبی فرانس کی فتح کے بعد شاہ فرانس شارلیمین کے حوصلے چونکہ بے حد بڑھ گئے تھے

اور خلیفہ بغداد کی امداد و اعانت کا بھی اسے یقین دلا دیا گیا تھا اس لئے وہ اسلامی اسپین کو فتح کے لئے بھی ایک لشکرِ عظیم لیکر ۱۶۳ھ میں روانہ ہو گیا تھا لیکن اسپین کی سرحد کے قریب پہنچ کر جب اس نے یہ محسوس کیا کہ اسپین کے مسلمانوں میں اس کے خلاف غیر معمولی جوش پھیلا ہوا ہے۔ تو وہ اس اندیشہ سے حملہ کے بغیر ہی لوٹ گیا کہ کہیں اس حملہ میں ناکامی کے بعد مسلمان دوبارہ فرانس پر یورش نہ کر دیں۔

شارلیمین کو چونکہ عبدالرحمٰن بن معاویہ سے ہمیشہ خطرہ رہتا تھا اس لئے اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے اسے مجبوراً عبدالرحمٰن سے صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ صلح کی درخواست کے ساتھ شارلیمین نے یہ بھی خواہش کی تھی کہ عبدالرحمٰن اس کی حسین و جمیل بیٹی سے شادی کرلے۔ مگر عبدالرحمٰن نے صلح کی درخواست کو تو منظور کر لیا۔ مگر شادی کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا

شارلیمین نے گو عبدالرحمٰن بن معاویہ سے صلح کر لی تھی لیکن وہ درپردہ اسپین کی اسلامی حکومت سے سخت متنفر تھا۔ چنانچہ عباسی خلفاء کے ساتھ یہ برابر ساز باز میں مصروف رہتا تھا۔ تاکہ ان کی امداد سے وہ اسپین کی اسلامی حکومت کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہو جائے لیکن عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اسپین کی اسلامی حکومت کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط کر لیا تھا کہ نہ تو شارلیمین کی سازشیں اس کا کچھ بگاڑ سکیں اور نہ عباسی حکومت کے ہوا خواہ ہی اسے کوئی نقصان پہنچا سکے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بڑی ہوشمندی اور تدبر کے ساتھ ۳۳ سال اور ۴ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۷۲ھ (۷۸۸ء) میں ۵۸ یا ۵۹ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ کے اوصاف

عبدالرحمٰن بن معاویہ نہایت ہی حوصلہ مند بادشاہ تھا جس نے کہ محض اپنی حوصلہ مندی کی بدولت نازک ترین حالات میں ایک ایسی مضبوط حکومت قائم کر لی تھی جس پر اس کے جانشین صدیوں تک حکومت کرتے رہے۔ وہ اعلیٰ درجہ کا مدبر ہونے کے علاوہ بہت بڑا

سپہ سالار بھی تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی اعلیٰ سپاہیانہ قابلیت کی بدولت اسپین کی تمام مخالف طاقتوں کو صابن کے جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ اس نے اسپین میں جابجا مسجدیں تعمیر کرائیں مدارس قائم کیے۔ اور خوب علوم و فنون کو ترقی دی۔ چنانچہ آگے چل کر قرطبہ علوم و فنون کو ترقی دینے کے معاملہ میں بغداد سے بھی سبقت لے گیا۔ قرطبہ کی وہ عالی شان مسجد جو اپنے زمانہ کی نادر الوجود عمارت شمار کی جاتی تھی۔ اس کی بنیاد اسی نیک بادشاہ نے رکھی تھی۔ اس نے اپنے زمانہ میں اسپین میں نہایت ہی شاندار عمارتیں تعمیر کرائی تھیں۔ اسے فنِ تعمیر میں اسپین کے بادشاہوں میں وہی درجہ حاصل تھا جو ہندوستان کے مغل بادشاہوں میں شاہجہاں کو حاصل تھا۔

ہشام بن عبدالرحمٰن

عبدالرحمٰن بن معاویہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہشام ۱۷۲ھ (۷۸۸ء) میں تخت نشین ہوا۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اسے اپنی زندگی ہی میں ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۲ یا ۳۴ سال تھی۔ ہشام شہر مریدہ کا گورنر تھا۔ جب عبدالرحمٰن کی موت واقع ہوئی تو وہ مریدہ ہی میں تھا۔ لہٰذا اس کی تخت نشینی کی رسم مریدہ ہی میں انجام دی گئی۔

ہشام کے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی اس کے بھائیوں نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن جو دارالسلطنت قرطبہ میں تھا۔ اس نے قرطبہ پر قبضہ جما لیا۔ اور دوسرا بھائی سلیمان جو طلیطلہ کا گورنر تھا۔ اس نے طلیطلہ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ہشام نے فوراً ہی لشکر کشی کر کے دارالسلطنت قرطبہ پر قبضہ جما لیا۔ اور اپنے بھائی عبداللہ کی خطا معاف کر دی۔ مگر عبداللہ پھر بھی فتنہ پردازی سے باز نہ آیا۔ وہ فرار ہو کر دوسرے باغی بھائی سلیمان سے جا ملا۔ اور یہ دونوں بھائی متحد ہو کر ہشام کے خلاف برابر بغاوتیں برپا کرتے رہے۔

جب دونوں بھائیوں نے یہ دیکھ لیا کہ ہشام ان کی ہر بغاوت کو کچل ڈالتا ہے

تو پہلے عبداللہ نے ہشام کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اس کے بعد سلیمان نے معافی طلب کر لی۔ ہشام نے نہ صرف دونوں کی خطائیں معاف کر دیں بلکہ باغی بھائیوں کے ساتھ بڑی محبت کے ساتھ پیش آیا۔ چنانچہ اس نے عبداللہ کو طیطلہ کے علاقہ میں ایک بڑی جاگیر عطا کر دی۔ اور سلیمان کو اس کی خواہش پر مراکش جاکر آباد ہونے کی اجازت دیدی اور اس کی جاگیر کے معاوضہ میں ستر ہزار مثقال سونا دیدیا۔ لیکن سلیمان نے افریقہ میں آباد ہونے کے بعد عباسیوں کا ایجنٹ بن کر اسپین کے سرداروں کو خط وکتابت کے ذریعہ ہشام کے خلاف بغاوت کے لئے اُبھارنا شروع کر دیا۔ غالباً اسی مقصد سے وہ مراکش (افریقہ) جاکر آباد ہوا تھا

ہشام ہر اعتبار سے اپنے باپ کا صحیح جانشین ثابت ہوا۔ ایک طرف تو وہ بڑی قابلیت کے ساتھ اپنے بھائیوں اور باغی سرداروں کی بغاوت کو دباتا رہا۔ اور دوسری جانب اس نے چالیس ہزار کا لشکرِ عظیم لیکر جنوبی فرانس کے اس سارے علاقہ کو فتح کر لیا جس پر زمانۂ دراز سے مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ اور جس پر اُس کے باپ کے زمانہ میں یورش کرکے شاہ فرانس نے قبضہ جما لیا تھا۔ ہشام کے فرانس پر حملہ کے وقت چونکہ جبل البرتات کی عیسائی ریاست ایسٹریاس کے حکمران نے شرارت کی تھی اس لئے ہشام نے اسلامی فوج بھیجکر اس ساری ریاست کے علاقہ کو تاراج کر ڈالا۔ آخر اس عیسائی ریاست کے حکمران نے خراج اور اقرار اطاعت کے بعد صلح کر لی۔

اسپین کے عیسائیوں کا یہ طریقہ کار تھا کہ شکستوں کے بعد تو یہ وقتی طور پر خاموش ہو کر بیٹھ جاتے تھے لیکن جوں ہی ان کو موقعہ ملتا تھا وہ پھر اسپین میں کوئی نہ کوئی بغاوت کھڑی کر دیتے تھے۔ چنانچہ ۱۷۹ھ میں جب صوبۂ جلیقیہ کی عیسائی ریاست کو شاہ فرانس عباسی حکومت کے ایجنٹوں، اور ہشام کے باغی بھائی سلیمان کی طرف سے شہ ملی تو اس عیسائی ریاست نے اسپین کی اسلامی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے نہایت وسیع پیمانہ پر بغاوت

شروع کردی۔ اس بغاوت کو بھڑکانے میں سب سے بڑا ہاتھ شارلیمین شاہِ فرانس کا تھا جسے خلیفہ بغداد ہارون الرشید کا دوست ہونے کی وجہ سے عباسی حکومت کی پوری حمایت حاصل تھی۔ یہ بغاوت بے حد خوفناک تھی لیکن ہشام بن عبدالرحمٰن نے بڑی قابلیت کے ساتھ نہ صرف اس بغاوت کو کچل کر رکھ دیا بلکہ شاہ فرانس سے انتقام لینے کے لئے اپنی فوجیں فرانس پر چڑھا دیں۔ اسلامی لشکر نے فرانس میں گھسنے کے بعد اکثر شہروں اور قلعوں کو ویران اور مسمار کر ڈالا اور بہت سے شہروں کو بُری طرح لُوٹا۔

ہشام بن عبدالرحمٰن دُشمنوں کی سرکوبی میں مصروف ہی تھا کہ اچانک وہ بیمار ہو گیا اور اس کا ۱۸۰ھ میں انتقال ہو گیا۔ اس نے اسپین پر سات سال اور چند ماہ حکومت کی۔ انتقال کے وقت اس کی عمر صرف چالیس سال تھی۔ ہشام اسپین کا نہایت ہی حوصلہ مند اور دیندار بادشاہ ہوا ہے۔ اس نے قرطبہ کی اُس تاریخی مسجد کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا جس کی تعمیر کا کام اس کے باپ نے شروع کیا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر پر اس نے تقریباً دو لاکھ اشرفیاں صرف کیں۔ اس عظیم الشان مسجد کے علاوہ اور بھی بہت سی شاندار عمارتیں قرطبہ میں اس کے دَورِ حکومت میں تعمیر ہوئیں۔ علمی مجالس اور مدارس کو اس نے خوب ترقی دی۔ اس کے عہدِ حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اسپین کے مدارس میں عربی زبان کو لازمی قرار دیدیا۔ اسپین میں عربی زبان کے عام ہونے کی وجہ سے جب وہاں کے عیسائیوں کو مذہبِ اسلام سے واقفیت ہوئی تو اسلام عیسائیوں میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا۔ اس کے علاوہ عربی زبان کے رائج ہونے سے ایک فائدہ یہ بھی پہنچا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں زبان کے اختلاف کی بنا پر جو اجنبیت تھی وہ دُور ہونے لگی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسپین کے مسلمان عام طور پر عیسائی عورتوں سے شادیاں کرنے لگے۔ اور شادیوں کے بعد آپس میں تعلقات دن بدن خوشگوار ہوتے چلے گئے۔

ہشام بن عبدالرحمٰن چونکہ ایک دیندار بادشاہ تھا۔ اس لئے اس کے دَورِ حکومت

میں علما اور فقہا کی خوب سرپرستی ہوئی خصوصیت کے ساتھ امام مالک کے عقائد کو فروغ دینے میں اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔ یہانتک کہ اسپین کی اسلامی سلطنت کا مذہب ہی مالکی بن گیا۔ اور اسپین کے بیشتر نومسلم عیسائیوں نے مالکی عقائد اختیار کر لئے۔

حکم بن ہشام

ہشام بن عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹے حکم کو اپنی زندگی ہی میں ولیعہد مقرر کر دیا تھا چنانچہ ۱۸۰ھ (۷۹۶ء) میں ہشام کے مرنے کے بعد حکم بن ہشام قرطبہ میں تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ کا دورِ حکومت اوّل سے لیکر آخر تک خانہ جنگیوں سے پُر دکھائی دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر خدا نے حکم کو غیر معمولی استقلال نہ عطا کیا ہوتا تو وہ ان بے پناہ بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کا کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا جو ہشام کے مرتے ہی کھڑی ہو گئی تھیں۔

حکم کے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی حکم کے ایک چچا سلیمان نے اور دوسرے چچا عبداللہ نے شاہِ فرانس شارلیمین کے ساتھ ساز باز کرکے ایک نہایت ہی خوفناک بغاوت برپا کر دی تھی۔ اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ ہشام کا بھائی یعنی حکم کا چچا سلیمان مراکش میں جاکر آباد ہو گیا تھا ہشام کے مرتے ہی یہ مراکش سے صوبہ ملینسیہ (اسپین) جا پہنچا اور وہاں بغاوت برپا کر دی۔ اس کے علاوہ دوسرے چچا عبداللہ نے طلیطلہ کے قریب بغاوت برپا کرکے طلیطلہ پر قبضہ جمالیا۔ ادھر شاہِ فرانس کے بیٹے نے جبل البرتات کو پار کرکے اسپین کے کئی اہم علاقوں پر قبضہ جمالیا۔ گویا حکم بن ہشام کے خلاف ایک ساتھ تین طرف سے حملہ ہو گیا۔ حکم نے چچاؤں کی بغاوتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سب سے پہلے شاہِ فرانس کے بیٹے کی جانب توجہ کی اور ایک لشکرِ عظیم لیکر شمال کی جانب چل دیا لیکن حکم کی فوج کشی کی اطلاع پاتے ہی فرانسیسی فوجیں لڑے بغیر ہی میدان سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ حکم ان کا تعاقب کرتا ہوا فرانس کے اندر گھس گیا۔ اور فرانس کے بڑے بڑے شہروں کو تاراج کر ڈالا۔

فرانس کی تادیب کے بعد وہ اسپین کی جانب پلٹا اور اپنے چچا سلیمان کے مقابلہ پر آن ڈٹا سلیمان اور عبداللہ دونوں کی حکم کے لشکر سے بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس جنگ میں جب سلیمان مارا گیا۔ تو سلیمان اور عبداللہ کی فوجیں بھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں اور حکم کے چچا عبداللہ نے ہتھیار ڈال کر معافی طلب کر لی۔ حکم نے چچا کو اس شرط پر معافی دیدی کہ وہ افریقہ چلا جائے اور اپنے دونوں بیٹوں اصبح اور قاسم کو بطور یرغمال حکم کے پاس چھوڑ دے عبداللہ افریقہ چلا گیا اور اپنے دونوں بیٹوں کو حکم کے پاس چھوڑ گیا۔ حکم نے ان دونوں چچا زاد بھائیوں کے ساتھ بڑی محبت اور مروت کا سلوک کیا۔ اصبح بن عبداللہ کے ساتھ تو اپنی بہن کی شادی کر دی اور قاسم بن عبداللہ کو شہر مریدہ کا حاکم مقرر کر دیا۔

حکم بن ہشام کے مخالفین کا خیال تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ حکم کی حکومت کا تختہ الٹ دینگے لیکن حکم نے جب ان کے تمام حملوں کو ناکام بنا دیا تو انھوں نے در پردہ سازشیں شروع کر دیں چنانچہ شاہ فرانس شارلیمین۔ عیسائی ریاستوں کے حکمران۔ حکم کے باغی رشتہ دار اور اسپین کے باغی مسلم عمال حکم کی حکومت کے خلاف سازشوں میں متحد ہو گئے۔ حکم کے حملوں کو روکنے کے لئے سب سے پہلے جبل البرتات سے متصل ایک نئی عیسائی ریاست "بگا تھک مارچ" قائم کی گئی تاکہ اس ریاست کے قیام کے بعد جبل البرتات اسپین کی اسلامی فوجوں کیلئے ناقابل عبور بن جائے۔ اور مسلمان جبل البرتات سے گذر کر آسانی کے ساتھ فرانس پر حملہ نہ کر سکیں ان تیاریوں کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۸۵ھ میں عیسائیوں سے شمالی اسپین میں بغاوت برپا کرا دی گئی اور اس بغاوت میں عیسائیوں کے ساتھ باغی مسلم عمال بھی شامل ہو گئے۔

شمالی اسپین میں چونکہ عیسائیوں کی اکثریت تھی اس لئے انھوں نے اسپین کے بہت سے شہروں پر حملے کر کے یکے بعد دیگرے قبضہ جما لیا۔ بغاوت اگرچہ شدید تھی لیکن جوں ہی اسلامی لشکر ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے پہنچا یہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور مسلمانوں نے بیشتر علاقہ باغیوں سے واپس لے لیا۔ لیکن عیسائیوں نے دوبارہ ۱۸۹ھ میں

برشلونہ سے لیکر طلیطلہ تک کے علاقہ پر قبضہ جمالیا۔ برشلونہ اور طلیطلہ پر عیسائیوں کا قبضہ کرانے میں سب سے بڑا ہاتھ مسلم باغی عمال کا تھا۔ لیکن جب اسپین کا اسلامی لشکر طلیطلہ کی جانب بڑھا تو اس نے عیسائیوں اور ان کے مددگاروں کو طلیطلہ سے مار مار کر نکالدیا اور اس اہم شہر پر دوبارہ مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

حکم بن ہشام کے عیسائی تو دشمن تھے ہی لیکن اُس کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس کے قریبی عزیز اور باغی مسلم عمال نیز عباسی ایجنٹ آئے دن اس کے واسطے نئی نئی پریشانیاں کھڑی کرتے رہتے تھے چنانچہ ۱۹۰ھ میں اس کے لئے ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہوگئی یا کھڑی کر دی گئی کہ اسپین کے تمام مالکی علما اس کی جان کے دشمن بن گئے اور علما کے ساتھ ہی اُن کے معتقدین کا ایک بہت بڑا طبقہ بھی حکم کے خلاف بغاوت کے لئے آمادہ ہوگیا۔ حکم سے علما کی ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ حکم کے باپ کے زمانہ میں علما حکومت پر چھائے ہوئے تھے وہ جو چاہتے تھے کر گذرتے تھے لیکن حکم نے ان کا زور توڑ دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عیسائی پادریوں کی طرح علمائے اسلام بھی حکومت پر حاوی رہیں۔ حکم کے اس رویہ پر علما کو قدرتی طور پر اُس سے ناراض ہونا چاہیئے تھا۔ چنانچہ انھوں نے ناراض ہو کر پہلے تو در پردہ حکم کو تخت سے معزول کرنے کی سازش کی جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو علما نے حکم کے خلاف باقاعدہ بغاوت برپا کرادی مگر حکم نے اپنی حوصلہ مندی سے اس مذہبی بغاوت کو بھی کچل کر رکھ دیا لیکن علما کی باغیانہ سرگرمیاں اس کے بعد بھی در پردہ جاری رہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۸ھ میں دوبارہ مالکی علما کی بغاوت اس قدر خوفناک صورت میں اُٹھی کہ حکم کی جان تک خطرہ میں پڑ گئی۔ باغیوں نے شاہی محل پر قبضہ کرکے سلطان کو گھیر لیا لیکن سلطان حکم نے اس مرتبہ بھی انتہائی تدبر اور جرأت سے کام لیکر نہ صرف مالکی علما کی اس بغاوت کو دبا دیا بلکہ مالکی علما اور ان کے معتقدین کو بڑی عبرتناک سزائیں دیں اور چُن چُن کر مالکیوں

کو قتل کیا یا اسپین سے جلاوطن کر دیا۔

۱۹۸ھ میں مالکی علما کی اس بغاوت کو کچلنے کے بعد وہ پھر ایک بار شاہِ فرانس شارلیمین اور عیسائیوں کی جانب متوجہ ہوا۔ اس نے فرانس کے اکثر شہروں کو تاراج کر کے رکھ دیا لیکن پھر بھی وہ اسپین کی اُن عیسائی ریاستوں کے زور کو نہ توڑ سکا جو شمالی اسپین میں عیسائیوں کی فتنہ پردازی کا سب سے بڑا مرکز بنی ہوئی تھیں۔ غرضکہ ۲۷ سال تک وہ بیرونی دشمنوں اور اندرونی باغیوں سے جنگ کرتا رہا۔ اور اس طویل مدت میں اسے ایک دن کے لئے بھی چین میسر نہ آسکا۔ آخر ۲۷ سال کی حکومت کے بعد ۲۰۶ھ میں وہ فوت ہو گیا حکم بن ہشام درحقیقت اپنے زمانہ کا بہت بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ اگر اس نے حوصلہ مندی اور جرأت سے کام نہ لیا ہوتا تو اس کے زمانہ کی بغاوتیں اس قدر شدید تھیں کہ بہت ممکن تھا کہ حکم بن ہشام ہی پر اسپین کی اسلامی حکومت ختم ہو جاتی۔

عبدالرحمٰن ثانی بن حکم

عبدالرحمٰن ثانی اپنے باپ سلطان حکم کی وفات کے بعد ۲۰۶ھ (۸۲۱ء) میں قرطبہ کے تخت پر بیٹھا۔ اسے بھی اپنے باپ دادا کی طرح تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی سب سے پہلے خاندان والوں کی بغاوتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ چنانچہ حکم کا چچا اور عبدالرحمٰن کا رشتہ کا دادا عبداللہ جو حکم بن ہشام کے زمانہ میں مراکش (افریقہ) جاکر آباد ہو گیا تھا۔ اس نے عبدالرحمٰن ثانی کے تخت نشین ہوتے ہی اسپین کے ساحل پر اپنی فوجیں اُتار دیں لیکن عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں اسے شکست ہو گئی اس کے باوجود بھی جب شکست کے بعد عبداللہ نے اپنے پوتے عبدالرحمٰن سے معافی کی درخواست کی تو عبدالرحمٰن نے نہ صرف اپنے بوڑھے دادا کو معاف کر دیا بلکہ اُسے صوبہ مرسیہ کا حاکم بھی بنا دیا جس پر دو تین سال حکومت کرنے کے بعد عبداللہ فوت ہو گیا۔

اسپین میں چونکہ عیسائیوں کا زور تھا اور اُن کی ریاستیں بھی شمالی اسپین میں موجود تھیں۔ اس لئے جب بھی ان کو موقعہ ملتا تھا وہ اسپین کی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت برپا کر دیتے تھے چنانچہ ۲۰۸ھ میں عیسائی ریاست جلیقیہ نے بغاوت برپا کر دی۔ اس بغاوت میں دوسری عیسائی ریاستیں بھی شامل ہوگئیں۔ لیکن اسلامی لشکر نے اس ساری بغاوت کو کچل کر رکھ دیا اور باغی عیسائیوں نے پھر اطاعت قبول کر لی۔

اسپین کی اسلامی حکومت کے لئے ایک دشواری یہ بھی درپیش تھی کہ اس حکومت کے مسلم عمال وقتاً فوقتاً عیسائیوں کے ساتھ مل کر برابر بغاوتیں برپا کرتے رہتے تھے۔ انکی بغاوتوں کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بیشتر عمالِ حکومت کے گھروں میں عیسائی عورتیں موجود تھیں جو انھیں برابر اسلامی حکومت کے خلاف اُبھارتی رہتی تھیں۔ چنانچہ مُریدہ کے مسلم عامل نے ۲۱۲ھ میں ایسی سخت بغاوت برپا کی کہ اسلامی لشکر کو چالیس ہزار باغیوں سے سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ اسی طرح ۲۲۳ھ میں مسلم عمال کی جانب سے طلیطلہ میں ایسی زبردست بغاوت برپا ہوئی کہ خود سلطان عبدالرحمٰن کو اس بغاوت کو دبانے کے لئے جانا پڑا۔ اسپین کی حالت یہ تھی کہ اگر ایک علاقہ کی بغاوت دب جاتی تھی تو دوسرے علاقہ میں نئی بغاوت فوراً ہی کھڑی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ثانی جب تک زندہ رہا وہ برابر ان اندرونی بغاوتوں کے دبانے میں مصروف رہا۔

عبدالرحمٰن ثانی کے عہدِ حکومت میں اسپین کے عیسائیوں کی جانب سے رسولِ مقبول صلعم کو علانیہ بدزبان گالیاں دینے کی ایک نئی شرمناک تحریک شروع کی گئی تھی۔ بڑے بڑے پادری اس تحریک کے محرک تھے۔ چنانچہ عیسائی منظرِ عام پر آکر قرآنِ مجید کی توہین کرتے تھے اور رسولِ مقبول صلعم کو گالیاں دیتے تھے اور اپنی ان شرمناک حرکات کو بہت بڑی قومی اور مذہبی خدمت تصور کرتے تھے۔ اسپین کی اسلامی حکومت نے پہلے تو ان گندہ دہنوں کو گرفتار کرنا کافی سمجھا لیکن جب گرفتاریوں سے یہ ناپاک تحریک نہ دب سکی تو حضورِ اکرم کو

خاکم بدہن گالیاں دینے والوں کو موت کی سزائیں دینی شروع کیں۔ اب عیسائیوں نے یہ کیا کہ جن لوگوں کو حکومت نے سزائے موت دی تھی انھیں قومی شہید کا درجہ دیدیا۔ اور انکی قبروں کی باقاعدہ زیارت ہونے لگی۔ اس ناپاک تحریک کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسپین میں عیسائی مسلم تعلقات نہایت کشیدہ ہو گئے۔ یہ شرمناک تحریک اگرچہ عبدالرحمٰن ثانی کی حکومت کے آخری دور میں کمزور پڑ گئی تھی مگر تاہم اس کا سلسلہ کافی مدت تک جاری رہا۔

عبدالرحمٰن ثانی اکتیس سال اور چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ۲۳۸ھ (۸۵۳ء) میں فوت ہو گیا۔ اس لائق بادشاہ کا دورِ حکومت اگرچہ اول سے لیکر آخر تک خانہ جنگیوں سے بھرا ہوا ہے لیکن پھر بھی اس نے اسپین کی اسلامی حکومت کو خوب ترقی دی۔ اس نے تمام اندرونی بغاوتوں کو کچل ڈالا۔ اور مراکش سے علیدیوں کو نکال کر اسے بھی اسپین کی حکومت میں شامل کر لیا اس کے علاوہ رفاہِ عام کے بہت بڑے بڑے کام انجام دیئے اس نے مسجد قرطبہ میں نئی تعمیر کی۔ بے شمار مسجدیں۔ پُل۔ سڑکیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ اور ہر گانوں اور قصبہ میں مدارس قائم کر کے تعلیم کو عام کیا۔ یہ بادشاہ موسیقی کا بے حد دلدادہ تھا اس کے زمانہ میں موسیقی کو خوب ترقی ہوئی۔ یہ علما اور ماہرین فن کا بہت بڑا قدر دان تھا چھری کانٹے سے کھانا کھانے کا رواج سب سے پہلے اسی بادشاہ کے دورِ حکومت میں اسپین میں شروع ہوا تھا۔ اس کے بعد اسپین کی تقلید میں دوسرے یورپین ممالک میں بھی چھری کانٹے سے کھانے کا دستور عام ہو گیا۔

محمد بن عبدالرحمٰن

محمد بن عبدالرحمٰن اپنے باپ عبدالرحمٰن ثانی کے مرنے کے بعد ۲۳۸ھ (۸۵۳ء) میں قرطبہ کے تخت پر بیٹھا۔ یہ سلطان ایک لائق سپہ سالار ضرور تھا لیکن اس میں تدبر اور ہوشمندی کی کمی تھی جس کی وجہ سے اسپین کی اسلامی حکومت کو سخت نقصان پہنچا۔

محمد بن عبدالرحمٰن نے تخت نشین ہوتے ہی چُن چُن کر بے دریغ عیسائیوں کو قتل کرنا

شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں میں حکومت کے خلاف نئے سرے سے جوش پیدا ہو گیا۔ اور جا بجا ملک میں بغاوتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان بغاوتوں میں صرف عیسائی ہی شامل نہیں تھے بلکہ مسلم عمّال بھی شریک تھے جنہوں نے عیسائیوں سے بھی زیادہ محمد بن عبدالرحمن کے لئے پریشانی پیدا کر دی۔

۲۴۰ھ میں عیسائیوں نے جب طلیطلہ میں بغاوت برپا کی تو اس بغاوت کو تو محمد بن عبدالرحمن نے دبا دیا لیکن ۲۴۸ھ میں جب نئے سرے سے طلیطلہ کے عیسائیوں نے شورش برپا کی تو محمد بن عبدالرحمن نے انتہائی کمزوری کا ثبوت دیتے ہوئے طلیطلہ کے عیسائیوں کو حکومتِ خود اختیاری عطا کر دی۔ گویا اس نے اپنے ہی ہاتھوں اسپین میں عیسائی حکومت کا دوبارہ سنگِ بنیاد رکھ دیا۔ طلیطلہ کے عیسائیوں نے خود مختار ہونے کے بعد طلیطلہ کے علاقہ کے مسلمانوں پر بُری طرح ظلم وستم کیے یہاں تک کہ مسلمان طلیطلہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

طلیطلہ کی خود مختاری ایک ایسا فتنہ تھا جس نے کہ اسپین میں اسلامی حکومت کی بنیادیں ہلا دیں چنانچہ طلیطلہ کے دیکھا دیکھی تمام دوسرے اُن علاقوں کے عیسائیوں نے بھی جہاں عیسائیوں کی اکثریت تھی بغاوتیں برپا کر کے خود مختاری کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ مسلم عمّال حکومت نے بھی محمد عبدالرحمن کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی غرض سے مختلف صوبوں میں بغاوتیں برپا کر دیں۔ مزید برآں اسپین کے شمال میں جتنی بھی عیسائی ریاستیں تھیں وہ سب کی سب متحد ہو کر اسلامی حکومت کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئیں ان بے شمار اور لاتعداد بغاوتوں نے عبدالرحمن کو حواس باختہ کر دیا اُس کی حالت یہ تھی کہ وہ لشکر لئے ہوئے ملک کے کونے کونے میں بغاوتیں دباتا پھرتا تھا۔ لیکن اگر ایک جگہ کی بغاوت دبتی تھی تو دوسرے مقام کی بغاوت اور زیادہ شدت اختیار کر لیتی تھی۔

سلطان محمد اسی پریشانی کے عالم میں ۳۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۷۳ھ (۸۸۶ء)

میں ۶۰ سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔ اُس نے جہاں اپنے عدم تدبر سے عیسائیوں کو بھڑکا دیا تھا وہاں اس کے زمانہ کے علما نے تنگ نظری کا ثبوت دیتے ہوئے بعض ایسے فتوے دیدیئے تھے جن کی وجہ سے اسپین کے نومسلموں کے مسلمان ہوتے پر بھی شک کیا جانے لگا تھا۔ چنانچہ ان فتووں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بے شمار نومسلم عیسائی اسلام سے منحرف ہونے کے بعد پھر دوبارہ عیسائی بن گئے۔

منذر بن محمد منذر بن محمد اپنے باپ محمد بن عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد ۲۷۳ھ (۸۸۶ء) میں قرطبہ کے تخت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر ۴۴ سال تھی۔ اس کے عہدِ حکومت میں علما کا زور اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔ چنانچہ علما نے اس کے باپ کے زمانہ کے وزیرِ اعظم ہاشم بن عبدالعزیز سے ناراض ہو کر جب اُس کے قتل کا فتویٰ دیدیا تو سلطان نے وزیرِ اعظم کو قتل کرا دیا۔

اس بادشاہ کا پورا دورِ حکومت خانہ جنگیوں سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس نے حکومت کے سب سے بڑے باغی امیر عمر بن حفصون پر کئی مرتبہ چڑھائی کر کے اُسے بڑی مشکل سے زیر کیا تھا مگر عمر بن حفصون اس کے قبضہ سے نکل کر پھر اس لئے باغی ہوگیا کیونکہ علما نے اس کے دوبارہ عیسائی ہو جانے کی بنا پر قتل کا فتویٰ دیدیا تھا منذر بن محمد ۲۷۵ھ میں عمر بن حفصون کے قلعہ کا محاصرہ کیئے ہوئے تھا کہ اچانک اس کا انتقال ہوگیا۔ سلطان منذر کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس لئے اُمرائے لشکر نے منذر کے بھائی عبداللہ کے ہاتھ پر قلعہ کی دیوار ہی کے نیچے میدانِ جنگ میں بیعت کرلی۔

عبداللہ بن محمد منذر بن محمد کے بعد اس کا بھائی عبداللہ بن محمد ۲۷۵ھ (۸۸۸ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اسپین کے مشرقی علاقہ پر عمر بن حفصون کی حکومت تسلیم کر کے محاصرہ اُٹھا لیا۔ گویا اس نے اسپین کی حکومت کے سب سے بڑے باغی کے سامنے گردن جھکا دی

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن حفصون کے حوصلے بڑھ گئے اور اس نے عبداللہ بن محمدؒ کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے خلیفہ بغداد سے خط و کتابت شروع کر دی۔ یہ باغی سردار خلیفہ بغداد سے پورے اسپین کی حکومت کی سند حاصل کر کے سارے ملک پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھا۔ عبداللہ بن محمدؒ کو جب عمر بن حفصون کے اس خطرناک منصوبہ کا علم ہوا تو اس نے فوراً حفصون پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں اگرچہ عبداللہ کی فوج عمر بن حفصون کے لشکر کے مقابلہ میں نصف بھی نہ تھی مگر عبداللہ بن محمدؒ نے ایسی ہوشیاری سے حملہ کیا کہ حفصون کو شکست ہو گئی۔ اور وہ جنگلوں میں فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔

اس فتح کے بعد ملک میں اسپین کی اسلامی حکومت کا تھوڑا بہت اعتماد پھر پیدا ہو گیا۔ ورنہ اس سے قبل اسپین کی اسلامی حکومت کو قطعی بے جان تصور کیا جانے لگا تھا۔ عمر بن حفصون کو شکست دینے کے بعد سلطان عبداللہ ایک دوسرے باغی سردار ابن مروان والیٔ طلیطلہ کی جانب متوجہ ہوا۔ ابن مروان نے سلطان کے مقابلہ کے لئے اپنے ساتھ ابراہیم بن حجاج والیٔ اشبیلیہ کو بھی ملا لیا تھا۔ سلطانی فوجوں اور باغیوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ مگر باغیوں کو شکست ہو گئی۔ ابنِ مروان فرار ہو گیا۔ اور ابراہیم بن حجاج والیٔ اشبیلیہ نے اطاعت قبول کر لی۔ اس فتح کے بعد حکومتِ اسپین کے مردہ جسم میں زندگی کے آثار دوبارہ پیدا ہو گئے اور باغیوں کی سرگرمیاں بھی کمزور پڑ گئیں۔

سلطان عبداللہ کے لئے باغی سرداروں اور عیسائیوں کی بغاوتوں کے علاوہ ایک پریشانی یہ بھی درپیش تھی کہ اُس کے بیٹوں میں بُری طرح سے عداوت اور خانہ جنگی برپا تھی چنانچہ جب سلطان کے ایک بیٹے مطرف نے اپنے بھائی محمدؒ کو شاہی محلسرا میں قتل کر دیا تو سلطان عبداللہ کو بے حد صدمہ ہوا۔ مطرف نے بھائیؒ کے علاوہ وزیر سلطنت عبدالملک کو بھی جب قتل کرا دیا تو سلطان برہم ہو گیا اور اس نے مطرف کو محمدؒ اور عبدالملک کے قصاص میں

سزائے موت کا حکم دیدیا۔

سلطان عبداللہ چھبیس سال حکومت کرنے کے بعد ۳۰۰ھ میں فوت ہو گیا۔ اسے جو حکومت ملی تھی وہ صرف قرطبہ اور قرطبہ کے مفصلات تک محدود تھی لیکن اس نے اپنی اعلیٰ جنگی قابلیت کی بنا پر اپنی حکومت میں کچھ مزید علاقوں کا اضافہ کر لیا تھا لیکن پھر بھی اسپین کی حکومت تقریباً لب دم ہی تھی۔ اس بادشاہ کے زمانہ میں بھی علمائے اسپین حکومت پر بدستور حاوی تھے۔ وہ آئے دن اپنے مخالفوں پر کفر کے فتوے لگا کر قتل کراتے رہتے تھے چنانچہ علما کی ان کفر بازیوں کی بدولت اسپین میں بڑے بڑے فتنے برپا ہوئے۔

عبدالرحمٰن ثالث بن محمد

عبدالرحمٰن ثالث سلطان عبداللہ کا پوتا تھا جو دادا کی وفات کے بعد ۳۰۰ھ (۹۱۲ء) میں قرطبہ کے تخت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر اکیس سال تھی۔ عبدالرحمٰن کا باپ محمد جب اپنے بھائی مطرف کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا تو سلطان عبداللہ نے اپنے اس پوتے کی پرورش اولاد کی طرح کی۔ اسے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلائی اور اپنی زیر نگرانی اُسے جہانبانی کے طریقوں سے اور فن سپہ گری سے اچھی طرح آشنا کر دیا۔ چنانچہ دادا کی اس اعلیٰ تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ عبدالرحمٰن ثالث اپنے دور کا بہترین حکمراں ثابت ہوا۔

عبدالرحمٰن ثالث نے جس وقت اسپین کی نام نہاد سلطنت سنبھالی ہے اُس وقت یہ سلطنت پاش پاش ہونے کے بعد لب دم تھی۔ سلطنت کے کچھ حصوں پر تو عیسائیوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ اور کچھ حصوں پر باغی مسلم اُمرا قابض تھے جن میں سے عمر بن حفصون جیسے اُمرا تو عیسائی تک ہو گئے تھے۔ عبدالرحمٰن کو جو برباد شدہ سلطنت ملی تھی وہ صرف قرطبہ یا ان چند علاقوں تک محدود تھی جن کو کہ اُس کے دادا سلطان عبداللہ نے دوبارہ باغیوں سے چھینا تھا مگر عبدالرحمٰن ثالث نے تخت نشین ہونے کے بعد اسپین کی گرتی ہوئی حکومت کو اس قابلیت کے ساتھ سنبھالا کہ دُنیا حیران رہ گئی۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ اگر سلطنت

اسپین کا بانی تھا تو عبدالرحمٰن ثالث بلاشبہ اس سلطنت کا معمارِ اوّل تھا جس نے کہ اپنے بزرگوں کی قائم کردہ اس سلطنت میں نئی روح اور زندگی پیدا کر دی تھی۔

عبدالرحمٰن نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی سب سے پہلے تو بے جا ٹیکسوں کو منسوخ کیا جس کی وجہ سے عوام کے دلوں میں اس کی محبت اور عظمت بے حد بڑھ گئی۔ اس کے بعد اس نے عیسائیوں کے ساتھ انتہائی مروّت کا سلوک کیا جس کا خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی بھی اس کی دل سے قدر کرنے لگے۔ پھر اس نے باغیوں کو زیر کرنے کے لئے اعلان کیا کہ "جو شخص حکومت کا فرمانبردار بن جائیگا اور آئندہ اطاعت پر قائم رہنے کا وعدہ کریگا اس کی تمام خطائیں اور گذشتہ لغزشیں معاف کر دی جائیں گی اور جو اس اعلان کے بعد بھی نافرمان رہیگا اسے سخت سزا دی جائیگی۔ یہ معافی کا اعلان بلا قید مذہب و ملت سب پر یکساں حاوی ہوگا"۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام چھوٹے چھوٹے باغی سرداروں نے معافی طلب کر کے دوبارہ اطاعت قبول کر لی۔

عبدالرحمٰن نے باغیوں کو کچل ڈالا

چھوٹے چھوٹے اُمرا کو مطیع بنانے کے بعد عبدالرحمٰن ثالث بڑے بڑے باغی اُمرا کی جانب متوجہ ہوا۔ ان باغی اُمرا میں سے دو امیر بڑے خود سر تھے۔ ایک عمر بن حفصون جس نے کہ دوبارہ دینِ مسیحی قبول کر لیا تھا اور دوسرا حاکم اشبیلیہ۔ سابق حاکم اشبیلیہ ابراہیم بن حجاج تو فوت ہو چکا تھا اب اس کا بیٹا حجاج بن مسلمہ اشبیلیہ کا حاکم تھا۔ عبدالرحمٰن ثالث نے جب حجاج اور اشبیلیہ کے دوسرے سرداروں کو اطاعت کا پیغام بھیجا تو تقریباً تمام سرداروں نے اطاعت قبول کر لی یہاں تک کہ حجاج بن مسلمہ نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ وہ بھی اقرارِ اطاعت کر لے۔

سلطان کو جب حاکم اشبیلیہ کی جانب سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنے آزاد کردہ غلام بدر کو ایک لشکرِ عظیم دیکر عمر بن حفصون کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بدر نے ایک ایک کر کے عمر بن حفصون کے تمام قلعے فتح کر لئے جس کے بعد وہ اپنا علاقہ چھوڑ کر پہاڑوں

میں جا چھپا۔ اسی دوران میں جب سلطان کو اطلاع ملی کہ حاکم اشبیلیہ حجاج بن مسلمہ پھر بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے تو اس نے ۳۰۰ھ میں اس پر بھی فوج کشی کر دی۔ اس موقع پر عمر بن حفصون اور حجاج بن مسلمہ دونوں متحد ہو گئے اور دونوں نے ملکر سلطانی لشکر کا سخت مقابلہ کیا مگر باغیوں کو شکست ہوئی۔ عمر بن حفصون فرار ہو گیا۔ اور حجاج گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے اپنا ایک گورنر اشبیلیہ میں مقرر کر دیا۔ کچھ روز کے بعد عمر بن حفصون نے بھی پریشان ہو کر معافی طلب کر لی اور اطاعت قبول کر لی سلطان نے مختصر سا پہاڑی علاقہ اسے دیکر معافی قبول کر لی۔ اور اس کے تمام میدانی علاقہ پر قبضہ جما لیا۔

ان دو بڑے باغی سرداروں کو زیر کرنے کے بعد سلطان دوسرے باغیوں کی جانب متوجہ ہوا۔ ۳۰۶ھ میں قلعہ سبرنہ کو باغیوں کے قبضہ سے نکال لیا۔ ۳۰۸ھ میں ان فتنہ پرداز اُمرا کو تہہ تیغ کیا جنہوں نے کہ سلطان کو ہلاک کرنے کے لئے ایک بہت بڑی سازش کی تھی۔ ۳۰۹ھ میں قلعہ طرسوی فتح کیا۔ قلعہ جامہ کے حاکم کو مطیع کیا۔ غرضکہ عبدالرحمٰن ثالث نے مختصر سے عرصہ میں سلطنت اسپین کو جو بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گئی تھیں تمام باغی امیروں کو زیر کر کے پھر دوبارہ اسے ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کی شکل دیدی۔

سلطان عبدالرحمٰن ثالث اندرونی فتنوں کو کچلنے کے بعد عیسائی ریاستوں کی جانب متوجہ ہوا۔ عیسائی ریاستوں میں سے طلیطلہ کی جدید قائم شدہ ریاست سب سے زیادہ خطرناک تھی۔ یہ دارالسلطنت سے بالکل متصل تھی سلطان نے پہلے تو طلیطلہ والوں کو اطاعت کا پیغام دیا جب وہ اطاعت کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو ان پر فوج کشی کر دی۔ طلیطلہ کے لئے مسلمانوں اور عیسائیوں میں تقریباً ایک سال تک خوفناک جنگ جاری رہی۔ آخر ایک سال کے بعد عیسائیوں کو شکست ہو گئی۔ اور طلیطلہ پر دوبارہ مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا طلیطلہ کی فتح کے بعد دوسری عیسائی ریاستوں کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ اس کے علاوہ سلطان کی خوش قسمتی سے عیسائی ریاستوں میں خانہ جنگی بھی شروع ہو گئی جس سے کہ خود بخود

عیسائی ریاستوں کی طاقت ٹوٹ گئی۔

اسی زمانہ میں جب سلطان عبدالرحمٰن ثالث کی حکومت غیر متوقع طریقہ پر مراکش میں قائم ہو گئی تو اسپین کی اسلامی حکومت کی طاقت اور بھی بڑھ گئی مراکش پر ان دنوں ادریسی خاندان کے حکمراں ابراہیم بن محمد ادریس کی حکومت تھی۔ یہ حکومت چونکہ کمزور ہو چکی تھی اس لئے مصر کی عبیدیہ حکومت نے مراکش پر قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ مراکش کے حکمراں نے عبدالرحمٰن ثالث کی سیادت قبول کرتے ہوئے جب اُس سے عبیدیوں کے مقابلہ میں امداد طلب کی تو عبدالرحمٰن نے جنگی جہازوں کے ذریعہ بے اندازہ فوج افریقہ میں اُتار دی اس طرح مراکش پر بھی عبدالرحمٰن ثالث کا قبضہ ہو گیا۔ اور ملک مراکش دربار قرطبہ کا ایک صوبہ بن گیا۔

عیسائیوں نے جب دیکھا کہ اسپین کی اسلامی حکومت دن بدن نہ صرف مضبوط ہوتی چلی جا رہی ہے بلکہ اس کی سرحدیں افریقہ تک پھیل گئی ہیں تو عیسائی حکمراں خانہ جنگی ترک کرنے کے بعد پھر نئے سرے سے مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے اور انھوں نے حسب معمول پہلے تو مسلم اُمرائے سلطنت کو سازش میں شریک کیا اور پھر خود بھی اسلامی علاقوں پر حملے شروع کر دئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں ایک طویل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سمورہ کے مقام پر جو جنگ لڑی گئی اس میں مسلمانوں کو ایسی خوفناک شکست ہوئی کہ پچاس ہزار مسلمان کام آ گئے لیکن اس کے بعد مسلمانوں نے جب سنبھلکر حملے شروع کئے تو تقریباً ہر مورچہ پر عیسائیوں کو بُری طرح شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔ یہاں تک کہ اسلامی فوجیں عیسائی ریاستوں کو پامال کرتی ہوئی فرانس کے اندر تک جا گھُسیں۔

یورپ کے تمام بادشاہ عبدالرحمٰن کے نام سے کانپتے تھے

سلطان عبدالرحمٰن نے پے در پے

فتوحات کے بعد سلطنتِ اسپین کو ایک طرف دُنیائے اسلام کی اور دوسری جانب سارے یورپ کی سب سے طاقتور حکومت بنا دیا تھا چنانچہ ۳۲۷ھ میں سلطان نے خلیفۃ المسلمین اور اور امیر المومنین کا خطاب اختیار کر لیا تھا۔ اس نے بری فوج کے علاوہ اپنے بحری بیڑے کو اتنا مضبوط بنا لیا تھا کہ پورے بحرِ روم پر سلطان حکمرانی کر رہا تھا۔ سارا یورپ عبدالرحمٰن کے نام سے لرزتا تھا اور اس سے دوستی کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ ۳۳۶ھ میں قیصرِ روم نے اپنے سفیر اور بے شمار قیمتی تحائف بھیجکر عبدالرحمٰن کی جانب دوستی کے لئے ہاتھ بڑھایا اور ۳۳۸ھ میں قیصرِ رُوم اور سلطنتِ اسپین میں ایک دوستانہ معاہدہ بھی ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ اٹلی شاہ جرمنی۔ شاہِ فرانس۔ اور شاہِ سسلی کے سفیر دربارِ قرطبہ میں حاضر ہوئے اور اپنے اپنے بادشاہوں کی جانب سے عبدالرحمٰن ثالث کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا۔ غرضیکہ عبدالرحمٰن کے زمانہ میں اسپین کی اسلامی سلطنت کی عظمت اور سطوت کا یہ عالم تھا کہ یورپ کا ہر بادشاہ اس سلطنت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنا اپنے لئے ضروری سمجھتا تھا۔ یورپ کی کسی بھی دو سلطنتوں میں جب کوئی جھگڑا ہوتا تھا تو اسے طے کرانے کے لئے عبدالرحمٰن ثالث کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا تھا یعنی سلطان عبدالرحمٰن نے یورپ میں ایک شہنشاہ کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔

قرطبہ میں ابتدا ہی سے علوم و فنون کا چرچہ تھا۔ اسپین کے سلاطین گو بُری طرح اندرونی فتنوں میں مُبتلا رہے لیکن پھر بھی وہ علوم و فنون کی ترقی کی جانب سے کبھی غافل نہ ہوئے لیکن عبدالرحمٰن ثالث کے زمانہ میں علمی اعتبار سے اسپین اوجِ کمال پر پہنچ گیا۔ قرطبہ دُنیا میں علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ عبدالرحمٰن نے دُنیا کے کونے کونے سے علما۔ فقہا اور ماہرینِ فن کو ڈھونڈھ کر قرطبہ میں بلایا۔ ان کی خوب عزت افزائی کی۔ چنانچہ اس قدردانی ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ یونان قسطنطنیہ۔ قاہرہ۔ قیروان۔ دمشق۔ مکہ۔ مدینہ یمن۔ ایران۔ اور خراسان تک کے علما اور ماہرینِ فن قرطبہ میں جمع ہو گئے تھے۔ ان

باکمال حضرات میں ہر مذہب وملت کے افراد شامل تھے۔

عبدالرحمٰن کے زمانہ کا اسپین جنّت کا نمونہ تھا

سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے نہ صرف قرطبہ میں بلکہ پورے اسپین میں عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرکے اور باغات لگاکر سارے اسپین کو رشکِ ارم بنادیا تھا۔ مسجد قرطبہ جسکی عمارت میں تقریبًا تمام سلاطینِ اسپین کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے رہے تھے اس نے اس کو ایسا عظیم الشان بنادیا جس کی مثال روئے زمین پر موجود نہ تھی۔ اپنی عیسائی بیوی زہرہ کے لئے اس نے قصرالزہرہ کے نام سے جو بے نظیر محل قرطبہ کے قریب بنایا تھا وہ محل کیا تھا جنّت کے نمونہ کا ایک پورا شہر تھا جس پر اربوں روپیہ صرف ہوا تھا۔ پچیس سال میں یہ محل پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ لیکن جب عیسائیوں کا اسپین پر قبضہ ہوا تو انھوں نے اس نادرالوجود عمارت کو ڈھاکر پیوندِ خاک بنادیا۔ اس سلطان نے سارے اسپین میں سڑکوں کا جال پھیلادیا۔ سیکڑوں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ بے شمار مدارس جاری کئے۔ تمام چھوٹے بڑے شہروں میں عدالتیں قائم کیں۔ پولیس کا انتظام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کیا۔ بڑے بڑے شہروں میں نلوں کے ذریعہ آب رسانی کا انتظام کیا۔ ڈاک کا نظام اس قدر مکمل تھا کہ ڈاک ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں بجلی کی سرعت کے ساتھ پہنچ جاتی تھی۔ زراعت میں اس قدر ترقی ہوئی کہ ملک بھر میں زمین کا ایک ٹکڑا بھی ایسا نہ تھا جہاں کاشت نہ ہوتی ہو۔ ہر شہر ایک گلدستہ کی طرح خوشنما تھا۔ قرطبہ کی حالت یہ تھی کہ وہاں کے بیشتر سربفلک مکانات سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے اس شہر کی آبادی دس لاکھ سے زیادہ تھی۔ یہی حالت دوسرے بڑے شہروں کی تھی۔ تمام شہروں اور قصبوں میں محتاج خانے اور یتیم خانے قائم تھے۔ ساری مملکت میں تلاش کے باوجود ایک بھی گداگر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ طلبا کے لئے ہر جگہ اقامت خانے تھے جن کے تمام اخراجات حکومت برداشت کرتی تھی۔ غرضکہ زمانۂ حاضرہ کی کسی ترقی یافتہ بڑی

سے بڑی حکومت میں بھی جو خصوصیات نہیں پائی جاتیں وہ اسپین کی اسلامی حکومت میں موجود تھیں آمدنی کا یہ عالم تھا کہ یورپ کی تمام حکومتوں کی مجموعی آمدنی سے کہیں زیادہ ایک اسپین کی حکومت کی آمدنی تھی۔

سلطان عبدالرحمن ثالث پچاس سال حکومت کرنے کے بعد ۷۲ سال کی عمر میں ۳۵۰ھ (۹۶۱ء) میں انتقال کر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے کاغذات میں سے ایک نوشتہ برآمد ہوا جس میں اس نے لکھا تھا کہ "گو مجھے تخت پر بیٹھے ہوئے پچاس برس ہو چکے ہیں اور مجھے دنیا کی ہر نعمت خدا نے عطا کی ہے لیکن اس پچاس سال میں صرف چودہ دن ایسے ہیں جو میں نے خوشی سے گذارے ہیں۔ اس سے لوگوں کو عبرت اور نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ دنیا کی عظمت اور زندگی ہیچ ہے۔"

حکم بن عبدالرحمن ثالث

حکم بن عبدالرحمن اپنے باپ کی وفات کے بعد ۳۵۰ھ (۹۶۱ء) میں قصر الزہرا میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۴۸ سال تھی۔ یہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم اور فاضل تھا۔ اس کو بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ جب وہ تخت نشین ہوا ہے تو اس کی عمر کا بیشتر حصہ تحصیلِ علم میں صرف ہو چکا تھا۔ مورخوں کی رائے ہے کہ سلطنت اسلامیہ کے کسی حصہ میں اور کسی زمانہ میں بھی ایسا عالم شخص تخت نشین نہیں ہوا۔

حکم بن عبدالرحمن کے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی ان عیسائی حکمرانوں نے اور ملک کے باغیوں نے یہ سمجھتے ہوئے پرپرزے نکالنے شروع کر دیئے کہ حکم تو علم کا شیدائی ہے اسے سپہ گری سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے چنانچہ قسطلہ کے عیسائی حکمرانوں نے اور دیگر عیسائی حکومتوں نے سخت بغاوت برپا کر دی لیکن سلطان حکم جب اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے خود عیسائیوں کے مقابلہ پر آیا۔ اور ان کو شکستوں پر شکستیں دینی شروع کیں تو عیسائیوں کو پتہ چلا کہ حکم صرف علم دوست ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا صاحب السیف بھی ہے۔ حکم نے خود بھی عیسائیوں کی اچھی طرح سرکوبی کی اور اسلامی

لشکر کے سرداروں سے بھی ان کی اچھی طرح سرزنش کرائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ اور انھوں نے سخت نقصان اُٹھانے کے بعد اطاعت قبول کرلی۔ غرضکہ سلطان حکم نے اپنی حکومت کے ابتدائی تین چار سال میں عیسائی حکمرانوں کو مار مار کر سیدھا کردیا۔

عیسائیوں سے اس معرکہ آرائی کے بعد سلطان حکم کی بھی یورپین حکومتوں پر اسی طرح دھاگ قائم ہوگئی جس طرح کہ اس کے باپ عبدالرحمٰن کی دھاگ قائم تھی۔ چنانچہ اس کے دربار میں بھی اظہارِ اطاعت اور دوستی کے لئے فرانس۔ اٹلی قسطنطنیہ اور دیگر عیسائی ممالک کے سفراء حاضر ہونے لگے۔ اور بڑے بڑے قیمتی تحائف پیش کرنے لگے۔

اس سے قبل ہم بتاچکے ہیں کہ مراکش پر بھی عبدالرحمٰن ثالث کے زمانہ میں سلاطین اسپین کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اور وہاں کے ادریسی خاندان کا حکمراں اسپین کا باجگذار بن گیا تھا۔ لیکن حکم کی تخت نشینی کے چند سال بعد جب ادریسی حکمراں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا تو حکم نے فوراً جنگی جہازوں کے ذریعہ مراکش میں فوجیں اُتاردیں۔ شروع میں تو اسپینی لشکر کو ناکامی ہوئی لیکن بعد میں اسپین کے لشکر نے حاکم مراکش کو شکست دیکر گرفتار کرلیا اور اسے قرطبہ بھیجدیا۔ اور اس طرح مراکش حکومتِ اسپین کا ایک صوبہ بن گیا۔

مراکش کے اس معرکہ کے بعد جو ۳۶۱ھ میں پیش آیا تھا سلطان حکم کو کسی فوجی مہم کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ملک میں ہر طرف امن و امان قائم ہو چکا تھا سلطان کا بیشتر وقت ملک کی اندرونی اصلاح یا علمی مشاغل میں صرف ہوتا تھا۔ حکم بڑا ہی وسیع نظر بادشاہ تھا اس کے دورِ حکومت میں جملہ مذاہب کے افراد کو پوری طرح مذہبی آزادی حاصل تھی۔ یہ عدل و انصاف کا بے حد شائق تھا۔ احکامِ قرآنی کا سختی سے خود بھی پابند تھا۔ اور اپنی مسلم رعایا پر بھی زور دیتا تھا کہ وہ بھی احکام قرآنی کی پابندی کریں۔ شراب اور منشی اشیاء

کی تجارت اور استعمال کو اس نے قانوناً ممنوع قرار دیدیا تھا۔ اس نے تمام بڑے بڑے شہروں میں دارالعلوم اور قصبوں میں بے شمار مدارس قائم کر دئے تھے۔

اس بادشاہ کو جس قدر کتب بینی کا شوق تھا اس کی مثال تاریخ میں مفقود ہے۔ اس کے نمائندے دُنیا کے تمام ممالک میں پھیلے ہوئے تھے جو قیمتی کتابوں کی نقلیں کرا کے اسکے پاس برابر روانہ کرتے رہتے تھے۔ اس نے شاہی کتب خانہ کے لئے جو عمارت بنوائی تھی وہ قصر شاہی کے ہم پلّہ تھی۔ اس عمارت کو سنگِ مرمر سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس میں سیکڑوں کمرے تھے جو سب کے سب نہایت قیمتی قلمی کتابوں سے سجے ہوئے تھے۔ صرف شاہی کتب خانہ میں جو کتابیں تھیں ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اور ان چھ لاکھ کتابوں میں سے بیشتر کتابیں ایسی تھیں جن پر اس بادشاہ نے خود حواشی تحریر کئے تھے۔ اس شاہی کتب خانہ کے علاوہ ساری مملکت میں ہزاروں کتب خانے اس بادشاہ نے قائم کئے تھے جن میں ہر فن اور ہر موضوع کی بے شمار کتابیں موجود تھیں۔

سلطان حکم سولہ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) میں فالج سے کہ مدت مرض میں مُبتلا ہونے کے بعد فوت ہو گیا۔ سلطان حکم کے زمانہ میں اسپین کی اسلامی حکومت انتہائی عروج پر تھی اس بادشاہ کے مرنے کے ساتھ ہی اسپین کی اسلامی حکومت کا زوال اس تیزی کے ساتھ شروع ہوا کہ چند نسلوں کے بعد ہی اسپین سے شاہانِ بنی اُمیہ کی حکومت ختم ہو گئی۔

ہشام ثانی بن حکم

سلطان حکم بن عبدالرحمن نے اپنی زندگی ہی میں اپنے کمسن بیٹے ہشام کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ ہشام سلطان حکم کی عیسائی بیوی ملکہ صبح کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ عیسائی ملکہ چونکہ سلطان پر بُری طرح حاوی تھی اس لئے اس نے اپنے بیٹے ہشام کی ولیعہدی کا اعلان کرا دیا تھا۔ ہشام ثانی ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) میں اپنے باپ حکم کے مرنے کے بعد گیارہ سال کی عمر میں

تخت نشین ہوا۔

اس نو عمر بادشاہ کے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی باغی اُمرا اور اُن عیسائی حکمرانوں کے حوصلے بڑھ گئے جو ہمیشہ اسپین کے سلاطین کو پریشان کرتے رہتے تھے چنانچہ شمالی سرحد کے تقریباً تمام باجگذار عیسائی حکمرانوں نے خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور اسلامی علاقہ میں لوٹ مار شروع کر دی۔

وزیر جعفر مصحفی جس نے کہ ہشام کے باپ کے زمانہ میں بڑی قابلیت کے ساتھ وزارت کے فرائض انجام دیے تھے اور بڑے بڑے معرکے سر کیے تھے وہ بھی عیسائیوں کی اس بغاوت کو فرو کرنے میں قطعی ناکام رہا۔ اس لائق وزیر کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نو عمر بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد آپس کی مخالفتیں اور رقابتیں اس قدر بڑھ چکی تھیں کہ وزیر جعفر ان رقابتوں کی وجہ سے کچھ بے بس سا ہو گیا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ نو عمر بادشاہ کی ماں یعنی ملکہ صبح اس طرح حکومت پر چھائی ہوئی تھی کہ وزیر جعفر کا وجود ناکارہ بن کر رہ گیا تھا۔

ہشام کا اتالیق محمد بن عامر جو ملکہ کی نظروں پر بے حد چڑھا ہوا تھا۔ ملکہ نے اُسے نائب وزیر کا عہدہ دیکر وزیر جعفر کا معاون بنا دیا۔ یا بالفاظ دیگر جعفر تو نام کا وزیر رہ گیا ملکہ نے اصل وزیر محمد بن عامر کو مقرر کر دیا۔ چنانچہ عامر چند ماہ کے اندر ہی پوری سلطنت پر حاوی ہو گیا۔ محمد بن عامر کی ابتدائی زندگی بڑی عجیب ہے۔ محمد بن عامر ایک یتیم اور بے سہارا لڑکا تھا جس نے قرطبہ کے سرکاری مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ عرائض نویسی کرنے لگا۔ اس کے بعد ملکہ صبح کے ہاں محرروں میں نوکر ہو گیا پھر اسے اشبیلیہ کا تحصیلدار مقرر کر دیا گیا۔ ملکہ صبح کی سفارش سے چند ماہ بعد محکمہ دارالضرب کا یہ مہتمم بن گیا اور مرنے سے قبل سلطان الحکم نے اسے ہشام کا اتالیق مقرر کر دیا تھا۔ اور ہشام کی تخت نشینی کے بعد ملکہ صبح کی عنایت سے پہلے یہ نائب وزیر بنا اور اس کے بعد

پوری سلطنتِ اسپین کا مختار مطلق بن گیا۔ اور اس کا اثر و رسوخ اتنا بڑھا کہ اس نے ہشام کو تو محل میں نظر بند کر دیا اور خود حکومت کرنے لگا۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کی۔ اور اپنی غیر معمولی قابلیت سے تمام مخالف طاقتوں کو کچل کر رکھ دیا۔

محمد بن عامر نے فوج کی بالکل نئے سرے سے تنظیم کی۔ اس نے پرانی فوج کی تعداد کو گھٹا کر نئی بھرتی شروع کی اور نئی فوج میں پہاڑی عیسائیوں اور مراکش دطرابلس المغرب کے بربریوں کو بھرتی کیا۔ اور اس نئی فوج کو جب خوب مضبوط بنا لیا تو سالار اعظم غالب کی بجائے یہ خود سالارِ اعظم بن گیا یعنی وزارت کے عہدہ پر تو یہ پہلے ہی قابض ہو چکا تھا۔ اب سالارِ اعظم کا عہدہ بھی اسی نے سنبھال لیا۔ محمد بن عامر کے ہاتھ میں جب فوج کی کمان آگئی تو اس نے عیسائی حکمرانوں کے خلاف یورش شروع کی اور عیسائیوں کو اطاعت گزاری کیلئے مجبور کر دیا۔ لطف یہ ہے کہ اس نے عیسائی فوج ہی کے ذریعہ سے عیسائی حکومتوں کو زیر کیا۔ اس نے اپنی عمر میں ۵۲ جہاد کئے تھے۔ افریقہ کی جانب جب یہ متوجہ ہوا تو وہاں بھی اس نے جدید فتوحات حاصل کر کے سلطنتِ اسپین کی حدود کو اور زیادہ وسیع کر لیا۔ اسکے رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ یورپ کے عیسائی بادشاہ اس کے نام سے کانپتے تھے۔ اس نے آخر عمر میں اپنے نام کے ساتھ "منصور" کے خطاب کا بھی اضافہ کر لیا تھا۔ یہ ۲۷ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۹۶ھ میں فوت ہو گیا۔ محمد بن عامر گو اسپین کا وزیر اعظم تھا لیکن حقیقت میں وہی بادشاہ تھا۔ اور ساری مملکت میں اس کی عزت بادشاہ کی طرح ہی کی جاتی تھی۔

سلطان ہشام ثانی کو اگرچہ محمد بن عامر نے محل میں کٹھ پتلی بنا کر رکھ چھوڑا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس کے کارناموں سے بے حد خوش تھا۔ چنانچہ اسے محمد بن عامر کے مرنے کا بے حد صدمہ ہوا۔ محمد بن عامر کے مرنے کے بعد سلطان ہشام نے اس کے بڑے بیٹے

عبدالملک بن عامر کو قلمدانِ وزارت سپرد کر دیا۔ عبدالملک بھی اپنے باپ کی طرح نہایت لائق وزیر ثابت ہوا۔ چھ سال وزارت کے فرائض انجام دینے کے بعد جب عبدالملک فوت ہو گیا تو سلطان ہشام نے اس کے چھوٹے بھائی عبدالرحمٰن ناصر کو حکومت کے اختیارات سپرد کر دئے۔

وزیر ناصر نے جب دیکھا کہ ساری حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے تو اُس نے سلطنت پر قبضہ جمانے کے لئے جوڑ توڑ شروع کر دیا۔ اور سلطان ہشام کو مجبور کر کے اپنی ولیعہدی کا اعلان کرا دیا۔ اسپین کی اُموی حکومت کے حامیوں نے جب دیکھا کہ سلطان ہشام کی کمزوری اور ناصر کی عیاری کی بدولت اس خاندان سے حکومت نکلی جا رہی ہے تو انھوں نے نہایت وسیع پیمانہ پر ہشام اور ناصر کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ اس بغاوت میں ناصر تو قتل کر دیا گیا۔ اور ہشام کو معزول کر کے اس کی بجائے ایک دوسرے اموی شہزادے محمد مہدی بن ہشام بن عبدالجبار کو قرطبہ کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ یہ واقعہ ۳۹۹ھ میں پیش آیا تھا۔

محمد مہدی بن ہشام بن عبدالجبار

ہشام ثانی بن حکم کے معزول کئے جانے کے بعد باغیوں نے ۳۹۹ھ (۱۰۰۹ء) میں محمد مہدی کو قرطبہ کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس بادشاہ کے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی اسپین کی اسلامی سلطنت کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا۔ اور ہر طرف طوائف الملوکی پھیل گئی جس کی وجہ سے عیسائی حکمرانوں کو مسلمانوں میں اچھی طرح خانہ جنگی برپا کرانے کا موقعہ ہاتھ آ گیا۔

ہشام ثانی کی معزولی اور مہدی کی تخت نشینی میں چونکہ بربری فوج نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ اس لئے بربری فوج کے افسر حکومت پر حاوی ہو گئے اور حکومت کی باگ ڈور فوجیوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ فوجیوں نے حکومت پر قبضہ جمانے کے بعد رعایا پر بے پناہ

ظلم وستم شروع کر دیئے۔ جب رعایا نے سلطان مہدی سے فریاد کی تو وہ خاموش ہو گیا۔ کیونکہ اس میں اتنی طاقت ہی نہیں تھی کہ وہ بربریوں اور فوجیوں کے خلاف قدم اٹھا سکتا لیکن رعایا نے جب بربریوں سے تنگ آکر چند بربریوں کو قتل کر دیا تو سلطان نے فوجیوں کو خوش کرنے کے لئے بہت سے شہریوں کو بربریوں کے قصاص میں سزائے موت دیدی جس کی وجہ سے رعایا میں مہدی کے خلاف سخت ناگواری پھیل گئی۔

سلطان مہدی شروع شروع میں تو بربریوں اور فوجیوں کی دست درازیاں برداشت کرتا رہا لیکن جب وہ ان سے تنگ آگیا تو اس نے در پردہ بربریوں اور فوجیوں کا اقتدار توڑنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ بربریوں کو جب علم ہوا کہ مہدی اُن کے اقتدار ختم کر دینا چاہتا ہے تو یہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور انھوں نے مہدی سے انتقام لینے کے لئے قرطبہ کے پاس جمع ہو کر اور ایک دوسرے اُموی شہزادے سلیمان بن حکم کو "مستعین باللہ" کا خطاب دیکر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور اسے قرطبہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دینی شروع کی۔

مستعین نے قرطبہ پر پوری طاقت سے حملہ کرنے کی غرض سے عیسائی حکمران اِدفونش سے امداد طلب کی۔ ادفونش کو بھلا کیا انکار ہو سکتا تھا عیسائی ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے منتظر ہی رہتے تھے۔ چنانچہ ادفونش فوراً امداد کے لئے تیار ہو گیا۔ مستعین نے عیسائیوں سے امداد حاصل کر کے قرطبہ پر چڑھائی کر دی۔ مہدی بھی مقابلہ کے لئے آگیا اور جنگ چھڑ گئی بڑی خونریزی کے بعد مہدی کو شکست ہو گئی اور مستعین نے فاتحانہ حیثیت سے قرطبہ میں داخل ہونے کے بعد اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ مستعین کو یہ فتح چونکہ عیسائیوں کی امداد سے حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے عیسائیوں نے قرطبہ میں داخل ہوتے ہی مسلمانوں پر خوب مظالم کئے۔ انھوں نے چن چن کر مسلم علما اور فضلا کو قتل کیا اور مسلم عوام پر بڑی زیادتیاں کیں۔

سلطان مہدی شکست کھانے کے بعد طلیطلہ چلا گیا تھا اس نے طلیطلہ پہنچنے کے

بعد عیسائی حکمراں اوفونش سے کہلوایا کہ تمہیں مستعین کی امداد نہیں کرنی چاہیے تھی اور اس پر زور دیا کہ وہ مستعین کا ساتھ چھوڑ کر سلطان کے ساتھ مل جائے۔ ابن الوقت عیسائی حکمراں اوفونش کا مقصد کیونکہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا کرائے اس لئے اب وہ مستعین کا ساتھ چھوڑ کر سلطان مہدی کی مدد کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اور اس نے مہدی سے اپنے مطلب کا ایک عہد نامہ لکھوا کر اس کو بھی فوجی امداد دی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اگرچہ اوفونش کی فوجیں ابھی تک قرطبہ میں مستعین کی امداد کے لئے موجود تھیں لیکن پھر بھی اس نے دوسری عیسائی فوجیں سلطان مہدی کی مدد کے لئے روانہ کر دیں۔

سلطان مہدی نے جب عیسائی فوجوں کی مدد سے قرطبہ پر حملہ کیا تو مستعین مقابلہ پر نہ ٹھہر سکا۔ مستعین کے ساتھ جو عیسائی فوجیں تھیں وہ سب کی سب ہی اوفونش کے اشارہ پر لوٹ کر سلطان مہدی سے آن ملیں۔ مستعین قرطبہ چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اور قرطبہ پر دوبارہ سلطان مہدی کا قبضہ ہو گیا لیکن یہ قبضہ بھی چونکہ عیسائیوں ہی کی مدد سے ہوا تھا اس لئے عیسائیوں نے جو چاہا وہ کیا۔ انھوں نے قرطبہ کے مسلمانوں کو خوب لوٹا اچھی طرح سے قتل اور غارتگری کا بازار گرم کیا اور جی کھول کر مسلمانوں سے انتقام لیا۔ قرطبہ کے مسلمانوں پر تو یہ آفت ٹوٹ رہی تھی۔ اور مہدی محل میں پڑا ہوا عیش و عشرت میں مصروف تھا۔

امرائے قرطبہ نے جب دیکھا کہ مہدی کی حماقت کی وجہ سے اسپین کی اسلامی حکومت عیسائیوں کے قبضہ میں جا چکی ہے اور قرطبہ کے ان شریف خاندان کی عزت محفوظ نہیں ہے تو انھوں نے اسلامی لشکر جمع کر کے ایک طرف تو عیسائیوں کے زور کو توڑا اور دوسری طرف مہدی کو معزول کر کے اس کی بجائے ہشام ثانی بن حکم کو قید خانہ سے نکال کر دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔ اور ہشام ثانی کے روبرو مہدی کو لا کر قتل کر دیا۔ یہ

واقعہ ۳۹۹ھ میں پیش آیا تھا۔

ہشام ثانی بن حکم بار دوم

ہشام ثانی بن حکم مہدی کے معزول اور قتل کئے جانے کے بعد ۴۰۰ھ (۱۰۱۰ء) میں جب قرطبہ کے تخت پر دوبارہ بیٹھا تو اسپین کی اسلامی حکومت پاش پاش ہو چکی تھی اور اسپین کی حکومت کا پرانا دعویدار مستعین عیسائی حکمرانوں کے ساتھ ملکر جابجا اسپین میں لوٹ اور غارتگری میں مصروف تھا۔

عیسائی حکمراں ادفونش نے جب دیکھا کہ اس کے پٹھو مہدی کو مسلمان امراء نے قتل کر دیا ہے۔ اور عیسائی لشکر کو قرطبہ سے نکال دیا ہے تو وہ پھر مستعین سے مل گیا اور اُس نے مستعین کے ساتھ متحد ہو کر قرطبہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور قرطبہ کے ارد گرد کا سارا علاقہ تباہ کر دیا ہشام ثانی نے ادفونش کے محاصرہ سے تنگ آکر اس کے ساتھ صلح کر لی اور ادفونش کو مستعین سے علیحدہ کرنے کے لئے اُس کی ریاست سے متصل مسلم علاقہ کے دو سو قلعے اور کئی شہر اُسے دیدیئے اور ان علاقوں کی سند لکھکر ادفونش کے پاس بھیجدی۔ ادفونش اس زبردست مال غنیمت کے حصول کے بعد مستعین کی امداد سے کنارہ کش ہو گیا۔

ادفونش نے گو مستعین کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اس کے علیحدہ ہو جانے کے بعد مستعین کی طاقت کمزور پڑ گئی تھی مگر وہ بدستور قرطبہ کا محاصرہ کئے رہا چنانچہ حالت یہ تھی کہ کبھی تو سلطانی فوجیں مستعین پر غالب آجاتی تھیں اور کبھی مستعین کا بربری لشکر سلطانی فوجوں کو نیچا دکھا دیتا تھا اُدھر دوسرے عیسائی حکمرانوں کی حالت یہ تھی کہ جب انھوں نے دیکھا کہ ادفونش ایک بڑے علاقہ کی سند سلطان سے لے آیا ہے تو انھوں نے بھی سلطان کو مستعین کی امداد کی دھمکیاں دیکر کئی علاقوں کی سندیں حاصل کر لیں۔ غرضکہ مستعین اور ہشام ثانی کی اس خانہ جنگی کی بدولت سلطنتِ اسپین کا بیشتر علاقہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا لیکن اس

گھر پھونک تماشہ کے باوجود بھی ہشام ثانی قرطبہ کو مستعین سے نہ بچا سکا چنانچہ ۴۰۳ھ میں مستعین نے ایک زبردست حملہ کے بعد قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ ہشام ثانی اس ہنگامہ میں یا تو قتل ہو گیا یا ایسا روپوش ہوا کہ پھر اس کا پتہ ہی نہ چل سکا اور مستعین نے قرطبہ میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔

مستعین باللہ ہشام ثانی کو شکست دینے کے بعد مستعین ۴۰۳ھ (۱۰۱۳ء) میں قرطبہ کے تخت پر بیٹھ تو گیا لیکن جب وہ تخت نشین ہوا ہے تو قرطبہ کے علاوہ پوری سلطنت اسپین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یا تو باغی سرداروں کے قبضہ میں جا چکی تھی یا عیسائی حکمرانوں نے اس کے بیشتر علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا اور جابجا صوبوں کے حاکموں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔

ابن عباد اشبیلیہ کا بادشاہ بن گیا تھا۔ بطلیوس میں ابن افطس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ طلیطلہ کی حکومت ابن ذوالنون کے قبضہ میں آ گئی تھی۔ ابن ابی عامر بلنسیہ اور مرسیہ کا بادشاہ بن گیا تھا۔ ابن ہود نے سرقسطہ میں تاج شاہی پہن لیا تھا۔ اور مجاہد عامری دانیہ اور جزائر کا سلطان بن گیا تھا۔ شمالی علاقہ میں جو عیسائی سلاطین موجود تھے ان سب نے دور دور تک اسلامی علاقوں پر قبضہ جما کر اپنی حکومتوں کی سرحدوں کو خوب بڑھا لیا تھا۔

مستعین کو جو حکومت ملی تھی وہ صرف قرطبہ اور اس کے مضافات تک محدود تھی اور وہ بھی قائم نہ رہ سکی۔ غرضکہ مستعین تین سال چند ماہ برائے نام حکومت کرنے کے بعد ۴۰۷ھ میں علی بن حمود سے شکست کھانے کے بعد قتل ہو گیا اور اس طرح اسپین سے بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس کے بعد بھی بعض اُموی شہزادوں نے دوبارہ اسپین میں اپنی حکومت قائم کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے

اسپین سے بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ

مستعین اور دوسرے اموی سلاطین کی خانہ جنگی کے بعد اگرچہ ۴۰۳ھ ہی میں اسپین سے خاندانِ بنی اُمیہ کی حکومت ختم ہو چکی تھی لیکن چونکہ اب بھی اس ملک میں خاندانِ بنی اُمیہ کے شہزادے موجود تھے اسلئے وہ برابر اسپین کی حکومت کو دوبارہ حاصل کرنے کیلئے جد و جہد کرتے رہے۔

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ ۴۰۷ھ میں علی بن حمود مستعین کے قتل کے بعد قرطبہ پر قابض ہو گیا تھا اور اس نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا تھا اور چھ سال تک وہ اور اس کا بھائی قاسم بن حمود قرطبہ پر حکمراں رہے لیکن ۴۱۳ھ میں انکی حکومت ختم ہو گئی۔

انکی حکومت کے ختم ہونے کے بعد ۴۱۴ھ میں اہلِ قرطبہ کی کوشش سے عبدالرحمٰن بن ہشام بن عبدالجبار جو سلطان مہدی کا بھائی تھا مستظہر کے لقب کے ساتھ قرطبہ کے تخت پر بیٹھا لیکن وہ دو مہینے سے زیادہ حکومت نہ کر سکا۔

دو ماہ کے بعد محمد بن عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن نے اس پر فوج کشی کر کے تخت چھین لیا اور مستکفی کا لقب اختیار کرنے کے بعد ۴۱۶ھ تک حکومت کرتا رہا۔

۴۱۶ھ میں یحییٰ بن علی بن حمود نے حملہ کر کے مستکفی سے قرطبہ کی حکومت چھین لی اور مستکفی فرار ہو گیا۔ یحییٰ بن علی بن حمود ۴۱۷ھ تک حکومت کرتا رہا۔

۴۱۸ھ میں وزیرِ سلطنت ابو محمد جہور بن محمد نے ہشام بن محمد اموی کی غائبانہ بیعت کر کے قرطبہ کی حکومت پر قبضہ جما لیا ہشام بن محمد تو یدنت میں رہا اور یہ اسکے نام سے ۴۲۰ھ تک قرطبہ میں حکومت کرتا رہا۔ ۴۲۰ھ میں جب قرطبہ کے امراء میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو ہشام بن محمد اموی قرطبہ آ گیا اور اسکی باقاعدہ تخت نشینی کی رسم انجام دی گئی لیکن ۴۲۲ھ میں جب فوج نے بغاوت کر کے اسے معزول کر دیا۔ تو ہشام معزول ہونے کے بعد قرطبہ سے لریدہ چلا گیا۔ اور ۴۲۸ھ میں وہیں فوت ہو گیا۔ اور اس کی موت کے ساتھ اسپین سے خاندانِ بنی اُمیہ کی برائے نام سلطنت بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

اسپین کی چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں

خاندانِ بنی اُمیہ کے آخری برائے نام بادشاہ سلطان ہشام بن محمد اموی کی موت کے بعد اگرچہ اسپین کی مرکزی اسلامی حکومت ختم ہو گئی تھی لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ شاہانِ بنی اُمیہ کے خاتمہ کے بعد اسپین سے اسلامی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا بلکہ اسلامی حکومت اس کے بعد بھی اسپین پر بدستور قائم رہی۔ فرق صرف اتنا ہو گیا کہ پہلے پورا اسلامی اسپین ایک ہی حکومت کے زیرِ اثر تھا لیکن اسپین سے اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد اسپین کی اسلامی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی تھی جن پر سابق اموی عمالِ حکومت خود مختارانہ حیثیت سے الگ الگ حکومت کرنے لگے تھے۔

اسپین کی مرکزی اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد یوں تو اسپین میں بے شمار چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں اور ریاستیں قائم ہو گئی تھیں لیکن ان میں سے سات حکومتوں کو تاریخ میں زیادہ اہمیت حاصل ہے یہ سات حکومتیں یہ ہیں۔ (۱) قرطبہ میں خاندانِ جمہوریہ کی حکومت (۲) اشبیلیہ میں خاندانِ عبادیہ کی حکومت (۳) صوبہ بطلیوس میں خاندانِ افطس کی حکومت (۴) غرناطہ میں خاندانِ زیریہ کی حکومت (۵) قرطبہ میں خاندانِ جہور کی حکومت (۶) طلیطلہ میں خاندانِ ذوالنون کی حکومت (۷) سرقسطہ میں بنی ہود کی حکومت۔

ان ساتوں ریاستوں پر اسپین کے عمالِ حکومت نے زمانۂ دراز تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے۔ ذیل میں ہم ان حکومتوں کے حالات مختصر الفاظ میں درج کرتے ہیں:۔

قرطبہ میں خاندانِ حمودیہ کی حکومت

خاندانِ حمودیہ کی حکومت کا بانی علی بن حمود ہے جو سلطان مستعین اموی کے زمانہ میں طنجہ اور افریقہ کے بعض علاقوں کا گورنر تھا۔ مستعین کے عہدِ حکومت میں جب اسپین کی مرکزی حکومت بے جان ہوگئی تو علی بن حمود نے پہلے تو طنجہ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ اس کے بعد جہازوں کے ذریعہ اسپین کی سرزمین پر فوج اُتار کے مستعین کے خلاف جنگ شروع کردی۔ اور ۴۰۷ھ میں مستعین کو شکست دیکر اور قتل کر کے اس نے اسپین کے دارالسلطنت قرطبہ پر قبضہ جما لیا۔ لیکن ایک سال کی حکومت کے بعد ہی ۴۰۸ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔

علی بن حمود کے بعد اس کا بھائی قاسم بن حمود قرطبہ میں تخت نشین ہوا لیکن ۴۱۲ھ میں یحییٰ بن علی حمود نے قاسم بن حمود کو شکست دیکر قرطبہ کی حکومت پر قبضہ جما لیا۔ مگر ۴۱۳ھ میں جہت سے فوجی سرداروں نے یحییٰ کے خلاف بغاوت کر کے اسے معزول کر دیا اور قاسم بن حمود کو دوبارہ قرطبہ کے تخت پر بٹھا دیا۔ یحییٰ بن علی حمود نے قرطبہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد مالقہ میں اپنی نئی حکومت قائم کر لی۔ اور اس کا بھائی ادریس طنجہ کا حکمران بن گیا۔

فوجی سرداروں نے گو اپنی طاقت کے بل پر قاسم بن حمود کو دوبارہ قرطبہ کے تخت پر بٹھا دیا تھا لیکن قرطبہ کے باشندے قاسم بن حمود کو سخت ناپسند کرتے تھے وہ قرطبہ کے تخت پر کسی اموی شہزادہ کو بٹھانا چاہتے تھے۔ قاسم نے یہ رنگ دیکھا تو اس نے چن چن کر اموی شہزادوں کو قتل کرنا شروع کیا اموی چونکہ قرطبہ والوں کو غیر معمولی ہمدردی تھی اس لیے وہ قاسم کے ہاتھوں اُمویوں کے قتلِ عام پر بگڑ گئے اور قاسم بن حمود کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ یہ بغاوت اتنی بڑھی کہ قاسم اور اس کی بربری فوج قرطبہ سے فرار ہونے پر مجبور ہوگئی۔ قاسم فرار ہو کر پہلے اشبیلیہ پہنچا۔ پھر وہاں سے شریش چلا گیا۔ یحییٰ بن علی حمود

جو قاسم کا جانی دشمن تھا۔ اُس نے سنہ ۴۲۷ھ میں قلعہ سرلش فتح کرنے کے بعد قاسم بن حمود کو گرفتار کرکے قتل کرادیا۔ غرضکہ قرطبہ اور اسپین کے مختلف علاقوں کی حکومتیں خاندان حمودیہ کے مختلف سرداروں کی جانب یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہیں۔ یہانتک کہ سنہ ۴۴۶ھ میں معتضد بن ابوالقاسم۔ حاکم اشبیلیہ نے اس خاندان کے آخری حکمران واثق باللہ کے خلاف صوبہ جزیرہ پر حملہ کرکے اُسے گرفتار کرلیا اور اس طرح خاندان حمودیہ کی حکومت سنہ ۴۵۰ھ میں ختم ہوگئی

اشبیلیہ میں خاندان عبادیہ کی حکومت

ابوالقاسم محمد اشبیلیہ کا سابق وزیر اور قاضی تھا۔ یہ خاندان عبادیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اسپین کی مرکزی اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد اس نے سنہ ۴۱۴ھ میں اشبیلیہ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ اشبیلیہ اسپین کے جنوب و مغرب میں واقع ہوا اور اسے قرطبہ کے بعد اسپین میں بہت بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ابوالقاسم کے بعد جب اس کا بیٹا ابوعمر عباد معتضد کا لقب اختیار کرکے تخت نشین ہوا تو اس نے اسپین کے چھوٹے چھوٹے مسلم اُمرا کی حکومتوں کو زیر کرکے خاندان عبادیہ کی حکومت کو خوب وسعت دی۔ اس نے قرمونہ۔ سرریشیا۔ لارکش۔ نبلہ۔ اونبہ۔ شلطیش۔ شلب۔ اور لبلہ کو فتح کرکے اپنی طاقت خوب بڑھالی۔ یہانتک کہ سنہ ۴۶۱ھ میں اس نے قرطبہ۔ المیریہ اور مرتلہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرکے اسے ایک نہایت ہی مضبوط سلطنت کی شکل دیدی۔

ابوعمر عباد معتضد کے بعد سنہ ۴۶۱ھ میں اس کا بیٹا معتمد اشبیلیہ میں تخت نشین ہوا۔ معتمد نے بھی اپنے باپ کی طرح نئی فتوحات حاصل کرکے اپنی سلطنت کی حدود کو وسیع کرنے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

معتمد کا باپ معتضد سنہ ۴۷۸ھ سے کیسٹل اور لیون کے عیسائی سلطان فرڈیننڈ

کو خراج دیا کرتا تھا۔ فردی نند کے بعد جب اس کا بیٹا الفانسو چہارم تخت نشین ہوا تو اس نے ایک ایک کر کے اسپین کے بہت سے خود مختار مسلم حکمرانوں کو زیر کر لیا اور مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑنے شروع کئے۔ الفانسو کی ان زیادتیوں سے معتمد بہت زیادہ برافروختہ تھا چنانچہ الفانسو چہارم کا سفیر جب معتمد سے خراج لینے کے لئے آیا تو اس نے سفیر اور اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کرا دیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اب الفانسو چہارم اس پر ضرور حملہ کریگا۔ اس نے خاندان مرابطین کے بادشاہ یوسف بن تاشفین والی مراکش (افریقہ) سے امداد طلب کی۔

یوسف بن تاشفین معتمد کی درخواست پر خود فوج لیکر اشبیلیہ پہنچ گیا۔ اس کے پہنچتے ہی عیسائی سلطان الفانسو نے ساٹھ ہزار کے لشکر عظیم کے ساتھ اشبیلیہ پر حملہ کر دیا۔ معتمد اور یوسف تاشفین کی فوج کی مجموعی تعداد اگرچہ مشکل سے بیس ہزار تھی لیکن عیسائیوں کے لشکر عظیم کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست فاش اٹھانی پڑی۔

یوسف تاشفین مسلمانان اسپین کو عیسائیوں کے مقابلہ میں فتحیاب کرنے کے بعد جوں ہی مراکش واپس گیا تو اسپین کے مسلم سلاطین میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ تاشفین نے سوچا کہ اگر اسپین کے مسلم سلاطین اسی طرح لڑتے رہے تو عیسائیوں کا پورے اسپین پر قبضہ ہو جائیگا لہذا وہ آئندہ سال مسلم سلاطین کی تادیب کے لئے دوبارہ اسپین آیا۔ اور اکثر مسلم امرا اور سلاطین سے اقرار اطاعت لیکر اپنا گورنر اسپین میں چھوڑ گیا۔

اسپین کے مسلم امرا اور سلاطین کی حالت اس کے باوجود بھی نہیں سنبھلی۔ ان میں سے کچھ تو بدستور خانہ جنگی میں مبتلا رہے اور کچھ نے عیسائی سلاطین سے ساز باز شروع کر دی۔ یہ کیفیت دیکھتے ہوئے تاشفین نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ اسپین کے مسلم امرا اور سلاطین کو معزول کر کے وہاں باقاعدہ اپنی حکومت قائم کر دے۔ چنانچہ

۴۸۴ھ میں اُس نے معتمد کو گرفتار کر کے مراکش بُلوا لیا اور قید کر دیا۔ اس کے بعد اشبیلیہ میں تاشفین کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور اس طرح اشبیلیہ کی عبادیہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ تاشفین نے اور بھی کئی مسلم اُمرا اور سلاطین کو معزول اور گرفتار کر کے ان کی حکومتوں کو ختم کر دیا تھا۔

صوبہ بطلیوس میں خاندان افطس کی حکومت

صوبہ بطلیوس جو اسپین کے مغرب میں واقع تھا

اسپین کی مرکزی حکومت کے زوال کے بعد ابن افطس نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ ابن افطس اسپین کا ایک لائق سردار تھا۔

ابنِ افطس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا مظفر بطلیوس میں تخت نشین ہوا۔ یہ دوسرے مسلمان سلاطین کے ساتھ بُری طرح خانہ جنگی میں مبتلا ہو گیا۔ چنانچہ اس کی خاندان ذوالنون اور خاندان عبادیہ سے کئی لڑائیاں ہوئی ہیں۔

مظفر کے مرنے کے بعد ۴۶۱ھ میں جب اُس کا بیٹا ابو حفص متوکل کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا تو اس نے اسپین کے دوسرے مسلمان حکمرانوں کو نیچا دکھانے کے لئے عیسائی سلاطین سے سازباز شروع کر دی۔ اس نے فرڈیننڈ اول [illegible] کی کوشش یہ تھی کہ جتنی بھی اسلامی ریاستیں اسپین میں باقی رہ گئی ہیں ان پر عیسائیوں کا قبضہ کرا دے اور یوسف بن تاشفین کے زور کو اسپین سے ختم کر دے۔

یوسف تاشفین کو جب اس بادشاہ کی مسلم کشی اور غداری کا علم ہوا تو اُس نے متوکل اور اس کے سارے خاندان کو قتل کرا کے بطلیوس میں اپنی جانب سے عامل مقرر کر دیا اور اس طرح اس خاندان کا بھی تاشفین کے ہاتھوں اسپین سے خاتمہ ہو گیا۔

غرناطہ میں خاندان زیریہ کی حکومت

غرناطہ اسپین کے جنوب میں واقع تھا جس کی سرحدیں ساحل سے

سمندر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسپین کی مرکزی حکومت کے زوال کے بعد ایک بربری سردار زادی بن زیری نے غرناطہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔

زادی بن زیری سنہ ۴۱۱ھ میں جب اپنے بیٹے کو قائم مقام بنا کر شاد قیروان کے پاس افریقہ گیا تو اس کے بھائی ماکس زیری نے اپنے بھتیجے سے حکومت چھین کر اس پر قبضہ جما لیا۔ ماکس زیری انیس سال حکومت کرنے کے بعد جب سنہ ۴۲۹ھ میں مر گیا تو اس کا بیٹا ابن حابوس زیری تخت نشین ہوا۔ ابن حابوس کی شاہانِ ذوالنون اور شاہانِ عبادیہ سے کئی لڑائیاں ہوئی ہیں۔

ابن حابوس کی وفات کے بعد سنہ ۴۶۶ھ میں اس کا پوتا ابو محمد عبداللہ تخت نشین ہوا۔ اور اپنا لقب "مظفر" اختیار کیا۔ اور اپنے بھائی کو مالقہ کی حکومت سپرد کر دی لیکن سنہ ۴۸۴ھ میں مرابطین مراکش نے ان دونوں بھائیوں کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا اور وہاں اپنا عامل مقرر کر دیا۔

قرطبہ میں خاندانِ ابنِ جہور کی حکومت

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ قرطبہ میں خاندانِ حمودیہ کی حکومت قائم تھی لیکن سنہ ۴۱۳ھ میں خاندان حمودیہ کے حکمراں قاسم بن حمود نے جب چن چن کر اُموی خاندان کے افراد کو قتل کرنا شروع کیا تو قرطبہ کے مسلمان بگڑ گئے۔ اور انھوں نے بغاوت برپا کر کے قاسم بن حمود کو قرطبہ سے نکال دیا تھا۔ اس کے بعد کئی سال تک قرطبہ میں طوائف الملوکی رہی لیکن سنہ ۴۲۲ھ میں قرطبہ کے باشندوں نے جہور بن محمد بن عبداللہ کو قرطبہ کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ سنہ ۴۳۵ھ تک حکومت کی۔

جہور بن محمد کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابوالولید تخت نشین ہوا اس نے بھی اپنے باپ کی طرح بڑی ہوشیاری کے ساتھ حکومت کی۔ یہ رعایا میں بیحد مقبول تھا۔

ابوالولید کی وفات کے بعد جب اس کا بیٹا عبدالملک قرطبہ کے تخت پر بیٹھا تو

خاندان ذوالنون نے قرطبہ پر چڑھائی کر دی۔ عبدالملک نے شاہانِ عبادیہ سے امداد طلب کی تو انہوں نے قرطبہ آکر خاندان ذوالنون کو تو بھگا دیا لیکن یہ خود عبدالملک کو قید کر کے قرطبہ کے حاکم بن گئے۔ اور اس طرح سنہ ۴۶۱ھ میں قرطبہ سے خاندان ابن جہور کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

طلیطلہ میں خاندان ذوالنون کی حکومت

طلیطلہ اسپین کا نہایت ہی اہم علاقہ تھا۔ جو اسپین کے عین وسط میں واقع تھا۔ جب اسپین کی مرکزی حکومت ختم ہو گئی تو سنہ ۴۱۹ھ میں اسمٰعیل بن ظافر ذوالنون نے پہلے تو قلعہ اقلیش پر قبضہ جما یا اور خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد سنہ ۴۲۷ھ میں طلیطلہ کو فتح کر کے اسے بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔

اسمٰعیل ذوالنون کے مرنے کے بعد سنہ ۴۲۹ھ میں اس کا بیٹا یحییٰ مامون تخت نشین ہوا۔ اس نے بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے۔ عیسائی سلاطین سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئی ہیں۔ اس نے صوبہ بلنسیہ بھی فتح کر لیا تھا اور قرطبہ پر بھی قبضہ جما لیا تھا۔

یحییٰ مامون کو سنہ ۴۶۷ھ میں زہر دیدیا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا پوتا قادر تخت نشین ہوا لیکن سنہ ۴۷۸ھ میں کیسٹل کے عیسائی سلطان الفانسو نے اس سے طلیطلہ چھین لیا۔ طلیطلہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ بلنسیہ چلا گیا اور وہاں حکومت کرتا رہا اور وہیں سنہ ۴۸۱ھ میں قادر نے وفات پائی۔ قادر کے مرنے کے بعد اس خاندان کی حکومت بلنسیہ سے بھی ختم ہو گئی۔

سرقسطہ میں بنی ہود کی حکومت

سرقسطہ اسپین کے شمال میں عیسائی ریاستوں سے بالکل متصل واقع تھا۔ سرقسطہ میں بنی ہود کی حکومت کا بانی منذر بن مطرف ہے جو بنی ہود کا ایک سردار تھا۔ یہ سلطان

مستعین کے زمانہ میں سرقسطہ کا حاکم تھا۔ اسپین کی مرکزی حکومت کے زوال کے بعد اس نے "منصور" کا لقب اختیار کر کے سرقسطہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اسکی سلطنت کی حدود چونکہ عیسائی ریاستوں سے ملی ہوئی تھیں۔ اس لئے اس نے عیسائی سلاطین سے دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے۔

منصور کی وفات کے بعد ۴۱۴ھ میں اس کا بیٹا منظفر سرقسطہ میں تخت نشین ہوا اور سولہ سترہ سال تک بڑے اطمینان کے ساتھ حکومت کرتا رہا لیکن ۴۳۱ھ میں سلیمان بن محمد بن ہود نے منظفر پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا اور سرقسطہ پر قابض ہو گیا منظفر کے بیٹے یوسف نے باپ کے قتل کے بعد سرقسطہ سے فرار ہو کر جب لریدہ میں اپنی جدید حکومت قائم کر لی تو سلیمان بن محمد نے اُسے لریدہ سے نکالنے کیلئے بھی یورش کر دی۔ مگر یوسف نے اسے مار بھگایا۔

یوسف کے سرقسطہ سے لریدہ چلے جانے کے بعد سلیمان بن محمد بن ہود ۴۳۸ھ تک حکومت کرتا رہا سلیمان کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا احمد۔ مقتدر باللہ کے لقب کے ساتھ سرقسطہ میں تخت نشین ہوا۔ یہ عیسائی سلاطین کا بہت بڑا معاون تھا۔

مقتدر کی وفات کے بعد ۴۷۴ھ میں اُس کا بیٹا یوسف موتمن کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مستعین تخت پر بیٹھا جو عیسائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مستعین کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک عماد الدولہ تخت نشین ہوا۔ عیسائیوں نے اُس پر یورش کر کے سرقسطہ پر قبضہ جما لیا۔ یہ سرقسطہ سے فرار ہو کر قلعہ روطہ میں چلا گیا اور وہیں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سیف الدولہ قلعہ روطہ میں تخت نشین ہوا۔ مگر یہ قلعہ روطہ عیسائیوں کے ہاتھ فروخت کر کے طلیطلہ چلا گیا اور وہاں جا کر آباد ہو گیا۔

اسپین کی مندرجہ بالا اسلامی حکومتوں کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی بہت سی

خود مختار اسلامی ریاستیں اسپین میں قائم ہو گئی تھیں جن کو محض طوالت سے بچنے کی غرض سے نظر انداز کر دیا گیا ہے مختصر یہ کہ خاندانِ بنی اُمیہ کی مرکزی اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد اس کی خاک سے بے شمار اسلامی حکومتیں پیدا ہو گئی تھیں جو دن رات خانہ جنگی میں مبتلا رہتی تھیں اور ان کی خانہ جنگی کی بدولت عیسائیوں کو اسلامی اسپین پر قبضہ جمانے کا زریں موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔ چنانچہ اسپین کے عیسائی سلاطین نے مسلمانوں کی خانہ جنگی کی بنا پر اسلامی اسپین کے بہت سے علاقہ کو اپنی حکومتوں میں شامل کر لیا تھا۔

اسپین پر شاہانِ مرابطین کی حکومت

اس سے قبل بتایا جاچکا ہے کہ اسپین کی مرکزی اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد یہ وسیع سلطنت پاش پاش ہونے کے بعد چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ جن پر مختلف سلاطین حکومت کر رہے تھے۔

یہ تمام سلاطین اگر متحد ہوکر حکومت کرتے تب بھی کوئی ہرج نہ تھا لیکن ہوا یہ کہ جب اسپین کی مرکزی اسلامی حکومت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی تو یہ تمام اسلامی ریاستیں بُری طرح خانہ جنگی میں مُبتلا ہوگئیں۔ یہاں تک کہ اسپین کے بعض مسلم حکمرانوں نے اسپین کے عیسائی سلاطین کے دامن میں بھی پناہ لینی شروع کردی۔

عیسائی سلاطین نے مسلمان حکمرانوں کی اس خانہ جنگی سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ ان کو مسلمانوں پر دست درازی کرنے کا بہترین موقعہ ہاتھ آگیا۔ چنانچہ انھوں نے اسلامی اسپین کے اکثر علاقوں پر قبضہ جمانے کے بعد مسلمانانِ اسپین پر وہ ظلم وستم کیے جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

عیسائیوں کی چیرہ دستیوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے عالیشان مسجدوں کو مسمار کرڈالا۔ اور ان کی جگہ نئے نئے گرجا تعمیر کرلئے اس کے علاوہ مسلمانوں کو بالجبر عیسائی بنانے کے لئے بے پناہ مظالم کیے۔ چنانچہ جو مسلمان عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تھے ان کو تڑپا تڑپا کر قتل کیا جاتا تھا۔ آزادانہ مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ اور بے شمار معصوم بچے ان کی ماؤں کے سامنے انتہائی بے دردی کے ساتھ ذبح کردئے گئے۔

اسپین میں مسلم عوام کی بے بسی اور عیسائیوں کی ان چیرہ دستیوں کو دیکھ کر مراکش

(افریقہ) کی سلطنت مرابطین کا درد مند سلطان یوسف بن تاشقین کئی مرتبہ اسپین کے مسلم سلاطین کی مدد کے لئے خود اسپین آیا اور اس نے عیسائی سلاطین کی اچھی طرح سے سرکوبی کی لیکن جب بھی وہ اسپین سے مراکش واپس گیا تو اسپین کے مسلم سلاطین میں پھر وہی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اور عیسائی سلاطین نے ان کی خانہ جنگی سے ناجائز فائدہ اٹھاکر حسب سابق مسلم علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا اور مسلم عوام پر عیسائیوں نے نئے نئے ظلم وستم ڈھانے شروع کر دیئے۔

اسپین پر یوسف بن تاشقین کا قبضہ

اسپین کے مسلم سلاطین کی بدبختی صرف خانہ جنگی ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ ان کی بے حمیتی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ انھوں نے اپنے حریف مسلم سلاطین کو نیچا دکھانے کے لئے عیسائی سلاطین سے ساز باز بھی شروع کر دی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی سلاطین نے اپنے ان مسلم سلاطین کی پشت پناہی کرکے اسپین کے تقریباً تمام مسلم سلاطین میں بری طرح خانہ جنگی برپا کرادی۔

مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کا چونکہ لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اسپین کے تمام مسلم سلاطین لڑ لڑ کر ختم ہو جاتے اور پورے اسپین پر عیسائی حکومت قائم ہو جاتی اس لئے یوسف بن تاشقین والیٔ مراکش نے یہ ضروری سمجھا کہ اسپین کے تمام چھوٹے چھوٹے مسلم سلاطین کو ختم کرکے وہاں ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم کر دی جائے جو صحیح معنوں میں اسپین کی مرحوم اموی حکومت کی جانشین بن سکے۔ چنانچہ یوسف بن تاشقین نے ۴۸۵ھ میں عیسائی سلاطین کے حلق سے بہت سے اسلامی علاقے نکال کر اور نام نہاد مسلم سلاطین کو ختم کرکے نئے سرے سے اسپین میں ایک عظیم الشان اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی۔ اور عیسائی سلاطین کو مار مار کر سیدھا کر دیا اور بالآخر انھیں زمانہ سابق کی طرح پھر مسلمانوں کی باجگذاری قبول کرنی پڑی۔

یوسف بن تاشفین بڑا ہی دردمند اور سچا مسلمان تھا۔ اُس نے مسلمانانِ اسپین کو عیسائیوں کے چنگل سے نکالنے کے لئے جس حوصلہ مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اُسے مسلمان تاقیامت فراموش نہیں کر سکتے۔ اس مردِ مومن کے جوشِ ایمانی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک طرف تو شمالی اسپین کی متحدہ عیسائی سلطنتیں تھیں جن کی پُشت پناہی شاہِ فرانس اور یُوروپ کے دوسرے عیسائی بادشاہ کر رہے تھے اور دوسری جانب یہ اکیلا مردِ مجاہد تھا لیکن اس نے عیسائیوں کو اس طرح شکستوں پر شکستیں دیں کہ عیسائیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور وہ تنگ آ کر مراکش کے اس شیر دل سلطان کی اطاعت پر مجبور ہو گئے۔

اسلامی اسپین کے سلطنت مرابطین کے زیرنگیں آنے کے بعد یوسف بن تاشفین پندرہ سال زندہ رہا۔ اور اس پندرہ سال میں مسلمانانِ اسپین نہ صرف عیسائیوں کی چیرہ دستیوں سے مامون و محفوظ رہے بلکہ اسلامی اسپین میں پھر پہلی سی خوشحالی۔ مذہبی سرگرمی اور علمی ذوق و شوق دکھائی دینے لگا۔ لیکن یوسف بن تاشفین کے اس احسان عظیم کے باوجود اسپین کے عربی النسل باشندوں نے محض اس لئے یوسف بن تاشفین اور اُس کی حکومت کو پسند نہیں کیا کیونکہ وہ بربری لوگوں کو اپنے اُوپر حکمراں نہیں دیکھنا چاہتے تھے لیکن انھوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر بربری مسلمان اسپین آ کر ان کو عیسائیوں کے چنگل سے نہ نکالتے تو ان کو عیسائیوں کا غلام بن کر زندگی گذارنی پڑتی۔

یوسف بن تاشفین کے جانشین

یوسف بن تاشفین کے مرنے کے بعد ۵۰۰ھ میں اُس کا بیٹا ابوالحسن علی بن یوسف مراکش کے تخت پر بیٹھا۔ علی بن یوسف بھی اپنے باپ کی طرح حوصلہ مند اور عیسائیوں کا پکا دشمن تھا چنانچہ اُس نے ۵۰۳ھ میں طلیطلہ کا جس پر کہ ابھی تک عیسائیوں کا قبضہ تھا محاصرہ کر لیا۔ اور اسپین کے بہت سے شہروں کو عیسائیوں کے قبضہ سے

نکال لیا۔ اور اپنے بھائی تمیم بن یوسف کو اس نے اسپین میں وائسرائے مقرر کر دیا۔ تمیم بن یوسف نے اسپین کی عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد سرقسطہ اور بہت سے علاقے دوبارہ فتح کرلئے اور اسپین کی اسلامی سلطنت کو خوب وسعت دی۔ عیسائیوں نے جب سرقسطہ پر دوبارہ قبضہ جمالیا تو ۵۱۳ھ میں علی بن یوسف خود مراکش سے اسپین آیا اور سرقسطہ کو عیسائیوں سے چھین کر ان کی اچھی طرح سرکوبی کی۔

اسپین میں حکومت مرابطین کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ چونکہ اسپین کے عرب سردار مرابطین کو ناپسند کرتے تھے اس لئے وہ برابر عیسائیوں کے ساتھ مل کر مرابطین کی اسلامی حکومت کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اور اکثر اوقات تو یہ عیسائیوں کی فوج میں شامل ہو کر بے حمیتی کا ثبوت دیتے ہوئے اسلامی حکومت کے مقابلہ میں کھلم کھلا میدان میں آجاتے تھے۔ عرب سرداروں اور عیسائیوں کی ان سازشوں ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ عیسائی سلطان الفانسو اول والیٔ برشلونہ جس کو امبر رومیر بھی کہتے ہیں اس نے ۵۱۵ھ میں اچانک غرناطہ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں غرناطہ کی عیسائی آبادی اور عرب سردار اس کے ساتھ تھے۔ لیکن اسپین کے اسلامی وائسرائے تمیم بن یوسف نے اسے ایسی شکست فاش دی کہ وہ اپنی نصف فوج کٹوا کر برشلونہ بھاگ گیا۔

علی بن یوسف تاشفین کو مراکش میں جب ان حالات کا علم ہوا تو ۵۱۶ھ میں اس نے اسپین آکر غدار عرب سرداروں کو سخت سزائیں دیں۔ اور غرناطہ سے عیسائیوں کا زور توڑنے کے لئے عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کو تو غرناطہ سے افریقہ بھیج دیا اور کچھ کو اسپین کے دوسرے صوبوں میں منتقل کر دیا۔ ۵۲۰ھ میں جب اسپین کے اسلامی وائسرائے تمیم بن یوسف کا انتقال ہو گیا تو شاہِ مراکش علی بن یوسف نے اپنے بیٹے تاشفین بن علی کو اسپین کا وائسرائے مقرر کر دیا۔ علی بن یوسف ۳۶ برس مراکش

اور اسپین پر حکومت کرنے کے بعد ۵۳۷ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے زمانہ میں اسپین میں ہر طرح خوشحالی اور فارغ البالی رہی اور اس نے اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے عیسائیوں کی اچھی طرح سرکوبی کی۔

مرابطین کی حکومت کا زوال

علی بن یوسف کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا تاشقین بن علی جو اسپین کا وائسرائے رہ چکا تھا ۵۳۷ھ میں مراکش کے تخت پر بیٹھا لیکن اس کے تخت نشین ہونے کے بعد ہی سے مرابطین کی حکومت کا زوال شروع ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مراکش میں موحدین کی جماعت دن بدن زور پکڑتی چلی جا رہی تھی اور اس جماعت نے مرابطین کی حکومت کی بنیادوں کو ہلا ڈالا تھا۔

موحدین کا زور تاشقین بن علی کے باپ علی بن یوسف ہی کے دورِ حکومت میں بڑھ گیا تھا لیکن تاشقین جب تخت نشین ہوا تو موحدین کی طاقت غیر معمولی حد تک بڑھ چکی تھی۔ تاشقین بن علی نے تخت نشین ہونے کے بعد یحییٰ بن علی غانیہ کو تو اسپین کا وائسرائے مقرر کر دیا اور خود مراکش کے اندرونی جھگڑوں میں مصروف ہو گیا۔ یحییٰ بن علی غانیہ نے اسپین آنے کے بعد ابتدا میں تو عیسائیوں کی چیرہ دستیوں کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا لیکن جوں جوں مراکش میں مرابطین کی حکومت کمزور ہوتی گئی یحییٰ بن علی غانیہ کا حوصلہ بھی پست ہوتا چلا گیا۔

۵۳۹ھ میں جب تاشقین بن علی موحدین کی جماعت کے رہنما عبدالمومن سے شکست کھانے کے بعد فوت ہوا تو مراکش کی حکومت کا نظام بالکل درہم برہم ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی اسپین میں بھی مرابطین کی اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔

تاشقین بن علی کی موت کے بعد جب ۵۳۹ھ میں اُس کا بیٹا ابراہیم بن تاشقین مراکش میں تخت نشین ہوا تو حکومت مرابطین تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ ابراہیم تاشقین صرف

دو سال حکمراں رہا۔ دو سال کے بعد جماعت موحدین کے رہنما عبدالمومن نے ۵۴۲ھ میں مراکش پر حملہ کر کے فتح کر لیا اور سلطنت مرابطین کے آخری بادشاہ ابراہیم تاشفین کو قتل کر دیا۔ ابراہیم تاشفین کے مارے جانے کے بعد نہ صرف مراکش سے بلکہ اسپین سے بھی مرابطین کی حکومت ختم ہو گئی۔

اسپین میں پھر طوائف الملوکی

مراکش سے مرابطین کی حکومت کے خاتمہ کی اطلاع اسپین کے عیسائی سلاطین کے لئے نہایت ہی مسرت بخش پیغام تھا۔ اسپین کے عیسائیوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جل گئے اور انھوں نے متحد ہو کر تیزی سے اسپین کے اسلامی علاقوں پر یورش شروع کر دی لیکن اسپین کے اسلامی وائسرائے یحییٰ بن علی غانیہ نے ایسی پامردی کے ساتھ عیسائیوں کا مقابلہ کیا کہ عیسائی اسلامی علاقہ کی ایک انچ زمین پر بھی قبضہ نہ جما سکے اور ان کو ناکام و نامراد شکست کھانے کے بعد واپس جانا پڑا۔

یحییٰ بن علی غانیہ کا اسپین کے عیسائی تو کچھ نہ بگاڑ سکے لیکن اسپین کے مسلم اُمراء اس کے لئے مصیبت بن گئے چنانچہ اس اسلامی وائسرائے کے لئے یہ وقت پیش آ گئی کہ جس طرح اسپین سے خاندانِ بنی اُمیہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد عمال نے خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا اسی طرح حکومتِ مرابطین کے خاتمہ کے بعد بھی ہر علاقہ ہر شہر بلکہ ہر قصبہ کا حاکم خودمختار حکمران بن گیا۔ اور مرابطین کی قائم کردہ اسپین کی اسلامی حکومت خود مسلم عُمال کے ہاتھوں پاش پاش ہو گئی۔ اور اسی پر طرّہ یہ کہ ان سبھی نے خودمختار ہو کر ایک دوسرے سے لڑنا بھی شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے اسلامی اسپین میں مسلمانوں کا خون آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے پانی کی طرح بہنے لگا۔ اور افراتفری اس حد تک بڑھی کہ ہر مسلم حاکم دوسرے حاکم کے خون کا پیاسا بن گیا۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے اسپین کا اسلامی وائسرائے یحییٰ بن علی خود بھی آگے چل کر اسی خودغرضی کا شکار

ہو گیا اور اس نے بھی قرطبہ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا غرضکہ اسپین میں اسی طرح طوائف الملوکی پھیلی کہ اسلامی اسپین چند روز کا مہمان دکھائی دینے لگا۔

اسپین کے عیسائی سلاطین مسلم عمّال حکومت کی خودمختاری اور خانہ جنگی سے بے حد خوش تھے چنانچہ وہ مسلم عمّال کو آپس میں خون خرابے کے لئے برابر شہ دے رہے تھے۔ تاکہ اس خانہ جنگی کے ذریعہ مسلمان خود ہی آپس میں کٹ کٹ کر ختم ہو جائیں۔ اور اسکے بعد پورا اسپین عیسائیوں کے قبضہ میں آجائے لیکن اس طوائف الملوکی اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کے چند ہی روز بعد جب مراکش کے موا حدین نے اسپین میں اپنی فوجیں اتار کر اسلامی اسپین پر قبضہ جمانا شروع کیا تو عیسائیوں کو بڑی مایوسی ہوئی۔

مرابطین نے اسپین پر تقریباً ۱۰۵ سال حکومت کی۔ مرابطین کی حکومت اسپین میں حکومت بنی امیہ کی اچھی جانشین تھی جس نے اسپین کی خوشحالی اور فارغ البالی میں نمایاں اضافہ کیا۔ شاہانِ مرابطین کی حکومت کے زمانہ میں اسپین میں علم وفن کا بھی خوب چرچہ ہوا۔ شاہانِ مرابطین چونکہ مالکی عقیدہ رکھتے تھے اس لئے ان کے دور میں مالکی علما کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ مگر مرابطین فلسفہ اور علم کلام کے سخت دشمن تھے چنانچہ ان کے عہدِ حکومت میں فلسفہ اور علم کلام کی بے شمار کتابیں ضائع کی گئیں شاہانِ مرابطین حضرت امام غزالیؒ کی تصانیف کے اس قدر مخالف تھے کہ ان کتابوں کا مراکش اور اسپین میں رکھنا جرم قرار دیدیا گیا تھا۔ اگر کسی مسلمان کے گھر سے حضرت امام غزالیؒ کی ایک تصنیف بھی نکل آتی تھی تو اسے قابلِ گردن زدنی قرار دیدیا جاتا تھا۔ شاہانِ مرابطین کی اس تنگ نظری کے باوجود بھی ان کے زمانہ میں علم وفنون کو خوب فروغ حاصل ہوا۔

اسپین پر موحدین کی حکومت

سلطنتِ مرابطین کے زوال کے فوراً ہی بعد جب موحدین نے اسپین پر لشکرکشی کر کے تقریباً اس تمام علاقہ پر قبضہ جما لیا جس پر کہ شاہانِ مرابطین کی حکومت تھی تو اسپین کے اُن عیسائی سلاطین کو بڑی مایوسی ہوئی جو پورے اسپین پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ عیسائی حیران تھے کہ یہ مسلمان قوم بھی بڑی عجیب قوم ہے کہ اگر خاندان بنی اُمیّہ کا خاتمہ ہوتا ہے تو مراکش کے مرابطین اسپین پر چڑھ دوڑتے ہیں اور انکے جانشین بن جاتے ہیں اور جب خاندان مرابطین ختم ہو جاتا ہے تو مسلمانوں کی ایک نئی طاقت "موحدین" کے نام سے پہلے مراکش پر قبضہ جما لیتی ہے اور پھر اسلامی اسپین کی مختارِ مطلق بن جاتی ہے۔

موحدین جنہوں نے کہ مرابطین کے بعد مراکش اور اسپین میں ایک نہایت ہی عظیم الشان اسلامی حکومت قائم کی۔ اُس کے بانی "محمد بن عبداللہ تومرت" کی زندگی بڑی عجیب و غریب ہے۔ محمد بن عبداللہ تومرت مراکش کے ایک غریب خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ یہ چودہ سال تک مکہ معظمہ۔ مدینۂ منورہ بغداد اور دوسرے اہم اسلامی شہروں کی حصولِ علم کے لئے خاک چھانتا پھرا۔ محمد بن عبداللہ تومرت جس زمانہ میں کہ حضرت امام غزالیؒ کے تلامذہ میں شامل تھا تو حضرت امام غزالیؒ نے اُسے مراکش کی حکومت کی بشارت دی تھی۔ علومِ دینیہ کا فارغ التحصیل ہونے کے بعد محمد بن عبداللہ نے وعظ و پند اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ اور ایک ایسی جماعت کی بنیاد رکھی جو لوگوں کو توحیدِ کامل کی دعوت دے۔ اس جماعت کو مختصر سے عرصہ میں غیر معمولی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل ہو گئی اور محمد بن عبداللہ کے مریدین اور معتقدین کی تعداد تیزی

کے ساتھ بڑھنے لگی۔

محمد بن عبداللہ تومرت کی کچھ تو غیر معمولی ہردلعزیزی کی بنا پر اور کچھ اس لئے کہ وہ حضرت امام غزالی رح کا شاگرد تھا۔ مراکش کے علما اس کے جانی دشمن ہو گئے۔ لہٰذا انھوں نے اس کے قتل کا فتویٰ دیدیا لیکن مراکش کے سلطان علی بن یوسف نے اُسے قتل تو نہیں کرایا مگر علما اور فقہا کے کہنے پر شہر مراکش سے نکلوا دیا۔ محمد بن عبداللہ تومرت شہر مراکش سے جلا وطن ہونے کے بعد مراکش کے ایک پہاڑی علاقہ کے گاؤں میں جا کر آباد ہو گیا۔ جہاں بربری قبائل آن آن کر جُوق در جُوق اُس کے حلقہ مُریدین میں شامل ہونے لگے۔ اسی دوران میں جب اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کی جانب رُجوعات اور بھی بڑھ گئی۔

محمد بن عبداللہ تومرت نے جب یہ دیکھا کہ بربری جیسے جنگجو لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے معتقدین میں شامل ہو چکی ہے۔ تو اس نے فوجی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ اور اپنے ایک لائق مُرید عبدالمومن کو اپنا جانشین اور سپہ سالار بنا دیا۔ عبدالمومن نے مختصر سے عرصہ میں مراکش کا بہت بڑا علاقہ مرابطین کے قبضہ سے نکال کر وہاں موحدین کی حکومت قائم کر دی۔ ۵۲۴ھ میں جب محمد بن عبداللہ تومرت کا انتقال ہو گیا تو عبدالمومن جو پہلے ہی سے تومرت کا جانشین تھا۔ موحدین کی حکومت کا فرمانروا قرار دیدیا گیا۔ اسی عبدالمومن نے ۵۴۱ھ میں مراکش فتح کر کے اور خاندانِ مرابطین کے آخری بادشاہ کو قتل کر کے پہلے شہر مراکش میں موحدین کی حکومت قائم کی۔ اس کے بعد اسپین میں توجہیں اُتار دیں۔

اسپین میں موحدین کی مجاہدانہ سرگرمیاں

مراکش کا نیا سلطان عبدالمومن مراکش کی فتح کے بعد خود اسپین آنا چاہتا تھا لیکن مراکش کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے وہ

مراکش سے نہ نکل سکا اور اس نے پہلے چند بربری سرداروں کو اس کے بعد اپنے بیٹوں کو اسپین بھیجدیا۔ اس وقت اسپین کی حالت یہ تھی کہ اسپین کے ہر شہر اور قصبہ میں ہر مسلمان حاکم خود مختار بادشاہ بنا ہوا تھا اور تمام مسلمان اُمرا بُری طرح خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ ادھر عیسائیوں کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ایک ایک کر کے اسپین کے تمام اسلامی صوبوں اور شہروں پر قبضہ جماتے چلے جا رہے تھے۔ اور اُن کے ہاتھوں بُری طرح مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا اور مسلم عورتوں کی آبرو برباد کی جا رہی تھی۔

عبد المومن کے سرداروں اور بیٹوں نے اسپین کی سرزمین پر قدم رکھتے کے ساتھ ہی پہلے تو مسلم اُمرائی تادیب کی اس کے بعد عیسائیوں کے قبضہ سے قرطبہ۔ المیریہ اور بہت سے علاقے نکال لئے ان ہی فتوحات کے دوران میں ۵۴۲ھ میں سلطان مراکش عبد المومن بھی اسپین پہنچ گیا۔ اس کے پہنچتے کے ساتھ ہی ایک طرف تو تمام ان مسلم حکام نے جو خود مختار ہو گئے تھے۔ عبد المومن کی اطاعت قبول کر لی۔ اور دوسری طرف جدید فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہانتک کہ موحدین نے تقریباً پورے اسلامی اسپین کو عیسائیوں کے پنجہ سے نجات دلادی عبد المومن اسپین میں ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم کرنے کے بعد خود تو مراکش چلا گیا اور اپنے بیٹے ابوسعید کو سارے اسلامی اسپین کا وائسرائے بنا کر غرناطہ میں چھوڑ گیا۔

پورے یورپ کو فتح کرنے کی تیاریاں

عبد المومن بڑا ہی دنیدار اور حوصلہ مند سلطان تھا۔ اسپین کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد اُس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ جب تک کہ شمالی اسپین کی عیسائی حکومتوں کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر نہیں پھینک دیا جائیگا۔ اُس وقت تک اسپین میں کسی بھی اسلامی حکومت کا مستحکم ہونا ناممکن ہے۔ لیکن اسپین کی عیسائی حکومتوں پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ شاہ فرانس اور یورپ کے تمام عیسائی بادشاہ اُن کی

پشت پر تھے۔ ان پر حملہ کرنا سارے یورپ سے جنگ مول لینے کے ہم معنی تھا۔ لہٰذا عبدالمومن نے ایک ساتھ سارے یورپ سے جنگ کرنے اور تمام یورپین حکومتوں کو فتح کرنے کی نہایت وسیع پیمانہ پر تیاریاں شروع کر دی تھیں اس مقصد کے لئے اس نے بے اندازہ سامانِ جنگ فراہم کرنے کے علاوہ تین لاکھ مجاہدینِ اسلام تو مراکش میں تیار کر لئے تھے اور دو لاکھ مجاہدین کی فوج اسپین میں قائم کر دی تھی لیکن عین اس وقت جب وہ عیسائیوں کے خلاف جہاد کے لئے بالکل تیار تھا تو ۵۵۸ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اور یورپ کی فتح کی یہ اسکیم نا مکمل رہ گئی۔

اسپین میں سلاطین موحدین کے کارنامے

سلطان عبدالمومن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو یعقوب ۵۵۸ھ میں مراکش میں تخت نشین ہوا۔ عبدالمومن کے بعد اسپین کے عیسائیوں نے پھر دست درازیاں شروع کر دیں یہانتک کہ انھوں نے اسپین کے بعض مغربی اضلاع پر بھی قبضہ جما لیا۔ ابو یعقوب مراکش کے اندرونی جھگڑوں میں کچھ ایسا اُلجھا رہا کہ وہ ۸ ماہ دراز تک عیسائیوں کی ان چیرہ دستیوں کی جانب کوئی توجہ نہ کر سکا لیکن جوں ہی اسے اندرونی جھگڑوں سے فرصت ملی وہ فوراً اسپین آیا اور یہاں آنے کے بعد پہلے تو ان مسلم اُمرا کو سیدھا کیا جو باغی ہو گئے تھے۔ اس کے بعد عیسائیوں کے حلق سے وہ سارا مغربی علاقہ نکال لیا جو انھوں نے دبا لیا تھا۔ عیسائیوں کی تادیب کے بعد سلطان ابو یعقوب مراکش واپس چلا گیا۔

۵۸۰ھ ہجری میں جب اسپین کے عیسائیوں نے پھر بغاوت شروع کی تو سلطان ابو یعقوب دوبارہ اسپین آیا۔ اور اس نے عیسائی علاقوں کا محاصرہ کر لیا اسی محاصرہ میں وہ زخمی ہونے کے بعد بیمار ہو گیا اور اس کا اسپین ہی میں انتقال ہو گیا۔ اس کی لاش کو اسپین سے مراکش لیجا کر دفن کیا گیا۔

ابو یعقوب نے اپنے دورِ حکومت میں مراکش سے لیکر طرابلس تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ اور جزیرہ سسلی نیز بحرِ رُوم کے دوسرے تمام جزیروں پر بھی مواحدین کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اور سلطنتِ مواحدین دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ ابو یعقوب بہت بڑا علم دوست اور علما کا قدر دان تھا۔ ابن رُشد۔ اور ابو بکر محمد ابن طفیل جیسے مایۂ ناز فلسفی اُس کے مصاحب اور مشیرِ خاص تھے۔

ابو یعقوب کے بعد اُس کا بیٹا ابو یوسف ۵۸۰ھ میں منصور کے لقب کے ساتھ مراکش کے تخت پر بیٹھا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح بہت لائق اور حوصلہ مند تھا۔ اس نے ۵۸۵ھ میں مغربی اسپین سے عیسائیوں کے اثرات کو بالکل مٹا دیا تھا۔ طلیطلہ کے عیسائی سلطان الفانسو ثانی نے منصور سے پانچ سال کے لئے محض اس واسطے صلح کر لی تھی تاکہ وہ اس دوران میں اچھی طرح پورے اسپین پر قبضہ جمانے کے لئے جنگی تیاریاں کر سکے۔ چنانچہ جب پانچ سال گزر گئے اور اسکی جنگی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اُس نے دوسرے عیسائی سلاطین کو اپنے ساتھ ملا کر ۵۹۱ھ میں ایک لشکرِ عظیم کے ذریعہ اسلامی علاقوں پر حملہ کر دیا۔ منصور بھی اسلامی فوج لیکر مقابلہ پر آگیا اور بطلیوس کے علاقہ میں گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی۔ مسلمان فوج کی تعداد اگرچہ عیسائی لشکر کے مقابلہ میں ایک چوتھائی بھی نہیں تھی لیکن پھر بھی عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی۔ الفانسو ثانی اپنے ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں کو کٹوا کر اور تیس ہزار کو قید کرا کر مقابلہ سے فرار ہو گیا۔ عیسائیوں نے اس جنگ کے لئے کیسی عظیم الشّان تیاریاں کی تھیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس لڑائی میں ڈیڑھ لاکھ خیمے، ایک لاکھ اسّی ہزار خچر اور گھوڑے، چار لاکھ باربرداری کے گدھے اور ساٹھ ہزار مختلف وضع کے زرہ بکتر اور دوسرا بے اندازہ سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔

الفانسو ثانی کی شکست کے بعد جب منصور نے آگے بڑھ کر طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔

اور الفانسو نے یہ سمجھ لیا کہ اب اسکی شکست اور موت یقینی ہے تو اُس نے اپنی ماں بیوی اور بیٹا بیٹیوں کو منصور کی خدمت میں بھیجا جنہوں نے رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر منصور سے معافی پا لی منصور نے الفانسو ثانی کو معاف کر دیا اور طلیطلہ سے محاصرہ اُٹھانے کے بعد قرطبہ واپس چلا گیا منصور اپنے زمانہ کا نہایت ہی دیندار اور حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے جو پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۹۵ھ میں مراکش میں فوت ہو گیا۔

مواحدین کی حکومت کا زوال

منصور کے بعد اُس کا بیٹا ابو عبداللہ محمد ۵۹۵ھ میں ناصر الدین اللہ کے لقب کے ساتھ مراکش کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی مواحدین کی حکومت کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ اس کے زمانہ میں ایک طرف تو حکومتِ مرابطین کے اُمرا نے مراکش میں بغاوتیں برپا کر کے ملک کے مختلف حصّوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف وہ تمام عیسائی جو شام اور فلسطین کے میدانوں میں غازی صلاح الدین ایوبی سے شکست کھا کر واپس آئے تھے وہ فلسطین کا انتقام لینے کے لئے مراکش اور اسپین کی اسلامی حکومتوں کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن سلطان ناصر الدین کی حالت یہ تھی کہ وہ فوج کی طرف سے قطعی لاپرواہ تھا اس کے باپ کے زمانہ میں علاوہ تنخواہ کے جو سہ ماہی انعامات فوج کو دیئے جاتے تھے اس نے نہ صرف وہ قطعی بند کر دئے تھے بلکہ فوج کو کئی کئی ماہ تک تنخواہیں بھی نہیں ملتی تھیں۔ چنانچہ فوج بُری طرح بددل ہو رہی تھی۔

ایک طرف تو فوج بگڑی ہوئی تھی دوسری طرف شام اور فلسطین کے شکست یافتہ عیسائی لشکر نے اسپین کی عیسائی سلطنتوں میں مجتمع ہو کر اپنی کھوئی ہوئی شہرت حاصل کرنے کے لئے پوری طاقت سے اسلامی اسپین پر ۶۰۹ھ میں حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں یورپ کے تقریباً تمام عیسائی ملکوں کی فوجیں شامل تھیں۔ گویا عیسائیوں نے فلسطین کی صلیبی جنگ میں شکست کھانے کے بعد اسپین میں ایک نئی صلیبی جنگ چھیڑ دی۔ سلطان ناصر الدین

بھی اسلامی فوج کو لیکر مقابلہ پر آ گیا لیکن وہ اسلامی فوج جو پہلے ہی سے اپنے سلطان سے بددل تھی اور سلطان کو شکست کی ذلت کا مزہ چکھانے پر تُلی ہوئی تھی بھلا مذہبی جوش سے دیوانے عیسائیوں سے کیا لڑ سکتی تھی مختصر یہ کہ اسلامی فوج کی بددلی کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو العقاب کے میدان میں شکستِ فاش ہو گئی۔ مسلمانوں کے پانچ چھ لاکھ کے لشکر میں سے صرف ہزار بارہ سو سپاہی بچ سکے۔ باقی تمام سپاہی یا تو عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے یا گرفتار کر لئے گئے اور عیسائیوں نے اسلامی اسپین کے علاقوں پر قبضہ جمانے کے بعد بے دریغ مسلمان شہریوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان کا تمام مال واسباب لُوٹ لیا۔ یہاں تک کہ عورتیں اور بچے بھی ان کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رہ سکے۔ غرضکہ اس جنگ کے بعد نہ صرف اسپین میں حکومتِ موحدین کی بُنیادیں ہل گئیں بلکہ اس حکومت کو اتنا بڑا دھکا لگا کہ یہ حکومت زوال پذیر ہونے کے بعد آگے چل کر مراکش سے بھی ختم ہو گئی۔ سلطان ناصر الدین اس جنگ کے ایک سال بعد ہی ۶۱۰ھ میں فوت ہو گیا۔

سلطان ناصر الدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یوسف ۶۱۰ھ میں مستنصر کے لقب کے ساتھ مراکش میں تخت نشین ہوا۔ یہ اگرچہ دس سال زندہ رہا لیکن اس کے زمانہ میں مراکش اور اسپین پر موحدین کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی۔ اسپین کے بیشتر حصوں پر تو عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور مراکش میں بدنظمی پھیل چکی تھی اور مستنصر میں اتنی اہلیت ہی نہ تھی کہ وہ اس بگڑی ہوئی حالت کو سنبھال سکتا۔ مستنصر ایک عیش پرست سلطان تھا جو ۶۲۰ھ میں دس سال کے ناکام دورِ حکومت کے بعد فوت ہو گیا۔

مستنصر کیونکہ لاولد تھا اس لئے اس کے مرنے کے بعد اس کا بھائی عبدالواحد ۶۲۰ھ میں مراکش کے تخت پر بیٹھا لیکن تخت نشینی کے نو مہینے بعد ہی اُمرائے سلطنت نے اسے قتل کر کے مراکش کے اکثر صوبوں پر اپنی حکومت قائم کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اس طرح عبدالواحد کے قتل کے بعد مراکش سے موحدین کی سلطنت ختم ہو گئی۔

عبدالواحد کے قتل کے وقت اس کا چچا عبدالواحد اسپین میں صوبہ مرسیہ کا حاکم تھا جب اسے اپنے بھتیجے عبدالواحد کے قتل کی اطلاع ملی تو اس نے عادل کا لقب اختیار کرکے اور ۶۲۱ھ میں مرسیہ میں تخت نشین ہوکر اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا اسی سال جب عیسائیوں نے اس پر حملہ کیا تو اسے عیسائیوں کے مقابلہ میں شکست ہوگئی۔ شکست کے بعد یہ اشبیلیہ میں اپنے بھائی ادریس کو اپنا جانشین مقرر کرکے مراکش کی حکومت سنبھالنے کے لئے مراکش جا پہنچا۔ مراکش میں امرا نے چونکہ ایک نوعمر لڑکے یحییٰ بن ناصر کو تخت نشین کردیا تھا۔ اس لئے انھوں نے عادل کا مقابلہ کیا اس مقابلہ میں عادل شکست کے بعد گرفتار ہوگیا۔

عادل کے گرفتار ہونے کے بعد عادل کا بھائی ادریس اشبیلیہ میں مامون کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوگیا۔ اور اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا۔ لیکن خاندان بنی ہود کے ایک سردار محمد بن یوسف نے مامون پر حملہ کرکے اسے اسپین سے نکال دیا اور اس نے ۶۲۵ھ میں اشبیلیہ میں اپنی حکومت قائم کرلی اور اس طرح سرزمینِ اسپین سے بھی مواحدین کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

مواحدین نے تقریباً ۷۵ سال اسپین پر حکومت کی۔ انھوں نے بڑی بے جگری کے ساتھ عیسائیوں کا مقابلہ کیا اور عیسائیوں کے چنگل سے مسلمانوں کو نجات دلائی۔ لیکن اس ۷۵ سال میں اسپین کے مسلم باشندے برابر عیسائیوں کے ساتھ مل کر مواحدین کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے اور ان کو غیر ملکی تصور کرتے رہے مگر مسلمانانِ اسپین کے عدم تعاون کے باوجود بھی مواحدین بڑے حوصلہ کے ساتھ اسپین پر حکومت کرتے رہے لیکن ۶۲۵ھ میں ایک ایسا وقت بھی آگیا جبکہ نہ صرف مواحدین کی حکومت اسپین سے ختم ہوگئی بلکہ اس کے بعد مسلمان اسپین میں پھر کبھی نہ سنبھل سکے۔

پھر وہی بدنظمی اور طوائف الملوکی اسپین سے جب مواحدین کی

..سلطنت مٹی ہے اُس وقت عیسائی اسپین کے تقریباً تمام شمالی اور مغربی صوبوں پر قابض ہو چکے تھے صرف جنوب و مشرقی اسپین کا ایک حصّہ مسلمانوں کے پاس رہ گیا تھا اور یہاں بھی یہ کیفیت تھی کہ درجنوں مسلم سرداروں نے اپنی اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ اور صرف یہی نہیں ہوا تھا بلکہ یہ سردار بڑی طرح سے آپس کی خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اور انکی قومی غیرت اس حد تک فنا ہو چکی تھی کہ یہ عیسائی سلاطین کو ساتھ ملا ملا کر اپنے بھائیوں پر یورشیں کر رہے تھے اور عیسائیوں کو امداد کے صلہ میں اپنے قلعے اور شہر بخوشی نذر کر رہے تھے عیسائی خوش تھے کہ مسلمان خود ہی اپنے ہاتھوں اپنی تباہی اور بربادی کا سامان کر رہے ہیں۔

اسپین کی اسلامی حکومت جب نزع کے عالم میں اس طرح دم توڑ رہی تھی تو اسپین کی سرزمین نے پھر ایک حوصلہ مند مجاہد کو آگے بڑھایا۔ یہ مجاہد محمد بن یوسف تھا جس کا خاندان بنی ہود سے تعلق تھا۔ اس کے آباؤ اجداد زمانۂ دراز تک اسپین کے صوبہ سرقسطہ پر حکمرانی کر چکے تھے۔ اس نے اپنے گرد سرفروشوں کی ایک بہت بڑی جماعت فراہم کر لی تھی۔ ان سرفروشوں کی مدد سے اس نے پہلے صوبۂ مرسیہ پر قبضہ جمایا۔ پھر اس نے غرناطہ۔ مالقہ۔ المیریہ کو فتح کیا۔ یہانتک کہ اس نے مواحدین کے آخری فرمانروا مامون کو بھی اسپین سے نکالدیا۔ ۶۲۵ھ میں یہ قرطبہ اور چند دوسرے شہروں پر بھی قابض ہو گیا۔ اور ۶۲۶ھ میں اسلامی اسپین کا بہت بڑا علاقہ اس کے قبضہ میں آ گیا۔

محمد بن یوسف کی اس حوصلہ مندی اور کامیابی کو دیکھ کر جب اسپین کے دوسرے مسلم سرداروں نے پر پرزے نکالنے شروع کئے تو محمد بن یوسف نے فوراً پورے اسپین کی سند حکومت بغداد کے عباسی خلیفہ سے اپنے حق میں منگالی۔ اس سند کا یہ فائدہ ہوا کہ مسلم عوام محمد بن یوسف کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسے خلیفۂ اسلام کا نمائندہ سمجھنے لگے محمد بن یوسف کے مخالف سرداروں نے جب یہ محسوس کر لیا کہ اب محمد بن یوسف پر

ہاتھ ڈالنا دشوار ہے تو انھوں نے بھی بادلِ ناخواستہ محمد بن یوسف کی اطاعت قبول کرلی لیکن چند ہی روز کے بعد یہ سردار پھر محمد بن یوسف کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسپین کے مسلم اُمرا اور سرداروں میں حسبِ سابق بُری طرح خانہ جنگی برپا ہوگئی۔ عیسائیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان خانہ جنگی میں مُبتلا ہیں تو انھوں نے موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسلمانوں کے علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کردیا۔ جب انھوں نے شہر مریدہ پر بھی قبضہ کرلیا تو محمد بن یوسف عیسائیوں کے مقابلہ پر آیا مگر محمد بن یوسف کو عیسائیوں کے مقابلہ میں بُری طرح شکست ہوئی اور وہ شکست کے بعد مرسیہ چلا گیا۔

اسی زمانہ میں اسپین کے ایک دوسرے مسلم سردار ابن الاحمر کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگئی تھی یہ اسپین کی حکومت کا دعویدار تھا۔ اس نے ۶۳۲ھ میں ایک بڑی جمیعت فراہم کرنے کے بعد سریش، وجیان اور اشبیلیہ پر قبضہ جمالیا۔ ۶۳۵ھ میں جب محمد بن یوسف کا انتقال ہوگیا تو ابن الاحمر کو اسلامی اسپین کا سب سے بڑا حکمراں تسلیم کیا جانے لگا۔ ابن الاحمر بڑا ہی ابن الوقت تھا یہ کیسٹل کے عیسائی سلطان فردی نند کے ساتھ ملکر چھوٹے چھوٹے مسلم فرمانرواؤں کو تو ختم کراتا رہا اور اپنی طاقت بڑھاتا رہا۔ ادھر عیسائیوں کی حالت یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا لڑا کر اپنے علاقوں کو وسیع کرتے چلے جارہے تھے یہانتک کہ ۶۳۳ھ میں دارالخلافہ قرطبہ پر بھی کیسٹل کے عیسائی سلطان فردی نند ثالث کا قبضہ ہوگیا۔ گویا اسپین سے اسلامی شوکت کا خاتمہ ہوگیا۔

عیسائیوں نے چاروں طرف سے گھیر گھیر کر تقریباً تمام مسلم اُمرا کا خاتمہ کردیا صرف ابن الاحمر باقی رہ گیا تھا جو کچھ تو عیسائی سلاطین سے ساز باز رکھنے کی بنا پر اور کچھ اپنی فطری عیاری کی وجہ سے نہ صرف اپنی سلطنت میں جما بیٹھا رہا بلکہ اُس نے غرناطہ، مالقہ، لارقہ اور المیریہ وغیرہ پر بھی قبضہ جمالیا تھا یعنی تقریباً ایک چوتھائی اسپین پر الاحمر کا قبضہ تھا۔ الاحمر نے اپنے مقبوضہ علاقے میں ایک ایسی مضبوط حکومت قائم کرلی جو تقریباً ڈھائی سو برس تک اسپین میں باقی رہی۔

اسپین کی آخری اسلامی حکومت "سلطنتِ غرناطہ"

ایک زمانہ تو وہ تھا کہ مسلمان نہ صرف پورے اسپین کے مختارِ مطلق بنے ہوئے تھے بلکہ انھوں نے فرانس کا نصف علاقہ بھی فتح کر لیا تھا۔ یا ایک زمانہ وہ آیا کہ تین چوتھائی اسپین محض مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے ہاتھ سے نکل گیا اور اس تین چوتھائی اسپین کے ایک ایک کلمہ گو کو عیسائیوں نے چُن چُن کر تہہ تیغ کر دیا۔ تین چوتھائی اسپین کے کھونے کے بعد صرف ایک چوتھائی جنوبی اسپین پر مسلمانوں کی جو حکومت باقی رہ گئی تھی وہ تاریخ میں "سلطنتِ غرناطہ" کے نام سے مشہور ہے۔

سلطنتِ غرناطہ کا بانی "ابن الاحمر"

"سلطنتِ غرناطہ" کا بانی نصر بن یوسف تھا۔ جو تاریخ میں ابن الاحمر کے نام سے مشہور ہے جس کا تذکرہ اس سے قبل ہی آ چکا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی حوصلہ مند سردار تھا۔ ۶۳۲ھ میں اشبیلیہ۔ غرناطہ اور مالقہ پر قابض ہونے کے بعد اس نے المیریہ پر قبضہ جما کر اپنی سلطنت کی حدود کو خوب بڑھا لیا تھا۔

ابن الاحمر پر یہ الزام ہے کہ اس نے کیسٹل یعنی قسطلہ کے عیسائی سلطان فرڈی نند سے ساز باز کر کے بہت سے چھوٹے چھوٹے مسلم سرداروں کی حکومتوں کو ختم کرا دیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ابن الاحمر کا یہ کارنامہ بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ وہ عیسائیوں کا دوست تو بنا رہا لیکن اسپین کے دوسرے مسلم سلاطین کی طرح وہ عیسائیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کبھی نہیں بنا بلکہ اس نے انتہائی تدبر سے کام لیکر جنوبی اسپین میں ایک ایسی مضبوط اور خود مختار اسلامی حکومت نئے سرے سے قائم کر دی جو مسلسل ڈھائی سو برس تک عیسائی سلاطین کے دانت کھٹے کرتی رہی۔

ابن الاحمر بلاشبہ اسپین کے عیسائی سلاطین کا جگری دوست بنا ہوا تھا۔ لیکن اس جگری دوست سے عیسائیوں کو کتنی محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگا یا جاسکتا ہے کہ جب عیسائی ایک ایک کر کے شمالی اسپین کی تمام مسلم ریاستوں کو ختم کر چکے تو انھوں نے اپنے اس یار وفادار کی سلطنت کو ہضم کرنے کے لئے بھی جوڑ توڑ شروع کر دیا۔ لیکن اس یار وفادار نے عیسائیوں کی تاریخی بدعہدیوں کے پیشِ نظر ایک طرف تو اپنی فوجی طاقت کو خوب بڑھا لیا تھا۔ دوسری طرف بنی مرینیہ کے بادشاہ یعقوب عبدالحق سے جو مواحدین کے بعد مراکش وافریقہ کا حکمران تھا۔ دوستانہ تعلقات قائم کر لئے تھے۔ چنانچہ جب بھی عیسائیوں نے "سلطنتِ غرناطہ" کی جانب رُخ کیا۔ فوراً مراکش سے فوجی امداد آگئی۔ اور ابن الاحمر نے اسپینی اور مراکشی فوجوں کے ذریعہ عیسائیوں کو مار مار کر بھگا دیا۔ غرضکہ ابن الاحمر جب تک زندہ رہا۔ بڑے سے بڑے عیسائی بادشاہ کو اس سے آنکھ ملانے کی جرأت نہ ہوسکی۔ ابن الاحمر ۱۲۷۱ھ میں اچانک گھوڑے سے گر کر فوت ہوگیا۔

جس طرح قرطبہ کے مسلم فرمانرواؤں نے قرطبہ میں قصرالزہرا کے نام سے ایک نادر روزگار عمارت تعمیر کی تھی اسی طرح ابن الاحمر نے بھی غرناطہ میں قصرالحمرا کے نام سے ایک عظیم الشان عمارت کی بُنیاد رکھی تھی جسے کرۂ ارض کی نادر ونایاب تعمیر شمار کیا جاتا ہے۔ یہ تعمیر اُس زمانہ کا اسلامی کارنامہ ہے جب اسپین سے اسلامی عظمت ختم ہوچکی تھی اور اسپین کی وسیع اسلامی سلطنت سمٹ سمٹا کر صرف غرناطہ اور اس کے گرد و نواح میں محدود ہوکر رہ گئی تھی۔

ابن الاحمر کے جانشین سلاطین

جس طرح پورے اسپین کی تاریخ عیسائیوں کی بدعہدیوں اور جبرہ دستیوں کے واقعات سے بھری ہوئی ہے بالکل اسی طرح "سلطنتِ غرناطہ" کی تاریخ میں بھی اوّل سے

لیکر آخر تک عیسائیوں کی تلواریں مسلمانوں کے ان سے تربتر نظر آتی ہیں چنانچہ غرناطہ کے ہر ایک سلطان کو اپنے دورِ حکومت میں کئی کئی مرتبہ عیسائیوں کے لشکرِ عظیم سے نبرد آزما ہونا پڑا ہے۔

سلطان ابن الاحمر کی وفات کے بعد ۶۷۱ھ میں اس کا بیٹا ابو عبداللہ محمد فقیہہ تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کو ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا تھا کہ ۶۷۲ھ میں عیسائیوں نے غرناطہ پر اپنی فوجیں چڑھا دیں۔ عیسائیوں کے اس حملہ کے ہوتے ہی سلطان مراکش کی فوج فوراً اسپین پہنچ گئی۔ اسپینی اور مراکشی فوجوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کو شکستِ فاش ہوئی اور ۶۹۹ھ میں سلطان محمد فقیہہ نے غرناطہ سے متصل عیسائیوں کے کئی اہم قلعے فتح کر لئے۔ یہ سلطان تقریباً تیس سال حکومت کرنے کے بعد ۷۰۱ھ میں فوت ہو گیا۔

سلطان فقیہہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا محمد مخلوع ۷۰۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے چھ سات سال بعد اس کے خلاف بغاوت برپا ہو گئی۔ اور اسے معزول کر کے ۷۰۸ھ میں اس کے بھائی نصر بن محمد فقیہہ کو قرطبہ کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ سلطان نصر ایک کمزور حکمراں تھا قسطلہ کے عیسائی سلطان نے ۷۰۹ھ میں جبل الطارق پر حملہ کر کے اس پر قبضہ جما لیا اور سلطان نصر اس کا کچھ نہ بنا سکا۔ اسی سال ابو سعید عالم مالقہ نے جو ابن الاحمر کا بھتیجہ تھا علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ چنانچہ ابو سعید اور اس کے بیٹے ابو الولید نے مالقہ کے بعد المیریہ، بلیش اور سلطنتِ غرناطہ کے بیشتر علاقے فتح کر لئے اور ان کا زور اتنا بڑھا کہ انھوں نے ۷۱۳ھ میں غرناطہ بھی فتح کر لیا۔ غرناطہ کی فتح کے بعد سلطان نصر نے تخت سے دستبردار ہونے کے بعد غرناطہ کی سلطنت ابو الولید کے حوالے کر دی۔

سلطانِ غرناطہ کا تاریخی جہاد

ابوالولید کو تخت نشین ہونے کے فوراً ہی بعد عیسائیوں کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔ کیونکہ مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر عیسائیوں نے سلطنتِ غرناطہ کے کئی شہروں پر قبضہ جما لیا تھا۔ ابوالولید نے یہ تمام شہر بزورِ شمشیر عیسائیوں کے حلق سے نکال لیے۔ اور ۱۹ءھ میں غرناطہ کی حدود سے عیسائیوں کو مار مار کر نکال دیا۔ عیسائیوں نے فوراً سلطنتِ غرناطہ کے خلاف مذہبی یعنی صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی دو لاکھ عیسائی مُجاہدین غرناطہ کی اسلامی سلطنت کو مٹانے کے لیے طلیطلہ میں جمع ہو گئے جن میں پچیس عیسائی سلاطین بھی شامل تھے۔

ایک طرف تو عیسائیوں کی یہ عظیم الشان جنگی تیاریاں تھیں دوسری طرف ابوالولید کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ وہ عیسائیوں کے لشکرِ عظیم کے مقابلہ کے لیے جو فوج فراہم کر سکا اسکی تعداد صرف ساڑھے پانچ ہزار تھی لیکن مسلمانانِ اسپین کی سرفروشی اور ابوالولید کی جنگی قابلیت قابلِ تعریف ہے کہ اس نے اپنی مختصر سی فوج کو کئی ٹکڑیوں میں تقسیم کر کے عیسائیوں کے مقابلہ میں اس قابلیت کے ساتھ لڑایا کہ عیسائیوں کے لشکر میں ابتری پھیل گئی۔ مختصر یہ کہ مسلمان شوقِ شہادت میں ایسی بے جگری کے ساتھ لڑے کہ عیسائی اپنے ایک لاکھ سپاہیوں کو میدانِ جنگ میں کٹوا کر فرار ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مالِ غنیمت آیا۔ یہ جنگ جو "جنگِ البیرہ" کے نام سے مشہور ہے دُنیا کی تاریخ میں عدیم المثال جنگ ہے۔ جبکہ صرف ساڑھے پانچ ہزار مسلمانوں نے عیسائیوں کے لاکھوں کے لشکر کو شکستِ فاش دیکر ساری دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

عیسائیوں کو اس شکست کے بعد سلطان ابوالولید سے صلح کی درخواست کرنی پڑی

جو سلطان نے منظور کر لی۔ عیسائیوں کی جانب سے بے فکر ہو کر ابوالولید نے سلطنت کے اندرونی نظام کو درست کیا۔ لیکن سنہ ۷۲۵ھ میں سلطان ابوالولید کے بھتیجے نے اسے دھوکہ سے قتل کر دیا۔

غرناطہ کا شاہی خاندان سازشوں کا شکار

سلطان ابوالولید کے بعد اُس کا بیٹا سلطان محمد تخت نشین ہوا سلطان محمدؒ نے چونکہ اپنے وزیر عثمان سے ناراض ہو کر اسے قتل کرا دیا تھا۔ اس لئے مقتول وزیر کا خاندان سلطان محمدؒ کا دشمن ہو گیا تھا چنانچہ وزیر عثمان کے بیٹوں اور رشتہ داروں نے جبل الطارق سے غرناطہ آتے ہوئے سلطان محمدؒ کو قتل کر دیا۔

سلطان محمدؒ کے قتل کے بعد اُس کا بھائی یوسف سولہ سال کی عمر میں غرناطہ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کی۔ اور عیسائیوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا لیکن سنہ ۷۴۱ھ میں جب عیسائیوں نے بے پناہ لشکر کے ساتھ حملہ کیا تو مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس جنگ میں شہید ہوئی اور عیسائیوں نے سلطنتِ غرناطہ کے ایک حصہ پر بھی قبضہ جما لیا۔ اس شکست کے چند سال بعد سلطان یوسف جبکہ عیسائیوں کے خلاف جہاد کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ تو ایک پُراسرار شخص نے سنہ ۷۵۵ھ میں عید کی نماز پڑھتے ہوئے نیزہ مار کر اُسے شہید کر دیا۔ عام خیال یہ ہے کہ اس کے قتل میں عیسائیوں کا ہاتھ تھا۔

سلطان یوسف کے بعد اس کا بیٹا محمدؒ غنی باللہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد سنہ ۷۵۵ھ میں غرناطہ کے تخت پر بیٹھا۔ اس کو حکومت کرتے ہوئے مشکل سے پانچ سال ہوئے تھے کہ اُس کے سوتیلے بھائی اسمٰعیل نے بغاوت برپا کر کے سنہ ۷۶۰ھ میں غرناطہ پر قبضہ جما لیا۔ غنی باللہ غرناطہ سے فرار ہو کر وادیٔ آش میں جا کر آباد ہو گیا۔ اور وہاں سے شاہ

مراکش کے بلانے پر مراکش چلا گیا۔ سلطان اسمٰعیل نے قسطلہ کے عیسائی سلطان سے تخت نشین ہونے کے بعد ساز باز کر لی تھی۔ سلطان اسمٰعیل کی حکومت کو ایک سال بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے بھائی ابو یحییٰ عبداللہ نے سلطان اسمٰعیل کو قتل کر کے ۱۳۶۱ھ میں سلطنتِ غرناطہ پر قبضہ جما لیا۔

ابو یحییٰ کی تخت نشینی کے چند ماہ بعد ہی سابق سلطان غرناطہ محمد غنی باللہ شاہِ مراکش کی امداد سے ۱۳۶۲ھ میں ایک لشکرِ عظیم کے ساتھ اسپین پہنچ گیا۔ اور سلطنتِ غرناطہ کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ ابو یحییٰ اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر دوڑا ہوا قسطلہ کے عیسائی سلطان کے پاس امداد کے لئے پہنچا لیکن سلطان قسطلہ نے اُسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ ابو یحییٰ کے قتل کے بعد سلطان محمد غنی باللہ ۱۳۶۳ھ میں غرناطہ فتح کر کے دوبارہ غرناطہ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ غنی باللہ دوبارہ تخت نشین ہوا تو سلطنتِ غرناطہ کی حالت بڑی نازک تھی۔ کیونکہ اسکی غیر موجودگی میں جو سلاطینِ غرناطہ کی سلطنت پر قابض رہے تھے انھوں نے اپنی کمزوری کی بنا پر قسطلہ کے عیسائی سلطان کو خراج دینا شروع کر دیا تھا یعنی سلطنتِ غرناطہ عیسائیوں کی باجگذار بن گئی تھی لیکن سلطان محمد غنی باللہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد عیسائیوں کو خراج دینے سے صاف انکار کر دیا اور عیسائی اس کا کچھ بھی نہ بنا سکے سلطان غنی باللہ غرناطہ پر بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد ۱۳۹۳ھ میں فوت ہو گیا۔

سلطان غنی باللہ کے بعد اُس کا بیٹا یوسفِ ثانی غرناطہ میں تخت نشین ہوا۔ یہ صلح پسند بادشاہ تھا چنانچہ اس نے قسطلہ کے عیسائی سلطان سے صلح کر لی تھی جب یہ بادشاہ ۱۳۹۸ھ میں فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا محمد ہفتم غرناطہ کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی تخت نشینی کے بعد قسطلہ کے عیسائی سلطان نے غرناطہ پر حملہ کر دیا۔ مگر محمد ہفتم نے نہ صرف اس کے حملہ کو پسپا کر دیا بلکہ آگے بڑھ کر سلطنتِ قسطلہ کے بعض علاقوں پر بھی

قبضہ جما لیا۔ اسی زمانہ میں جب قسطلہ کا عیسائی سلطان مر گیا۔ تو عیسائی اُمرا نے اُس کے شیر خوار بچے جان کو قسطلہ کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور جان کے چچا فرڈی ننڈ کو نائب السلطنت بنا دیا۔ فرڈی ننڈ سابق شاہِ قسطلہ کی طرح بدستور مسلمانوں سے لڑتا رہا لیکن جب اُسے مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی کامیابی نہ ہوئی تو اُس نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

۸۱۴ھ میں سلطان محمد ہفتم کے بعد اُس کا بھائی یوسف ثالث جو نظر بند تھا غرناطہ کے تخت پر بیٹھا۔ یوسف ثالث ایک صلح پسند بادشاہ تھا۔ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد قسطلہ کے عیسائی بادشاہ سے مزید دو سال کے لئے صلح کر لی تھی لیکن جب یہ دو سال گذر گئے تو عیسائیوں نے سلطان یوسف ثالث کو پیغام بھیجا کہ یا تو خراج دینا منظور کر دیا جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ یوسف ثالث نے خراج دینے سے انکار کیا تو قسطلہ کی عیسائی حکومت نے غرناطہ پر فوجیں چڑھا دیں۔ اور غرناطہ کے ایک حصہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔

سلطنتِ غرناطہ کا زوال

سلطنتِ غرناطہ کا زوال یُوں تو سلطان یوسف ثالث کے عہدِ حکومت ہی میں شروع ہو گیا تھا جبکہ قسطلہ کے عیسائی سلطان نے غرناطہ پر حملہ کر کے اس کے بعض حصوں پر قبضہ جما لیا تھا لیکن پھر بھی جب تک سلطان یوسف ثالث زندہ رہا اس سلطنت کا وقار کسی نہ کسی حد تک قائم رہا لیکن ۸۲۳ھ میں سلطان یوسف ثالث کے مرنے کے بعد سلطنتِ غرناطہ دن بدن روبزوال ہوتی چلی گئی اور اس سلطنت کے روبزوال ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے عیسائی سلاطین کو سلطنتِ غرناطہ کے معاملات میں مداخلت کے مواقع حاصل ہو گئے تھے اور انھوں نے مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ خانہ جنگی برپا کرا کے سلطنتِ غرناطہ کی بُنیادوں کو ہلا ڈالا تھا

سلطان یوسف ثالث کی وفات کے بعد جب ۸۲۳ھ میں اُس کا بیٹا محمد ہشتم

غرناطہ میں تخت نشین ہوا تو اس کی سفلہ پروری کی وجہ سے غرناطہ کی رعایا اسکی مخالف ہوگئی۔ آخر محمد نہم نے بغاوت برپا کرکے اسے غرناطہ سے نکالدیا اور خود تخت نشین ہوگیا۔ اس انقلاب کے بعد محمد ہشتم تو بھاگ کر شاہ ٹیونس کے پاس چلا گیا اور محمد ہشتم کا وزیر یوسف قسطلہ کے عیسائی سلطان جان کے پاس پناہ گزیں ہوگیا۔ اور محمد نہم غرناطہ کا بادشاہ بن بیٹھا۔

سلطان محمد ہشتم دس سال کی جلا وطنی کے بعد شاہ ٹیونس اور قسطلہ کے عیسائی سلطان جان کی امداد سے دوبارہ غرناطہ پر حملہ کرکے ۸۳۳ھ میں سلطنت غرناطہ پر قابض ہوگیا۔ اور محمد نہم کو گرفتار کرکے قتل کر دیا۔ قسطلہ کے عیسائی سلطان کو یہ توقع تھی کہ سلطان محمد ہشتم اس کی مدد سے غرناطہ میں تخت نشین ہونے کے بعد عیسائیوں کا باجگذار بن جائیگا۔ لیکن سلطان محمد ہشتم نے جب عیسائیوں کی ماتحتی کی ذلت گوارہ کرنے سے انکار کر دیا تو قسطلہ کا عیسائی سلطان جان اس کا مخالف بن گیا۔ اور اس نے محمد بن ہشتم کے ایک رشتہ دار یوسف بن الاحمر کو بغاوت کے لئے اُبھارا۔ اور اسے پوری طرح فوجی امداد دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمد ہشتم کو یوسف ابن الاحمر کے مقابلہ میں شکست ہوگئی اور وہ تمام خزانہ لیکر غرناطہ سے مالقہ بھاگ گیا اور غرناطہ کی تخت پر عیسائی سلطان جان کے پٹھو یوسف ابن الاحمر کا قبضہ ہوگیا لیکن چھ مہینے کے بعد ہی عیسائیوں کا یہ پٹھو لقمۂ اجل ہوگیا۔

یوسف ابن الاحمر کے مرنے کے بعد سلطان محمد ہشتم مالقہ سے آکر تیسری مرتبہ غرناطہ میں تخت نشین ہوگیا۔ اس کا دوبارہ بادشاہ بن جانا عیسائیوں کے لئے صدمۂ عظیم تھا۔ لہذا عیسائیوں نے پوری طاقت سے اس کے خلاف حملہ کر دیا۔ مگر عیسائیوں کو جب سلطان محمد ہشتم کے مقابلہ میں شکست ہوگئی تو وہ خاموش ہوکر بیٹھ گئے۔ لیکن سلطان محمد ہشتم کی بدنصیبی کہ اس کے لئے ایک اور نیا فتنہ کھڑا ہوگیا۔ یعنی

اسکے بھتیجے ابنِ عثمان حاکم المیریہ نے اُسکے خلاف بغاوت برپا کر کے غرناطہ کے تخت پر قبضہ جمالیا اور سلطان محمد ہشتم کو تیسری مرتبہ معزول کر کے قید کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

خانہ جنگی برپا کرانے میں عیسائیوں کا ہاتھ

سلطان محمد ہشتم کی گرفتاری اور ابنِ عثمان کے غرناطہ پر قابض ہونے کے بعد سلطان محمد ہشتم کے سپہ سالار عبدالبر نے سلطان کے ایک دوسرے بھتیجے ابنِ اسمٰعیل کو ابنِ عثمان کے مقابلہ پر کھڑا کر کے اُسے غرناطہ کے تخت کا دعویدار بنا دیا۔ ابن اسمٰعیل میں تنِ تنہا ابنِ عثمان سے مقابلہ کی کیونکہ طاقت نہیں تھی اس لئے اس نے قسطلہ کے عیسائی بادشاہ جان سے امداد چاہی۔ عیسائی ایسے موقعوں کے منتظر ہی رہتے تھے وہ فوراً ابنِ اسمٰعیل کی امداد کے لئے تیار ہو گئے۔ عیسائیوں کی امداد حاصل ہونے کے بعد ابن اسمٰعیل نے غرناطہ کی حکومت پر قبضہ جمانے کے لئے فوراً ابنِ عثمان کے خلاف فوج کشی شروع کر دی لیکن اسی دوران میں ابنِ اسمٰعیل کے سرپرست قسطلہ کے عیسائی سلطان کی چونکہ دوسرے عیسائی سلاطین سے جنگ چھڑ گئی تھی۔ اس لئے ابن اسمٰعیل کو عارضی طور پر اپنی جگہ سرگرمیاں بند کر دینی پڑیں قسطلہ کے سلطان کی جب اپنے مخالفوں سے صلح ہو گئی تو اُس نے ۸۵۹ھ میں ابنِ اسمٰعیل کو فوج دیکر ابنِ عثمان پر حملہ کرا دیا۔ ابنِ عثمان کو ابنِ اسمٰعیل اور عیسائیوں کے مقابلہ میں شکست ہو گئی۔ اور ابنِ اسمٰعیل عیسائیوں کی مدد سے غرناطہ کے تخت پر بیٹھ گیا۔

سلطان ابنِ اسمٰعیل چونکہ قسطلہ کے عیسائی بادشاہ جان کا ساختہ پرداختہ تھا اس لئے جان اس کا بڑا خیال رکھتا تھا لیکن جان کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں کی نیت بگڑ گئی اور انھوں نے یہ چاہا کہ سلطان ابن اسمٰعیل کو راستہ سے ہٹا کر غرناطہ کو بھی قسطلہ کی عیسائی سلطنت میں شامل کر لیا جائے۔ لہٰذا ابنِ اسمٰعیل اور عیسائیوں

میں ایک لا انتہا ہی جنگ کا سلسلہ چھڑ گیا جو ۸۷۰ھ تک جاری رہا۔ اس جنگ میں ابن اسمٰعیل کے بیٹے ابوالحسن نے ایسی مردانگی کے ساتھ عیسائیوں کا مقابلہ کیا کہ عیسائیوں کے دانت کھٹے ہو گئے۔

سلطنت غرناطہ کو مٹانے کے منصوبے

سلطان ابوالحسن اپنے باپ کے مرنے کے بعد جب ۸۷۰ھ میں غرناطہ کے تخت پر بیٹھا تو عیسائیوں کو بڑی فکر ہوئی۔ کیونکہ ولیعہدی کے زمانہ ہی میں اِس شیر دل مجاہد نے عیسائیوں کو مار مار کر بدحواس کر دیا تھا۔ چنانچہ تخت نشینی کے بعد اس نے پہلے سے بھی زیادہ ہمت اور دلیری کا ثبوت دیا اور عیسائی اس کے نام سے گھبرانے لگے۔

سلطان ابوالحسن کی تخت نشینی کے وقت قسطلہ کا عیسائی بادشاہ جان مر چکا تھا اور اس کی جگہ اس کا نوجوان بیٹا فردی نند قسطلہ کا بادشاہ بن گیا تھا۔ فردی نند کی شادی چونکہ ارغون کی عیسائی سلطنت کی شہزادی ازبیلا سے ہو گئی تھی۔ اس لئے یہ دونوں حکومتیں مل کر بے حد مضبوط ہو گئی تھیں۔ فردی نند اور ملکہ ازبیلا دونوں بے حد متعصب تھے۔ ان دونوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ یہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ غرناطہ کی اسلامی حکومت کو مٹا کر ایک ایک مسلمان کو اسپین کی سرزمین سے ختم نہ کر دینگے سلطنتِ قسطلہ اور سلطنتِ ارغون کے مل جانے کے بعد بلاشبہ شاہ قسطلہ کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ غرناطہ تو کیا بڑی سے بڑی سلطنت سے ٹکر لے سکتا تھا۔ اس سلطنت کا رقبہ سوا لاکھ مُربع میل سے بھی کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں سلطنتِ غرناطہ کا رقبہ گھٹتے گھٹتے چار ہزار مُربع میل سے بھی کم رہ گیا تھا۔ گویا طاقت اور وسعت کے اعتبار سے عیسائی سلطنت قسطلہ اور اسلامی حکومت غرناطہ کا کوئی مقابلہ نہ تھا لیکن اس کے باوجود عیسائی حکمراں غرناطہ کے

مسلمان سلطان سے محض اس لئے خوفزدہ اور لرزاں رہتے تھے کیونکہ مسلمانوں سے جب بھی ان کا مقابلہ ہوتا تھا تو مٹھی بھر مسلمان لاکھوں کے لشکر کو کاٹ کر رکھ دیتے تھے یعنی سلطنتِ غرناطہ کا رقبہ گو نا قابل تذکرہ حد تک گھٹ گیا تھا لیکن مسلمانوں کا رُعب ابھی تک عیسائیوں پر بدستور قائم تھا۔

قسطلہ کا عیسائی سلطان فرڈی نند اور اسکی ملکہ ازبیلا جو مسلمانوں کے نام ونشان تک کو اسپین کی سرزمین سے مٹانے کا تہیہ کئے ہوئے تھے انھوں نے مسلمانوں کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر فوجی تیاریوں کے بعد اور متعدد عیسائی سلاطین کو اپنے ساتھ ملا کر ۸۸۲ ہجری میں سلطان ابوالحسن کو پیغام بھیجا کہ "ہماری تمہاری صلح اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ تم ہم کو خراج دینا منظور کر لو" یہ چھیڑ چھاڑ کی ابتداء تھی۔

اسپین کی عظیم الشان عیسائی سلطنت کا یہ مطالبہ غرناطہ کی چھوٹی سی اسلامی حکومت سے کچھ بیجا نہ تھا۔ ہر طاقتور اور بڑی سلطنت چھوٹی حکومتوں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتی ہے لیکن اس چھوٹی سی اسلامی حکومت کے حوصلہ مند سلطان ابوالحسن نے اس مطالبہ کا جو جواب دیا وہ شاہانِ غرناطہ کی جرأت اور دلیری کی ایک غیر فانی یادگار ہے۔ اس نے جواب میں لکھا۔

"شاہ قسطلہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ غرناطہ کی دارالضرب میں آج کل سونے کے سکوں کی بجائے (جو عیسائی سلطان نے خراج میں طلب کئے تھے) فولادی تلواریں اور نیزے عیسائیوں کے جگر کو چاک کرنے کی غرض سے تیار ہو رہے ہیں"۔

یعنی خراج کی ادائیگی کے لئے تو غرناطہ کے خزانہ میں رقم نہیں ہے لیکن عیسائیوں کے قتل عام کے لئے تلواریں اور نیزے ضرور موجود اور تیار ہیں۔ اس دلیرانہ جواب نے

شاہ قسطلہ کو دم بخود کر دیا اور وہ زمانہ دراز تک اپنی تمام تیاریوں کے باوجود غرناطہ کی جانب رُخ نہ کر سکا۔

سلطان ابوالحسن نے صرف اس دلیرانہ جوابدہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ۸۸۶ھ میں شاہ قسطلہ کے قلعہ صخرہ پر حملہ کر کے اسے ایک ہی رات میں فتح کر لیا۔ یہ عیسائیوں کا مستحکم ترین قلعہ تھا۔ ابوالحسن کے اس حملہ کے بعد باقاعدہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑ گئی۔ عیسائیوں نے بھی مسلمانوں کے قلعہ الحمّہ کو فوج سے خالی پا کر قبضہ جما لیا اور اس قلعہ کے ہزاروں مسلمان عورتوں اور بچوں کو بلا وجہ تہہ تیغ کر دیا۔ اس قلعہ پر قبضہ جمانے کے بعد شاہ قسطلہ نے آگے بڑھ کر لوشہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان ابوالحسن بھی مقابلہ پر آ گیا۔ گو عیسائیوں کا لشکر اسلامی فوج کے مقابلہ میں چار گنا تھا لیکن عیسائیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ شاہ قسطلہ شکست کھا کر اور بدحواس ہو کر بھاگا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مالِ غنیمت آیا۔

غرناطہ کے شاہی خاندان کی خودکشی

اسپین کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ یہاں اسلامی حکومتیں مٹ مٹ کر بنتی رہی ہیں۔ اگر ان کا رقبہ کبھی کم ہو گیا ہے تو نئی نئی اسلامی حکومتوں نے برسرِ اقتدار آ کر اس رقبہ کو پھر بڑھا لیا ہے۔ چنانچہ حکومت غرناطہ کے علاقے کے محدود ہو جانے کے باوجود مسلمان مایوس نہیں تھے بلکہ مسلمانوں کو یہ یقین کامل تھا کہ وہ جلد ہی سلطنتِ غرناطہ کی حدود کو وسیع کرتے ہوئے پھر شمالی اسپین تک اپنی اسلامی سلطنت کو وسعت دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن مسلمانانِ اسپین کی بدقسمتی کہ اس مرتبہ غرناطہ کے شاہی خاندان میں ایسی خطرناک خانہ جنگی پیدا ہوئی جس نے کہ اسپین سے مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

اسپین کے مسلم سلاطین کی خانہ جنگیاں یوں تو ابتدا ہی سے تباہی کا موجب

بنی رہی ہیں لیکن پہلے کی خانہ جنگیوں میں اور اس وقت کی خانہ جنگیوں میں بڑا فرق تھا۔ پہلے تو یہ صورت تھی کہ جب کبھی اسپین کی خانہ جنگی کی بنا پر اسپین کا کوئی شاہی خاندان ختم ہو جاتا تھا تو مراکش کے سلاطین اسپین آکر مسلمانوں کو عیسائیوں کے پنجۂ استبداد سے بچا لیتے تھے اور پھر نئے سرے سے اسپین کی اسلامی حکومت مستحکم ہو جاتی تھی لیکن اس مرتبہ اسپین کے قریب کوئی ایسی مضبوط اسلامی حکومت باقی نہیں رہی تھی جو اسپین کے شاہی خاندان کی خانہ جنگی اور تباہی کے بعد مسلمانوں کو بچا سکتی چنانچہ غرناطہ کے شاہی خاندان کی موجودہ خانہ جنگی نے مسلمانانِ اسپین کو بالکل تباہ اور برباد کر کے رکھ دیا۔

غرناطہ کے شاہی خاندان کی افسوسناک اور تباہ کن خانہ جنگی کی تفصیل یہ ہے کہ عین اُس وقت جبکہ سلطان ابوالحسن لوشہ کے مورچہ پر شاہ قسطلہ اور عیسائیوں کے لشکرِ عظیم کو شکستِ دینے میں مصروف تھا سلطان کے دو بڑے بیٹوں ابوعبداللہ اور یوسف نے غرناطہ میں سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ دونوں بیٹے سلطان کی بڑی بیگم کے بطن سے تھے جو مسلمان تھی۔ سلطان ابوالحسن کو چونکہ اپنی چھوٹی عیسائی بیگم اور اسکی اولاد سے غیر معمولی محبت تھی اس لئے ان دونوں بیٹوں کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں سلطان ان کو محروم کر کے عیسائی بیگم کے بیٹے کو ولیعہد نہ بنا دے محض اس وہم اور اندیشہ کی بنا پر ان دونوں نے سلطان کے خلاف بغاوت برپا کر کے نہ صرف غرناطہ کی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیا بلکہ خود اپنے محضرِ قتل پر دستخط کر دئے۔

اُمرائے اسپین بھی چونکہ باغی شاہزادوں یعنی ابوعبداللہ اور یوسف کے ہمنوا تھے اس لئے انھوں نے بڑی آسانی کے ساتھ غرناطہ۔ المیریہ اور بسطہ پر قبضہ جما کر ابوعبداللہ کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ عیسائیوں نے جب دیکھا کہ باپ بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی ہے تو انھوں نے بھی مالقہ پر جہاں سلطان ابوالحسن بیٹوں کی بغاوت کے بعد مقیم تھا حملہ کر دیا۔ مگر سلطان نے اس معرکہ میں بھی بہت بری طرح سے عیسائیوں کو

شکست دی۔

سلطنتِ غرناطہ نزع کے عالم میں

سلطنت غرناطہ اب دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک حصہ پر تو باپ کا قبضہ تھا اور دوسرے حصہ پر بیٹا قابض تھا۔ اگر یہ سلطنت باپ بیٹوں میں ہی تقسیم ہو جاتی تو کوئی ہرج نہ تھا۔ لیکن ابو عبداللہ نے باپ کو یعنی سلطان ابوالحسن کو مالقہ کی حکومت سے بھی محروم کرنے کے لئے حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں ابو عبداللہ کو شکست ہوئی اور وہ شکست کھانے کے بعد غرناطہ بھاگ آیا۔ لیکن ۸۸۸ھ میں جب وہ باپ کے علاقوں میں لوٹ مار کر کے واپس ہو رہا تھا تو عیسائیوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر کر اسکی ساری فوج کو ختم کر دیا اور ابو عبداللہ کو گرفتار کر کے قسطلہ کے عیسائی بادشاہ کے پاس بھیجدیا جہاں وہ قید کر دیا گیا۔

ابو عبداللہ کی گرفتاری کے بعد اہلِ غرناطہ کے بلانے پر سلطان ابوالحسن غرناطہ آگیا مگر اب اُسے حکومت سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ گذشتہ واقعات نے اُس کا دل توڑ دیا تھا اس نے غرناطہ کی سلطنت اپنے بھائی الزغل کے سپرد کر دی اور خود گوشہ نشین ہو گیا۔ صرف ابوالحسن ہی ایک ایسی شخصیت تھی جس سے کہ عیسائی ڈرتے تھے۔ ابوالحسن کے گوشہ نشین ہوتے ہی قسطلہ کا عیسائی فردی نند یہ سوچ کر میدان میں آگیا کہ اب غرناطہ کا فتح کرنا کوئی دشوار نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے الزغل کے خلاف یورش کر دی۔ چنانچہ ۸۹۰ھ میں سلطان الزغل اور عیسائی بادشاہ فردی نند میں سخت مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے اپنی انتہائی جرأت سے کام لیکر عیسائیوں کا پورا توپخانہ چھین لیا اور توپوں کو قلعہ پر چڑھا دیا۔ غرضکہ عیسائیوں کو قدم قدم پر ناکامی ہونے لگی۔ عیسائیوں کی اس شکست اور ناکامی کے بعد فردی نند کو یقین ہو گیا کہ صرف ابوالحسن ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان حکمران شیرِ نیستاں ہے اس لئے ان کو طاقت سے نہیں بلکہ فریب سے زیر کرنا چاہیئے۔

مسلمانوں کی تباہی کیلئے عیسائیوں کی چالیں

شاہ قسطلہ فردی نند نہایت عیار اور چالاک بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے عیاری کی ترکش میں سے ایک ایسا تیر نکالا جو مسلمانوں کی تباہی کے لئے ٹھیک نشانہ پر بیٹھا۔ شاہ قسطلہ کی قید میں سلطان ابوالحسن کا غدار بیٹا ابوعبداللہ موجود تھا۔ فردی نند نے اسے قید سے نکال کر شاہی محل میں اپنے پاس رکھ لیا۔ اسکی خوب خاطر و مدارات کی اور اسے چچا کے خلاف بھڑکاتے ہوئے پٹی پڑھائی کہ سلطنت غرناطہ کے اصل مالک تو تم ہو تمہارے چچا الزغل نے غاصبانہ قبضہ جما کر تمہارے حق پر ڈاکہ زنی کی ہے۔ میری دشمنی سلطان ابوالحسن اور الزغل کے ساتھ ضرور ہے مگر تم کو میں دوست سمجھتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ ایک دوست کی حیثیت سے تخت وتاج دلوانے میں تمہاری پوری پوری مدد کروں"۔

ابوعبداللہ جو باپ کے ساتھ غداری کر چکا تھا چچا کے خلاف صف آرا ہونے میں اسے کیا انکار ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہ فردی نند کے اشاروں پر ناچنے کے لئے تیار ہو گیا اور عیسائی بادشاہ فردی نند سے وعدہ وعید کے بعد اور فوجی امداد حاصل کر کے وہ مالقہ آیا اور یہاں کے لوگوں کو ہموار کر کے اپنے چچا سلطان الزغل کے خلاف معرکہ جنگ گرم کر دیا۔ یعنی نئے سرے سے عیسائی بادشاہ کی عیاری سے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا ایک نیا باب شروع ہو گیا عیسائی بادشاہ فردی نند۔ ابوعبداللہ کو ہر قسم کی امداد برابر پہنچاتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدھے ملک پر ابوعبداللہ کا قبضہ ہو گیا۔ ابوعبداللہ نے حسب قرارداد جتنا بھی ملک فتح کیا تھا وہ فردی نند کو دیدیا یعنی فردی نند جو خود نہیں کر سکتا تھا وہ ابوعبداللہ کو آلہ کار بنا کر اس نے کرایا۔ غرناطہ کی نصف سلطنت پر ابوعبداللہ کے ذریعہ قبضہ جمانے کے ساتھ ہی فردی نند نے مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام شروع کر دیا۔ نہ عورتوں کو بخشا نہ بچوں کو اور خود ابوعبداللہ مسلمانوں کی یہ بربادی اطمینان سے بیٹھا ہوا دیکھتا رہا

سلطان الزغل کو جب پتہ چلا کہ ابو عبداللہ نے سارا مفتوحہ علاقہ عیسائی سلطان فردی نند کو دیدیا ہے اور وہاں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے تو وہ مسلمانوں کو بچانے کے لیے مالقہ کی جانب دوڑا۔ ابھی وہ مالقہ پر حملہ بھی نہیں کرنے پایا تھا کہ غدار ابو عبداللہ نے غرناطہ کو خالی پاکر اُس پر بھی قبضہ جما لیا۔ غرناطہ پر ابو عبداللہ کے قبضہ کے بعد سلطان الزغل بے بس سا ہو گیا وہ مایوس ہو کر وادی آش میں ٹھہر گیا۔ فردی نند کو جب غرناطہ پر ابو عبداللہ کے قبضہ کی اطلاع ملی تو وہ بے حد خوش ہوا۔ کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ جس طرح احمق ابو عبداللہ نے دوسرا مفتوحہ علاقہ اس کے حوالے کر دیا ہے۔ اسی طرح غرناطہ بھی اُسی کی نذر کر دے گا۔

فردی نند بڑی بے چینی کے ساتھ غرناطہ کے نذر کیے جانے کا انتظار کرتا رہا لیکن جب اُس نے دیکھا کہ ابو عبداللہ نے غرناطہ کی فتح کے بعد وہاں اپنی حکومت قائم کر لی ہے اور وہ غرناطہ کا علاقہ اُس کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو فردی نند کو بڑی مایوسی ہوئی اور وہ ابو عبداللہ کا بھی دشمن بن گیا۔ ادھر ابو عبداللہ کی حالت یہ تھی کہ وہ بھی فردی نند سے ناراض تھا کیونکہ اسے توقع تھی کہ جو مفتوحہ علاقے محض انتظام کی غرض سے اس نے فردی نند کے حوالے کیے تھے وہ انہیں واپس کر دیگا مگر وہ ان علاقوں پر جب قبضہ جما کر بیٹھ گیا تو ابو عبداللہ اس سے بدظن ہو گیا۔ فردی نند اور ابو عبداللہ کی اس رنجش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان دونوں میں ۸۹۵ھ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی سخت خونریزی کے بعد بالآخر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ ابو عبداللہ شہر بسطہ اور قلعہ بسطہ عیسائیوں کے حوالے کر دے۔ چنانچہ بسطہ عیسائیوں کو مل گیا اور عیسائیوں نے شہر بسطہ اور قلعہ بسطہ پر قبضہ جمانے کے بعد حسب معمول اس طرح مسلمانوں کا قتل عام کیا کہ ایک مسلمان بھی اس علاقہ میں زندہ نہ بچا۔

ابو عبداللہ کو احمق بنانے کے بعد عیار فردی نند اب سلطان الزغل پر جال

ڈالا سبز باغ دکھا کر اُس سے کہا کہ "اگر تم صوبہ المیریہ پر میرا قبضہ کرا دو گے تو میں اپنی طرف سے صوبہ المیریہ تمہاری حکومت میں شامل کر دوں گا"۔ الزغل بھی فریب میں آ گیا۔ اس نے صوبہ المیریہ پر فردی نند کا قبضہ کرا دیا۔ المیریہ پر قبضہ کے بعد وہ سلطان الزغل کے ہمراہ وادیِ آش میں آیا تو اس پر بھی بالجبر قابض ہو گیا۔ سلطان الزغل دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اب پوری سلطنتِ غرناطہ پر فردی نند کا قبضہ ہو چکا تھا۔ صرف شہر غرناطہ اور اس کے مضافات باقی تھے جس پر کہ ابو عبداللہ قابض تھا۔

عیّار فردی نند نے بہت سی چالیں چلیں کہ کسی طرح بغیر جنگ کے غرناطہ بھی اُسے مل جائے۔ ابو عبداللہ کو طرح طرح کے لالچ دئے۔ سلطان الزغل کے ذریعہ کار برآری کرنی چاہی لیکن جب اس کی کوئی چال کارگر نہ ہوئی تو اسے لاچار اور مجبور ہو کر پوری طاقت کے ساتھ غرناطہ پر حملہ کر دیا اور غرناطہ کے زیرِ دیوار عیسائیوں اور مسلمانوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ اس گئی گذری حالت میں بھی مسلمانوں کی حوصلہ مندی کا یہ عالم تھا کہ عیسائیوں کا بے پناہ لشکر مسلمانوں کے شوقِ جہاد سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ اور اپنی تمام طاقت لگا دینے کے باوجود قسطلہ کا عیسائی بادشاہ فردی نند غرناطہ کی ایک انچہ زمین بھی نہ لے سکا اور اسے ناکام و نامراد شکست خوردہ لشکر کو لیکر واپس لوٹنا پڑا۔ صرف یہی نہیں ہوا بلکہ اس جنگ میں فردی نند نے البشراۃ کا علاقہ بھی کھو دیا جس پر کہ ابو عبداللہ نے پوری عیسائی فوج کو کاٹ کر قبضہ جما لیا تھا۔

فردی نند نے جب دیکھا کہ غرناطہ لینے کی کوشش میں البشراۃ بھی قبضہ سے جاتا رہا تو اس نے اپنے نئے پٹھو سلطان الزغل کو شہ دیکر البشراۃ پر چڑھائی کرا دی۔ اس آخری وقت میں بھی مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ سلطان الزغل نے البشراۃ فتح کر لیا۔ اور الزغل سے فردی نند نے چھین لیا اور الزغل کو حکم سُنا دیا کہ اب ہم کو تمہاری دوستی

کی ضرورت نہیں ہے ہم تم پر صرف اتنا احسان کر سکتے ہیں کہ اسپین سے زندہ نکل جانے دیں۔ الزغل افریقہ چلا گیا اور گمنامی کے عالم میں مرگیا۔

غرناطہ کا دردناک انجام اور مسلمانوں کا قتلِ عام

غرناطہ کی گذشتہ جنگ کے تلخ تجربات کے بعد فردی نند کو اتنی ہمت تو ہوئی نہیں کہ وہ غرناطہ کے میدان میں مردانہ وار مسلمانوں سے مقابلہ کرتا۔ اب اس نے یہ صورت اختیار کی کہ ۸۹۶ھ میں وہ لشکرِ عظیم اور توپخانہ کے ساتھ مضافات غرناطہ کی جانب بڑھا اور پُرامن اور غیر مسلح مسلمانوں کا قتلِ عام کرتے ہوئے اُس نے غرناطہ کا محاصرہ کر لیا تاکہ وہ مسلمانانِ غرناطہ کو بھوکا مار کر اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دے مسلمان اگرچہ بُری طرح محصور تھے لیکن وہ پھر بھی نکل نکل کر مردانہ وار عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے اور انھوں نے معذوری اور مجبوری کی حالت میں بھی ہزاروں عیسائیوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔

محاصرہ کو جب آٹھ مہینے گذر چکے اور مسلمانانِ غرناطہ تنگ آچکے تو انھوں نے ابوعبداللہ پر زور دیا کہ اس طرح گھٹ کر مر جانے سے بہتر تو یہ ہے کہ میدان میں آکر جانیں قربان کر دی جائیں لیکن ابوعبداللہ یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح صلح ہو جائے، عمائدین سلطنت بھی صلح کے حق میں تھے لیکن عام مسلمان عیسائیوں کی بدعہدیوں کی وجہ سے صلح کے خلاف تھے مگر ابوعبداللہ جو کچھ چاہتا تھا وہی ہوا۔ اہالیانِ شہر سے بالکل خفیہ صلح کر لی گئی اور صلحنامہ پر ابوعبداللہ اور شاہ قسطلہ فردی نند کے دستخط بھی ہو گئے صلح کی شرائط کا خلاصہ یہ ہے:۔

> عیسائی نہ تو مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں دخل دینگے اور نہ مسجد میں گھسیں گے مساجد اور مسلم اوقاف محفوظ رہیں گے مسلمانوں کے معاملات شرع اسلامی کے مطابق مسلمان قاضی طے کریں گے۔ طرفین کے قیدی رہا

کردیئے جائیں گے جو مسلمان اسپین میں رہنا چاہیں گے ان سے تعرض نہیں کیا جائیگا۔ نومسلم عیسائیوں کو دوبارہ عیسائی نہیں بنایا جائیگا جو مسلمان افریقہ ہجرت کرنا چاہیں گے حکومت ان کے لئے جہازوں کا انتظام کردیگی مسلمانوں سے تین سال تک کوئی ٹیکس نہیں لیا جائیگا۔ اور اس کے بعد مسلمانوں سے کوئی زائد ٹیکس وصول نہیں کیا جائیگا۔ ساٹھ دن کے اندر اندر شہر غرناطہ قلعہ الحمرا، توپخانہ اور تمام سامان جنگ پر عیسائیوں کا قبضہ کرادیا جائیگا۔ سلطان ابوعبداللہ کے سپرد البشرۃ کی حکومت کردی جائے گی"۔

اس عہدنامہ پر یکم ربیع الاول ۸۹۷ھ (۱۴۹۲ء) کو دستخط ہوئے تھے۔ یہ عہدنامہ گو عام مسلمانوں اور فوج سے پوشیدہ رکھا گیا تھا لیکن یہ خبر عوام میں پھوٹ گئی اور لوگوں میں بغاوت کے آثار پیدا ہونے لگے تو ابوعبداللہ نے وقت سے پہلے ہی شہر اور قلعہ پر عیسائیوں کا قبضہ کرادیا۔ شہر غرناطہ کا قبضہ لینے کے لئے شاہ فردی نند اور اس کی متعصب ملکہ ازبلا بڑے تزک و احتشام کے ساتھ غرناطہ میں داخل ہوئے۔ اُن کے شہر میں داخل ہونے سے قبل ہی قلعہ الحمرا سے اسلامی جھنڈا اُتار کر پھینکدیا گیا تھا۔ اور اس کی جگہ ایک چاندی کی صلیب نصب کردی گئی تھی۔

ابوعبداللہ قلعہ کی کنجیاں اور شہر فردی نند کے حوالے کرکے البشراۃ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اور اس کی آنکھ سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے جس پر اس کی ماں نے اس سے کہا کہ "جب تو مردوں کی طرح اپنے ملک کو نہ بچاسکا تو اب ایک گمشدہ چیز کے لئے عورتوں کی طرح رونے سے کیا فائدہ ہے"۔ ابوعبداللہ کے ساتھ ہی مسلمانوں کے ایک جم غفیر نے بھی غرناطہ چھوڑدیا لیکن ابوعبداللہ کو البشراۃ میں بھی نہیں رہنے دیا گیا۔ فردی نند نے البشراۃ سے بھی اسے نکال دیا اور وہ اسپین سے افریقہ جاکر شاہِ مراکش کا

ملازم ہوگیا اور وہیں فوت ہوگیا۔

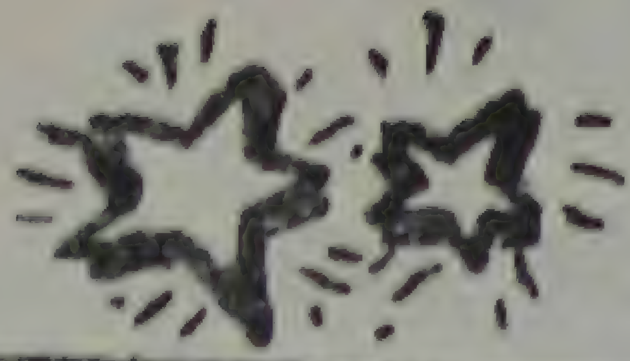
قرطبہ اور البشراۃ پر قبضہ کے بعد عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا جو انجام ہوا اس کی داستان بڑی ہی دردناک ہے مسلمانوں کو حکم دیدیا گیا کہ یا تو دین مسیحی قبول کر دیا مرنے کے لیئے تیار ہو جاو۔ لیکن اس مٹی ہوئی حالت میں بھی مسلمانوں کا جوشِ ایمانی قابلِ داد ہے کہ مسلمانوں نے مرنا قبول کیا لیکن دینِ حنیف کو نہیں چھوڑا ہزاروں مسلمان روزانہ یا تو جلتی ہوئی آگ میں ڈال کر زندہ جلا دیئے جاتے تھے یا انھیں تہہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔ یا سمندر میں ان کو ڈبو دیا جاتا تھا۔ غرضکہ یہ سلسلہ مدت دراز تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ چند سال کے اندر اندر اسپین سے مسلمانوں کا نام و نشان بالکل مٹا دیا گیا مساجد مسمار کر دی گئیں۔ اور لاکھوں نایاب اسلامی کتابیں سمندر کی تہہ میں پہنچا دی گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ✦

ملاح (۱۸۸۲) ع ۱۴

ASL-269 Mukammal Tarikh-i-Islam
Mufti Shawkat Ali Fahmi
Din-o-Dunya Publishing Co. Delhi 968 Pages

ASL-270 Ood-i-Hindi عود ہندی
Mirza Asadullah Khan Galib
Munshi Nolkishore Press Lakhnow
1941 / 1360 H — 268 Pages

ASL-271 Bal-i-Jibril بال جبریل
Allama Iqbal (120 Pages)
Sultan Book Depot Chatkaman Haiderabad



دسواں باب

مراکش طرابلس اور الجیریا (افریقہ)

کی خود مختار اسلامی حکومتیں

۱۷۲ھ تا ۱۸۵ھ
۷۸۹ء تا ۱۸۰۶ء



کتبہ حسن علی

افریقہ کی خود مختار اسلامی حکومتیں

اسپین کی اسلامی حکومتوں کی تاریخ بیان کرنے کے بعد اب ہم افریقہ کی خود مختار اسلامی حکومتوں کی تاریخ پر روشنی ڈالیں گے۔ افریقہ کا ملک بھی اسپین کی طرح ممالک غربیہ میں شامل ہے۔ یہ اسپین کے جنوب میں جبل الطارق کے قریب واقع ہے۔ افریقہ کا علاقہ مراکش اور اسپین دونوں متصل ہیں جن کے درمیان آبنائے جبل الطارق حد فاصل بنا ہوا ہے۔ اسپین اور افریقہ چونکہ ایک دوسرے کے بالکل قریب واقع ہوئے ہیں اس لئے اسپین کی حکومتوں اور افریقہ کی سلطنتوں کے اکثر و بیشتر واقعات ایک دوسرے سے مربوط ہیں چنانچہ اسپین کے حالات میں جابجا افریقہ کی ان مراکشی سلطنتوں کا ذکر آتا رہا ہے جو مدتوں اسپین پر حکومت کرتی رہی ہیں یا اسپین کی حکومتوں کی امداد کرتی رہی ہیں۔

شمالی افریقہ پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ سنہ ۲۶ھ (۶۴۷ء) میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں کیا تھا۔ اس حملہ میں مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد نے شمالی افریقہ کو فتح کرلیا تھا لیکن فوج کی کمی کی وجہ سے جب انھوں نے دیکھا کہ اس ملک پر مستقل قبضہ دشوار ہے تو محض جزیہ کی شرط پر افریقہ والوں سے صلح کرلی تھی۔ اس کے بعد خلافت اسلامیہ میں خانہ جنگی کی بنا پر مسلمان زمانۂ دراز تک افریقہ کی جانب توجہ نہیں کرسکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی افریقہ کے تمام علاقے ایک ایک کرکے خود مختار ہوگئے۔

خاندان بنی امیہ کی حکومت کے بانی امیر معاویہ جب برسر اقتدار آئے تو انھوں نے سنہ ۴۶ھ میں عقبہ بن نافع اور چند دوسرے اسلامی سپہ سالاروں کو افریقہ کی فتح کے لیے دوبارہ روانہ کیا۔ انھوں نے مختصر سے عرصہ میں نہ صرف تمام پرانے اسلامی علاقوں کو واپس لے لیا بلکہ بہت سے نئے علاقے بھی فتح کرلئے۔ چنانچہ عقبہ بن نافع نے طرابلس

کے اہم علاقوں کو فتح کرنے کے بعد ٹیونس فتح کیا اور شہر قیروان کی بنیاد ڈالی پھر رفتہ رفتہ الجزیرہ اور مراکش پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

عقبہ بن نافع شمالی افریقہ کی فتوحات میں مصروف ہی تھے کہ رومی عیسائیوں اور بربریوں نے اُن کو چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد ایک تازہ دم اسلامی لشکر افریقہ جا پہنچا جس میں عبداللہ بن عمر۔ ابن زبیر۔ عبدالملک بن مروان جیسے معتمد سپہ سالار شامل تھے۔ ان حضرات نے افریقہ میں جدید فتوحات حاصل کر کے شمالی افریقہ کے بیشتر علاقہ کو مملکتِ اسلامیہ کے زیر نگیں کر دیا۔

امیر معاویہ اور اُن کے جانشینوں کے زمانہ میں چونکہ مملکتِ اسلامیہ خانہ جنگیوں کا شکار رہی اس لئے رومی عیسائیوں اور بربریوں نے مل کر تقریباً پورے شمالی افریقہ کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا تھا اور زہیر بن قیس حاکم برقہ کو ابھوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلطان عبدالملک بن مروان حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف جنگ میں مصروف تھا لیکن سلطان عبدالملک بن مروان کو ۷۷ھ (۶۹۶ء) میں جب ملک کے اندرونی جھگڑوں سے نجات ملی تو اُس نے حسین بن نعمان کو چالیس ہزار کا لشکرِ عظیم دیکر افریقہ کی تسخیر کے لئے روانہ کر دیا۔

حسین بن نعمان نے بڑی حوصلہ مندی سے کام لیکر تیسری مرتبہ شمالی افریقہ کے بیشتر علاقوں کو فتح کر لیا حسین بن نعمان کے بعد جب موسیٰ بن نصیر شمالی افریقہ کے گورنر مقرر ہوئے تو انھوں نے افریقہ کی حکومت سنبھالنے کے بعد اسلامی حکومت میں بہت سے نئے نئے علاقوں کا اضافہ کیا یہانتک کہ ۸۷ھ (۷۰۶ء) تک طرابلس، ٹیونس الجیریا اور مراکش پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا۔ اسی زمانہ میں موسیٰ بن نصیر نے جزیرہ سسلی کو دوبارہ فتح کیا تھا اور ان فتوحات کے چند سال بعد ہی ۹۲ھ میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے اسپین اور جنوبی فرانس کو زیر کیا تھا۔

شمالی افریقہ یعنی طرابلس۔ ٹیونس۔ الجیریا اور مراکش پر سنہ ۸۲ھ میں مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اور وہاں مرکزی اسلامی حکومت کی جانب سے متعدد گورنر یکے بعد دیگرے حکومت کرتے رہے تھے لیکن ان علاقوں میں آئے دن نہایت ہی خطرناک بغاوتیں برپا ہوتی رہتی تھیں اُس کی وجہ یہ تھی کہ ان علاقوں کے باشندوں کی اکثریت بربری قوم سے تعلق رکھتی تھی جو بڑی بہادر اور جنگجو قوم تھی۔ اور جسے یہ گوارہ ہی نہ تھا کہ کوئی بیرونی قوم اُن پر حکومت کرے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد اگرچہ ان کی بربریت میں بہت کچھ کمی واقع ہوگئی تھی اور ان کا مرکزی اسلامی حکومت سے ایک مذہبی تعلق بھی قائم ہوگیا تھا لیکن اس کے باوجود جب بھی مرکزی حکومت کی گرفت ذرا ڈھیلی ہوتی تھی تو بربری قوم فوراً سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جاتی تھی۔ قصہ مختصر یہ کہ شاہانِ بنی اُمیہ کے خاتمہ اور خلفائے بنی عباس کے ابتدائی دورِ حکومت تک تو شمالی افریقہ میں مرکزی اسلامی حکومت کی جانب سے برابر گورنر مقرر ہوتے رہے لیکن عباسیوں کے مقرر کردہ آخری گورنر یزید بن حاتم کے مرنے کے بعد سنہ ۱۷۰ھ (۷۸۷ء) میں سارے شمالی افریقہ میں بدنظمی پھیل گئی اور شمالی افریقہ بھی اسپین کی طرح عباسیوں کی مرکزی حکومت سے الگ ہوگیا اور وہاں نئی نئی خود مختار اسلامی حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

مراکش میں خاندان ادریسیہ کی حکومت

مراکش (افریقہ) میں خاندان ادریسیہ کی آزاد اور خود مختار حکومت کا بانی ادریس بن عبد اللہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اولاد میں سے تھا عباسیوں کے دورِ حکومت میں جب جا بجا علوی خاندان کی بیخ کنی شروع ہوئی تو اس خاندان کا ایک فرد ادریس بن عبد اللہ مع اپنے خادم راشد کے ملکِ حجاز سے فرار ہوکر مصر ہوتا ہوا شمالی افریقہ جا پہنچا۔ افریقہ کے بربری قبائل کے لوگ چونکہ شروع

ہی سے علویوں سے عقیدت رکھتے تھے اس لئے شمالی افریقہ کے بیشتر قبائل ادریس بن عبد اللہ کے معتقد ہو گئے اور انھوں نے ادریس بن عبد اللہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی۔

ادریس بن عبد اللہ نے بربری قبائل کی اس عقیدت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بربریوں کی ایک عظیم الشان فوج تیار کر لی۔ اور اس فوج کے ذریعہ ۱۷۳ھ (۷۸۹ء) میں تلمسان پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔ اور اس فتح کے بعد اس نے ادریسیہ حکومت قائم کر کے تلمسان کو دار الحکومت قرار دیدیا لیکن کچھ روز کے بعد ادریس بن عبد اللہ تلمسان سے بولیلی چلا گیا اور وہیں رہنے لگا۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے جب دیکھا کہ مراکش کا علاقہ عباسی حکومت سے الگ ہو چکا ہے اور ادریس بن عبد اللہ کی طاقت برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے تو اس نے حکومت ادریسیہ کا زور توڑنے کے لئے سازش کر کے ادریس بن عبد اللہ کو زہر دلوا دیا۔ چنانچہ اس زہر کے اثر سے وہ ۱۷۷ھ میں ہلاک ہو گیا۔

ادریس اصغر بن ادریس:۔ ادریس کے مرنے کے بعد اس کے پرانے خادم راشد نے حکومت کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُمرائے سلطنت کو بتایا کہ ایک بربری لونڈی کنیزہ کو ادریس سے حمل ہے۔ لہٰذا ہم سب کو چاہیئے کہ اس بچہ کی بیعت کر لیں جو رحم مادر میں ہے۔ اُمرائے سلطنت نے راشد کے کہنے کے مطابق قبل از ولادت اس بچہ کی بیعت کر لی چند ماہ کے بعد جب یہ بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام ادریس اصغر رکھا گیا اور پیدائش کے بعد دوبارہ تجدیدِ بیعت کی گئی۔ ۱۸۸ھ میں جب ادریس اصغر بارہ برس کا ہوا تو بولیلی کی جامع مسجد میں پھر نئے سرے سے اس کے ہاتھ پر مجمع عام میں بیعت کی گئی۔

ادریس اصغر جوان ہونے کے بعد بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ ثابت ہوا۔ اس نے نئے نئے علاقے فتح کر کے پورے مراکش پر اپنی حکومت قائم کر لی اور بڑی قابلیت

کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔ سنہ ۱۹۲ھ میں ادریس اصغر نے فاس کے قریب ہی ایک عظیم الشان جدید شہر کی بنیاد ڈالی اور اسی کو دار الحکومت قرار دیدیا۔ ادریس اصغر کے ابتدائی دورِ حکومت میں تلمسان اُس کے قبضہ سے نکل گیا تھا لیکن سنہ ۱۹۷ھ میں اُس نے تلمسان کو دوبارہ فتح کر لیا۔ ادریس اصغر اور ابراہیم بن اغلب والیٔ ٹیونس میں کئی لڑائیاں بھی ہوئی تھیں لیکن بعد میں صلح ہو گئی تھی۔ ادریس اصغر ۲۸ سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۲۱۳ھ میں فوت ہو گیا۔

محمد بن ادریس اصغر:- ادریس اصغر کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا محمد بن ادریس سنہ ۲۱۳ھ (سنہ ۸۲۸ء) میں مراکش کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد ادریس اول کے بھائی سلیمان بن عبد اللہ نے مراکش پہنچ کر تلمسان پر قبضہ جما لیا تھا اور وہاں اپنی ایک علحدہ حکومت قائم کر لی تھی۔ اس کے علاوہ محمد بن ادریس کی دادی کنیزہ نے محمد بن ادریس ہی کی حکومت میں سے بہت سے ٹکڑے الگ کر کے محمد بن ادریس کے دوسرے بھائیوں میں تقسیم کر دئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن ادریس کے زمانہ میں مراکش کی ادریسیہ حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بے حد کمزور ہو گئی۔ اور بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی لیکن یہ غنیمت تھا کہ محمد بن ادریس کے سب بھائی اُس کی سیادت کو تسلیم کرتے رہے جس کی وجہ سے فتنہ و فساد زیادہ نہیں بڑھنے پایا۔ محمد بن ادریس آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۲۲۱ھ میں فوت ہو گیا۔

علی بن محمد:- محمد بن ادریس کے بعد اُمرائے سلطنت نے اُس کے نوسالہ لڑکے علی بن محمد کو سنہ ۲۲۱ھ (سنہ ۸۳۶ء) میں تخت نشین کر دیا۔ اس کے عہدِ حکومت میں ہر طرح امن و امان رہا اور ملک میں خوش حالی عام تھی۔ یہ تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۲۳۴ھ میں فوت ہو گیا۔ اس نے مرتے وقت اپنے بھائی

یحییٰ بن محمد کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔

یحییٰ بن محمد:۔ یحییٰ بن محمد اپنے بھائی علی بن محمدؒ کے انتقال کے بعد ۲۳۴ھ (۸۴۸ء) میں مراکش کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ میں سلطنتِ ادریسیہ کو خوب عروج حاصل ہوا شہر فاس اور دوسرے شہروں کی آبادی میں خوب ترقی ہوئی۔ تجارت بھی خوب چمکی۔ یہ بڑا علم دوست تھا اس کے عہدِ حکومت میں علما اور فضلا دُور دُور سے آکر دربار میں جمع ہو گئے تھے۔

یحییٰ بن یحییٰ:۔ یحییٰ بن محمدؒ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ بن یحییٰ تخت نشین ہوا۔ یہ نالائق ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ کا بد چلن بھی تھا۔ اس کی بد چلنی اور نالائقی کی وجہ سے رعایا اس سے ناراض ہو گئی اور عوام نے عبد الرحمٰن بن سہل کی قیادت میں بغاوت برپا کر کے اور یحییٰ بن یحییٰ کو معزول کر کے فاس سے نکال دیا۔ اِسے معزولی کا اس قدر صدمہ ہوا کہ یہ چند روز ہی میں فوت ہو گیا۔

علی بن عمر:۔ یحییٰ بن یحییٰ کی معزولی کے بعد اُس کا چچا علی بن عمر جس کو عوام کی حمایت حاصل تھی فاس میں آکر تخت نشین ہو گیا۔ علی بن عمر کے قبضہ میں چونکہ پہلے ہی سے مراکش کا ایک بہت بڑا علاقہ تھا۔ اس لئے اُس کے تخت نشین ہونے کے بعد سلطنتِ ادریسیہ ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی۔ مگر چند ہی روز کے بعد عبد الرزاق خارجی نے علم بغاوت بلند کر کے ملک کے بیشتر حصہ پر قبضہ جما لیا۔ چنانچہ خارجیوں کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے عرصہ دراز تک خاندانِ ادریسیہ کی حالت نہایت نازک اور کمزور رہی۔

یحییٰ بن ادریس بن عمر:۔ ۲۹۲ھ (۹۰۴ء) میں حکومتِ ادریسیہ نے پھر کروٹ لی جبکہ علی بن عمر کے بھتیجے یحییٰ بن ادریس بن عمر نے تخت نشین ہونے کے بعد انتہائی ہمت اور جُرات سے کام لیکر عبد الرزاق خارجی کے قبضہ سے ملک کا سارا حصہ نکال لیا۔ اور پورے ملک مراکش پر قابض ہو گیا۔ یہ خاندانِ ادریسیہ کا بہت بڑا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے مگر ۳۰۵ھ میں جب عبیدیوں کے لشکرِ عظیم نے مراکش پر حملہ کیا تو یحییٰ بن ادریس مقابلہ نہ کر سکا اور اسے

شکست ہوگئی شکست کے بعد اس نے خراج کے وعدہ پر دولت عبیدیہ (مصر) کی اطاعت قبول کرلی۔ یحیٰی بن ادریس پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۰۸ھ میں فوت ہوگیا۔

طلحہ بن یحیٰی:۔ یحیٰی بن ادریس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا طلحہ بن یحیٰی ۳۰۸ھ (۹۲۰ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس کو ایک ایسی کمزور حکومت ملی تھی جو عبیدیوں کے حملہ کے بعد ہی سے رُو بزوال تھی چنانچہ ۳۰۹ھ میں جب عبیدیوں کے لشکر نے دوبارہ حملہ کیا تو یہ مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور عبیدیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔ اس کی گرفتاری کے بعد مراکش سے سلطنتِ ادریسیہ ختم ہوگئی اور فاس پر دولتِ عبیدیہ فاطمیہ (مصر) کا قبضہ ہوگیا۔

۳۱۳ھ میں خاندانِ ادریسیہ کے ایک شہزادے حسن بن قاسم بن ادریس نے فاس کے عبیدی گورنر کے خلاف بغاوت کرکے اور اسے شکست دے کر فاس سے نکال دیا اور فاس میں پھر ادریسی حکومت قائم کردی لیکن چند ہی روز کے بعد عبیدیوں نے دوبارہ حملہ کرکے اس سے فاس چھین لیا اور اُسے گرفتار کرکے قتل کردیا اور پھر فاس میں عبیدی حکومت قائم ہوگئی۔ لیکن ابھی تک مراکش کے بہت سے اضلاع پر خاندانِ ادریسیہ کے مختلف افراد اور عمال بدستور قابض تھے یعنی عبیدی حکومت صرف فاس اور مراکش کے چند علاقوں پر قابض ہوسکی تھی۔

مراکش اسپین کا ماتحت صوبہ بن گیا:۔ خاندانِ ادریسیہ کے جو افراد اور عمال مراکش کے مختلف صوبوں پر قابض تھے۔ انھوں نے جب اسپین کے اُموی سلطان سے عبیدیوں کے خلاف امداد چاہی تو اسپین کی اسلامی فوجیں مراکش کے ساحل پر جا اُتریں اور انھوں نے عبیدیوں کو مراکش سے نکال دیا اور اس طرح مراکش بھی اسلامی اسپین کا ایک صوبہ بن گیا۔

سلیمان بن عبد اللہ کے جانشین:۔ اس سے قبل بتایا جاچکا ہے کہ ادریس اصغر کی وفات کے بعد ادریس اوّل کے بھائی سلیمان بن عبد اللہ نے مراکش

آ کر تلمسان میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے محمد بن سلیمان نے الجیریا کا بہت سا علاقہ اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ جب یہ مر گیا تو سلیمان کے خاندان میں خانہ جنگی پیدا ہو گئی اور یہ سلطنت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی لیکن پھر بھی ۳۱۵ھ تک اس خاندان کے مختلف افراد بہت سے علاقوں پر قابض رہے۔

طرابلس میں خاندانِ اغلبیہ کی حکومت

طرابلس الغرب یا ٹیونس شمالی افریقہ کا اہم ترین علاقہ ہے۔ اس علاقہ میں خاندانِ اغلبیہ کی خود مختار حکومت کا بانی ابراہیم بن اغلب ہے اس نے ابتدا میں تو عباسی خلیفہ ہارون الرشید سے اس ملک کی حکومت چالیس ہزار دینار سالانہ کے ٹھیکہ پر لی تھی لیکن بعد میں خاندانِ اغلبیہ کے سلاطین نے طرابلس میں خود مختارانہ حیثیت حاصل کر لی۔

شاہانِ بنی اُمیہ کے عہدِ حکومت میں طرابلس کو شمالی افریقہ میں بہت بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اسپین اور شمالی افریقہ کے تمام ملکوں کا حاکمِ اعلیٰ اسی ملکِ طرابلس کے شہر قیروان میں رہتا تھا لیکن خلفائے بنی عباس کے عہدِ حکومت میں جب اسپین اور مراکش خلافتِ اسلامیہ سے علحدہ ہو کر خود مختار ہو گئے۔ تو ان کی خود مختاری کا طرابلس پر بھی بے حد اثر پڑا اور یہاں آئے دن بربری قبائل کی بغاوتوں اور سرکشیوں کا سلسلہ جاری رہنے لگا چنانچہ خلافتِ عباسیہ کی جانب سے جب محمد بن مقاتل کو ملکِ طرابلس کا گورنر مقرر کیا گیا تو اس ملک کے باشندوں نے اس کے خلاف عام بغاوت برپا کر دی اور ابراہیم بن اغلب حاکمِ زاب کو جو دربارِ خلافت میں موجود تھا لکھا کہ "آپ اس ملک کی حکومت خلیفہ سے کہہ کر اپنے نام منتقل کرا لیجئے"۔ طرابلس کے باشندے ابراہیم بن اغلب سے خوش تھے۔ اور وہ اُس کی حکومت کو پسند کرتے تھے۔

طرابلس والوں کے اس پیغام کے ملنے کے بعد ابراہیم بن اغلب نے خلیفہ ہارون الرشید

سے عرض کیا کہ "آپ مصر کے خزانہ سے ایک لاکھ دینار سالانہ طرابلس پر خرچ کرتے ہیں جبکہ اس ملک سے خلافتِ اسلامیہ کو نفع کی بجائے اُلٹا نقصان ہے۔ اگر یہ ملک آپ میرے انتظام میں دیدیں تو میں مصر کے خزانہ سے ایک درہم بھی نہیں لوں گا بلکہ چالیس ہزار دینار سالانہ بطورِ خراج دربارِ خلافت میں پیش کرتا رہوں گا۔"

طرابلس کی حالت چونکہ نہایت خراب تھی اور ہر لمحہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ ملک بھی کہیں اسپین اور مراکش کی طرح خلافتِ اسلامیہ کے قبضہ سے نہ نکل جائے لہٰذا خلیفہ ہارون الرشید نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور چالیس ہزار دینار سالانہ کے ٹھیکہ پر طرابلس کی حکومت ابراہیم بن اغلب کے سپرد کر دی۔

ابراہیم بن اغلب نے ۱۸۴ھ (۸۰۰ء) میں طرابلس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہی وہاں کی تمام اندرونی بغاوتوں کو دبا دیا اور سارے ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں اس ملک کو خوب ترقی دی۔ قیروان سے متصل ایک نیا شہر "عباسیہ" آباد کیا۔ ابراہیم بن اغلب کے آخری دورِ حکومت میں اگرچہ بہت سی اندرونی بغاوتیں کھڑی ہو گئی تھیں مگر ابراہیم بن اغلب نے انھیں بڑی قابلیت کے ساتھ دبا دیا۔ ابراہیم بن اغلب بارہ برس حکومت کرنے کے بعد ۱۹۶ھ میں انتقال کر گیا۔ ابراہیم بن اغلب کے دورِ حکومت میں گو خطبہ میں ابراہیم بن اغلب کے نام کے ساتھ عباسی خلیفہ کا نام بھی لیا جاتا تھا مگر یہ حکومت خود مختار بن چکی تھی۔

عبداللہ بن ابراہیم اغلب:۔ ابراہیم بن اغلب کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ بن ابراہیم ۱۹۶ھ (۸۱۲ء) میں تخت نشین ہوا۔ ابراہیم بن اغلب کی موت کے وقت عبداللہ بن ابراہیم چونکہ قیروان سے باہر تھا اس لئے اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھائی زیادۃ اللہ عبداللہ بن ابراہیم کے لئے لوگوں سے بیعت لیکر حکومت کرتا رہا لیکن چند ماہ کے بعد عبداللہ بن ابراہیم نے ۱۹۷ھ میں قیروان آکر حکومت کا

انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ بڑی قابلیت کے ساتھ پانچ سال حکومت کرکے سنہ ۲۰۱ھ میں فوت ہو گیا۔

زیادۃ اللہ بن ابراہیم:۔ عبد اللہ بن ابراہیم کے بعد اُس کا بھائی زیادۃ اللہ بن ابراہیم سنہ ۲۰۱ھ (۸۱۶ء) میں قیروان میں تخت نشین ہوا۔ یہ اپنے عہدِ حکومت کے ابتدائی پانچ چھ سال میں تو اطمینان سے حکومت کرتا رہا لیکن ۲۰۸ ہجری سے یکے بعد دیگرے اُس کے خلاف بغاوتیں اُٹھنی شروع ہوئیں یہاں تک کہ منصور ترمذی نامی ایک باغی نے ملک کا بیشتر حصہ دبا کر دارالسلطنت قیروان پر بھی قبضہ کر لیا۔ زیادۃ اللہ نے بڑی مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا آخر چالیس روز کی خوفناک جنگ کے بعد منصور کو شکست ہو گئی اور وہ فرار ہو کر تیونس چلا گیا۔ اس بغاوت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے بہت سے سرداروں اور عمالِ حکومت نے ملک کے مختلف حصوں پر غاصبانہ قبضہ جما لیا تھا۔ زیادۃ اللہ نے اُن کو مار مار کر سیدھا کر دیا اور اپنا سارا ملک باغیوں کے قبضہ سے نکال لیا۔

جزیرہ سسلی کی دوبارہ تسخیر:۔ جزیرہ سسلی کو اگرچہ مسلمان شاہانِ بنی اُمیہ کے دورِ حکومت میں فتح کر چکے تھے لیکن یہ جزیرہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا۔ زیادۃ اللہ کا یہ کارنامہ اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اس نے اپنی بحری طاقت کو بڑھا کر جزیرہ سسلی پر حملہ کر دیا اور بڑی خوفناک اور طویل جنگ کے بعد جزیرہ سسلی پر دوبارہ مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس فتح کے بعد تقریباً پونے تین سو سال تک مسلمانوں کی جزیرہ سسلی پر حکومت رہی لیکن اس کے بعد مسلمانوں نے آپس کی خانہ جنگیوں کی بنا پر یہ جزیرہ عیسائیوں کے قبضہ میں دے دیا اور عیسائیوں نے اسی طرح جزیرہ سسلی سے بھی مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جس طرح کہ اسپین سے انھوں نے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا تھا۔

اغلب بن ابراہیم:- زیادۃ اللہ کا جب سنہ ۲۲۳ھ (۸۳۷ء) میں انتقال ہو گیا تو اُس کے بعد زیادۃ اللہ کا بھائی اغلب بن ابراہیم عرف ابو عقال تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں بھی بہت سی بغاوتیں کھڑی ہوئیں لیکن اس نے فوراً ہی تمام بغاوتوں کو کچل دیا۔ یہ ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۲۲۶ھ میں فوت ہو گیا۔

ابو العباس بن اغلب:- اغلب بن ابراہیم کے بعد اس کا بیٹا ابو العباس بن اغلب سنہ ۲۲۶ھ (۸۴۱ء) میں تخت نشین ہوا لیکن اس کی تخت نشینی کے سولہ سال بعد اُس کے بھائی ابو جعفر بن اغلب نے سنہ ۲۴۲ھ میں اس کے خلاف بغاوت برپا کر کے اُسے معزول کر دیا اور خود حکومت پر قبضہ جما لیا۔ ابو العباس نے فوج جمع کر کے ڈیڑھ سال بعد سنہ ۲۴۲ھ میں دوبارہ ابو جعفر سے حکومت چھین لی ابو جعفر مصر کی طرف بھاگ گیا مگر اسی سال ابو العباس بھی فوت ہو گیا۔

ابو ابراہیم احمد بن ابو العباس:- ابو ابراہیم احمد اپنے باپ ابو العباس کے مرنے کے بعد سنہ ۲۴۲ھ (۸۵۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد فوجوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ نئے سرے سے فوجوں کی تنظیم کی۔ ملک میں جا بجا قلعے بنوائے۔ جزیرۂ سسلی میں رومیوں سے چونکہ ابھی تک سلسلۂ جنگ جاری تھا اس لئے اس نے رومیوں کا سخت مقابلہ کرنے کے بعد اُن کی طاقت کو کچل ڈالا۔ اس نے اپنے زمانہ میں بحری بیڑے کو خوب ترقی دی۔ ابو ابراہیم سات سال بڑی قابلیت سے حکومت کرنے کے بعد سنہ ۲۴۹ھ میں فوت ہو گیا۔

زیادۃ اللہ اصغر بن ابو ابراہیم:- ابو ابراہیم کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا زیادۃ اللہ اصغر سنہ ۲۴۹ھ (۸۶۳ء) میں تخت نشین ہوا مگر اس کی عمر نے وفا نہیں کی یہ ایک سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۲۵۰ھ میں انتقال کر گیا۔

ابو الغرانیق محمد بن ابو ابراہیم:- زیادۃ اللہ اصغر کی وفات کے بعد

اُس کا بھائی محمد بن ابو ابراہیم - ابو الغرانیق کا لقب اختیار کرنیکے بعد ۲۵۰ھ (۸۶۴ء) میں قیروان میں تخت نشین ہوا - اس نے بھی ساحلی علاقوں اور سرحدوں پر بہت سے قلعے تعمیر کرائے - یہ بادشاہ گیارہ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۶۱ھ میں فوت ہو گیا۔

ابراہیم بن ابو ابراہیم:- یہ ابو ابراہیم کا تیسرا بیٹا تھا جو اپنے بھائی ابو الغرانیق کی وفات کے بعد ۲۶۱ھ (۸۷۴ء) میں تخت نشین ہوا - یہ خاندانِ اغلبیہ کا بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے - اس کے زمانہ میں جب مصری فوجوں نے حملہ کیا تو اس نے ان کو بُری طرح شکست دی - اندرونی بغاوتیں جتنی بھی کھڑی ہوئیں اُن سب کو اس نے کچل ڈالا۔ ۲۸۰ھ میں جب خارجیوں نے ملک میں جا بجا فتنے برپا کرنے شروع کئے تو اس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ خارجیوں کے فتنوں کو دبا دیا - اور ہزاروں سوڈانی غلاموں کو فوج میں بھرتی کرکے اپنی طاقت کو خوب بڑھا لیا۔ ۲۸۱ھ میں یہ قیروان سے ٹیونس چلا آیا اور وہیں محل تعمیر کرکے اقامت اختیار کر لی۔

۲۸۷ھ میں جب جزیرہ سسلی میں پلرمو کے عیسائیوں نے بغاوت برپا کی تو ابراہیم بن ابو ابراہیم نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایک سو ساٹھ جنگی جہازوں کا بیڑہ اپنے بیٹے ابو العباس کی سرکردگی میں سسلی روانہ کیا - ابو العباس عبد اللہ نے سسلی پہنچ کر اور عیسائی باغیوں کو پے در پے شکستیں دیکر تمام جزیرہ میں پھر امن و امان قائم کر دیا۔ سلطان ابراہیم بن ابو ابراہیم اور اُس کے بیٹے ابو العباس عبد اللہ نے فرانس اور اٹلی کے ساحلی شہروں پر بھی بہت سے کامیاب حملے کئے تھے چنانچہ یورپین ممالک سلطان ابراہیم کے نام سے کانپتے تھے - یہ سلطان جب ۲۸۹ھ میں ساحل فرانس کے بعض علاقوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھا کہ اسی محاصرہ کے دوران میں بیمار ہونے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا - اسکی لاش کو فرانس سے جزیرہ سسلی لاکر پلرمو کے علاقہ میں دفن کیا گیا - اسی سلطان کے زمانہ میں سلطنت عبیدیہ فاطمیہ کے بانی ابو عبد اللہ شیعی کا زور شروع ہوا تھا جس نے کُتامہ کے

چل کر حکومت اغلبیہ کو ختم کر دیا۔

ابو العباس عبد اللہ بن ابراہیم :۔ سلطان ابراہیم کے بعد اُس کا بیٹا ابو العباس عبد اللہ تخت نشین ہوا۔ چونکہ سلطان ابراہیم نے قیروان کی بجائے ٹیونس میں محل بنا کر اقامت اختیار کر لی تھی۔ اس لئے اس کی تاج پوشی کی رسم ٹیونس ہی میں انجام دی گئی۔ ابو العباس نے ٹیونس ہی کو دارالسلطنت قرار دیدیا۔ ابو عبد اللہ شیعی کا زور کیونکہ دن بدن بڑھتا چلا جا رہا تھا اس لئے ابو العباس نے اپنے بیٹے ابو خول کو اسکی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابو خول اور ابو عبد اللہ شیعی کی کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں ابو عبد اللہ شیعی کا پلہ بھاری رہا۔ اور اس نے حکومتِ اغلبیہ کا بہت سا علاقہ دبا لیا۔ ابو خول ان لڑائیوں میں اُلجھا ہوا تھا کہ اسکے دوسرے بھائی زیادۃ اللہ نے سازش کر کے اپنے باپ سلطان ابو العباس کا ۲۹۰ھ میں کام تمام کرا دیا اور خود تخت نشین ہو گیا جب ابو خول کو بھائی کی اس بغاوت کا علم ہوا تو وہ باپ کا انتقام لینے کے لئے ٹیونس آیا مگر زیادۃ اللہ نے اسے بھی گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ اور اپنے تمام دوسرے بھائیوں اور چچاؤں کو بھی تہہ تیغ کرا دیا۔

ابو مضر زیادۃ اللہ بن ابو العباس :۔ زیادۃ اللہ باپ اور تمام بھائیوں کے قتل کے بعد ۲۹۰ھ (۹۰۳ء) میں تخت پر قابض تو ہو گیا لیکن اسکی اس ناشائستہ حرکت کی وجہ سے پوری سلطنت میں ابتری پھیل گئی جس سے کہ ابو عبد اللہ شیعی نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اس نے پہلے شہر سطیف پر قبضہ جمایا اس کے بعد دوسرے علاقوں پر ہاتھ صاف کیا۔ زیادۃ اللہ عیش پرست اور پست ہمت بادشاہ تھا جب وہ ابو عبد اللہ شیعی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روک سکا تو ٹیونس چھوڑ کر رقادہ چلا گیا۔ ابو عبد اللہ شیعی برابر آگے بڑھتا رہا اور تقریباً ہر مورچہ پر اغلبی فوجوں کو شکست ہوتی رہی یہاں تک کہ اُس نے شہر طبنہ فتح کر لیا شہر تمودہ پر قبضہ جما لیا۔ یکے بعد دیگرے

جب تمام شہروں پر ابو عبد اللہ شیعی کا قبضہ ہو گیا تو زیادۃ اللہ رقادہ سے جہازوں میں مع مال واسباب سوار ہو کر ساحل شام پر جا اُترا اور مقام رقہ میں جا کر مقیم ہو گیا اور وہیں فوت ہو گیا۔

دولتِ اغلبیہ کا خاتمہ:۔ ابو مضر زیادۃ اللہ خاندان اغلبیہ کا آخری بادشاہ تھا۔ اس کے فرار ہونے کے بعد سلطنتِ اغلبیہ ختم ہو گئی اور ابو عبد اللہ شیعی بانی حکومت عبیدیہ نے ۲۹۶ھ میں سلطنتِ اغلبیہ کے علاقوں پر قبضہ کر کے عبید اللہ المہدی کی لوگوں سے بیعت لی اور اس طرح سلطنتِ اغلبیہ کے پرانے آثاروں پر دولتِ عبیدیہ کی بنیاد قائم ہو گئی۔

خاندانِ عبیدیہ فاطمیہ کی حکومت

طرابلس شمالی افریقہ اور مصر میں حکومتِ عبیدیہ فاطمیہ کے بانی

ابو عبد اللہ بصری شیعی اور ابو العباس بصری دو بھائی تھے۔ ابو عبد اللہ شیعی بصری کو محمد الحبیب نامی ایک بزرگ نے جنہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیٹے اسمٰعیل کی اولاد میں بتایا جاتا ہے۔ داعی بنا کر شمالی افریقہ بھیجا تھا۔ اور ہدایت کر دی تھی کہ ہمارا بیٹا عبید اللہ "مہدی موعود" ہے۔ تم کو اس کا داعی بنا کر بھیجا جا رہا ہے۔

ابو عبد اللہ شیعی نے کتامہ (شمالی افریقہ) پہنچنے کے بعد دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور بہت جلد بہت سے بربری قبائل کو اپنا معتقد بنا لیا اور لوگوں کو یقین دلا دیا کہ عنقریب۔ اس علاقہ میں "مہدی موعود" تشریف لانے والے ہیں۔ بربری علاقہ میں ابو عبد اللہ شیعی کی عقیدت اور حمایت اتنی بڑھی کہ اکثر و بیشتر بربری قبائل اُس پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے آمادہ اور تیار ہو گئے۔ ابو عبد اللہ شیعی نے بربریوں کی عقیدت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بربریوں کا ایک لشکرِ عظیم تیار کر کے پہلے تو سلطنتِ اغلبیہ کے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ جمایا اس کے بعد اس نے ۲۹۶ھ

میں سلطنتِ اغلبہ کو ختم کر کے طرابلس میں باقاعدہ دولتِ عبیدیہ فاطمیہ قائم کر لی۔ اس سلطنت کے حکمراں شمالی افریقہ پر تو تقریباً ۷۰ سال اور مصر پر تقریباً ڈھائی سو برس تک بڑی شان اور دبدبے کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔

طرابلس میں جب سلطنت عبیدیہ فاطمیہ قائم ہوگئی تو اس سلطنت کے حکمراں نے ۳۰۳ھ میں ٹیونس کے قریب ایک نئے شہر مہدیہ کی بنیاد رکھی اور اسی کو سلطنت عبیدیہ کا دارالسلطنت قرار دیا لیکن سلاطین عبیدیہ سے یہ غلطی ہوئی کہ انھوں نے مصر کی فتح کے بعد مہدیہ (طرابلس) سے اپنا دارالسلطنت قاہرہ (مصر) منتقل کر لیا جس کی وجہ سے شمالی افریقہ میں سلطنتِ عبیدیہ فاطمیہ کی گرفت کمزور ہونے کی وجہ سے شمالی افریقہ کے علاقے سلاطین عبیدیہ کے قبضہ سے نکل گئے۔

سلطنتِ عبیدیہ فاطمیہ کا تعلق چونکہ شمالی افریقہ سے کہیں زیادہ مصر اور شام سے ہے اس لئے اس سلطنت کے تفصیلی حالات تو آگے چل کر "مصر و شام کی اسلامی حکومت کی تاریخ میں بیان کئے جائیں گے۔ ذیل میں ہم صرف اس خاندان کے سلاطین کے نام درج کئے دیتے ہیں۔

سلطنتِ عبیدیہ فاطمیہ کا بانی اول وہ داعی ابو عبیداللہ شیعی بصری تھا۔ اس نے جو عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی۔ اُس کے تخت پر جو سلاطین مسند نشین ہوئے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) عبیداللہ المہدی (۲) ابوالقاسم نزار (۳) اسمٰعیل بن ابوالقاسم (۴) معز بن اسمٰعیل (۵) عزیز بن معز (۶) حاکم بن عزیز (۷) ظاہر بن حاکم (۸) مستنصر بن ظاہر (۹) ابوالقاسم مستعلی (۱۰) ابوعلی عامر عبیدی (۱۱) حافظ عبیدی (۱۲) ظافر بن حافظ (۱۳) فائز بن ظافر (۱۴) عاضد بن یوسف عبیدی۔

طرابلس پر خاندانِ زیریہ کی حکومت

سلطنتِ عبیدیہ فاطمیہ کے سلاطین نے مصر کی فتح کے

بعد چونکہ مہدیہ سے دارالسلطنت منتقل کرکے قاہرہ کو دارالسلطنت قرار دیدیا تھا اور شمالی افریقہ میں سلطنتِ عبیدیہ کی گرفت کمزور ہوگئی تھی۔ اس لئے طرابلس اور دوسرے افریقی علاقوں کے عبیدی عاملوں نے خود مختار ہونے کے بعد وہاں اپنی متعدد نئی نئی حکومتیں قائم کرلی تھیں جن میں دو سلطنتوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان دو سلطنتوں میں سے ایک تو خاندان زیریہ کی سلطنت ہے جو طرابلس میں قائم ہوئی اور دوسری خاندان حمادیہ کی حکومت ہے جو الجیریا میں تھی۔

خاندانِ زیریہ کی حکومت ۳۶۲ھ (۹۷۲ء) میں طرابلس میں قائم ہوئی۔ اس خاندان کے سلاطین گو سلطنتِ عبیدیہ سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے رہے لیکن یہ دراصل بالکل خود مختار ہوگئے تھے۔ انھوں نے تقریباً دو سو برس تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے۔ یہ ۵۴۳ھ (۱۱۴۸ء) تک طرابلس پر حکمراں رہے

الجیریا پر خاندان حمادیہ کی حکومت

اس خاندان نے ۳۹۸ ہجری (۱۰۰۷ء) میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرکے اپنی آزاد حکومت قائم کرلی تھی۔ اس خاندان کے سلاطین تقریباً ڈیڑھ سو برس تک الجیریا پر حکومت کرتے رہے۔ خاندانِ زیریہ اور خاندان حمادیہ میں کئی اہم لڑائیاں بھی ہوئی ہیں۔ یہ خاندان ۵۴۷ھ (۱۱۵۲ء) تک الجیریا پر حکمراں رہا۔

مراکش (افریقہ) پر مرابطین کی حکومت

مراکش (شمالی افریقہ) میں مرابطین کی حکومت کا بانی ایک مبلغ اسلام فقیہہ عبداللہ بن یاسین ہے۔ فقیہ عبداللہ افریقہ کے اُن بربری قبائل میں دینِ اسلام کی اشاعت کی خدمت انجام دیا کرتا تھا جنہوں نے کہ اُس وقت تک دینِ اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ فقیہ عبداللہ کے وعظ و پند اور کوششِ پیہم سے جب بہت سے غیر مسلم بربری قبائل مسلمان ہو گئے تو فقیہ عبداللہ نے ان کو متحد اور منظم کرنے کے بعد عیسائیوں کے خلاف جہاد کا حکم دیدیا۔

نومسلم بربری قبائل جہاد کے لیے آمادہ تو ہو گئے لیکن انھوں نے فقیہ عبداللہ سے کہا کہ "ایسی حالت میں جبکہ ہمارا کوئی امیر نہیں ہے ہم جہاد کا اہم فرض کیونکر انجام دے سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ آپ امیر المسلمین کا عہدہ قبول فرمالیں تاکہ ہم آپ کی زیرِ قیادت حسن و خوبی کے ساتھ عیسائیوں کے خلاف جہاد کر سکیں"۔

سلطنتِ مرابطین کا قیام

فقیہ عبداللہ نے خود تو یہ عہدہ قبول نہیں کیا لیکن بربریوں ہی میں سے ابوبکر بن عمر نامی ایک سردار کو "امیر المسلمین" بنا دیا اور اُسے مرابطین کا لقب عطا کر دیا۔ ابوبکر بن عمر مرابطین کے امیر المسلمین بنتے ہی نومسلم بربری قبائل نے اس کی زیرِ قیادت جنگی سرگرمیاں شروع کر دیں اور ان کو فتوحات بھی حاصل ہونے لگیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائیوں نے نہ صرف اسپین کے مسلم علاقوں کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں پر بے اندازہ ظلم و ستم توڑ رکھے تھے بلکہ انھوں نے کورسیکا اور سارڈینیکا بھی مسلمانوں سے چھین لیا تھا۔ اور ان کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ

انھوں نے شمالی افریقہ کے مختلف علاقوں پر بھی یورشیں شروع کر دی تھیں۔ شمالی افریقہ اور مصر میں اس وقت تین ممتاز اسلامی حکومتیں برسرِ اقتدار تھیں۔ دولت زیریہ۔ دولت حمادیہ۔ اور دولتِ عبیدیہ۔ لیکن ان تینوں میں آپس کی رقابتیں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ ان میں سے کوئی بھی حکومت عیسائیوں کے مقابلہ کا تصور تک نہیں کر سکتی تھی۔

فقیہ عبداللہ بڑا ہی دردمند مسلمان تھا۔ عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے تھے۔ ان کی وجہ سے وہ بے حد مضطرب تھا۔ چنانچہ اس نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ افریقہ اور مصر کی موجودہ اسلامی حکومتیں خود غرضی کی بنا پر مسلمانوں کو عیسائیوں کی دستبرد سے نہیں بچا سکتیں۔ عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے ۴۴۸ھ (۱۰۵۶ء) میں باقاعدہ سلطنتِ مرابطین کی بنیاد رکھ دی۔ اس سلطنت کا پہلا فرمانروا ابوبکر بن عمر مرابطین قرار دیا گیا۔ جہاد کے نشہ سے سرشار نومسلم بربری قبائل نے فقیہ عبداللہ اور ابوبکر بن عمر کی قیادت میں مختصر سے عرصہ میں سجلماسہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں کو فتح کر کے اس نوزائیدہ حکومت کی بنیادوں کو خوب مستحکم کر لیا اور جدید فتوحات کے ذریعہ سلطنتِ مرابطین کے رقبہ کو تیزی کے ساتھ بڑھانا شروع کر دیا۔

یوسف بن تاشقین کے کارنامے

ابوبکر بن عمر مرابطین کے مرنے کے بعد ۴۵۳ھ (۱۰۶۱ء) میں اُس کا چچازاد بھائی یوسف بن تاشقین سلطنتِ مرابطین کے تخت پر بیٹھا۔ یہ بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ تھا۔ اس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی مراکش کی سرحد کے کئی اہم قلعے فتح کر لئے۔ اس کے بعد ۴۶۰ھ میں اس نے مراکش کے بہت بڑے علاقہ کو فتح کر کے سلطنتِ مرابطین میں شامل کر لیا۔ اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی حکومت کو اس قدر وسعت دیدی کہ وہ دُور دُور تک پھیل گئی اور ایک عظیم الشان اسلامی

حکومت شمار ہونے لگی۔

سلطنتِ مرابطین کے قیام کا منشا ہی چونکہ عیسائیوں سے جہاد تھا۔ اس لئے جب یوسف بن تاشقین کو معلوم ہوا کہ اسپین مسلمانوں کی خانہ جنگی کی بنا پر عیسائیوں نے بہت سے اسپین کے اسلامی علاقوں پر قبضہ جما لیا ہے تو وہ خود اسپین پہنچا اور اس نے اسپین کے عیسائی سلاطین کو مار مار کر بدحواس کر دیا لیکن اس کے اسپین سے واپس آنے کے بعد جب اسپین کی اسلامی سلطنتیں بدستور خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئیں۔ اور یہ محسوس ہونے لگا کہ مسلمان اپنی بے عقلی سے سارے اسپین کو گنوا دیں گے تو اس مردِ مجاہد نے پورے اسلامی اسپین پر قبضہ جمانے کے بعد اُسے اپنی سلطنت کا ایک ماتحت صوبہ قرار دیدیا اور اسپین کی حکومت چلانے کے لئے وہاں ۸۳ھ میں ایک مراکشی گورنر جنرل مقرر کر دیا۔

علی بن یوسف تاشقین

یوسف بن تاشقین کے مرنے کے بعد جب ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء) میں اس کا بیٹا ابوالحسن علی بن یوسف تاشقین مراکش کے تخت پر بیٹھا تو اس نے بھی عیسائیوں کے خلاف مجاہدانہ سرگرمیوں کو بدستور جاری رکھا۔ اس نے اپنے بھائی تمیم بن یوسف کو اسپین کا وائسرائے مقرر کیا۔ جب تمیم کا انتقال ہو گیا تو علی نے اپنے بیٹے تاشقین بن علی کو اسپین کی حکومت سپرد کر دی۔

علی بن یوسف بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ تھا۔ عیسائیوں کے ساتھ اس کے بہت بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں۔ علی بن یوسف ۳۷ برس مراکش اور اسپین پر حکومت کرنے کے بعد ۵۳۷ھ میں فوت ہو گیا۔ علی بن یوسف ہی کے عہدِ حکومت میں مراکش میں موحدین کا زور شروع ہوا۔ موحدین کی جماعت دن بدن زور پکڑتی چلی گئی یہاں تک کہ اس نے مراکش میں مرابطین کی حکومت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

سلطنتِ مرابطین کا خاتمہ

علی بن یوسف کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا تاشفین بن علی ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ء) میں تخت نشین ہوا لیکن اسکے زمانہ میں موحدین کی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہ ایک دن بھی چین سے حکومت نہ کر سکا چنانچہ ۵۳۹ھ میں جماعت موحدین کے رہنما عبدالمومن سے جب تاشفین کی جنگ ہوئی تو اس جنگ میں تاشفین کو شکست ہو گئی اور اس شکست کے بعد ہی تاشفین کا انتقال ہو گیا۔

تاشفین بن علی کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا ابراہیم بن تاشفین ۵۳۹ھ ہجری (۱۱۴۴ء) مراکش کے تخت پر بیٹھا لیکن اُسے ایک ایسی حکومت ملی تھی جو لب دم تھی۔ ابراہیم بن تاشفین تقریباً دو سال حکمران رہا دو سال کے بعد ۵۴۱ھ میں جماعت موحدین کے رہنما عبدالمومن نے فوج کشی کر کے مراکش کو فتح کر لیا اور سلطنت مرابطین کے آخری بادشاہ ابراہیم بن تاشفین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ابراہیم بن تاشفین کے قتل کے بعد نہ صرف مراکش سے بلکہ اسپین سے بھی مرابطین کی حکومت ختم ہو گئی اور اس سلطنت پر موحدین کا قبضہ ہو گیا۔

سلطنتِ مرابطین کا زمانۂ حکومت اگرچہ نہایت مختصر ہے اور اس کے تخت پر بھی گنے چنے بادشاہوں نے جلوس کیا ہے لیکن اس سلطنت نے عیسائیوں کے خلاف جن عظیم الشان مجاہدانہ سرگرمیوں کا ثبوت دیا ہے وہ ہمیشہ اسلامی تاریخ میں یادگار رہیں گی۔

شمالی افریقہ پر موحدین کی حکومت

شمالی افریقہ میں موحدین کی حکومت کا بانی فرقہ موحدین کا مشہور پیشوا محمد بن عبداللہ بن تومرت ہے۔ یہ مراکش کے علاقہ سوس میں پیدا ہوا تھا۔ اور بربریوں کے قبیلہ مصمودہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ چودہ سال تک مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ بغداد اور دوسرے اہم اسلامی مرکزوں میں حصولِ علم کے لئے خاک چھانتا پھرا۔ محمد بن عبداللہ تومرت بڑا صالح اور نیک شخص تھا۔ علمِ شریعت۔ علم الحدیث اور فقہ اسلامی کا یہ بہت بڑا عالم تھا۔

محمد بن عبداللہ تومرت کو حضرت امام غزالی رح سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا چنانچہ جس زمانہ میں کہ یہ حضرت امام غزالی رح سے اکتسابِ علم کر رہا تھا تو ایک موقعہ پر حضرت امام غزالی رح نے اسے مراکش کی حکومت کی بشارت دی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مراکش میں شاہانِ مرابطین برسرِ اقتدار تھے۔ اور سلطنتِ مرابطین میں حضرت امام غزالی رح کی تصانیف کو حکومت کے حکم سے نذرِ آتش کیا جا رہا تھا اور حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے پاس سے حضرت امام غزالی رح کی کوئی تصنیف نکل آتی تھی تو اسے حکومتِ مرابطین کی جانب سے قابلِ گردن زدنی قرار دیدیا جاتا تھا۔

فرقہ موحدین کا قیام

علومِ دینیہ میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد محمد بن عبداللہ تومرت نے اپنی زندگی کو وعظ و پند اور رشد و ہدایت کے لئے وقف کر دیا۔ اور "موحدین" کے نام سے ایک ایسے فرقہ کی بنیاد رکھی جو لوگوں کو صحیح معنوں میں توحید کی دعوت دے۔ چنانچہ اس فرقہ کو محمد بن عبداللہ تومرت کی کوششوں سے مختصر سے عرصہ میں مراکش کے اکثر و بیشتر علاقوں میں غیر معمولی سرعت سے

اور مقبولیت حاصل ہوگئی اور دن بدن محمد بن عبداللہ تومرت کے معتقدین کی تعداد مراکش میں بڑھتی چلی گئی۔

محمد بن عبداللہ تومرت کو اگرچہ مراکش میں بہت بڑے دینی رہنما کی حیثیت حاصل تھی لیکن اس کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ پھٹے ہوئے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتا تھا فقیرانہ زندگی گذارتا تھا۔ بجز عصا اور جا نماز کے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اس سادگی نے لوگوں کو اس کا اور بھی گرویدہ بنا دیا تھا۔

مراکش کے برسر اقتدار علما نے جب دیکھا کہ محمد بن عبداللہ تومرت کے تقدس کے سامنے ان کی مذہبی ٹھیکیداری ختم ہوتی چلی جا رہی ہے تو انھوں نے اُسے راستہ سے ہٹانے کے لئے سازش کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ سلطنت مرابطین حضرت امام غزالی رح کی تعلیمات کی پرانی دشمن تھی اور محمد بن عبداللہ تومرت حضرت امام غزالی رح کا شاگرد تھا۔ اس لئے علمائے مراکش کو اس پر ہاتھ ڈالنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ انھوں نے فوراً محمد بن عبداللہ تومرت کے قتل کا فتویٰ دیدیا۔ اور حکومت پر زور دینا شروع کیا کہ وہ اس "ملحد" کو کسی تاخیر کے بغیر فوراً سولی پر چڑھا دے لیکن محمد بن عبد اللہ تومرت کی یہ خوش نصیبی تھی کہ حکومت نے اُسے سزائے موت دینے کی بجائے صرف مراکش سے جلاوطن کر دینا کافی سمجھا۔

محمد بن عبداللہ تومرت کی جلاوطنی نے اُس کی ہر دلعزیزی اور شہرت کو اور بھی بڑھا دیا۔ چنانچہ شہر مراکش سے نکلنے کے بعد جب وہ مراکش کے ایک پہاڑی علاقہ میں چھوٹی سی جھونپڑی ڈال کر رہنے لگا تو بربری قبائل دُور دُور سے آکر اُس کے حلقۂ مریدین میں شامل ہونے لگے۔ اسی دوران میں جب اُس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو لوگوں کی رجوعات اُس کی جانب اور بھی بڑھ گئی۔

فرقۂ موحدین کی حکومت قائم ہوگئی

محمد بن عبداللہ تومرت

یُوں تو پہلے ہی سے حکومتِ مرابطین سے متنفر تھا لیکن حکومت کے پٹھو علما نے اُسے شہر مراکش سے جلا وطن کرا کے سلطنتِ مرابطین کا اور بھی دشمن بنا دیا۔ لہٰذا اُس نے حکومت اور سرکاری علما سے انتقام لینے کے لئے اپنے معتقد بربری قبائل کا ایک لشکر جرار تیار کر لیا اور اپنے ایک لائق مرید عبدالمومن کو سپہ سالار مقرر کر کے سلطنتِ مرابطین کے خلاف جنگی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ عبدالمومن نہایت ہی لائق سپہ سالار ثابت ہوا۔ اُس نے مختصر سے عرصہ میں سلطنتِ مرابطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کرنے کے بعد وہاں باقاعدہ فرقہ مواحدین کی حکومت قائم کر دی۔ محمدؒ بن عبداللہ تومرت سلطنتِ مواحدین کا پہلا بادشاہ بنا۔

عبدالمومن کی فتوحات

محمدؒ بن عبداللہ بن تومرت نے کیونکہ اپنی زندگی ہی میں سپہ سالار عبدالمومن کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ اس لئے ۵۲۴ھ (۱۱۲۹ء) میں جب محمدؒ بن عبداللہ تومرت کا انتقال ہو گیا تو عبدالمومن سلطنت مواحدین کا فرمانروا بن گیا۔ عبدالمومن نے تخت نشین ہونے کے بعد جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ایک ایک کر کے سلطنتِ مرابطین کے وہ تمام باقی علاقے بھی فتح کر لئے جو ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے یہاں تک کہ ۵۴۱ھ میں اس نے پورا مراکش فتح کر کے اور خاندان مرابطین کے آخری بادشاہ ابراہیم بن تاشفین کو قتل کر کے دارالسلطنت مراکش پر بھی قبضہ جما لیا۔

مراکش کی فتح اور انتظام سے فارغ ہونے کے بعد عبدالمومن نے سمندری بیڑے کے ذریعہ اسپین میں بھی مواحدین کی فوجیں اُتار دیں اور عیسائیوں سے بڑی خونریز لڑائیوں کے بعد پورے اسلامی اسپین پر بھی قبضہ جما لیا۔ اور اپنے بیٹے ابوسعید کو اسپین کا وائسرائے مقرر کر دیا۔

۵۴۷ھ میں عبدالمومن الجیریا سے خاندانِ حمادیہ کی حکومت ختم کر کے اس

ملک پر بھی قابض ہوگیا۔ اس کے علاوہ خاندانِ زیریہ کے جن علاقوں پر عیسائیوں نے قبضہ جمالیا تھا اس نے ان کو فتح کرکے تریپولی تک اپنی سلطنت کو وسعت دیدی غرضکہ عبدالمومن اسلامی اسپین سے لیکر مراکش تک اور مراکش سے لیکر سرحد مصر تک کے تمام ساحلی ممالک کا بادشاہ بن گیا اور اس کی سلطنت مختصر سے عرصہ میں ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی۔

عبدالمومن بڑا ہی دیندار اور مجاہد مسلمان تھا اس کا جی یہ چاہتا تھا کہ ساری دُنیا کو فتح کرکے اُس پر پرچمِ اسلامی لہرا دے چنانچہ اسپین میں عیسائیوں سے جنگ کرنے کے بعد جب اُسے یہ اندازہ ہوا کہ اسپین اور افریقہ کی اسلامی حکومتیں اس وقت تک عیسائیوں کے دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکتیں جب تک کہ تمام یورپین ممالک کو فتح کرکے وہاں اسلام نہ پھیلا دیا جائے تو وہ سارے یورپ کو فتح کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا اور جہاد کی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف ہوگیا۔ اس مقصد کے لئے اُس نے ایک طرف تو بے اندازہ سامانِ جنگ فراہم کرلیا دوسری طرف پانچ لاکھ مجاہدینِ اسلام کی فوج مراکش اور اسپین میں تیار کرلی لیکن عین اُس وقت جبکہ وہ پورے یورپ کے خلاف جہاد کرنے کے لئے بالکل تیار تھا تو ۵۵۸ھ میں اچانک اُس کا انتقال ہوگیا اور تسخیرِ یورپ کی یہ اسکیم پھر کبھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

ابویعقوب بن عبدالمومن

عبدالمومن کے بعد اس کا بیٹا ابویعقوب ۵۵۸ھ (۱۱۶۳ء) میں مراکش میں تخت نشین ہوا۔

یہ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا حوصلہ مند اور عیسائی حکومتوں کا جانی دشمن تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ میں اسپین کے عیسائیوں نے کئی مرتبہ سر اُٹھانے کی کوشش کی مگر اُس نے ان کو مار مار کر سیدھا کر دیا۔ اسے عیسائیوں سے جنگ کرنے میں خاص لطف آتا تھا۔ چنانچہ اسپین میں عیسائیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہونے کے بعد یہ سخت بیمار ہوگیا اور

اسی بیماری میں ۵۸۰ھ میں اس کا اشبیلیہ میں انتقال ہوگیا۔ اس کی لاش کو اشبیلیہ سے مراکش لاکر دفن کیا گیا۔

ابو یعقوب خاندان موحدین کا بہت بڑا اور علم دوست بادشاہ ہوا ہے فلسفہ اور علم کلام کے امام ابو بکر محمد ابن طفیل اور مشہور فلسفی ابن رشد اس کے حلقہ مصاحبین میں شامل تھے۔ اس نے دور دراز سے علما اور فضلا کو بلا بلا کر اپنے دربار میں جمع کر رکھا تھا۔ یہ علما کی بڑی عزت کرتا تھا اور انھیں خوب نوازتا تھا۔

ابو یعقوب کے عہد حکومت میں مراکش سے لیکر طرابلس تک افریقہ کا سارا علاقہ پورا اسلامی اسپین جزیرہ سسلی اور بحر روم کے تمام جزائر سلطنت موحدین میں شامل ہوگئے تھے اور اس سلطنت کا فرمانروا دنیا کا عظیم الشان بادشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔

ابو یوسف منصور

ابو یعقوب کے بعد اس کا بیٹا ابو یوسف منصور ۵۸۰ھ ہجری (۱۱۸۴ء) میں مراکش میں تخت نشین ہوا۔ منصور نے اپنے دور حکومت میں چونکہ بحری طاقت کو خوب بڑھا لیا تھا اس لئے جنگ صلیبی کے موقعہ پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی اس بادشاہ سے بحری امداد طلب کی تھی لیکن منصور کسی وجہ سے سلطان صلاح الدین کی کوئی امداد نہ کرسکا تھا۔

جنگ صلیبی نے چونکہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں بغض وعناد کی آگ بری طرح بھڑکا دی تھی اس لئے طلیطلہ (اسپین) کے عیسائی سلطان الفانسو ثانی نے دوسرے عیسائی سلاطین کو اپنے ساتھ ملاکر ۵۹۱ھ میں اسپین میں بھی اسلامی اسپین کے خلاف ایک دوسری جنگ صلیبی شروع کردی تھی۔ ابو یوسف نے اس تاریخی جنگ میں جس پامردی کا ثبوت دیا تھا اس پر اسلامی تاریخ رہتی دنیا تک فخر کرتی رہیگی۔

ابو یوسف کے اسلامی جوش اور حوصلہ مندی کا یہ عالم تھا کہ اس شیر دل مجاہد نے مٹھی بھر مسلمان سپاہیوں کے ذریعہ لاکھوں عیسائیوں کو اس جنگ میں کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ فتحیاب ہونے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ جو مالِ غنیمت آیا تھا وہ یہ تھا۔ ڈیڑھ لاکھ خیمے۔ ایک لاکھ اسی ہزار خچر اور گھوڑے چار لاکھ باربرداری کے گدھے اور دوسرا بے اندازہ سامان۔ اس کے علاوہ تیس چالیس ہزار عیسائی قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے جن کو منصور نے مراکش بھیجکر آباد کر دیا تھا اور ان کی ایک علحدہ کالونی بنا دی تھی۔ یہ بادشاہ تقریباً پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۹۵ھ میں مراکش میں فوت ہو گیا۔

سلطنت موا حدین کا زوال

منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو عبداللہ محمد ۵۹۵ھ (۱۱۹۹ء) میں بعمر سترہ سال ناصر الدین اللہ کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ یہ اپنے باپ دادا کی طرح لائق نہ تھا۔ چنانچہ اس کی نا اہلیت کی بنا پر اس کے زمانہ سے سلطنتِ موا حدین کا زوال شروع ہو گیا۔

اس کے عہدِ حکومت میں ایک طرف تو یہ دشواری پیدا ہو گئی کہ سلطنتِ مرابطین کے زمانہ کے اُمرا نے مراکش میں جا بجا بغاوتیں برپا کر کے ملک کے مختلف حصوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف وہ تمام عیسائی سلاطین جو سلطان صلاح الدین کے مقابلہ میں فلسطین کے میدان میں شکست کھا کر لوٹے تھے فلسطین کی ناکامی کا انتقام لینے کے لئے مراکش اور اسپین کی اسلامی حکومتوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

ایک طرف تو مراکش اور اسپین کے خلاف دشمنوں کی یہ تیاریاں تھیں اور دوسری طرف ناصر الدین کی حالت یہ تھی کہ اس نے اپنی نا اہلیت کی بنا پر اسلامی فوج کو اپنا مخالف بنا لیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۶۰۹ھ میں جب عیسائی سلاطین نے متحد ہو کر ناصر الدین کے خلاف ایک نئی جنگ صلیبی شروع کی تو مسلمانوں کو العقاب کے میدان میں اس بری طرح شکست ہوئی کہ مسلمانوں کے پانچ لاکھ کے لشکر میں سے صرف

ہزار بارہ سو مسلمان بچ سکے۔ ناصرالدین کی اس شکست کے بعد نہ صرف اسپین میں مواحدین کی حکومت کی بنیادیں ہل گئیں بلکہ سارے شمالی افریقہ کے ممالک میں بڑی تیزی کے ساتھ سلطنتِ مواحدین کا زوال شروع ہوگیا۔ سلطان ناصرالدین اس شکست کے ایک سال بعد سنہ ۶۱۰ھ میں فوت ہوگیا۔

ناصرالدین کے بعد اس کا بیٹا یوسف بن ناصر مستنصر کے لقب کے ساتھ سنہ ۶۱۰ھ (سنہ ۱۲۱۳ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں اسپین مراکش اور افریقہ کے دیگر ممالک میں مواحدین کی سلطنت برائے نام رہ گئی تھی۔ مستنصر نہایت ہی نازک حالات میں دس سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۶۲۰ھ میں فوت ہوگیا۔

مستنصر کی وفات کے بعد اُس کا بھائی عبدالواحد سنہ ۶۲۰ھ (سنہ ۱۲۲۳ء) میں تخت نشین ہوا لیکن اس کی تخت نشینی کو صرف نَو مہینے ہوئے تھے کہ سلطنتِ مواحدین کے اُمرا نے اسے معزول کر کے قتل کر دیا۔ عبدالواحد کے قتل کے بعد اُمرا نے پہلے تو ایک نوعمر لڑکے یحییٰ بن ناصر کو تخت نشین کیا اس کے بعد سارے مراکش میں بدنظمی پھیلا دی اور اکثر و بیشتر صوبوں کے اُمرا نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ لیکن پھر بھی خاص شہر مراکش میں خاندانِ مواحدین کے برائے نام حکمراں زمانۂ دراز تک حکومت کرتے رہے آخر سنہ ۶۶۷ھ میں خاندانِ مرینیہ نے مواحدین کے دارالسلطنت مراکش کو فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اور سلطنتِ مواحدین کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

مراکش پر خاندانِ مرینیہ کی حکومت

خاندانِ مرینیہ جو مراکش میں شاہانِ مواحدین کا جانشین بنا سنہ ۵۹۱ھ سے مراکش کی مرتفع زمینوں پر قابض تھا لیکن خاندانِ مرینیہ کو سنہ ۶۶۷ ہجری میں مواحدین کے دارالسلطنت مراکش پر قبضہ کرنے کے بعد عروج حاصل ہوا۔

خاندانِ مرینیہ نے سنہ ۶۹۶ ہجری میں خاندانِ ربانیہ سے جو الجیریا میں مواحدین

کے جانشین بنے ہوئے تھے۔ الجیریا بھی چھین لیا۔ اور اسے بھی سلطنتِ مرینیہ میں شامل کر لیا۔

اس خاندان کے سلاطینِ مراکش اور الجیریا پر بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ ۸۲۵ھ تک حکومت کرتے رہے۔ اس کے بعد الجیریا اور طرابلس پر سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ کا قبضہ ہو گیا جس پر بعد میں یورپین حکومتوں نے بڑی عیّاری اور مکاری کے ساتھ قبضہ جما لیا تھا۔ لیکن اب یہ ممالک یورپین طاقتوں کے تسلط سے نکلنے کے بعد ایک ایک کر کے خود مختار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

ASL-269 Mukammal Tarikh-i-Islam
Mufti Shawkat Ali Fahmi
Din-o-Dunya Publishing Co. Delhi 968 Pages

ASL-270 Ood-i-Hindi عود ہندی
Mirza Asadullah Khan Galib
Munshi Nolkishore Press Lakhnow
1941 / 1360 H — 268 Pages

ASL-271 Bal-i-Jibril بال جبریل
Allama Iqbal (120 Pages)
Sultan Book Depot Chaskaman Haiderabad

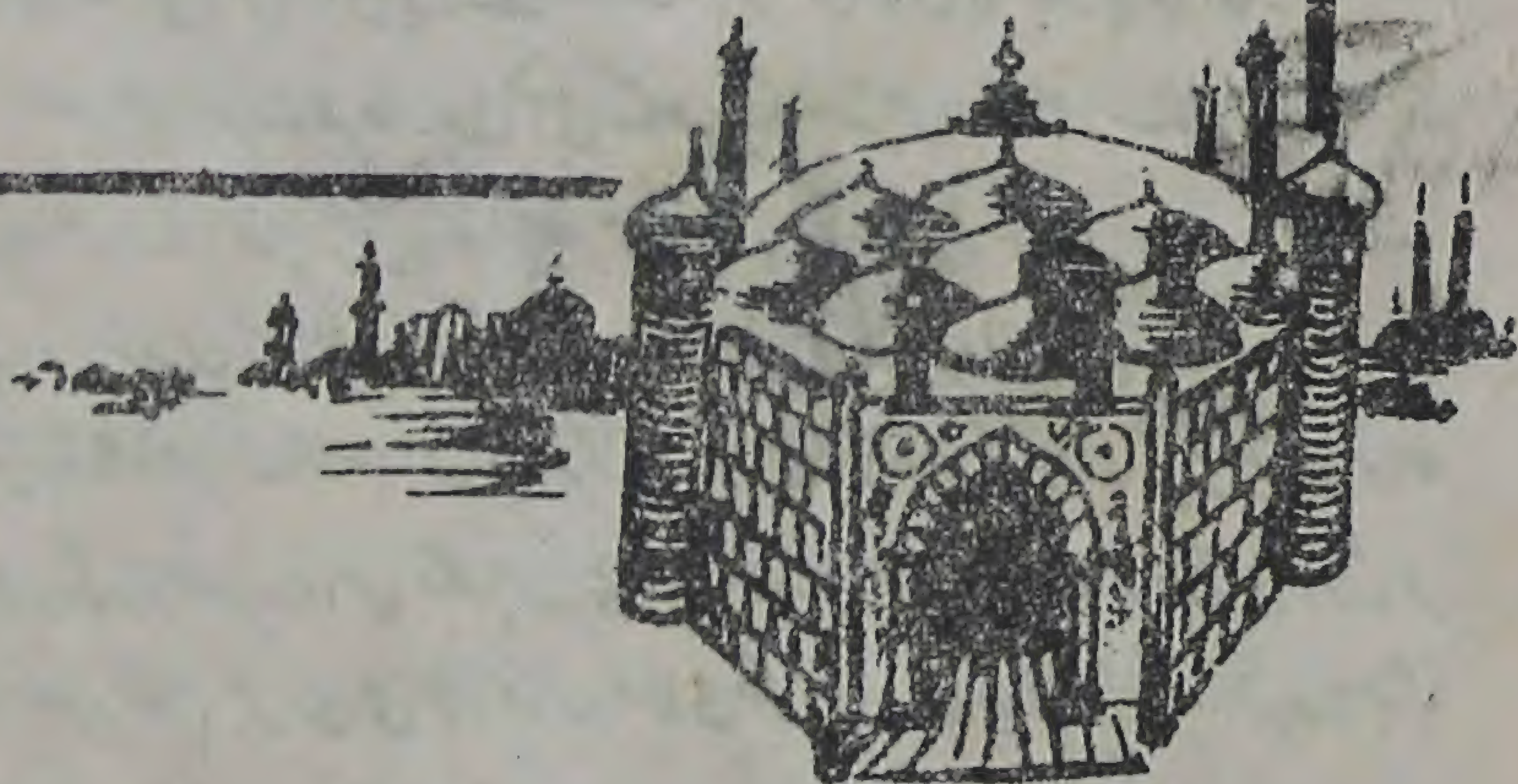
گیارھواں باب

مصر و شام

کی خود مختار اسلامی حکومتیں

۲۵۴ھ تا ۹۲۳ھ

۸۶۸ء ۱۵۱۷ء



مصر و شام کی خودمختار اسلامی حکومتیں

شمالی افریقہ کے بعد اب ہم مصر و شام کی خودمختار اسلامی حکومتوں پر روشنی ڈالیں گے مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی سرحدیں شمالی افریقہ کے ممالک سے بالکل متصل ہیں۔ بلکہ مصر کو اگر شمالی افریقہ ہی کا ایک حصّہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اب رہا شام کا علاقہ وہ بھی مصر سے ملحق ہے۔ اسلامی عہدِ حکومت میں کیونکہ مصر و شام اکثر ایک ہی سلطنت میں شامل رہے ہیں اس لئے ہم ان دونوں ملکوں کی تاریخ ایک ساتھ بیان کریں گے۔

شام پر سب سے پہلی فوج کشی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ حکومت میں کی گئی تھی چنانچہ جس روز حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا انتقال ہوا ہے۔ اسی روز اسلامی فوجیں دمشق میں داخل ہوئی تھیں لیکن شام مکمل طور پر حضرت عمرِ فاروق رضؓ کے عہدِ حکومت میں سنہ ۱۶ھ (سنہ ۶۳۷ء) میں فتح ہوا تھا یعنی اس سال پورے ملکِ شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

مصر بھی حضرت عمر فاروق رضی کے عہدِ حکومت میں سنہ ۲۱ھ (سنہ ۶۴۱ء) میں حضرت عمرو بن عاص کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا۔ مصر میں آغازِ فتح سے لیکر تقریباً سوا سو برس تک خلفائے راشدین، سلاطینِ بنی اُمیّہ اور خلفائے بنی عباس کی جانب سے گورنر مقرر ہوتے رہے لیکن سنہ ۲۵۴ھ (سنہ ۸۶۸ء) میں جبکہ مرکزی اسلامی حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو احمد بن طولون گورنر مصر نے اس ملک میں اپنی آزاد اور خودمختار حکومت قائم کر لی اور اس کے بعد مصر و شام میں نئی نئی خودمختار اسلامی حکومتوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

مصر میں دولتِ طولونیہ کا قیام

مصر میں دولتِ طولونیہ کا بانی احمد بن طولون ہے جسے خلیفہ معتز باللہ عباسی

کے عہد حکومت میں ۲۵۴ھ (۸۶۸ء) میں مصر کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ احمد بن طولون ابتدا میں تو عباسی حکومت کے ایک گورنر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتا رہا لیکن بعد میں اس نے مصر اور شام پر اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی۔

احمد بن طولون کا باپ طولون ایک ترکی غلام تھا جسے بخارا کے عامل نے خلیفہ مامون کی خدمت میں ہدیتاً پیش کیا تھا۔ طولون کا عروج مامون کے زمانہ ہی سے شروع ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے احمد بن طولون کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلوائی تھی۔ وہ حدیث اور فقہ کا بہت بڑا عالم شمار کیا جاتا تھا۔ علم اور فضل کی بنا پر احمد بن طولون کو دربارِ خلافت میں اس قدر اعزاز حاصل ہوا کہ اُسے اُمرائے کبار کا درجہ حاصل ہوگیا۔

احمد بن طولون عالم و فاضل ہونے کے علاوہ بے حد دلیر اور شجاع بھی تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں کہ وہ طرطوس کا حاکم تھا۔ طرطوس سے دارُالخلافہ کی جانب آرہا تھا کہ راستہ میں اُس نے دیکھا کہ ڈاکوؤں کا ایک گروہ ایک قافلہ کو لُوٹ رہا ہے۔ احمد بن طولون گو تن تنہا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی ڈاکوؤں کے پورے گروہ پر ٹوٹ پڑا۔ ڈاکو کچھ تو مارے گئے اور کچھ فرار ہوگئے۔ اور لُوٹا ہوا سارا سامان چھوڑ گئے جو اہلِ قافلہ کو مل گیا۔

اِس قافلہ میں اتفاق سے ایک شاہی خادم بھی تھا جو خلیفہ مستعین کی فرمائش کی چند نادر اشیاء رُوم سے تیار کراکے خلیفہ کے واسطے لئے جارہا تھا۔ ڈاکوؤں نے یہ نادر اشیاء بھی لُوٹ لی تھیں۔ مگر احمد بن طولون کی بہادری سے یہ واپس مل گئی تھیں۔ چنانچہ خادم نے جب یہ نادر اشیاء خلیفہ مستعین کی خدمت میں پیش کیں تو ان اشیاء کے لُٹنے اور پھر احمد طولون کی جرأت کی وجہ سے واپس ملنے کا سارا واقعہ بھی سُنا دیا۔ خلیفہ احمد طولون کی جرأت کے اس واقعہ کو سُن کر بے حد خوش ہوا۔ اُس نے احمد بن طولون کو بُلاکر بہت انعام و اکرام دیا اور اس کی نوازشات احمد بن طولون پر برابر بڑھتی چلی گئیں۔

خلیفہ مستعین عباسی کے معزول ہونے کے بعد جب خلیفہ معتز باللہ عباسی

تخت نشین ہوا تو اُس نے بھی سابق خلیفہ کی طرح احمد بن طولون کو خوب نوازا۔ یہاں تک کہ اُسے ۲۵۴ھ میں مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ اُس کے بعد خلیفہ مہتدی عباسی کے عہدِ حکومت میں مصر کے علاوہ اسکندریہ کی حکومت بھی احمد بن طولون کے سپرد ہو گئی۔

احمد بن طولون بڑا ہی لائق اور ہوشمند حکمراں تھا مصر و اسکندریہ کی ولایت حاصل ہونے کے بعد ہی سے اُس نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے ہزار ہا غلام فراہم کرکے ان کی ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے دوسرے عام سپاہیوں کا بھی ایک لشکرِ عظیم بہترین آلات حرب سے آراستہ کر لیا تھا یعنی اُس نے اتنی بڑی فوج تیار کر لی تھی جو بڑی سے بڑی حکومت کا مقابلہ کر سکتی تھی۔

احمد بن طولون نے نئے نئے شہر بھی آباد کئے تھے چنانچہ قسطاط کے قریب اُس نے ایک جدید عظیم الشان شہر تعمیر کیا تھا جس میں بے شمار محلّے تھے۔ متعدد بازار بنائے گئے تھے۔ جا بجا خوبصورت مسجدوں سے شہر کو مزیّن کیا گیا تھا۔ شہر کے وسط میں ایک شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی تھی۔ اپنے لئے ایک ایسا عظیم الشان محل بنوایا تھا جو نادرِ روزگار تھا۔ بہت سے شفا خانے اور مدارس بھی تعمیر کئے تھے اور دریائے نیل کے کنارے جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے بھی قائم کئے تھے۔ نئی نئی تعمیرات کے علاوہ اُس نے ملکی اصلاحات میں بھی نمایاں حصّہ لیا تھا۔ غرضکہ احمد بن طولون نے اپنی حکومت کو ایک نہایت ہی اعلیٰ اور ترقی یافتہ حکومت بنا دیا تھا۔

شام پر بھی احمد بن طولون کا قبضہ: خلیفہ مہتدی کے بعد جب خلیفہ معتمد عباسی کا دورِ حکومت شروع ہوا تو شام کی حکومت بھی احمد طولون کو مل گئی۔ اور اس طرح یہ ایک عظیم الشان سلطنت کا والی بن گیا۔ خلیفہ معتمد کا بھائی موفق جو خلافتِ عباسیہ کا مختارِ مطلق بنا ہوا تھا اور جس نے معتمد کو کٹھ پتلی بنا رکھا تھا اسے احمد بن طولون کا یہ اقتدار بہت شاق گذرتا تھا چنانچہ اُس نے احمد بن طولون کو زک پہنچانے کی ہر ممکن

کوشش کی مگر احمد بن طولون کا ستارہ عروج پر تھا اس کی طاقت بے حد بڑھ چکی تھی اس لئے وہ اُس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

خلیفہ معتمد اور اُس کے بھائی موفق میں (ان) زمانہ میں جب ناچاقی زیادہ بڑھ گئی تو خلیفہ بھائی سے ناراض ہو کر احمد بن طولون کے پاس پناہ لینے کیلئے مصر روانہ ہو گیا تھا مگر موفق نے اسے درمیان ہی میں روک کر دار الخلافہ واپس بُلا لیا تھا لیکن اس واقعہ کے بعد موفق اور احمد بن طولون کی دُشمنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اور معاملہ یہاں تک بڑھا کہ احمد بن طولون نے موفق کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں لیکن موفق نے شام میں احمد طولون کے خلاف بغاوت برپا کر کے اُسے شام کے جھگڑے میں ایسا اُلجھایا کہ وہ موفق کی طرف رُخ بھی نہ کر سکا۔ احمد بن طولون شام کی بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک بیمار ہو گیا اور بیمار ہونیکے بعد وہ مصر واپس چلا گیا۔ اور اسی بیماری میں ۲۷۰ھ میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ یہ بڑا ہی حوصلہ مند حکمراں ہوا ہے اس نے بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ مصر۔ اسکندریہ اور شام پر حکومت کی ہے۔

خمارویہ بن احمد طولون:۔ احمد طولون کے بعد اُس کا بیٹا خمارویہ بن احمد طولون ۲۷۰ھ (۸۹۳ء) میں تخت نشین ہوا۔ خلیفہ معتمد کا بھائی موفق چونکہ دولتِ طولونیہ کا دُشمن تھا۔ اس لئے خمارویہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں موفق شام پر حملہ نہ کر دے لہذا اُس نے باپ کے مرتے ہی احمد واسطی کو ایک لشکر دیکر شام کی حفاظت کے لئے روانہ کر دیا مگر احمد واسطی موفق سے مل گیا اور اُسے شام پر حملہ کی دعوت دیدی۔

احمد واسطی کے شہ دینے پر موفق اور چند دوسرے عباسی عمالِ حکومت نے شام پر حملہ کر کے اُسے خمارویہ کے قبضہ سے نکال لیا۔ خمارویہ شام کو واپس لینے کے لئے ۲۷۱ھ میں خود لشکر لیکر مصر سے شام آیا مگر اُسے شکست ہو گئی لیکن خمارویہ کی شکست کے فوراً ہی بعد خمارویہ کا سپہ سالار سعد الایسر تازہ دم فوج لیکر شام جا پہنچا اور موفق

کو شکست دے کر دمشق کو دوبارہ فتح کر لیا۔ ۲۷۳ھ میں خمارویہ خود شام آیا اور اُس نے دمشق کے علاوہ شام کا اور بھی بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ موفق نے جب دیکھا کہ دولت طولونیہ کو شکست دینا ناممکن ہے تو موفق اور خمارویہ میں صلح ہو گئی اور موفق نے خلافتِ عباسیہ کی جانب سے تیس ۳۰ سال کے لئے خمارویہ اور اُس کی اولاد کے نام مصر و شام کی حکومت کا قبالہ لکھ دیا۔

خلیفہ معتضد جب ۲۷۹ھ میں تخت نشین ہوا تو اُس نے خمارویہ کو خوب نوازا خمارویہ نے ۲۸۲ھ میں خلیفہ کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر کے عباسی خلیفہ کے ساتھ اپنے تعلقات اور بھی مستحکم کر لئے تھے خمارویہ بڑا لائق فرمانروا تھا۔ اُس کا نظام حکومت نہایت چُست تھا۔ خمارویہ کو اپنے باپ کی طرح عمارتوں کی تعمیر کا بڑا شوق تھا۔ اُس نے اپنے لئے قصرِ خمارویہ کے نام سے ایک عظیم الشّان محل تعمیر کرایا تھا۔ خمارویہ بارہ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۸۲ھ میں اپنے ایک خادم کے ہاتھ سے ایک سازش کی بنا پر قتل کر دیا گیا

جیش بن خمارویہ:۔ سلطان خمارویہ کے قتل کے بعد اُس کا کمسن بیٹا جیش بن خمارویہ ۲۸۲ھ (۸۹۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ اُس کی کمسی کی وجہ سے عمّالِ حکومت اور فوجی سردار اُس کی تخت نشینی کے شدید مخالف تھے۔ اس مخالفت نے رفتہ رفتہ ایک منظّم بغاوت کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ فوج نے شاہی محل پر حملہ کر کے لوٹ لیا۔ اور کم سن بادشاہ کو قتل کر ڈالا۔

ہارون بن خمارویہ:۔ جیش کے قتل کے بعد باغی سرداروں اور عمّالِ حکومت نے اُس کے بھائی ہارون بن خمارویہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس کی تخت نشینی کے بعد عبّاسی لشکر نے شام کے اکثر علاقوں پر حملہ کر کے شام کے بیشتر حصّہ کو اُس کے قبضہ سے نکال لیا۔ ہارون میں چونکہ مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اس لئے اُس نے چار لاکھ اشرفی

سالانہ کے خراج پر خلافتِ عباسیہ کی اطاعت قبول کرلی۔

ہارون انتہا درجہ کا عیش پرست واقع ہوا تھا۔ اس کی عیش پرستی کی وجہ سے عمالِ حکومت کیونکہ اُس سے ناراض تھے اس لئے انھوں نے عباسی خلیفہ کو لکھا کہ وہ فوج کشی کرکے مصر پر قبضہ جمالے اور اس عیش پرست بادشاہ سے رعایا کو نجات دلائے یہ خلیفہ مکتفی کا زمانہ تھا۔ اس نے حملہ کی اجازت دیدی چنانچہ عباسی لشکر نے حملہ کرکے مصر کے بہت سے علاقہ کو فتح کرلیا۔ ابھی یہ حملہ جاری ہی تھا کہ ۲۹۲ھ (۹۰۵ء) میں ہارون کے چچا شیبان نے ہارون کو قتل کرکے خود تخت پر قبضہ جمانا چاہا مگر اُسے کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر ۲۹۲ھ میں شام و مصر پر خلفائے عباسیہ کا دوبارہ اقتدار قائم ہوگیا اور دولتِ طولونیہ ختم ہوگئی۔

مصر و شام کی تسخیر کے بعد خلیفہ مکتفی عباسی نے عیسیٰ نوشیری کو خلافت کی جانب سے مصر کا گورنر مقرر کردیا۔ عیسیٰ نوشیری کے بعد یکے بعد دیگرے مصر میں کئی گورنر مقرر ہوتے رہے لیکن خلیفہ راضی کے عہدِ حکومت میں جب محمد بن طغج اخشید کو مصر کا گورنر مقرر کیا گیا تو اُس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کرکے مصر پر خاندان اخشیدیہ کی ایک نئی خودمختار حکومت قائم کرلی۔

مصر پر خاندان اخشیدیہ کی حکومت

مصر میں خاندانِ اخشیدیہ کی حکومت کا بانی محمد بن طغج اخشید ہے۔ محمد بن طغج کا دادا جف جرترکی النسل تھا خلیفہ معتصم کے عہدِ حکومت میں بغداد آکر خلیفہ کے ملازمین کے حلقہ میں شامل ہوگیا تھا خلیفہ معتصم اس پر بے حد مہربان تھا۔

جف کے مرنے کے بعد ابن طغج کا باپ طغج بن جف سلطان خمارویہ کے پاس مصر چلا گیا تھا۔ خمارویہ نے اسے طبریہ کا عامل مقرر کردیا تھا۔ جب خمارویہ مارا گیا تو طغج خلیفہ مکتفی کے پاس چلا آیا۔ اور اُسے بڑا اعزاز اور اقتدار حاصل ہوا۔ وزیرِ سلطنت عباس

بن حسین طغج کے اعزاز سے جلنے لگا اور اُسے خلیفہ کی نظروں سے گرانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وزیرِ سلطنت نے موقع پاکر طغج اور اُس کے بیٹے محمد بن طغج کو قید کر دیا۔

طغج جب قید خانہ ہی میں مر گیا تو وزیرِ سلطنت عباس بن حسین نے اُس کے بیٹے محمد بن طغج کو بے ضرر سمجھتے ہوئے قید سے رہا کر دیا۔ محمد بن طغج بڑا حوصلہ مند نوجوان تھا۔ اُس کے دل میں وزیرِ سلطنت کی طرف سے انتقام کی آگ بُری طرح بھڑک رہی تھی۔ لہٰذا اُس نے رہا ہوتے کے ساتھ ہی پہلا کام یہ کیا کہ وزیرِ سلطنت عباس کو قتل کر دیا اور شام کی طرف فرار ہو گیا۔

محمد بن طغج نے شام پہنچ کر تکین خزری کی معیت میں بڑے اہم معرکے انجام دیے جنگی وجہ سے محمد بن طغج کی بڑی شہرت ہو گئی۔ اسی شہرت کی بنا پر خلیفہ مقتدر عباس نے اسے ۳۱۸ھ میں رملہ کا حاکم مقرر کر دیا اسکے بعد ۳۲۳ھ میں خلیفہ راضی باللہ نے پورے مصر کی حکومت اُسکے سپرد کر دی۔

مصر کی حکومت ملنے کے بعد محمد بن طغج نے تدبر اور حسنِ انتظام سے پہلے تو رعایا کے دلوں کو اپنے قابو میں کیا اس کے بعد اپنی فوجی طاقت کو اس نے خوب بڑھایا۔ یہاں تک کہ ۳۲۶ھ (۹۳۸ء) میں اس نے مصر میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور ۳۲۷ھ میں شام کے بیشتر علاقہ پر بھی قبضہ جما لیا۔ صرف چند سرحدی مقامات عباسی حکومت کے قبضہ میں رہ گئے۔

امیر الامرا محمد بن رائق نے خلیفہ راضی کی جانب سے ۳۲۸ھ میں جب شام پر حملہ کیا تو محمد بن طغج کی فوج اُس کے مُقابلہ پر نہ ٹھہر سکی اور محمد بن رائق حمص اور دمشق پر قبضہ جماتا ہوا مصر کے علاقہ میں بھی داخل ہو گیا۔ یہاں محمد بن طغج اور محمد بن رائق میں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں محمد بن رائق کو شکست ہو گئی اور وہ دمشق واپس چلا گیا۔

محمد بن طغج کی فوجیں مصر سے رائق کو نکالنے کے بعد دمشق کی جانب بڑھیں

اور دمشق کے میدان میں کئی اہم معرکے ہوئے اُن معرکوں کے بعد ابنِ رائق اور محمد بن طغج میں صلح ہو گئی اور محمد بن طغج نے دمشق محمد بن رائق کے حوالے کر دیا۔

خلیفہ مکتفی کے عہدِ حکومت میں جب امیر الامرا ابن رائق قتل ہو گیا تو محمد بن طغج نے فوج کشی کر کے دوبارہ دمشق پر قبضہ جما لیا۔ دمشق پر قبضہ کے بعد طغج کی نئے امیر الامرا ناصر الدولہ والئ موصل سے جنگ چھڑ گئی۔ ناصر الدولہ کے بھائی سیف الدولہ نے ۳۳۳ھ میں محمد بن طغج کے خلاف حملہ کر کے حلب اور حمص پر قبضہ جما لیا۔ محمد بن طغج انتہائی کوشش کے باوجود ان علاقوں کو اُس کے قبضہ سے نہ نکال سکا۔ یہاں تک کہ ۳۳۴ھ میں گیارہ سال کی حکومت کے بعد اُس کا انتقال ہو گیا۔

ابوالقاسم انوجور:۔ ابن طغج اخشید کی وفات کے بعد ۳۳۴ھ (۹۴۵ء) میں اُس کا بیٹا ابوالقاسم انوجور تخت نشین ہوا۔ ابوالقاسم چونکہ کمسن تھا اس لئے غلام کافور اُس کا نگراں اور اتالیق مقرر ہوا۔ ابوالقاسم کے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی سیف الدولہ نے فوج کشی کر کے دمشق پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر غلام کافور کے مقابلہ میں اُسے شکست ہو گئی۔ ابوالقاسم انوجور پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۴۹ھ میں فوت ہو گیا۔

علی بن اخشید:۔ ابوالقاسم انوجور کے بعد علی بن اخشید تخت نشین ہوا اُس کے زمانہ میں دولتِ اخشیدیہ بُری طرح خانہ جنگی میں مبتلا رہی۔ علی بن اخشید چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۵۵ھ میں رحلت کر گیا۔

کافور غلام:۔ کافور غلام کیونکہ ابوالقاسم کے دَور میں بڑی قابلیت کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا تھا اس لئے ملک کی خراب حالت کو دیکھتے ہوئے علی بن اخشید کے مرنے کے بعد اُمرائے سلطنت نے ۳۵۵ھ (۹۶۷ء) میں کافور کو تخت پر بٹھا دیا۔ کافور غلام ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد ۳۵۷ھ میں فوت ہو گیا۔

احمد کی تخت نشینی:- کافور غلام کے مرنے کے بعد اخشید کا پوتا احمد ۳۵۷ھ (۹۶۸ء) میں تخت نشین ہوا۔ لیکن اہلِ شام نے اس کی حکومت سے مُنحرف ہو کر حسن اخشیدی کو اپنا امیر بنا لیا یعنی شام کا علاقہ احمد کے قبضہ سے نکل گیا۔

حسن اخشیدی کی امارت کو ابھی شام میں چند ہی روز ہوئے تھے کہ قرامطہ نے شام پر حملہ کر کے شام پر قبضہ جما لیا۔ حسن اخشیدی قرامطہ کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد شام سے فرار ہو کر مصر پہنچا اور احمد سے مصر کی حکومت چھیننے کے لئے جد و جہد شروع کر دی۔

احمد اور حسن اخشیدی کی یہ خانہ جنگی ابھی جاری ہی تھی کہ اخشیدی حکومت کے ارکان نے دولتِ عبیدیہ فاطمیہ کے سلطان معز الدّین کو مصر پر قبضہ کی دعوت دیدی۔ چنانچہ جوہر صقلی نے ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) میں معز الدّین کی جانب سے مصر پر فوج کشی کر کے اس ملک پر قبضہ جما لیا اور اس طرح دولتِ اخشیدیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

———— ☆ ————

مصر میں دولتِ عبیدیہ فاطمیہ کا قیام

شمالی افریقہ اور مصر میں "دولتِ عبیدیہ فاطمیہ" کا بانی ابوعبداللہ شیعی ہے جو عبیداللہ المہدی کا داعی بن کر سلمیہ (حمص) سے افریقہ پہنچا اور اس نے اپنی پُرجوش تقریروں کے ذریعہ بربری قبائل کو یہ یقین دلادیا کہ عنقریب افریقہ میں امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔

ابوعبداللہ شیعی مدتوں افریقہ میں امام مہدی کی آمد کا پروپیگنڈا کرتا رہا۔ جب اُس نے دیکھا کہ اس کے مقصد کے لئے زمین ہموار ہو چکی ہے اور افریقہ کے بربری قبائل کو امام مہدی کے ظہور کا یقین ہو گیا ہے تو اس نے بربری قبائل کی عقیدت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے پہلے تو ان قبائل کے ذریعہ افریقہ کا بہت بڑا علاقہ فتح کر ڈالا۔ اس کے بعد عبیداللہ المہدی کو جس کا وہ داعی بن کر گیا تھا سلمیہ (حمص) سے بُلا کر رقادہ میں تخت نشین کر دیا اور بربریوں کو بتایا کہ یہی وہ مہدی موعود ہیں جن کے ظہور کا انتظار تھا۔ مختصر یہ کہ ابوعبداللہ شیعی نے بربریوں کو مہدیت کا فریب دیکر دولتِ عبیدیہ فاطمیہ کی شمالی افریقہ میں بُنیاد رکھ دی۔

"دولتِ عبیدیہ فاطمیہ" کا قیام اُس کوششِ پیہم کا نتیجہ ہے جو شیعانِ علی زمانۂ دراز سے اولادِ علیؓ اور بنی فاطمہؓ کو مسندِ خلافت پر بٹھانے کے لئے کر رہے تھے چنانچہ اس سے قبل کے واقعات سے یہ چیز صاف طور پر واضح ہے کہ سلاطینِ بنی اُمیہ اور خلفائے بنی عباس کے دورِ حکومت میں تھوڑے تھوڑے دفعہ کے بعد شیعانِ علی کی جانب سے بار بار حکومت کا تختہ اُلٹ کر بنی فاطمہ اور اولادِ علیؓ کو برسرِ اقتدار لانے کی جدوجہد ہوتی رہی ہے۔ گو ابتداءً میں اس جدوجہد میں کامیابی

نہیں ہوئی لیکن یہ تحریک برابر آگے بڑھتی رہی اور اندر ہی اندر پھیلتی رہی چنانچہ اسی تحریک کی بنا پر شاہانِ بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹا اور اسی تحریک کی بدولت افریقہ اور مصر میں "دولتِ عبیدیہ فاطمیہ" کے نام سے ایک ایسی حکومت قائم ہوگئی جسے بنی فاطمہ کی حکومت کہا جاتا ہے۔

بنی فاطمہ کی دینی اور دنیاوی خلافت کے قیام کی تحریک بہت پرانی ہے جو حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خوب چمکی اور جسے حضرت امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی امام محمد بن حنفیہ بن علیؓ کی قیادت میں بڑا فروغ حاصل ہوا لیکن اس کے بعد اس تحریک کو آگے بڑھانے والے شیعانِ علیؓ مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے چنانچہ انہی فرقوں میں سے ایک فرقہ باطنیہ اسمٰعیلیہ تھا جو امام جعفر صادقؑ کے بعد ان کے صاحبزادے اسمٰعیل کی امامت کا قائل تھا اور اُن کے بعد ان کی اولاد کو نسلاً بعدِ نسلاً اس منصب کا حقدار سمجھتا تھا۔ دولتِ عبیدیہ فاطمیہ کا پہلا فرمانروا عبید اللہ المہدی چونکہ اسمٰعیل بن جعفر صادق کی نسل سے تھا اس لئے اسمٰعیلی شیعوں نے اپنی متحدہ کوششوں سے اُس کے سر پر "دولتِ عبیدیہ فاطمیہ" کی حکومت کا تاج رکھ کر بنی فاطمہ کو برسرِ اقتدار لانے کی دیرینہ تحریک کو کامیاب بنا دیا۔

اسمٰعیلی شیعوں کی یہ حکومت کس طرح قائم ہوئی

اسمٰعیلی شیعوں کا رہنما عبید اللہ المہدی معمولی حیثیت سے بادشاہی کے درجہ تک کس طرح پہنچا اُس کی تفصیل یہ ہے کہ عبید اللہ المہدی کے باپ محمد الحبیب کیونکہ اسمٰعیل بن جعفر صادق کی اولاد میں سے تھے اس لئے اسمٰعیلی شیعوں میں اُنھیں بہت بڑی مذہبی عظمت حاصل تھی۔ اور ان کے معتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ یہ حمص کے ایک مقام سلمیہ میں رہتے تھے اور وہیں بیٹھے بیٹھے حصولِ خلافت کے لئے انھوں نے اپنے داعی چاروں طرف پھیلا دیئے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی تحریک کو اور زیادہ کامیاب بنانے کے لئے جا

بھی مشہور کر دیا تھا کہ اُن کا بیٹا عبید اللہ "مہدی موعود" ہے چنانچہ محمد الحبیب کے تمام معتقدین عبید اللہ کو سچے دل سے "مہدی موعود" سمجھنے لگے تھے اور ان کی دعوت کو خوب پھیلانا شروع کر دیا تھا۔

محمد الحبیب کو اس دعوت میں اپنے دو لائق داعیوں کی وجہ سے یمن اور افریقہ میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ یمن میں تو رستم بن حسین نے اُن کی دعوت کو سارے یمن میں پھیلا کر یمنی شیعوں کے ذریعہ یمن کے ایک بہت بڑے علاقہ پر قبضہ جما لیا تھا اور افریقہ میں ابو عبید اللہ شیعی نے جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے بیشتر بربری قبائل کو شیشہ میں اُتار لیا تھا۔ اور ان سیدھے سادھے جنگجو مسلمانوں کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ عنقریب "مہدی موعود" یعنی "عبید اللہ المہدی" کا افریقہ میں ظہور ہونے والا ہے۔

افریقہ کے بربری قبائل کی اکثریت چونکہ بڑی طرح سے ابو عبید اللہ شیعی کے زنجیر اعتقاد میں جکڑی ہوئی تھی اس لیے وہ ان قبائل کو جس طرح چاہتا تھا نچاتا تھا۔ چنانچہ اُس نے بربریوں کا ایک لشکر عظیم تیار کر کے "حکومت اغلبیہ" کے افریقی علاقوں پر چھاپے مارنا شروع کر دیا۔ ابو عبید اللہ کی خوش قسمتی سے کیونکہ اُس زمانہ میں "حکومت اغلبیہ" نا اہل اور عشرت پسند سلاطین کے ہاتھوں میں تھی اس لئے اسے اپنی فتوحات میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی یہاں تک کہ اُس نے رفتہ رفتہ "حکومت اغلبیہ" کے بہت بڑے علاقہ پر قبضہ جما لیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب محمد حبیب کے انتقال کے بعد عبید اللہ المہدی اُن کا جانشین بن چکا تھا۔ اور ابو عبید اللہ شیعی نے اپنے بھائی ابو العباس اور چند دوسرے معتقدین کو عبید اللہ المہدی کو افریقہ لانے کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ انھوں نے سمیہ پہنچنے کے بعد اسمٰعیلی شیعوں کے رہنما عبید اللہ المہدی سے عرض کیا:-

"آپ کے داعیوں نے افریقہ میں آپکے لئے حکومت قائم کر لی ہے۔

اور وہ افریقہ میں آپ کے لئے چشم براہ ہیں۔"

عبید اللہ المہدی جو بے چینی کے ساتھ اس سنہری موقعہ کا منتظر تھا۔ یہ خوشخبری سننے کے بعد فوراً ان لوگوں کے ہمراہ مع اپنے بیٹے ابوالقاسم کے افریقہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ ان کو عباسی حکومت کے عمال کا کیونکہ اندیشہ تھا اس لئے انھوں نے سیدھا راستہ چھوڑ کر پیچیدہ راستوں سے سفر طے کرنا شروع کیا۔

خلیفہ مکتفی عباسی کو جب مخبروں نے خبر دی کہ عبید اللہ المہدی افریقہ میں ایک جدید حکومت کے قیام کے ارادہ سے روانہ ہوا ہے تو خلیفہ نے مصر کے عباسی گورنر عیسیٰ نوشتری کو فوراً ہدایت روانہ کی کہ ایک شخص ایسے ایسے حلیہ کا شمالی افریقہ جاتے ہوئے مصر سے گذرے گا جیسے ہی یہ مصر کے علاقہ میں قدم رکھے اُسے فوراً گرفتار کر لیا جائے۔

چنانچہ عبید اللہ المہدی جب مصر پہنچا تو اُسے گرفتار کر لیا گیا لیکن گورنر مصر نوشتری پر بھی عبید اللہ المہدی کا جادو چل گیا اور اس نے المہدی کو رہا کر دیا اور یہ تاجروں کے بھیس میں افریقہ کی جانب چل دیا۔

حکومت اغلبیہ کے سلطان زیادۃ اللہ کو بھی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ابوعبداللہ شیعی نے عبید اللہ المہدی کو حکومت اغلبیہ کے مفتوحہ علاقوں کا بادشاہ بنانے کے لئے بلایا ہے لہذا اُس نے بھی عبید اللہ المہدی کی گرفتاری کے احکامات اپنے تمام عمال حکومت کو بھیج دئے تھے۔ اور ان کی تلاش افریقی علاقوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری تھی چنانچہ یہ قافلہ جیسے ہی قیروان پہنچا تو ابوالعباس اور اس کے چند ساتھی تو گرفتار ہو گئے لیکن عبید اللہ المہدی اور اس کا بیٹا ابوالقاسم بچ کر نکل گیا لیکن ان دونوں کو بھی اغلبی حکام نے سجلماسہ میں گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈالدیا۔ ابوالعباس قیروان میں اور عبید اللہ المہدی سجلماسہ میں تین چار سال تک قید و بند کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔

ان دونوں کی گرفتاری کے بعد سے ابوعبداللہ شیعی کی جنگی سرگرمیاں اور بھی

تیز ہوگئی تھیں۔ اُس نے اس مُدت میں بے شمار لڑائیوں کے بعد حکومتِ اغلبیہ کو ختم کر کے رکھ دیا تھا چنانچہ حکومتِ اغلبیہ کا آخری بادشاہ زیادۃ اللہ جب ابوعبداللہ شیعی کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر تخت و تاج چھوڑ کر مصر بھاگ گیا تو ابوعبداللہ نے سنہ ۲۹۶ھ میں پہلے تو قیروان فتح کر کے اپنے بھائی ابوالعباس کو جیلخانہ سے نکال کر قیروان کا حاکم بنایا اس کے بعد ایک لشکرِ عظیم کے ذریعہ سجلماسہ کو فتح کیا اور اپنے دینی رہنما عبید اللہ المہدی اور اس کے لڑکے ابوالقاسم کو رہا کیا۔

ابوعبداللہ شیعی کے لئے یہ بڑا ہی مسرت کا موقع تھا وہ اپنے دینی رہنما کو گھوڑے پر سوار کر کے اور لشکر کے ہمراہ جلوس بنا کر لے چلا۔ عبید اللہ المہدی کی سواری آگے آگے تھی اور ابوعبداللہ شیعی اُس کے پیچھے پیچھے فرطِ مسرت سے روتا ہوا اور یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا "یہی تمہارے امام ہیں۔ یہی تمہارے امام ہیں"۔ غرضکہ ایک شاندار جلوس کی صورت میں عبید اللہ المہدی کو ایک آراستہ خیمہ تک لایا گیا۔ اور خیمہ میں اُتارنے کے بعد تخت نشینی کی رسم انجام دی گئی سب سے پہلے خود ابوعبداللہ شیعی نے المہدی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد دوسروں سے بیعت لی حقیقت یہ ہے کہ یہ ابوعبداللہ شیعی ہی کا حوصلہ تھا جس نے کہ "عبید اللہ المہدی" کو شمالی افریقہ کا ایک با اختیار بادشاہ بنا دیا۔

ابوعبداللہ شیعی اور عبید اللہ المہدی چالیس روز سجلماسہ میں قیام کے بعد ربیع الثانی سنہ ۲۹۷ھ (سنہ ۹۱۰ء) میں رقادہ اور قیروان پہنچے۔ یہاں بھی باقاعدہ عبید اللہ المہدی کی بیعتِ خلافت ہوئی۔ اور خطبوں میں عبید اللہ کا نام لیا جانے لگا۔ ہر طرف شیعت کی تبلیغ کے لئے مُبلغ روانہ کئے گئے اور سارے ملک میں شیعی رسوم اور شعائر جاری ہوگئے چنانچہ صبح کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کی بجائے "حی علیٰ خیر العمل" داخل کیا گیا خطبوں میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ پنجتن پر صلوٰۃ وسلام

بھیجنے کا دستور رائج ہو گیا۔ اور تراویح کو حکماً بند کر دیا گیا۔

عبید اللہ المہدی کا دورِ حکومت

عبید اللہ المہدی ایک با اختیار حکمران بننے کے بعد اپنے ان ہی محسنوں کا دشمن بن گیا جن کے طفیل میں اُسے بنی بنائی حکومت ملی تھی۔ اُسے یہ چیز شاق گذرنے لگی کہ ابو عبد اللہ شیعی اور اس کا بھائی ابو العباس حکومت کے کاموں میں پیش پیش دکھائی دیتے ہیں چنانچہ اس نے ان دونوں بھائیوں کے اثر و رسوخ کو مٹانا اور کم کرنا شروع کر دیا۔

ابو عبد اللہ شیعی نے جب دیکھا کہ اُسے راستہ سے ہٹانے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں تو اُس نے اپنے معتقد بربری قبائل کو یہ کہہ کر عبید اللہ المہدی کے خلاف بھڑکا دیا کہ "مجھ کو امام مہدی اور امام معصوم کی شناخت میں غلطی ہوئی ہے۔ یہ شخص نہ امام مہدی ہے اور نہ امام معصوم۔ یہ تو ایک غاصب ہے۔ امام معصوم تو اس کے بعد آئیگا"۔ بربری قبائل چونکہ ابو عبد اللہ شیعی کے زیرِ اثر تھے اس لئے وہ عبید اللہ المہدی کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ عبید اللہ المہدی نے یہ رنگ دیکھا تو اس نے بربری قبائل کے تمام باغی سرداروں کو کسی نہ کسی طرح قتل کرا دیا۔

باغی سرداروں کے قتل کے بعد عبید اللہ المہدی نے اہلِ کتامہ کے دو سب سے بڑے سرداروں یعنی عروبہ اور حباسہ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کے ذریعہ ابو عبد اللہ شیعی اور اس کے بھائی ابو العباس کو بھی ۲۹۸ھ میں قتل کرا دیا۔ ان دونوں کے قتل کے بعد جب ان کے حامی بغاوت کے لئے آمادہ ہوئے تو ان کی بغاوت کو طاقت کے ذریعہ کچل دیا گیا۔ ابو عبد اللہ شیعی اور ابو العباس کے قتل کے صلہ میں عبید اللہ المہدی نے عروبہ کو باغایہ کا حاکم بنا دیا اور حباسہ کو برقہ کی حکومت عطا کر دی اور اپنے بیٹے ابو القاسم کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔

عبید اللہ المہدی نے اپنے تمام مخالفین کو تہہ تیغ کرنے کے بعد رفتہ رفتہ اپنی حکومت کی بنیادوں کو خوب مستحکم کر لیا اور فوجی طاقت کو خوب بڑھالیا۔ چنانچہ ۳۰۰ھ میں جب اہلِ طرابلس نے عبید اللہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو ان کو کچل دیا گیا۔ اور عبید اللہ کے بیٹے ابوالقاسم نے دوبارہ طرابلس فتح کر لیا۔ ۳۰۱ھ میں ابوالقاسم نے جنگی جہازوں کے ایک بیڑے کے ذریعہ مصر پر حملہ کر کے اسکندریہ بھی فتح کر لیا تھا مگر عباسیوں نے اسکندریہ اُس سے چھین لیا۔ عبید اللہ المہدی نے ۳۰۲ھ میں عروبہ اور حباسہ نامی ان دونوں سرداروں کو بھی تہہ تیغ کرا دیا جن کے ذریعہ اُس نے ابوعبداللہ شیعی اور اُس کے بھائی کو قتل کرایا تھا۔

۳۰۴ھ میں جب جزیرۂ سسلی میں بغاوت کھڑی ہوئی تو اس نے بہت بڑا بحری بیڑا بھیج کر اس بغاوت کو دبا دیا۔ اسی سال عبید اللہ المہدی نے قیروان کے قریب ایک نئے شہر مہدیہ کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ جب یہ شہر بن کر تیار ہو گیا تو یہ ۳۰۶ھ میں مہدیہ جا کر وہیں رہنے لگا۔ ۳۰۷ھ میں اس نے بحری بیڑے کے ذریعہ اسکندریہ کی فتح کی دوبارہ کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ ۳۰۸ھ میں اس نے مراکش پر حملہ کر کے اس کے بیشتر حصہ کو فتح کر لیا۔ اور ۳۰۹ھ میں تقریباً پورا مراکش عبید اللہ کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد مراکش کے گورنر موسیٰ بن العافیہ نے عبید اللہ المہدی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے اسپین کے اموی سلاطین کی اطاعت قبول کر لی جس کے بعد مراکش میں بڑی خونریزی ہوئی۔ ابھی مراکش کی بغاوت رفع بھی نہیں ہوئی تھی کہ عبید اللہ المہدی کا چوبیس سال کی حکومت کے بعد ۳۲۲ھ میں انتقال ہو گیا۔

ابوالقاسم قائم بامر اللہ

عبید اللہ المہدی کے بعد اُس کا بیٹا ابوالقاسم قائم بامر اللہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد

۳۲۲ھ (۹۳۴ء) میں مہدیہ میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے فوراً ہی بعد یہ مراکش کی جانب متوجہ ہوا جہاں مراکش کے گورنر موسیٰ بن ابی العافیہ نے سخت بغاوت برپا کر رکھی تھی۔ ابوالقاسم ۳۲۳ھ تک سوائے فاس کے پورے ملکِ مراکش پر قابض ہو گیا۔ ابوالقاسم کے دورِ حکومت میں سلطنتِ عبیدیہ کے ایک سردار نے بحری بیڑے کے ذریعہ حملہ کر کے شہر جینوا تک فتح کر لیا تھا۔ اور بحرِ روم کے اکثر جزیرے بھی زیر کر لئے تھے۔ اس بادشاہ کے زمانہ میں عبیدی فوجیں اسکندریہ میں بھی داخل ہو گئی تھیں لیکن سلطنتِ اخشیدیہ کے لشکر نے بعد میں ان کو شکست دیدی تھی۔

ابوالقاسم کو جدید فتوحات کا بے حد شوق تھا لیکن اس کے زمانہ میں ابویزید مخلد کا ایک ایسا بے پناہ ہنگامہ اٹھا جس نے کہ دولتِ عبیدیہ فاطمیہ کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ ابویزید مخلد سوڈان کا باشندہ تھا۔ اہلِ سوڈان شیعوں کے مخالف تھے اور خارجی مسلک کی طرف زیادہ مائل تھے۔ ابویزید بھی اسی قسم کے خیالات رکھتا تھا۔ وہ سوڈان سے آکر تاہرت میں آباد ہو گیا اور اس نے معلمی کا پیشہ اختیار کر لیا اور در پردہ اپنے خیالات کی اشاعت کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے ہم خیالوں یعنی شیعیت کے مخالفین کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہو گئی۔

عبیداللہ المہدی کے مرنے کے بعد جب ملک میں بے چینی پھیلی تو ابویزید نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے ہم خیالوں اور معتقدوں کی ایک فوج تیار کر لی۔ شہر باغایہ کے حاکم کو ابویزید کی جنگی سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے ابویزید کے خلاف فوج کشی کر دی۔ ابویزید نے حاکم باغایہ کو شکست دیکر باغایہ کا محاصرہ کر لیا۔ غرضکہ ابویزید کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے ایک ایک کر کے شہر پر شہر فتح کرنے شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ اس نے قیروان پر بھی قبضہ کر لیا۔ ادھر ابوالقاسم مہدیہ میں محصور اور قلعہ بند ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اسی محاصرہ کی حالت میں ۳۳۴ھ میں ابوالقاسم

کا انتقال ہوگیا۔

اسمٰعیل منصور بن ابو القاسم

ابو القاسم کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اسمٰعیل بن ابو القاسم ۳۳۴ھ (۹۴۵ء) میں منصور کے لقب کے ساتھ مہدیہ میں تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ اس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی ابو یزید کے لشکر پر ایسی مضبوطی کے ساتھ حملہ کیا کہ ابو یزید مہدیہ کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے جنگی جہازوں کے ذریعہ ملک کے ان تمام ساحلی مقامات پر فوجیں اتار دیں جن پر کہ باغیوں کا قبضہ تھا اور باغیوں سے سخت مقابلہ کے بعد اس نے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ قیروان کو بھی باغیوں کے قبضہ سے نکال لیا اور ۳۳۵ھ میں جبال کتامہ کے قریب ابو یزید باغی کی فوج کو اس بری طرح شکست دی کہ ابو یزید کی ساری طاقت پاش پاش ہو گئی۔

اسمٰعیل منصور نے غیر معمولی جرأت اور حوصلہ مندی کی بنا پر تقریباً سارا ملک ابو یزید کے قبضہ سے نکال لیا صرف قلعہ کتامہ باقی رہ گیا تھا جہاں کہ ابو یزید محصور تھا۔ ۳۳۶ھ میں اسمٰعیل نے قلعہ کتامہ بھی فتح کر لیا ابو یزید جو بری طرح زخمی تھا گرفتار ہو گیا اور گرفتاری کے چند ہی روز بعد مر گیا۔ اور اس طرح اسمٰعیل منصور نے انتہائی جرأت سے کام لیکر ابو یزید کے ہنگامہ کو فرو کر کے نئے سرے سے پورے ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ ابو یزید کے ہنگامہ کے بعد مراکش اور چند دوسرے علاقوں میں بھی کئی بغاوتیں کھڑی ہوئیں جنہیں اسمٰعیل نے فوراً کچل ڈالا۔

اسمٰعیل منصور نے ایک بحری بیڑا اٹلی کی فتح کے لئے بھی روانہ کیا تھا۔ اس بحری بیڑے کے ساتھ جزیرہ سسلی کا بحری بیڑا بھی شامل ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس بحری لشکر نے ۳۴۰ھ میں اٹلی کے جنوبی حصہ کو فتح کر لیا تھا مگر یہ فتح عارضی تھی کیونکہ فاتح لشکر اس فتح کے بعد مال غنیمت لیکر قیروان اور مہدیہ واپس آ گیا تھا۔ یہ لشکر جب

اٹلی سے واپس آیا تو اسمٰعیل کا انتقال ہو چکا تھا۔

معزالدین اسمٰعیل

اسمٰعیل منصور کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا معزالدین اللہ ۳۴۱ھ (۹۵۲ء) میں مہدیہ میں تخت نشین ہوا معزالدین کے ابتدائی دورِ حکومت میں کئی مرتبہ اس کی فوجوں نے اسلامی اسپین کے ساحلی علاقوں پر حملہ کیا۔ اور اس حملہ کے جواب میں کئی بار اسپین کے بحری بیڑے نے افریقہ کے ساحل پر اُتر کر خوب تباہی مچائی اور اس خانہ جنگی کی وجہ سے ہزاروں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔

اسپین سے نکالے ہوئے ہزاروں جلاوطن مسلمان پہلے تو اسکندریہ میں آباد ہو گئے تھے لیکن وہاں سے نکالے جانے کے بعد انھوں نے جزیرہ کریٹ پر قبضہ جما کر وہاں ایک چھوٹی سی اسلامی حکومت قائم کر لی تھی معزالدین کے دورِ حکومت میں ۳۵۱ھ میں عیسائیوں نے سات سو جنگی جہازوں کے بیڑے سے جزیرہ کریٹ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور ہزاروں قیدی بنا لئے گئے اور یہ جزیرہ عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ معزالدین جس کے پاس ایک زبردست بحری بیڑا تھا وہ اگر چاہتا تو کریٹ کے مسلمانوں کو عیسائیوں کی دستبرد سے بچا سکتا تھا مگر اس نے کوئی توجہ نہ کی اور اسکی بے توجہی کی بنا پر جزیرہ کریٹ سے اسلامی حکومت مٹ گئی۔ معزالدین کی بحری طاقت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُس نے قیصرِ رُوم کے علاقوں پر پے در پے حملہ کر کے اُسے جزیہ اور خراج ادا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

معزالدین کے دورِ حکومت کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے اپنے کاتب جوہر کی سرکردگی میں ایک زبردست فوج مصر کی جانب بھیج کر دیئے مصر کو فتح کر لیا۔ اور مصر سے اخشیدی حکومت کو ختم کر کے وہاں عبیدی حکومت قائم کر دی۔

مختصر یہ کہ ۳۵۸ھ اور (۹۶۹ء) میں مصر پر بھی معز الدین کا قبضہ ہو گیا۔ مصر کی فتح کے بعد معز الدین نے شمالی افریقہ کا وائسرائے تو بلکین بن زیری بن مناد کو مقرر کر دیا اور خود ۳۶۲ھ میں مہدیہ سے قاہرہ منتقل ہو گیا اور اسی کو دولتِ عبیدیہ فاطمیہ کا دارالسلطنت قرار دے دیا۔

مصر کی فتح کے علاوہ ۳۵۹ھ میں معز الدین کے دستِ راست جعفر بن فلاح کتامی نے دمشق بھی فتح کر لیا تھا۔ اور وہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس سے پیشتر دمشق پر بنی طغج کی حکومت تھی جو قرامطہ کو خراج ادا کیا کرتے تھے جعفر بن فلاح نے چونکہ دمشق پر قبضہ کے بعد قرامطہ کو خراج دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے قرامطیوں نے دمشق پر حملہ کر دیا۔ پہلے تو قرامطہ کو شکست ہوئی لیکن قرامطہ نے دوسرے حملہ میں دمشق لے لیا اور جعفر بن فلاح اس لڑائی میں مارا گیا۔

دمشق اور شام کے دوسرے علاقوں پر قابض ہونے کے بعد قرامطہ نے مصر کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔ اور مصر کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد انھوں نے بڑی تباہی مچائی۔ ہزاروں مسلمان ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ آخر بڑی گھمسان کی جنگ کے بعد قرامطہ کو شکست ہوئی۔ اور وہ شام کی جانب بھاگے۔ معز الدین کے لشکر نے ان کا تعاقب کر کے دمشق پر بھی قبضہ کر لیا اور ۳۶۴ھ تک دمشق پر دولتِ عبیدیہ کا پرچم لہراتا رہا۔

مصر اور دمشق پر قبضہ کے بعد معز الدین کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ ۳۶۴ھ میں مکہ اور مدینہ کے لوگوں نے بھی معز الدین کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور اس کے نام کا خطبہ وہاں پڑھا گیا لیکن ۳۶۵ھ میں افتگین نے جو بنی بویہ کے خدام میں سے تھا۔ دمشق پر قبضہ جمانے کے بعد وہاں سے دولتِ عبیدیہ کے عامل کو نکال دیا اور خطبہ میں معز الدین کے نام کی بجائے خلیفہ بغداد کا نام لیا جانے لگا۔

معزالدین عبیدیوں میں بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے جس نے کہ مصر کو فتح کرنے کے بعد دولت عبیدیہ (فاطمیہ) کو چار چاند لگا دیئے۔ یہ تیئیس ۲۳ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۵ سال کی عمر میں ۳۶۵ھ میں فوت ہوگیا۔ اس بادشاہ کے زمانہ میں عمالِ حکومت کے لئے شیعی مذہب اختیار کرنا کیونکہ لازمی قرار دیدیا گیا تھا اس لئے شیعیت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔

عزیز باللہ بن معزالدین

معزالدین کے بعد اس کا بیٹا نزار عزیز باللہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد ۳۶۵ھ (۹۷۶ء) میں قاہرہ میں تخت نشین ہوا۔ افتگین والیٔ دمشق جس نے عبیدیوں سے دمشق چھین لیا تھا۔ اس نے معزالدین کی موت کی اطلاع پاتے ہی مصر پر چڑھائی کر دی۔ عکہ اور طبریہ پر قبضہ جمانے کے بعد اسے خوب لوٹا۔ اور اس کے بعد دمشق واپس چلا گیا۔ اس کے دمشق جاتے ہی عزیز باللہ نے جوابی حملہ کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ افتگین نے یہ دیکھتے ہوئے کہ تن تنہا عبیدی لشکر کا مقابلہ دشوار ہے۔ قرامطہ کو بھی عبیدیوں کے خلاف اس جنگ میں شامل کر لیا اور ایک طویل جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس جنگ میں افتگین کو شکست ہوگئی اس کی فوج کے بیس ہزار آدمی میدان جنگ میں مقتول ہوئے۔ افتگین تو جب گرفتار کر کے عزیز باللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو عزیز نے اس کی بڑی عزت کی اور اسے وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر سرفراز کر دیا لیکن سابق وزیر یعقوب نے اسے زہر دیکر ہلاک کر دیا۔

افتگین کے مصر آنے کے بعد سے دمشق پر اس کا نائب قسام حکومت کرتا رہا۔

عزیز باللہ نے افتگین کے مرنے کے بعد ابومحمود کو دمشق کا والی مقرر کر کے روانہ کیا تو قسام نے اسے گھسنے نہیں دیا اور دمشق میں نئے سرے سے ہنگامہ آرائی شروع ہوگئی اور یہ ہنگامہ آرائی دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی کیونکہ ایک طرف تو سیف الدولہ

نے شام پر چڑھائی کر دی تھی دوسری طرف قیصر روم کے حملے بھی شام پر شروع ہو گئے تھے۔ عزیز دمشق کے اس ہنگامہ کو فرو کرنے کے لئے ۳۸۵ھ میں خود قاہرہ سے دمشق پہنچا اور جنگ میں مصروف ہو گیا لیکن اسی دوران میں بیمار ہو گیا۔ اور کئی ماہ بیمار رہنے کے بعد ۳۸۶ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

منصور حاکم باللہ بن عزیز عزیز کے بعد اس کا بیٹا منصور حاکم باللہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد ۳۸۶ ہجری (۹۹۶ء) میں قاہرہ میں تخت نشین ہوا منصور کے ابتدائی دورِ حکومت میں اسپین کے اُموی خاندان کے ایک شہزادے ولید بن ہشام نے مصر اور برقہ کے علاقوں میں پہنچ کر بغاوت برپا کر دی تھی۔ اس کے ساتھ ایک بہت بڑی جماعت شامل ہو گئی تھی۔ یہ شہزادہ بڑی خونریزی کے بعد گرفتار ہوا۔ اور اُسے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔

منصور عجیب و غریب دماغ کا بادشاہ تھا۔ پہلے تو اس نے عیسائیوں کو سر پر چڑھایا اس کے بعد جب ناراض ہوا تو ان کے سرداروں کو قتل کرا دیا اور انکے گرجے منہدم کرا دئے۔ اس کے زمانہ میں تبرے کی لعنت بھی جاری ہو گئی تھی اور اس نے ایک عجیب و غریب مذہب بھی ایجاد کیا تھا جس میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسے غیب دانی کا بھی دعویٰ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کا دماغ خراب تھا۔

منصور نے چونکہ اپنی بہن پر بدچلنی کا الزام لگایا تھا اس لئے وہ اس کی دشمن ہو گئی تھی چنانچہ اس نے کتامی سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر منصور کو ۴۱۱ھ میں قتل کرا دیا۔

ظاہر دین اللہ بن حاکم منصور کے قتل کے بعد ۴۱۱ھ (۱۰۲۰ء)

میں اس کا نوعمر اور نابالغ لڑکا علیؔ ظاہر دین اللہ کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ اور اس کمسن بادشاہ کی نگراں منصور کی وہی بہن مقرر ہوئی جس نے کہ منصور کو قتل کرا دیا تھا۔ منصور کی بہن کا نام ست الملک تھا۔ یہ بڑی عاقل اور فرزانہ تھی۔ اس نے چار سال تک بڑی دانشمندی کے ساتھ مصر پر حکومت کی۔

کمسن بادشاہ ظاہر اپنی پھوپھی ست الملک کے مرنے کے بعد ارکین سلطنت کی مدد سے حکومت کرتا رہا۔ اس کے زمانہ میں شام میں بغاوتوں اور لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ سولہ سال کی حکومت کے بعد ۴۲۷ھ میں یہ فوت ہوگیا۔

مستنصر بن ظاہر

ظاہر کے بعد اس کا سات سالہ لڑکا ابو تمیم معد مستنصر کے لقب کے ساتھ ۴۲۷ھ مطابق ۱۰۳۶ء میں تخت نشین ہوا۔ یہ چونکہ ایک حبشی کنیز کے بطن سے پیدا ہوا تھا اس لئے اس کے بادشاہ بن جانے کے بعد اس کی ماں یعنی حبشی کنیز حکومت کے معاملات میں بے حد دخیل ہوگئی۔ وہ جو چاہتی تھی کر گذرتی تھی۔ مستنصر اور اس کی ماں نے ۲۳ ہزار حبشی غلاموں کی ایک فوج تیار کی تھی جو اُمرائے سلطنت اور مصر کے باشندوں کے لئے ایک مستقل مصیبت بنی ہوئی تھی۔ حبشی غلاموں کو چونکہ خوب نوازا جاتا تھا اس لئے ترک فوج میں اور بربری و کتامی فوج میں حبشیوں کے خلاف اس قدر ناگواری بڑھی کہ حبشی اور غیر حبشی فوج میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حبشی غلام ترکوں کے ہاتھ سے بُری طرح مارے گئے اور ترک سرداروں کا اقتدار قائم ہوگیا۔

جب بد امنی اور خانہ جنگی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو مستنصر نے اپنے ایک ارمنی غلام بدر جلالی کو جو عکہ میں بر سر حکومت تھا بُلایا وہ ایک بڑی فوج لیکر مصر پہنچ گیا۔ مستنصر نے اس کو قلمدانِ وزارت سپرد کر دیا۔ اس نے بگڑی ہوئی حالت کو دُرست کیا اور تدبّر و ہوشمندی کے ساتھ خانہ جنگی کو دُور کیا۔ اس بد امنی کے زمانہ میں طرابلس کا

علاقہ عبیدیوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا۔ بدر جبالی نے اسے پھر زیر کر لیا اور فلسطین کے سارے علاقہ کو بھی سلطنتِ عبیدیہ میں شامل کر لیا۔ البتہ شام کے علاقہ میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اس پر سلجوقیوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ مستنصر کے دورِ حکومت ہی میں جزیرہ سسلی ۴۸۴ھ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس جزیرہ پر عیسائیوں نے قبضہ جما لیا۔ مستنصر ساٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۸۷ھ میں فوت ہو گیا۔

ابو القاسم مستعلی بن مستنصر

مستنصر نے اگرچہ اپنی زندگی میں اپنے بیٹے نزار کو ولی عہد نامزد کر دیا تھا لیکن مستنصر کے مرنے کے بعد وزیر سلطنت فضل بن بدر جبالی اور مستنصر کی بہن کی کوشش سے نزار کو محروم کر کے نزار کے بھائی ابو القاسم کو مستعلی باللہ کے لقب کے ساتھ ۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) میں تخت نشین کر دیا گیا۔

نزار دل برداشتہ ہو کر مصر سے اسکندریہ چلا گیا۔ بدر جبالی کا غلام نصیر الدولہ افتگین وہاں کا حاکم تھا۔ وہ نزار کو حکومت کا مستحق سمجھتا تھا اس لئے اس نے نزار کو "مصطفیٰ دین اللہ" کے لقب کے ساتھ اسکندریہ میں تخت نشین کر دیا۔ نزار کی بادشاہی کے اعلان کے بعد ابو القاسم مستعلی اور نزار میں جنگ چھڑ گئی۔ نزار کو شکست ہو گئی۔ اور شکست کے بعد نزار اور افتگین دونوں گرفتاری کے بعد مستعلی کے حکم سے قتل کر دئے گئے۔

پہلی جنگِ صلیبی اور بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ

مستعلی کے عہدِ حکومت کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ اس بادشاہ کے دورِ حکومت میں ان صلیبی لڑائیوں کی ابتدا ہوئی جن کو تاریخِ اسلام میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

عیسائیوں کے دلوں میں زمانۂ دراز سے مسلمانوں کی جانب سے بغض و عناد بھرا ہوا تھا طلوعِ اسلام سے لیکر اس وقت تک عیسائیوں اور مسلمانوں میں سیکڑوں لڑائیاں

ہو چکی تھیں جن میں ہمیشہ ہی مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا تھا لیکن مسلمانوں کی گذشتہ خانہ جنگیوں نے عیسائیوں کی ہمتوں کو بڑھا دیا تھا۔ انھوں نے ایک طرف اسلامی اسپین کے اکثر علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا۔ دوسری طرف جزیرہ سسلی کو دولتِ عبیدیہ سے چھین لیا تھا اور شمالی افریقہ کے ملکوں پر بھی ان کی یورشیں شروع ہو گئی تھیں۔

دیگر ممالک کی طرح شام بھی زمانہ دراز سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا مرکز بنا ہوا تھا جس مسلم حکومت کو بھی طاقت حاصل ہو جاتی تھی وہ شام پر چڑھ دوڑتی تھی چنانچہ کچھ زمانہ سے شام میں سلجوقیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا لیکن سلجوقی شہزادوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے وہاں بھی اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ عیسائی مسلمانوں کی اس بدحالی کو گہری نظر سے دیکھ رہے تھے چنانچہ عیسائی سلاطین نے جب یہ محسوس کر لیا کہ شام میں مسلمانوں کی طاقت ٹوٹ چکی ہے تو انھوں نے مسیح اور صلیب کے نام پر عیسائیوں کو ابھار کر شام اور بیت المقدس کی تسخیر کے لئے ایسا زبردست حملہ کیا جس کا مسلمان مقابلہ نہ کر سکے۔

عیسائی حملہ آوروں نے سب سے پہلے حملہ کر کے ۴۹۱ھ میں انطاکیہ پر قبضہ جما یا۔ انطاکیہ کے نکل جانے کے بعد سلجوقی سرداروں نے متحد ہو کر عیسائیوں کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن مسلمانوں کی مختصر سی فوج عیسائیوں کے لشکرِ عظیم کا مقابلہ نہ کر سکی اور اس معرکہ میں ہزاروں مسلمان شہید ہو گئے اسکے بعد عیسائیوں نے معرۃ النعمان کا محاصرہ کیا اور تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کو جامِ شہادت پلا دیا۔ پھر عیسائیوں نے حمص پر قبضہ کے بعد عکّہ کا محاصرہ کر لیا۔

مسلمانانِ شام عکّہ کے محاصرہ میں بڑی مردانگی کے ساتھ عیسائیوں کے مقابلہ میں مصروف تھے کہ ان پر ایک نیا دشمن ٹوٹ پڑا۔ یہ دشمن کوئی عیسائی نہیں تھا بلکہ مستعلی کا وزیر فضل تھا جس نے ایک بہت بڑی مصری فوج کے ذریعہ بیت المقدس پر حملہ کر دیا تھا۔ فضل کے اس حملہ کے بعد مسلمانانِ شام کی طاقت دو مورچوں پر بٹ گئی

یعنی ایک طرف تو ان کو عیسائیوں سے جنگ کرنی پڑی اور دوسری طرف مصری شیعوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مسلمانانِ شام زیادہ مدت تک ان دو بڑے دشمنوں کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے۔ لہٰذا ایک طرف تو ان کو عکہ کے مورچہ پر شکست ہوگئی اور دوسری طرف بیت المقدس پر مصری شیعوں کا قبضہ ہوگیا۔

بیت المقدس پر مصری شیعوں کا یہ حملہ عیسائیوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا کیونکہ مصری شیعہ زیادہ مدت تک بیت المقدس پر اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکے چنانچہ عیسائیوں نے چالیس روز کے محاصرہ کے بعد ۴۹۲ھ میں بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد عیسائیوں کے ہاتھوں سے مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا محراب داؤد میں ہزاروں پناہ لینے والے مسلمان شہید ہوئے۔ مسجد اقصیٰ اور صخرہ سلیمان میں ستر ہزار مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ مسجد اقصیٰ کا سارا قیمتی سامان لوٹ لیا۔ غرضکہ مسلمانوں کی خانہ جنگی کی بدولت بیت المقدس اور شام کے بیشتر علاقہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا اور عیسائیوں نے وہاں اپنی سلطنتیں قائم کرلیں۔

بیت المقدس کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد مستعلی کے لشکر نے اسے دوبارہ عیسائیوں سے واپس لینے کی کوشش کی لیکن اسے بری طرح عیسائیوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ مستعلی آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۹۵ھ میں فوت ہوگیا۔

ابوعلی آمر باحکام اللہ

مستعلی کے انتقال کے بعد اُمرائے سلطنت نے اُس کے بیٹے ابوعلی کو جس کی عمر صرف پانچ سال تھی۔ "آمر باحکام اللہ" کا لقب دیکر ۴۹۵ھ (۱۱۰۲ء) میں تخت نشین کر دیا۔ وزیر سلطنت فضل بن جلالی یوں تو مستعلی کے زمانہ ہی میں حکومت کا مختار مطلق بنا ہوا تھا۔ لیکن اس کمسن بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد "کُلّیۃً" ساری حکومت اس کے ہاتھ میں آگئی۔

بیت المقدس کی فتح اور وہاں باقاعدہ عیسائی حکومت کے قیام کے بعد

کیونکہ عیسائیوں کا زور بے حد بڑھ گیا تھا اور عیسائیوں نے دولتِ عبیدیہ فاطمیہؒ کے اکثر و بیشتر علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا تھا اس لئے اس بادشاہ کے دورِ حکومت میں عبیدیوں کی عیسائیوں سے کئی لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن ان تمام لڑائیوں میں عبیدیوں کو عیسائیوں کے مقابلہ میں بُری طرح شکست اُٹھانی پڑی۔ ادھر شام میں بھی عیسائیوں کا زور دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے ساحلِ شام کے بہت سے کلیدی مقامات پر قبضہ جما لیا۔

ابو علی آمر در اصل ایک کمزور اور عیاش بادشاہ تھا۔ اس میں اتنی ہمت ہی نہ تھی کہ وہ عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک سکتا۔ وزیرِ سلطنت فضل بن بدر جمالی نے تھوڑا بہت عیسائیوں کا مقابلہ کیا تھا مگر اس بادشاہ نے فضل کے اقتدار کو ناپسند کرتے ہوئے ۵۱۵ھ میں اسے بھی قتل کرا دیا۔ اسی طرح چار سال کے بعد دوسرے وزیر جلال الاسلام کو بھی تہہ تیغ کرا دیا۔ یہ بادشاہ ۵۲۴ھ میں قرامطہ یا فدائیوں کے ہاتھ سے قتل کر دیا گیا۔

عبدالمجید حافظ الدین اللہ

ابو علی آمر کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لئے اس کے بعد اُس کا چچا زاد بھائی ۔ عبدالمجیدؒ حافظ الدین اللہؒ کا لقب اختیار کرنے کے بعد قاہرہ میں ۵۲۴ھ (۱۱۲۹ء) میں تخت نشین ہوا۔

اس کے تخت نشین ہونے کے بعد وزرائے سلطنت نے کیونکہ اس کے خلاف سازشیں شروع کر دی تھیں اس لئے کئی وزیر یکے بعد دیگرے اس کے اشارہ پر قتل ہوئے۔ آخر اس نے مجبور ہو کر اپنے بیٹے کو وزیر بنایا تو اُس نے بھی باپ کو راستہ سے ہٹا کر تخت حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ حافظ نے بیٹے کو بھی قتل کرا دیا۔ اس کے بعد رضوان نامی ایک سُنّی المذہب کو وزیر بنایا لیکن یہ بھی بغاوت پر آمادہ

ہوگیا اس لئے حافظ نے اس کا بھی سر قلم کرا دیا۔ حافظ نے پھر کسی کو وزیر نہیں بنایا۔ عبدالمجید حافظ بیس سال حکومت کرنے کے بعد ۵۴۴ھ میں فوت ہوگیا۔

اس کے زمانہ میں جزیرہ سسلی کے عیسائی بادشاہ نے جنگی جہازوں کے ذریعہ برقہ میں عیسائی فوجیں اُتار کر مسلمانوں کا بُری طرح قتلِ عام کیا۔ اس کے بعد طرابلس پہ حملہ کیا پھر مہدیہ لے لیا۔

ابومنصور ظافر باللہ

عبدالمجید حافظ کی موت کے بعد اس کا بیٹا ابومنصور اسمٰعیل "ظافر باللہ" کا لقب اختیار کرنے کے بعد ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) میں تخت نشین ہوا۔

تقریباً ایک صدی سے "دولتِ عبیدیہ فاطمیہ" کے بادشاہوں کی حالت یہ تھی کہ وہ وزراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے تھے اور وزرائے سلطنت حکومت پر بالکل حاوی تھے۔ یہی حالت ظافر کے زمانہ میں بھی رہی۔ پہلے وزیر عادل من مانی کارروائی کرتا رہا جب وہ قتل ہوگیا تو وزیر عباس حکومت کا مختارِ مطلق بن گیا۔

وزیر عباس کا ایک لڑکا نصیر نامی تھا۔ ظافر کو اس سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ بادشاہ اور نصیر کے تعلق پر ہر طرف چہ میگوئیاں شروع ہوگئی تھیں۔ آخر وزیر عباس نے اس بدنامی سے بچنے کے لئے اپنے بیٹے نصیر ہی کے ذریعہ بادشاہ کو دعوت کے بہانے اپنے محل میں بُلا لیا۔ اور بادشاہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کرکے اُن کی لاشوں کو دفن کرا دیا۔

فائز بنصر اللہ

وزیر عباس نے ظافر کے قتل کے بعد اُس کے بھائیوں اور بیٹوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا اور ایک چھوٹے لڑکے ابوالقاسم عیسیٰ کو جس کی عمر پانچ سال تھی "فائز بنصر اللہ" کا لقب دیکر ۵۴۹ھ (۱۱۵۴ء) میں

تخت نشین کر دیا۔ اور اس کے پردہ میں حکومت کرنے لگا۔

بیگمات شاہی نے وزیر عباس کے اس ظلم وستم کی اطلاع جب صالح بن زریک عامل بنسہ کو دی تو وہ ایک لشکرِ عظیم لیکر قاہرہ آن پہنچا عباس اور اس کا بیٹا نصیر مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے صالح نے عباس کے محل میں جاکر ظافر کی لاش زمین سے برآمد کرائی۔ اسے شاہی قبرستان میں دفن کرایا اور قلمدانِ وزارت سنبھال لیا۔

عباس اور نصیر جو جان بچاکر بھاگے تھے۔ راستہ میں ان کا عیسائیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ عباس اس مقابلہ میں مارا گیا۔ اور نصیر گرفتار ہوگیا۔ وزیر صالح نے عیسائیوں کو زرمعاوضہ دیکر نصیر بن عباس کو ان سے لے لیا اور اسے قتل کرکے اس کی لاش کو پہلے تو منظرِ عام پر سولی پر لٹکا دیا۔ اس کے بعد جلا دیا۔

وزیرِ سلطنت صالح حکومت کا مختارِ مطلق بن گیا تھا جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ اس نے چُن چُن کر اپنے تمام مخالف اُمراکو ختم کرادیا۔ یہاں تک کہ اس نے بادشاہ کی پھوپھی کو محض اس لئے محل میں گھس کر خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا کیونکہ وہ صالح کے اقتدار کی مخالف تھی۔ فائز بنصر اللہ چھ سال کی برائے نام بادشاہت کے بعد ۵۵۵ھ میں فوت ہوگیا۔

عاضد الدین اللہ بن یوسف

فائز کی موت کے بعد وزیرِ سلطنت صالح نے شاہی خاندان کے لڑکوں میں سے ایک لڑکے عبداللہ بن یوسف کو "عاضد الدین اللہ" کا لقب دیکر ۵۵۵ھ (۱۱۶۰ء) میں تختِ شاہی پر بٹھادیا اور اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کردی۔ اور خود عاضد کے پردہ میں بلا شرکتِ غیرے حکومت کرنے لگا۔

وزیرِ سلطنت صالح نے اپنی مطلق العنانی سے تمام اُمرائے سلطنت اور حرم شاہی کو اپنا شدید مخالف بنالیا تھا چنانچہ فائز کی چھوٹی پھوپھی نے صالح سے اپنی بہن کا انتقام لینے کے لئے بعض سرداروں کو اپنے ساتھ ملاکر انھیں صالح کے قتل کے لئے آمادہ کرلیا۔

چنانچہ ایک سردار نے موقع پاکر صالح پر نیزہ سے حملہ کر دیا جس سے وہ بُری طرح زخمی ہو کر گر پڑا اور اپنے مکان پر جاکر تھوڑی دیر بعد مر گیا مگر مرنے سے پہلے عاضد کو وصیت کر گیا کہ میرے مرنے کے بعد میرے بیٹے زریک کو وزیرِ سلطنت بنا لینا۔ چنانچہ عاضد نے زریک کو قلمدانِ وزارت سپرد کر کے اسے "عادل" کا خطاب عطا کر دیا۔ عادل نے وزارت ملتے کے ساتھ ہی اپنے باپ کے خون کے قصاص میں فائز کی پھوپھی اور اُس سردار کو قتل کر دیا جس نے کہ صالح کے نیزہ مارا تھا۔

عادل نے شاور والیٔ صعد کو معزول کرنا چاہا۔ اس پر شاور برہم ہو گیا اور لشکرِ عظیم لیکر قاہرہ پر چڑھ آیا اس نے عادل کو پہلے تو نظر بند کر دیا۔ اُس کے بعد قتل کر کے قلمدانِ وزارت خود سنبھال لیا۔

ابھی شاور کی وزارت کو چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ ضرغام نامی ایک دوسرا امیر جو وزارت کا متمنی تھا۔ اس نے شاور پر حملہ کر دیا۔ شاور مقابلہ کی تاب نہ لاکر مصر سے فرار ہو کر شام چلا گیا اور ضرغام نے وزارت پر قبضہ جما لیا۔

وزیرِ شاور کی بدعہدی اور عیسائی نوازی

وزیرِ شاور دمشق پہنچنے کے بعد سلطان نور الدین زنگی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ضرغام کے مقابلہ میں امداد کا خواستگار ہوا اور وعدہ کیا کہ اگر سلطان نے اسے دوبارہ وزارت کا عہدہ دلوا دیا تو وہ مصر کے بیشتر علاقہ پر سلطان نور الدین زنگی کا قبضہ کرا دے گا۔ سلطان نے اپنے سپہ سالار امیر اسد الدین شیر کوہ کو اس کی مدد کے لئے روانہ کر دیا۔ شیر کوہ کے مصر میں داخل ہونے کے بعد ضرغام نے پوری طاقت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا مگر وہ مقابلہ پر نہ ٹھہر سکا اور شیر کوہ کی کوشش سے شاور کو دوبارہ عہدہ وزارت حاصل ہو گیا مگر شاور مقصد حاصل ہونے کے بعد اپنے وعدہ سے پھر گیا اور شیر کوہ شام واپس چلا گیا۔

اسد الدین شیر کوہ کو وزیر شاور کی یہ بدعہدی سخت ناگوار گذری۔ اس نے سلطان نورالدین زنگی سے اجازت لیکر شاور کی تادیب کے لئے دوبارہ مصر پر حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ شیر کوہ کا بھتیجہ صلاح الدین ایوبی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ وزیر شاور نے شیر کوہ کی آمد کا حال سن کر عیسائیوں کو اپنی مدد کے لئے بلا لیا۔

شیر کوہ کے ساتھ اگرچہ فوج بہت تھوڑی تھی۔ اور دوسری طرف عیسائیوں اور مصریوں کا لشکرِ جرار تھا لیکن اس کے باوجود بھی شیر کوہ نے اسکندریہ فتح کر کے اپنے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا لیکن مصریوں اور عیسائیوں نے دوبارہ اسکندریہ پر یورش کر کے صلاح الدین ایوبی کو محاصرہ میں لے لیا۔ شیر کوہ جب اس کی مدد کے لئے پہنچا تو عیسائیوں اور مصریوں نے صلح کرنا چاہی۔ شیر کوہ کے پاس کیونکہ فوج بہت کم تھی اس لئے وہ صلح کے لئے آمادہ ہو گیا اور تاوانِ جنگ لیکر ۵۶۲ھ میں دمشق واپس آ گیا۔

عیسائیوں کا مصر پر غاصبانہ قبضہ

وزیر شاور نے شیر کوہ کے مقابلہ کیلئے عیسائیوں کو مصر بلا کر اس ملک کے لئے ایک نئی مصیبت مول لیلی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ شیر کوہ سے صلح اور اس کی واپسی کے بعد عیسائی بھی اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے جاتے لیکن ہوا یہ کہ انھوں نے مصر میں داخل ہونے کے بعد مصر میں ڈیرے ڈال دئے اور مصر پر عیسائیوں کے قبضہ کی بنیاد قائم کر دی چنانچہ انھوں نے اپنی فوجی طاقت کے بل پر اور وزیر شاور کی سازش کے ذریعہ عاضد سے مندرجہ ذیل شرائط منظور کرا لیں۔

(۱) عیسائی فوجیں قاہرہ میں مقیم رہیں گی (۲) عیسائیوں کی طرف سے ایک ناظم قاہرہ میں رہا کرے گا (۳) شہر پناہ کے دروازوں پر عیسائیوں کا قبضہ رہیگا۔ (۴) حکومتِ مصر کو ایک لاکھ اشرفی سالانہ بیت المقدس

کے بادشاہ کو ادا کرنا ہوگا۔"

گویا ان شرائط کے بعد عیسائیوں نے مصر کو شاہِ بیت المقدس کا باجگذار بنا لیا۔ صرف اسی پر عیسائیوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ عیسائیوں نے مصری حکومت کے معاملات میں بھی مداخلت شروع کر دی بلبیس کو عیسائی حکومت میں شامل کر لیا اور دارالسلطنت قاہرہ پر قبضہ جمانے کے لئے بہت بڑی تعداد میں فوجیں بلوا لیں اور ایک لاکھ اشرفی سالانہ کی بجائے دو لاکھ اشرفی اور کثیر مقدار میں غلہ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ عیسائیوں کی ان دست درازیوں میں وزیر شاور ان کا سب سے بڑا معاون اور مددگار بنا ہوا تھا۔

سلطان نورالدین زنگی سے مدد کی درخواست

عاضد نے یہ رنگ دیکھا تو اس نے ایک قاصد کے ہاتھ اپنے خط کے ساتھ بیوی کے بال تراش کر سلطان نورالدین زنگی کے پاس بھیجے اور درخواست کی کہ "مصر کے ملک کو اور دخترانِ اسلام کی آبرو کو عیسائیوں کے دستبرد سے بچائیے۔"

سلطان نورالدین زنگی بڑا ہی دیندار مسلمان تھا۔ وزیر شاور کی طرف سے اگرچہ پے در پے بدعہدیاں ہو چکی تھیں۔ لیکن ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سلطان نے فوراً اپنے سپہ سالار اسدالدین شیرکوہ کو مع صلاح الدین ایوبی اور دوسرے فوجی سرداروں کے ایک لشکر دیکر مصر کی جانب روانہ کر دیا۔

مصر کی حالت یہ تھی کہ وہاں عیسائیوں کی زیادتیوں کی وجہ سے مصریوں اور عیسائیوں میں بُری طرح آویزش شروع ہو چکی تھی۔ عیسائیوں کو جب پتہ چلا کہ مصریوں کی مدد کے لئے شیرکوہ آرہا ہے تو وہ مصر سے فرار ہو گئے۔ اور مصریوں کو لڑائی کے بغیر عیسائیوں کے دستبُرد سے نجات مل گئی۔

شیر کوہ کا لشکر جس وقت مصر میں داخل ہوا تو مصریوں نے اس کا بڑی گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ شیر کوہ قاہرہ میں داخل ہونے کے بعد بادشاہ عاضد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عاضد نے شیر کوہ کو خلعت عطا کیا اور بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا۔ اور اس کے لشکر کو مہمان رکھا۔ اور شیر کوہ سے کہا کہ وزیر شاور ہمارا دشمن اور عیسائیوں کا ہمنوا ہے۔ اس سے ملک کو صاف کر دو۔ شیر کوہ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا۔ انھوں نے شاور کا سر کاٹ کر فوراً عاضد کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ شاور کے قتل کے بعد عاضد نے شیر کوہ کو وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر سرفراز کر دیا۔ لیکن شیر کوہ چند ماہ کے بعد ہی ۵۶۴ھ میں فوت ہو گیا۔

دولتِ عبیدیہ کا وزیر صلاح الدین ایوبی

اسد الدین شیر کوہ کے مرنے کے بعد بادشاہ عاضد نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ شیر کوہ کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو تفویض کر دیا۔ مصر کی وزارت اتنا بڑا اعزاز تھا کہ مصری اُمراء کے علاوہ اتابکی اُمراء بھی صلاح الدین سے حسد کرنے لگے اور اس کے مخالف بن گئے۔ مگر صلاح الدین نے سب کو زیر کر لیا اور رفتہ رفتہ مصر میں اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا یعنی مصر کی حکومت کلیتہً صلاح الدین کے قبضہ میں آگئی۔ عاضد تو محض نام کا بادشاہ تھا۔

صلاح الدین کو امام شافعی سے بڑی عقیدت تھی اس لئے اُس نے مصر پر اقتدار حاصل ہونے کے بعد شیعہ قاضیوں کو موقوف کر کے شافعی قاضی مقرر کئے۔ مدرسہ شافعیہ اور مدرسہ مالکیہ کی بُنیاد رکھی۔ اور شیعی مراسم کو موقوف کرنا شروع کر دیا۔

مصر میں صلاح الدین کا اقتدار در اصل عیسائیوں کے سب سے بڑے مخالف سلطان نور الدین ہی کا اقتدار تھا کیونکہ صلاح الدین نور الدین زنگی ہی کا ساختہ پرداختہ تھا۔ عیسائی چونکہ نور الدین زنگی سے بے حد گھبراتے تھے۔ اس لئے مصر میں صلاح الدین

کے اقتدار اور نورالدین کے اثرات سے عیسائیوں میں بڑی تشویش پیدا ہوگئی چنانچہ انھوں نے اسپین اور سسلی کی عیسائی حکومتوں کو لکھا کہ "اگر مصر کے اس تازہ انقلاب کا تدارک نہ کیا گیا تو بیت المقدس کے ہاتھ سے نکل جانے کا پورا خطرہ ہے" مختصر یہ کہ تمام عیسائی طاقتیں مصر سے صلاح الدین کے اقتدار کو مٹانے کے لئے حرکت میں آگئیں یہاں تک کہ شام کے عیسائیوں نے ۵۶۵ھ میں مصر پر فوج کشی کر کے دمیاط کا محاصرہ بھی کر لیا۔

صلاح الدین اس معرکہ میں خود بنفسِ نفیس حصہ لینا چاہتا تھا لیکن اُس کے لئے یہ دشواری پیدا ہوگئی تھی کہ ایک طرف تو مصری سردار اس سے ناراض تھے دوسری جانب مصر کے شیعہ اس کے خلاف آمادۂ فساد تھے۔ اس لئے وہ مصر سے نہ نکل سکا اور اس نے سلطان نورالدین زنگی کو لکھا کہ "میں خود تو مصر کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے مصر کو چھوڑ نہیں سکتا لیکن دمیاط کے معرکہ کے لئے فوجیں بھیج رہا ہوں آپ بھی دمیاط کی جانب توجہ فرمائیں" مختصر یہ کہ ایک طرف تو صلاح الدین نے اپنی کُل فوجیں دُمیاط بھیجدیں اور دوسری جانب نورالدین زنگی نے نہ صرف امدادی فوجوں کا تانتا باندھ دیا بلکہ خود عیسائیوں کے شامی مقبوضات پر پیہم حملے کر کے اُن کو اُجاڑ کر رکھ دیا۔ عیسائی مسلمانوں کی ان جنگی سرگرمیوں سے گھبرا گئے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ مصر میں تو وہ کامیاب ہو نہیں سکتے۔ اور شام علحدہ نورالدین کے حملوں سے اُجڑ گیا ہے تو وہ پانچ مہینے کے بعد محاصرہ اُٹھا کر ناکام و نامراد واپس چلے گئے۔

دولتِ عبیدیہ فاطمیہ کا خاتمہ

عیسائیوں کے مقابلہ میں صلاح الدین کی اس عظیم الشان فتح نے صلاح الدین کے قدم مصر میں اور بھی مضبوط کر دئے۔ جب صلاح الدین کی طاقت اچھی طرح سے مصر میں بڑھ گئی اور اُس نے اپنے تمام مخالفین کو زیر کر لیا تو سلطان نورالدین زنگی نے

اُسے لکھا کہ "وہ عاضد فاطمی کا خطبہ بند کرکے مصر میں عباسی خلیفہ مستضی کا خطبہ جاری کردے"

صلاح الدین کے اثرات اگرچہ پوری طرح مصر میں قائم ہو چکے تھے اور مصر کی فاطمی حکومت چراغِ سحری تھی لیکن پھر بھی کیونکہ صدیوں سے فاطمی حکمرانوں کے اثرات موجود تھے اس لئے ابتدا میں تو صلاح الدین کو عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری کرتے ہوئے اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں کوئی نیا ہنگامہ بپا نہ ہو جائے لیکن جب سلطان نورالدین زنگی نے زیادہ زور دیا تو وہ اس کے لئے آمادہ ہو گیا۔

صلاح الدین نے اس کا سلسلہ اس طرح شروع کیا کہ پہلے تو اُس نے خطبہ میں محض عباسی خلیفہ مستضی کے لئے دُعا کرائی جب کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا تو دوسرے جمعہ کو سارے مصر میں عاضد کا خطبہ بند کرکے عباسی خلیفہ مستضی کے نام کا خطبہ جاری کرا دیا۔ صلاح الدین کا خیال تھا کہ تھوڑی بہت مخالفت ضرور ہوگی مگر خلافِ توقع کسی قسم کی مخالفت کا بھی اظہار نہیں ہوا اور اس طرح مصر میں کئی صدی کے بعد پھر عباسی خلفا کا خطبہ جاری ہو گیا جس زمانہ میں کہ عاضد کا نام خطبہ سے نکالا گیا تھا وہ مرض الموت میں مبتلا تھا۔ چنانچہ اُس کے نام کے نکالے جانے کے دو تین دن بعد ہی ۵۶۷ھ میں عین عاشورہ کے دن عاضد کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے انتقال کے ساتھ ہی مصر سے دولتِ عبیدیہ فاطمیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

عاضد کے مرنے کے بعد فاطمی خاندان کے کسی فرد میں اتنا حوصلہ باقی نہ تھا کہ وہ تخت کا دعویدار بن سکے جن اُمرائے سلطنت سے اندیشہ تھا اُنکے زور کو صلاح الدین پہلے ہی توڑ چکا تھا۔ لہٰذا فاطمی حکومت کے خاتمہ کے بعد صلاح الدین نے مصر میں اپنے ایوبی خاندان کی ایک نئی حکومت قائم کرلی۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی۔ خاندان ایوبی کے پہلے بادشاہ کی حیثیت سے مصر میں تخت نشین ہو گیا۔ اُدھر خلیفہ بغداد نے بھی اسے مصر کی سندِ حکومت عطا کرکے اس کی بادشاہی کی تصدیق کردی۔

دولت عبیدیہ فاطمیہ تقریباً پونے تین سو برس تک قائم رہی۔ ابتدا میں عبیدیوں کی حکومت شمالی افریقہ میں قائم ہوئی تھی۔ پھر مصر پر قابض ہو کر انھوں نے قاہرہ کو دارالسلطنت بنا لیا تھا۔ اس سلطنت کے فرمانروا محض دُنیاوی بادشاہ ہی نہیں تھے بلکہ خلفائے بغداد کی طرح ان کو ایک خاص طبقہ میں دینی سیادت بھی حاصل تھی چنانچہ انھوں نے بڑے دبدبہ اور شان کے ساتھ پونے تین سو برس تک حکومت کی ہے۔ ان کے محلات زمرد و جواہر کے انبار سے بھرے ہوئے تھے۔ اور نہایت ہی بیش قیمت ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ یہ ساری دولت صلاح الدین ایوبی کے قبضہ میں آئی۔

فاطمی سلاطین کے حسب و نسب کے بارے میں موٴرخوں میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض موٴرخ تو یہ لکھتے ہیں کہ "واقعی یہ فاطمی تھے"۔ اور بعض موٴرخوں کا یہ کہنا ہے کہ "یہ محض حصولِ اقتدار کے لئے فاطمی بن گئے تھے"۔ چنانچہ سیوطی کی روایت کے مطابق عبیداللہ المہدی کا دادا مجوسی تھا۔ اس بحث سے قطع نظر کہ فاطمی سلاطین فاطمی تھے یا غیر فاطمی اس چیز سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ بڑے حوصلہ مند فرمانروا تھے اور انھوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اگر اس خاندان کے آخری سلاطین وزرائے سلطنت کے آلۂ کار نہ بن گئے ہوتے تو یہ سلطنت شائد زمانۂ دراز تک قائم اور برقرار رہتی۔

دولتِ ایوبیہ کا بانی سلطان صلاح الدین

"دولت ایوبیہ" جو مصر و شام میں "دولتِ عبیدیہ فاطمیہ" کی جانشیں بنی۔ اُس کا بانی سلطان صلاح الدین ایوبی ہے جس کے مجاہدانہ کارناموں پر تاریخ اسلام رہتی دنیا تک فخر کرتی رہے گی۔ اس مردِ مجاہد نے آخری فاطمی سلطان "عاضد" کی وفات کے بعد ۵۶۷ھ (۱۱۷۱ء) میں مصر میں اپنی خودمختار حکومت قائم کرلی تھی۔ اور صلیبی لڑائیوں میں اس نے اپنے مجاہدانہ کارناموں سے نہ صرف یورپ بلکہ ساری مسیحی دُنیا کو لرزہ براندام کردیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کے آبا و اجداد

سلطان صلاح الدین ایوبی اور اُس کے آبا و اجداد کو "اتابکان شام" یعنی شاہانِ زنگی کے زمانہ میں عروج حاصل ہوا خصوصیت کے ساتھ سلطان نور الدین زنگی نے صلاح الدین ایوبی کو آگے بڑھایا

"اتابکان شام" جنکی بدولت خاندانِ ایوبی کو اقتدار حاصل ہوا انکو سلاطینِ سلجوق کا جانشین سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ سلاطین سلجوق کے زوال کے بعد سلجوقی سلطنت کے ایک سردار اتابک عماد الدین زنگی نے شام میں جو حکومت قائم کرلی تھی وہی "اتابکانِ شام" کی حکومت کے نام سے مشہور ہوئی۔

اتابک عماد الدین زنگی ۵۲۱ھ میں اپنی خودمختار حکومت قائم کرنے کے بعد ۵۴۳ھ تک بڑی شان کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ اس کے انتقال کے بعد اُس کے تینوں بیٹوں۔ نور الدین زنگی۔ سیف الدین زنگی اور قطب الدین زنگی نے ملکِ شام میں الگ الگ شہروں میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کرلی تھیں اور نور الدین زنگی کو اپنا سردار اور سلطان بنا لیا تھا۔ اسی سلطان نور الدین کی بدولت صلاح الدین کو عروج حاصل ہوا۔

سلطان صلاح الدین کا باپ نجم الدین ایوب جو کردوں کی قوم سے تعلق رکھتا تھا کسی زمانہ میں ایک سلجوقی سردار کے ماتحت قلعہ تکریت کا حاکم تھا۔ نجم الدین کا چھوٹا بھائی اسد الدین شیر کوہ بھی اسی کے ساتھ تکریت میں رہتا تھا۔ شیر کوہ کا کسی بات پر ایک شخص سے جھگڑا ہو گیا۔ اور اس نے غصہ میں اس شخص کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد سلجوقی سردار نے نجم الدین سے تکریت کی حکومت چھین لی اور یہ دونوں بھائی سلطان عماد الدین زنگی کے پاس موصل چلے آئے۔

عماد الدین زنگی ایک مرتبہ ایک سلجوقی امیر سے شکست کھانے کے بعد جب تکریت پہنچا تھا تو نجم الدین ایوب نے اُس کی بڑی مدد کی تھی۔ اس واقعہ کی وجہ سے کیونکہ عماد الدین زنگی کے دل میں نجم الدین کی بڑی عزت تھی۔ اس لئے اُس نے نجم الدین کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پہلے تو اسے ایک بڑی جاگیر عطا کر کے فوج کا سردار بنا دیا۔ پھر اسے سپہ سالاری کے عہدہ پر فائز کر دیا۔

عماد الدین زنگی کے بعد جب نور الدین زنگی تخت نشین ہوا تو اس نے بھی ایوبی خاندان کو خوب نوازا۔ اس نے نجم الدین ایوب کو تو دمشق کا عامل مقرر کر دیا اور اُس کے بھائی اسد الدین شیر کوہ کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔

نور الدین زنگی کی صلاح الدین پر بے حد توجہ تھی وہ اولاد کی طرح صلاح الدین سے محبت کرتا تھا۔ چنانچہ صلاح الدین کا بیشتر وقت سلطان نور الدین زنگی ہی کی خدمت میں گذرتا تھا۔ صلاح الدین کی تمام تر تربیت کیونکہ نور الدین ہی کی زیر نگرانی ہوئی تھی اس لئے نور الدین کے جرأت مندانہ اور پاکبازانہ خصائل کا اُس پر بے حد اثر پڑا۔ اور وہ جوان ہو کر شجاعت اور تقدس میں نور الدین کا صحیح مُرقع ثابت ہوا۔

نور الدین زنگی کی زندگی کا بیشتر حصہ کیونکہ عیسائیوں کے خلاف صلیبی لڑائیوں میں صرف ہوا تھا اور صلاح الدین ان لڑائیوں میں نہ صرف نور الدین کے ساتھ رہا تھا

بلکہ اس نے بڑے بڑے اور نہایت اہم کارنامے بھی انجام دئے تھے اس لئے آگے چل کر نورالدین زنگی کی طرح صلاح الدین بھی بہت بڑا مجاہد ثابت ہوا۔

اس سے قبل بتایا جاچکا ہے کہ صلاح الدین کے چچا شیر کوہ کو جب نورالدین زنگی نے مصر کے فاطمی سلطان کی درخواست پر عیسائیوں کے مقابلہ کیلئے بھیجا تھا تو صلاح الدین ایوبی بھی اپنے چچا کے ساتھ تھا۔ شیر کوہ مصر کی وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر جتنے دن بھی فائز رہا صلاح الدین نائب وزیر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اسکے بعد جب ۵۶۴ھ میں شیر کوہ کا انتقال ہوگیا تو مصر کی وزارت عظمیٰ صلاح الدین ایوبی کو مل گئی۔ اور ۵۶۷ھ میں دولت عبیدیہ فاطمیہ کے آخری سلطان عاضد کے مرنے کے بعد اسے مصر کا با اختیار بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔

مصر کے بعد دمشق پر صلاح الدین کا قبضہ

صلاح الدین ایوبی نے مصر کا با اختیار فرمانروا بننے کے ساتھ ہی ایک طرف تو مصر کے ان تمام عناصر کو کچل ڈالا تھا جو صلاح الدین کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے اور دوسری طرف اس نے کئی معرکوں میں عیسائیوں کو منہ توڑ جواب دیکر ان کے حوصلوں کو پست کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد عیسائیوں کو یہ ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ مصر کی جانب رُخ کر سکتے۔

صلاح الدین ایوبی نے اپنی غیر معمولی جنگی قابلیت اور حُسن انتظام سے مصر کی حکومت کو تو نہایت مستحکم کرلیا تھا لیکن اس کے لئے یہ خبر بڑی تشویشناک تھی کہ ۵۶۹ھ میں سلطان نُورالدین زنگی کے مرنے کے بعد نورالدین کی حکومت کا سارا شیرازہ بکھر گیا تھا اور زنگی شہزادوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے شام میں عیسائی دن بدن زور پکڑتے چلے جا رہے تھے۔ بیت المقدس اور شام کے بہت سے علاقوں پر تو عیسائی پہلے ہی سے قابض تھے۔ اب زنگی شہزادوں اور اتابکی اُمراکی خود غرضیوں کی وجہ سے ان کو پورے شام پر قابض ہونے کے بہترین مواقع حاصل ہوگئے تھے۔

شام کی حالت بڑی نازک تھی کہ نورالدین زنگی کے تخت پر اتابکی اُمرا نے اُس کے گیارہ سالہ لڑکے ملک الصالح کو بٹھا رکھا تھا۔ اور اس کے پردہ میں خود حکومت کر رہے تھے۔ ان اتابکی اُمرا کی بے حسی کی یہ کیفیت تھی کہ کمسن زنگی سلطان ملک الصالح کے چچازاد بھائی سیف الدین غازی والئی موصل نے اگرچہ اس سے جزیرہ کا پورا علاقہ چھین لیا تھا مگر اُمرائے سلطنت خاموش بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ بعض اُمرا نے سیف الدین غازی کو دمشق فتح کرنے کی بھی دعوت دیدی تھی اُدھر سیف الدّین غازی نے عیسائیوں سے ساز باز کرلی تھی۔ اور وہ عیسائیوں کی مدد سے ایک ایک کرکے ملک الصالح کے علاقوں پر قبضہ جماتا چلا جا رہا تھا۔

باشندگانِ دمشق نے یہ نازک حالت دیکھی تو انھوں نے سمجھ لیا کہ اب وہ وقت دُور نہیں ہے جب دمشق پر سیف الدین غازی کا نہیں بلکہ اُس کے دوست عیسائیوں کا قبضہ ہوجائیگا لہٰذا انھوں نے فوراً سلطان صلاح الدین کو لکھا کہ۔ وہ فوراً دمشق آئے اور دمشق اور شام کو عیسائیوں کے قبضہ میں جانے سے بچائے۔ اس اطلاع کے ملتے کے ساتھ ہی صلاح الدین ایک لشکرِ عظیم لیکر دمشق پہنچ گیا۔ باشندگانِ دمشق نے فوراً شہر اس کے حوالے کردیا۔ دمشق پر قبضہ کے بعد صلاح الدین نے حمص اور حماۃ فتح کیا پھر بعلبک کو زیر کیا۔

ملک الصالح اور سیف الدین غازی میں اگرچہ دُشمنی تھی لیکن صلاح الدین کے دمشق پہنچنے کے بعد یہ دونوں صلاح الدین کے خلاف صرف متحد ہی نہیں ہوگئے بلکہ انھوں نے عیسائیوں سے بھی ساز باز کرلی صلاح الدین نے ہرچند اس بات کی کوشش کی کہ زنگی شہزادے غلط روش چھوڑ کر راہ راست پر آجائیں مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ ایک موقع پر صلاح الدین کے ساتھ انکی صلح بھی ہوگئی تھی لیکن سیف الدین غازی عہد شکنی کرکے صلاح الدین کے مقابلہ پر آگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلاح الدین

سے زنگی شاہزادوں کی ۵۷۲ھ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ صلاح الدین نے ان کو شکست دے کر بزاعہ اور قلعہ عزاز پر قبضہ کر لیا اور حلب کو بھی محاصرہ میں لے لیا۔ (ان) فتوحات کے بعد صلاح الدین نے دمشق اور شام کے مفتوحہ علاقہ کا گورنر اپنے بھائی توران شاہ کو بنا دیا اور خود مصر واپس چلا گیا۔ صلاح الدین کے شام سے مصر چلے جانے کے بعد عیسائی اور زنگی شہزادے تھوڑے عرصہ کے بعد اس کے مقبوضات پر برابر حملے کرتے رہے اور توران شاہ ان کا مقابلہ کرتا رہا۔

اس موقعہ پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ جس زمانہ میں کہ سلطان صلاح الدین حلب اور اعزاز کے محاصرہ میں مصروف تھا تو اسمٰعیلی باطنیوں نے دو مرتبہ قاتلانہ حملہ کر کے سلطان کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ مگر قدرت خداوندی سے دونوں مرتبہ سلطان بچ گیا۔ پہلی مرتبہ حلب کے محاصرہ کے موقع پر سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا لیکن سلطان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور حملہ آور گرفتار ہونے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ جب سلطان عزاز کے قلعہ کے قریب تھا تو اس کے چہرہ پر خنجر سے وار کیا گیا۔ لیکن خود کی وجہ سے یہ وار کارگر نہ ہوا۔ صرف چہرہ پر خفیف سی خراش آئی۔ سلطان نے اسی وقت حملہ آور کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد بھی کئی باطنیوں نے سلطان پر پے در پے حملے کئے لیکن یہ سب حملے ناکام ہوئے اور حملہ آور مارے گئے۔

صلاح الدین کے مقابلہ کیلئے زنگی شہزادوں کا عیسائیوں سے معاہدہ

۵۷۶ھ اور ۵۷۷ھ

میں والئ موصل سیف الدین غازی اور والئ حلب ملک الصالح یعنی نور الدین زنگی کے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ ان دونوں کا جانشین عز الدین مسعود زنگی بن گیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد مسعود زنگی نے اپنے چچازاد بھائی عماد الدین کو حلب دے کر اس کے تبادلہ میں سنجار کا علاقہ لے لیا۔ گویا مسعود زنگی تو بدستور موصل کا والی بنا رہا لیکن عماد الدین

حلب لینے کے بعد حلب کا سلطان بن گیا۔

یہ دونوں زنگی شہزادے بھی چونکہ صلاح الدین کے شدید مخالف تھے۔ اس لئے ان دونوں نے متحد ہو کر یہ طے کیا کہ دمشق اور شام کے وہ تمام علاقے جو صلاح الدین کے قبضہ میں ہیں نکال لئے جائیں۔ لہٰذا انھوں نے ان علاقوں پر دست درازیاں شروع کر دیں۔ صلاح الدین نے ابتدا میں تو ان کے حملوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن جب ان کی فوجی سرگرمیاں حد سے تجاوز ہو گئیں تو اُسے مجبوراً ان کی جانب رُخ کرنا پڑا۔

ان شہزادوں کو جب معلوم ہوا کہ صلاح الدین ان کی تادیب کے لئے حضرت آرہا ہے۔ تو انھوں نے بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ اور شام کے دوسرے عیسائی حکمرانوں سے صلاح الدین کے مقابلہ کے لئے ایک باقاعدہ معاہدہ کر لیا۔ جس کی رُو سے یہ قرار پایا کہ اگر صلاح الدین حملہ کرے گا تو زنگی شاہزادے اور عیسائی حکمران مل کر اس مردِ مجاہد کا مقابلہ کریں گے۔

صلاح الدین مصر سے روانہ ہو چکا تھا۔ جب زنگی شہزادوں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے عیسائیوں کو ترغیب دی کہ وہ راستہ ہی میں صلاح الدین کو گھیر کر ختم کر دیں۔ چنانچہ صلاح الدین جب عیسائیوں کے علاقہ کرک کے قریب پہنچا تو عیسائیوں نے اُسے گھیرنے کی اور روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ راستہ کاٹ کر دوسری طرف سے دمشق جا پہنچا۔

دمشق پہنچنے کے بعد صلاح الدین نے جب حالات کا بغور مطالعہ کیا تو اُسے اندازہ ہوا کہ عیسائیوں سے کہیں زیادہ شام کے لئے زنگی شہزادوں اور اتابکی اُمرا کا وجود خطرناک ہے جو شام کے عیسائیوں کے ملئے قوت بازو بنے ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ سب سے پہلے ان ہی کی جانب متوجہ ہوا۔ اُس نے فوراً جزیرہ پر حملہ کر دیا

جس پر کہ ایک اتابکی امیر کا قبضہ تھا۔ جزیرہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد سنجار پر حملہ کر کے اسے زیر کیا۔ پھر آمد پر فوج کشی کر کے اس پر قبضہ جمایا۔ اس کے بعد حلب اور حارم کو فتح کیا۔ غرضکہ صلاح الدین نے شام کے بیشتر علاقوں کو زنگی شہزادوں اور اتابکی اُمرا کے قبضہ سے نکال کر ان کی طاقت کو توڑ دیا اور اُنھیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ وہ اپنے عیسائی دوستوں کی مدد کر سکیں۔

روضۂ مبارک اور خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے ارادے

بیت المقدس اور شام کے بعض علاقوں میں مسیحی حکومتیں قائم ہونے کے بعد اور شام کے زنگی سلاطین اور امرا کی کمزوری کی بنا پر عیسائیوں کی ہمتیں کس قدر بڑھی ہوئی تھیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عیسائی نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم کے مزارِ مبارک اور خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

ان ناپاک ارادوں میں کرک کا عیسائی سلطان ریجی نالڈ بہت زیادہ پیش پیش تھا اس نے اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لئے ایک بحری بیڑا تیار کیا تھا تاکہ پہلے تو سمندری راستہ سے حجاز پہنچ کر مکہ اور مدینہ میں خوب تباہی مچائی جائے اس کے بعد نعوذ باللہ خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کو مسمار کر کے اپنی تعصب کی آگ کو ٹھنڈا کیا جائے۔

ریجی نالڈ اس ناپاک مقصد کے لئے بحری بیڑا لیکر خلیج حیفہ سے روانہ ہی ہوا تھا کہ مسلمانوں کا بحری بیڑا بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ عیسائیوں نے جب اسلامی بیڑے کو دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔ اور وہ جہازوں سے اُتر اُتر کر پہاڑی علاقوں کی جانب بھاگ گئے لیکن مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے ایک ایک عیسائی کو چُن چُن کر قتل کر دیا مگر ریجی نالڈ بچ کر نکل گیا اور بھاگ گیا۔

صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عیسائیوں کی چیرہ دستیاں شام میں کس قدر بڑھی ہوئی تھیں اور ان کا وجود مسلمانوں کے لئے کس طرح ایک مستقل مصیبت بنتا چلا جا رہا تھا۔

صلاح الدین اور دوسری جنگِ صلیبی

عیسائیوں کے دستِ راست زنگی شہزادوں اور اتابکی اُمرا کو زیر کرنے کے بعد اب صلاح الدین اس قابل تھا کہ عیسائیوں کے خلاف جہاد کر سکے چنانچہ ۵۷۹ھ میں اس نے دمشق پہنچ کر عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مجاہدینِ اسلام کا ایک لشکرِ عظیم فراہم کر لیا اور عیسائیوں پر حملہ بول دیا غازی صلاح الدین کے حملہ سے عیسائیوں میں کھلبلی برپا ہو گئی۔ صلاح الدین نے سب سے پہلے بیسان کا رُخ کیا۔ یہاں کے عیسائی اپنا کل ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

بیسان کی شکست کے بعد عیسائی پادریوں اور حکمرانوں کی مشترکہ جدوجہد سے صلیبی عیسائیوں کا ایک لشکرِ عظیم الغوکہ میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہو گیا۔ اس لشکر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں بے شمار صلیبی جانبازوں کے دوش بدوش ایک ہزار تین سو مسیحی نائٹ اور یورپ کے بہت سے حکمران بھی موجود تھے۔ اس کے علاوہ پادریوں کی ایک بڑی تعداد بھی شامل تھی جو صلیب اور مسیح کے نام پر عیسائیوں کو جوش دلا رہی تھی۔

صلاح الدین کا لشکر اگرچہ صلیبی عیسائیوں کے لشکر کے مقابلہ میں نصف سے بھی کم تھا لیکن اس کے باوجود صلاح الدین جب الغوکہ پہنچنے کے بعد ان پر حملہ آور ہوا تو عیسائی مسلمان مجاہدین کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے اور بری طرح میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سلطان نے ان کا تعاقب کر کے انھیں بے دریغ قتل اور گرفتار کیا۔ اور ان کے علاقے کنز بلا۔ بیسان اور زرعین کو ویران کر ڈالا۔

الغوکہ کے معرکہ میں فتح حاصل کرنے کے بعد سلطان نے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقہ کرک پر حملہ کر دیا۔ کرک کے مورچہ پر ۵۸۲ھ میں بڑی خوفناک جنگ ہوئی جس زمانہ میں کہ صلاح الدین کرک کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اسی زمانہ میں شاہ بیت المقدس "امال مارک" کی بہن ازسیلا کی شادی کی تقریب کا جشن کرک میں منایا جارہا تھا۔ دولھا دلہن یہیں تھے۔ جب صلاح الدین کو اس شادی کا علم ہوا تو عیسائیوں کا جانی دشمن ہونے کے باوجود اس نے فوج کو حکم دیدیا کہ جس علاقہ میں شادی کی یہ تقریب ہورہی ہے وہاں نہ سنگ باری کی جائے اور نہ تیر پھینکے جائیں۔

کرک کے محاصرہ کے چند ہی روز بعد ۵۸۱ھ میں بیت المقدس کا بادشاہ "امارل مارک" مرگیا۔ اس کا کمسن بھانجہ بالڈون تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ کیونکہ بہت کم عمر تھا اس لئے طرابلس کا عیسائی سلطان ریمنڈ اس کا والی مقرر ہوا۔ شاہ بیت المقدس کے مرنے کے بعد کیونکہ عیسائیوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اور عیسائی صلاح الدین کی پے در پے فتوحات سے سراسیمہ بھی ہوگئے تھے۔ اس لئے سلطان ریمنڈ نے چار سال کے لئے صلاح الدین سے صلح کرلی۔ ریمنڈ کے علاوہ ریجی نالڈ کو بھی مجبوراً نہایت گری ہوئی شرطوں پر صلاح الدین سے صلح کرنی پڑی اور اس طرح یہ صلیبی جنگ عارضی طور پر بند ہوگئی۔ عیسائیوں سے صلح کے بعد صلاح الدین پھر زنگی شہزادوں اور اتابکی اُمرا کی جانب متوجہ ہوگیا اور اس نے ایک بڑے معرکہ کے بعد موصل بھی فتح کرلیا۔ موصل کی فتح کے بعد عز الدین مسعود نے صلاح الدین کی اطاعت قبول کرلی اور زنگی حکومت ایوبی حکومت کی باجگذار بن گئی! اور اسکے بعد زنگی شہزادوں اور اتابکی اُمرا کے سائے خطرات دور ہوگئے۔

بدعہدی اور رسول اللہ صلعم کے نام نامی کے ساتھ تمسخر استہزا

نے گو صلاح الدین سے صلح کر لی تھی لیکن ان کی صلح قطعی بے معنی تھی۔ کیونکہ تھوڑے ہی بعد ان کی جانب سے بد عہدیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ عیسائیوں کی حالت یہ تھی کہ انکے علاقوں میں جو مسلمان بھی آباد تھے یہ ان پر انسانیت سوز مظالم توڑتے تھے مسلمانوں کے قافلے اگر ان کے علاقوں سے گذرتے تھے تو یہ انھیں لوٹ لیتے تھے۔

۵۸۲ھ میں عیسائیوں کی دست درازیاں حد سے متجاوز ہو گئیں چنانچہ اس سال مسلمان تاجروں کا ایک قافلہ جب ریجی نالڈ کی حدود سلطنت میں پہنچا تو عیسائیوں نے اسے لوٹ لیا اور اہلِ قافلہ کو گرفتار کر لیا۔ مسلمانوں نے جب ریجی نالڈ سے رہائی کا مطالبہ کیا تو اس ملعون عیسائی حکمراں نے رسول اللہ صلعم کے نام نامی کے ساتھ تمسخر کرتے ہوئے کہا "تم تو محمد (صلعم) پر ایمان رکھتے ہو اُس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ تمہیں آکر چھڑا لے۔"

سلطان صلاح الدین سلطنت کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے عیسائیوں کی پے در پے بدعہدیوں کو برداشت کر رہا تھا لیکن اُسے جب ریجی نالڈ کی اس گستاخی کا علم ہوا تو غصہ سے کانپنے لگا اور قسم کھائی کہ جب تک اس گندہ دہن کافر کو اپنے ہاتھ سے قتل نہ کر دوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا چنانچہ اس نے فوراً فوج کو تیاری کا حکم دیدیا اور فوج لیکر عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا۔

عیسائیوں سے صلاح الدین کی خونریز جنگ

عیسائیوں کو جب معلوم ہوا کہ صلاح الدین ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا ہے تو انھوں نے بھی مقابلہ کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں صلیب اور مسیح کے نام پر پادریوں نے عیسائیوں میں جوش پیدا کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صفوریہ کے میدان میں پچاس ہزار سے زیادہ صلیبی عیسائی جمع ہو گئے جنمیں ایک ہزار دو سو نائٹ بھی شامل تھے صلاح الدین بھی

فوراً صفوریہ پہنچ گیا اور صفوریہ کے قریب طبریہ کی پہاڑی پر قبضہ جمانے کے بعد خیمہ زن ہو گیا۔

عیسائیوں کا لشکر عظیم چاندی کی صلیبیں بلند کئے ہوئے طبریہ آن پہنچا اور طبریہ کے قریب ۵۸۲ھ میں مسلمان مجاہدین اور عیسائی صلیبیوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی عیسائی لشکر اگرچہ اسلامی لشکر سے پانچ گنا تھا مگر پھر بھی عیسائیوں کو شکستِ فاش ہوئی ان کے تمام بڑے بڑے اُمرا یا تو قتل ہو گئے یا گرفتار کر لئے گئے ان ہی گرفتار شدگان میں ملعون ریجی نالڈ بھی تھا۔

اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ سلطان صلاح الدین نے ریجی نالڈ کے قتل کی قسم کھائی تھی۔ چنانچہ ریجی نالڈ کو جب سلطان کے روبرو پیش کیا گیا تو سلطان نے اس کی گزشتہ بداعمالیاں گناتے ہوئے کہا کہ "ملعون اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ محمد صلعم نے تیرے پنجۂ استبداد سے مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے اپنے ایک ادنیٰ خادم کو بھیجا ہے" اور یہ کہہ کر خود اپنے ہاتھ سے ریجی نالڈ کی گردن اُڑا دی۔ یہ ریجی نالڈ کی اس گستاخی کا جواب تھا جو اس نے چند ماہ قبل رسول اللہ صلعم کی شان میں کی تھی۔

طبریہ میں شکست کے بعد عیسائیوں کو بہت بڑا دھکا لگا تھا۔ بیت المقدس کا بادشاہ بڑے بڑے عیسائی سلاطین اور اُمراء گرفتار ہو چکے تھے پورے شمالی فلسطین پر صلاح الدین کا قبضہ ہو چکا تھا۔ عیسائیوں کے قبضہ میں بیت المقدس، صور اور صرف چند دوسرے مقامات رہ گئے تھے جن کو ایک ایک کر کے اسلامی فوجوں نے فتح کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے عکا پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ یہ فلسطین کی بڑی اہم بندرگاہ تھی۔ اس کے بعد مجدل یابا۔ ناصرہ۔ قیساریہ۔ حیفہ۔ صفوریہ۔ معلیا۔ شقیف فولہ۔ صیدا۔ بیروت۔ عسقلان۔ رملہ۔ دارو م۔ غزہ۔ مشہد ابراہیم۔ بیت الحم۔ بیت الجبریل۔ غرضکہ بیت المقدس کے علاوہ گردو پیش کے تمام چھوٹے بڑے شہر اور علاقے

سلاح الدین نے پامال کر کے رکھ دیئے۔

بیتُ المقدّس کی فتح

مندرجہ بالا مقامات کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد سلطان صلاح الدین خاص بیت المقدّس کی جانب متوجّہ ہوا۔ رجب ۵۸۳ھ میں سلطان نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا اور بیت المقدّس کے عیسائیوں کو پیغام بھیجا کہ "بیت المقدّس اسی طرح ہمارے لئے بھی باعثِ احترام ہے جس طرح کہ تمہارے لئے ہے۔ اس لئے مُناسب یہی ہے کہ یہ مقدّس مقام خونریزی کے بغیر مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اگر تم پُر امن طریقہ پر اس خانۂ خدا کو ہمارے حوالے کر دو گے تو تم سب کو جان اور مال کی امان دیدی جائے گی اور تم کو اتنا علاقہ دیدیا جائے گا جسے تم آسانی سے سنبھال سکو۔ اس کے علاوہ نقد رقم بھی تم کو حسبِ ضرورت دیدی جائے گی"۔

عیسائیوں نے صلاح الدین کی اس فیاضانہ پیش کش کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر سلطان کو مجبوراً میان سے تلوار نکالنی پڑی اور بیت المقدّس کے لئے بڑی ہی خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ ایسی خوفناک جنگ کہ انسانی خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ عیسائی شروع میں تو بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے لیکن بعد میں ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ جب عیسائی کمزور پڑ گئے تو مسلمان ریلا کر کے فصیل کے قریب جا پہنچے۔ اور سنگ باری کے ذریعہ فصیل کو توڑ دیا۔

فصیل کے ٹوٹتے ہی عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ اب شہر کا بچانا ناممکن ہے۔ لہذا وہ جان و مال کی حفاظت کی شرط پر بیت المقدس کو مسلمانوں کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ سلطان خود بیت المقدس کی بے حُرمتی نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے فوراً عیسائیوں کی درخواست قبول کر لی اور یہ شرط لگا دی کہ بیت المقدّس کے

تمام عیسائی فی مرد دس دینار، فی عورت پانچ دینار اور فی بچہ دو دینار فدیہ ادا کرکے جہاں چاہیں مع اپنے مال و اسباب کے چلے جائیں لیکن چالیس دن کے اندر اندر جن کا زرِ فدیہ ادا نہیں ہوگا وہ غلام متصور کئے جائیں گے۔ چنانچہ اس قرارداد کے بموجب ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو عیسائیوں نے بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کردیا اور اکیانوے سال کے بعد یہ خانۂ خدا دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ جس روز مسلمانوں کا اس مقدس شہر پر دوبارہ قبضہ ہوا وہ معراج نبوی کی تاریخ تھی یعنی اسی تاریخ کو رسول اللہ صلعم بیت المقدس سے معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

صلاح الدین کا عیسائیوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک

عیسائیوں نے ۴۹۲ھ میں جب بیت المقدس پر قبضہ جمایا تھا۔ تو انھوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ بدتر سے بدتر انسانیت سوز مظالم مسلمانوں پر کئے تھے۔ نہ عورتوں کو چھوڑا تھا نہ بچوں کو، نہ بوڑھوں کے ساتھ رعایت کی تھی اور نہ بیماروں کے ساتھ صرف مسجد اقصیٰ میں انھوں نے ستر ہزار مسلمانوں کو تہِ تیغ کردیا تھا لیکن جب مسلمانوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہوا تو انھوں نے ان ہی ظالم اور جابر عیسائیوں کے ساتھ وہ فیاضی کا برتاؤ کیا جس کی مثال مشکل ہی سے حکومتوں کے انقلابات کی تاریخ میں مل سکتی ہے۔

مسلمانوں کے اس فیاضانہ سلوک کے بارے میں کوئی مسلمان مورخ نہیں بلکہ عیسائی مورخ لین پول لکھتا ہے" صلاح الدین نے بیت المقدس کے قبضہ کے وقت اپنے آپ کو بڑا ہی وسیع نظر اور حوصلہ مند حکمراں ثابت کیا۔ اس نے ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ کسی ایک عیسائی کو بھی گزند نہ پہنچنے پائی جابجا امن برقرار رکھنے کے لئے

فوج متعین تھی۔ زرِ فدیہ کی وصولیابی بڑی نرمی اور احتیاط کے ساتھ عمل میں آئی جو غریب عیسائی زرِ فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کا زرِ فدیہ ادا کرنے میں فیاض دل مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا۔ ایک ایک مسلمان نے ہزار ہزار عیسائیوں کا زرِ فدیہ اپنی جیب سے ادا کر کے انھیں رہائی دلوائی۔ چالیس روز تک عیسائیوں کی رہائی کا سلسلہ برابر جاری رہا لیکن پھر بھی ہزاروں غریب اور مفلس عیسائی رہا ہونے سے رہ گئے جن کو کنجوس تاجروں اور مالدار عیسائیوں نے غلام بننے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ یروشلم کے تقدس مآب پادری جو اخلاق اور ایمان دونوں سے عاری تھے۔ گرجاؤں کی دولت دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر لے گئے یہاں تک کہ نقرئی اور طلائی ظروف بھی نہ چھوڑے اور اپنا ذاتی اندوختہ بھی ساتھ لے گئے۔ اور کسی ایک غریب عیسائی کے بھی کام نہ آئے بعض دردمند مسلمانوں نے پادریوں کی اس لوٹ کو دیکھ کر سلطان سے کہا کہ "بے ایمان اور خود غرض پادریوں کو لوٹ کا مال لیجانے سے روکا جائے"۔ اس پر سلطان نے جواب دیا کہ "میں جو قول دے چکا ہوں اس سے نہیں پھر سکتا"۔ غرضکہ دولت مند عیسائیوں اور پادریوں کی خود غرضی کی وجہ سے غریب عیسائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد رہا ہونے سے رہ گئی۔ ان کی بے کسی کو دیکھ کر سلطان کے بھائی الملک العادل نے سلطان سے ایک ہزار عیسائیوں کو بطور غلام لیکر انھیں اپنی طرف سے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد سلطان صلاح الدین نے شہر میں عام منادی کرا دی کہ "وہ تمام بوڑھے جو زرِ فدیہ ادا نہیں کر سکتے آزاد کئے جاتے ہیں انھیں اختیار ہے کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں"۔ عیسائی مورخ لین پول کے مندرجہ بالا بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صلاح الدین اور مسلمانوں نے بیت المقدس پر قبضہ کے وقت عیسائیوں کے ساتھ کیسی فیاضی کا سلوک کیا تھا۔

سلطان صلاح الدین کی یہ فیاضی صرف عام اور غریب عیسائیوں ہی تک محدود

نہیں تھی بلکہ اس نے اُمرائے سلطنت اور بادشاہوں کے ساتھ بھی بڑی فیاضی کا سلوک کیا تھا۔ چنانچہ بیت المقدس کی ایک شہزادی جس کے پاس بے اندازہ دولت تھی جب اُس نے بیت المقدس سے جانا چاہا تو سلطان نے اپنے انتظام سے اسے مع مال و دولت کے جائے مقصود تک پہنچوا دیا۔ بیت المقدس کا بادشاہ گائی جو نظر بند تھا اس کی بیوی نے اس کے پاس جانے کی خواہش کی تو سلطان نے اسے شوہر کے پاس بھجوا دیا۔ صلاح الدین نے جنگِ صلیبی کے مقتول اور قیدی نائٹوں یعنی نوابوں کی بیویوں کے ساتھ بڑا ہی فیاضانہ سلوک کیا تھا۔ چنانچہ جب وہ سلطان سے اپنی حالتِ زار بیان کر کے رحم کی طالب ہوئیں تو سلطان آبدیدہ ہو گیا۔ اور ان میں سے جن کے شوہر قید میں تھے۔ ان سب کو رہا کر دیا۔ اور جن کے شوہر مقتول ہو گئے تھے۔ ان کے رُتبہ کے مُطابق ان کو روپیہ دیکر ان کی اچھی طرح تشفی اور دلداری کی۔

عیسائیوں کی جنگی تیاریاں

بیت المقدس کی فتح کے بعد اگرچہ پورے شام اور فلسطین پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اور عیسائیوں کی حکومتیں ختم ہو چکی تھیں لیکن اس کے باوجود بھی عیسائی ابھی تک چھوٹے چھوٹے علاقوں میں اچھے ہوئے تھے۔ چنانچہ صور کی اہم بندرگاہ بیت المقدس کے شکست خوردہ عیسائیوں کی سب سے بڑی جائے پناہ بن گئی تھی۔ کاونٹ کانرڈ نے اس کو خوب مستحکم کر لیا تھا۔ اس کے گرد نئی شہر پناہ تعمیر کر کے اور اس کے چاروں طرف خندق کھود کر اس کو سمندر سے ملا دیا تھا۔ اس طرح صور کی بندرگاہ ایک جزیرہ بن گئی تھی۔ صور کے چاروں طرف جنگی جہاز پہرہ دے رہے تھے غرضکہ صور کی بندرگاہ عیسائیوں کا ایک نہایت ہی مستحکم قلعہ بن گیا تھا۔

سلطان صلاح الدین نے ۵۸۳ھ میں بری اور بحری فوجوں کے ذریعہ اس بندرگاہ پر قبضہ کی ہر چند کوشش کی مگر قبضہ نہ ہو سکا اور یہ بندرگاہ رفتہ رفتہ

عیسائیوں کی جنگی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز بن گئی۔ سلطان چونکہ دوسری فتوحات میں مصروف ہو گیا تھا اس لئے وہ صور کی بندرگاہ کی جانب رُخ نہ کر سکا۔ سلطان نے ۵۸۴ھ میں عیسائیوں کے باقی قلعوں اور علاقوں کو فتح کرنا شروع کر دیا چنانچہ اُس نے بوہمینڈ فرمانروائے طرابلس کے علاقہ پر فوج کشی کر کے ویران کر ڈالا۔ پھر جبلہ پر حملہ کر کے اُسے زیر کر لیا۔ اس کے علاوہ عیسائیوں کے بہت سے قلعوں کو تسخیر کیا اس کے بعد سلطان نے انطاکیہ کی جانب رُخ کیا تو اس کے فرمانروا نے سلطان سے صلح کر لی۔

تیسری جنگِ صلیبی کی ابتدا

مندرجۂ بالا عیسائی علاقوں اور عیسائیوں کے قلعوں پر قابض ہونے کے بعد سلطان صلاح الدین بندرگاہ صور کی فتح کی جانب متوجہ ہونا چاہتا تھا کہ تیسری جنگِ صلیبی چھڑ گئی۔

تیسری جنگِ صلیبی کی تیاریاں بیت المقدس کے عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے فوراً ہی بعد شروع ہو گئی تھیں بیت المقدس کے حادثہ کی وجہ سے سارے یوروپ میں تہلکہ برپا ہو گیا تھا۔ پادریوں اور راہبوں کی جماعتوں نے سیاہ ماتمی لباس پہن کر عوام کو جوش دلانے کے لئے سارے یوروپ میں گھومنا شروع کر دیا تھا۔ اور اپنی دلولہ انگیز تقریروں سے پورے یوروپ کو اسلام کے خلاف صف آرا کر دیا تھا۔ پاپائے رُوم نے فتویٰ دیدیا تھا کہ "جو شخص اس مقدس صلیبی جنگ سے گُریز کریگا۔ مسیحی مذہب سے خارج ہو جائیگا۔ اور جو اس جنگ میں حصہ لے گا اس کے تمام سابقہ گناہ دُھل جائینگے"۔ سارے یوروپ میں اس جنگ کے لئے روپیہ اور سامان فراہم کرنے کی ایک مہم جاری کر دی گئی تھی۔ انگلستان اور فرانس نے تو اپنے ملک کے باشندوں پر "صلاح الدین ٹیکس" کے نام سے

ایک نیا صلیبی ٹیکس تک لگا دیا تھا۔ اس ٹیکس سے کوئی مستثنیٰ نہ تھا۔ شاہ انگلستان رچرڈ نے اس صلیبی جنگ کیلئے اپنی تمام ذاتی جاگیر فروخت کر دی تھی اور اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی خریدار ہو تو میں اس مقدس جنگ کے لئے لندن تک فروخت کر دینے کے لئے تیار ہوں"۔ عوام کے جوش کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے اپنا سب کچھ اس جنگ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ عورتوں نے اپنی اکلوتی اولاد تک کو اس جنگ کے لیے پیش کر دیا تھا۔ غرضکہ اس تیسری جنگ صلیبی کے لیے سارے یورپ میں ایسی زبردست اور منظم طریقہ پر تیاریاں کی گئی تھیں جن کی مثال مغربی ملکوں کی تاریخ میں مفقود ہے۔

اس تیسری صلیبی جنگ کے لئے یورپ کے تمام چھوٹے بڑے بادشاہوں امیروں اور سپہ سالاروں نے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ چنانچہ سب سے پہلے جرمنی کا بادشاہ فریڈرک باربروسہ ۱۱۹۰ء میں ایک لاکھ کے لشکر عظیم کے ساتھ فلسطین کی جانب روانہ ہوا لیکن یہ راستہ ہی میں ایک دریا کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے فریڈرک ثانی نے صلیبی فوجوں کی کمان سنبھال لی لیکن جیسے ہی یہ لشکر شام میں داخل ہوا فوج میں وبا پھیل گئی جس سے ہزاروں سپاہی مر گئے جو باقی رہ گئے تھے ان کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔

پوری عیسائی دنیا کی صلاح الدین کے خلاف یورش

جیسا بتایا جا چکا ہے کہ کانراڈ نے صور کی بندرگاہ کو بہت مضبوط کر لیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اپنی طاقت کو خوب بڑھا لیا تھا۔ بیت المقدس کا سابق بادشاہ گائی جسے صلاح الدین نے بیت المقدس کی فتح کے بعد رہا کر دیا تھا وہ بھی ایک بڑی فوج جمع کر کے صور پہنچ چکا تھا۔ ان دونوں کو جب معلوم ہوا کہ شاہان یورپ اور لاکھوں کی تعداد میں صلیبی لشکر تیسری صلیبی جنگ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں تو ان دونوں نے ملکر پوری

طاقت کے ساتھ خشکی کے راستہ سے عکہ پر حملہ کر دیا۔ اسی دوران میں سسلی کا عیسائی بیڑہ بھی آ گیا۔ اور اس نے سمندر کی راستہ سے یورش کر دی۔ اور چاروں طرف سے عیسائیوں نے عکہ کو گھیر لیا۔ سلطان صلاح الدین کو جب اس حملہ کی اطلاع ملی تو وہ دوڑا ہوا آیا اور عکہ کے لئے عیسائیوں اور مسلمانوں میں بڑی خونریز جنگ چھڑ گئی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے یورپ کے مختلف ممالک کے لشکر پہنچنے شروع ہوئے اور جنگ نے ایسی خوفناک صورت اختیار کر لی جو اس سے قبل دنیا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

اس تیسری صلیبی جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یورپ کے تقریباً تمام بادشاہوں اور امراء نے مع اپنے لشکروں کے اس جنگ میں بذاتِ خود حصہ لیا تھا۔ اور وہ تین سال تک شیر دل صلاح الدین سے ٹکراتے رہے۔ یورپ کے جن بے شمار بادشاہوں اور امراء نے اس مقدس جنگ میں حصہ لیا تھا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:۔ رچرڈ شاہِ انگلستان۔ فلپ اگسٹس شاہِ فرانس۔ فریڈرک ثانی شاہِ جرمنی۔ لارڈ آف کنٹربری۔ بالڈون سالسبری۔ غرضیکہ یورپ کے تمام چھوٹے بڑے بادشاہ اور نواب اس معرکہ میں شریک تھے اور ان کے ساتھ اس کثرت سے فوج تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ صلاح الدین کا تو ذکر ہی کیا ہے پوری دنیائے اسلام کو مٹائے بغیر نہیں رہیں گے۔ لیکن پوری دنیائے اسلام کی جانب تو یہ کیا رخ کرتے ایک صلاح الدین ہی یورپ کی تمام حکومتوں اور بادشاہوں پر بھاری تھا۔

سارا یورپ صلاح الدین پر بیت المقدس کے واپس لینے کے لئے پل پڑا تھا لیکن اس شیر دل مجاہد کی ہمت۔ جرأت اور جنگی قابلیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے پورے تین سال تک یورپ کی درجنوں حکومتوں اور بادشاہوں کو عکہ کے مورچہ پر الجھائے رکھا اور سارا یورپ اپنی متحدہ کوششوں کے باوجود عکہ اور چند غیر اہم مقامات کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکا۔ اللہ اللہ کیا ہمت و جرأت

تھی کہ ایک والو العزم مردِ مجاہد تین سال تک سارے یوروپ سے ٹکراتا رہا اور پورا کا پورا یوروپ اپنی ساری طاقت لگا دینے کے باوجود بیت المقدس کی فصیلوں تک بھی نہ پہنچ سکا۔

یوروپ کے بادشاہوں کی ذلت کے ساتھ واپسی

یوروپ کے بادشاہوں اور امرا کو عکہ کے مورچہ سے سر پھوڑتے ہوئے تین سال گذر چکے تھے۔ لاکھوں جانیں وہ اس ایک مورچہ پر ضائع کر چکے تھے لیکن اس سب کے باوجود نتیجہ صفر تھا۔ بیت المقدس پر قبضہ محض ایک خیالی منصوبہ بن کر رہ گیا تھا۔ اس ناکامی کی بنا پر یوروپ کے بادشاہوں اور ان کی فوج میں بے دلی بڑھتی چلی گئی۔ اور آپس میں اختلاف بھی پیدا ہونے لگے۔ چنانچہ کانرڈ والئ صور اور شاہِ انگلستان رچرڈ میں فوجوں کی قیادت کے سلسلہ میں جب سخت ناگواری پیدا ہو گئی تو کانرڈ عکہ کے مورچہ سے صور واپس چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد رچرڈ نے صلیبی فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لیلی اور پھر ایک مرتبہ بیت المقدس پر یورش کی کوشش کی مگر اسے سخت ناکامی ہوئی صلاح الدین نے اپنی اعلیٰ جنگی قابلیت سے اس کی ساری کوششوں کو خاک میں ملا دیا۔

اسی دوران میں کانرڈ والئ صور جب ۵۸۸ھ میں مر گیا تو صلیبیوں کے حوصلے اور بھی پست ہو گئے۔ رچرڈ شاہِ انگلستان نے کانرڈ کے مرتے ہی اپنے بھانجے ہنری کو صور کا بادشاہ بنا دیا۔ اس کے بعد رچرڈ نے صلاح الدین سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ خود صلاح الدین اور اس کے ساتھی اس طویل جنگ سے تنگ آ چکے تھے۔ آخر شعبان ۵۸۸ھ مطابق ستمبر ۱۱۹۲ء میں ساڑھے تین سال کی مسلسل خونریزی کے بعد رچرڈ شاہِ انگلستان کو دب کر اور مجبور ہو کر شیر دل مجاہد صلاح الدین سے صلح کرنی پڑی اس صلحنامہ کی رو سے صرف چند علاقے عیسائیوں کے پاس رہے باقی پورے فلسطین پر سلطان صلاح الدین کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا

سلطان صلاح الدین بڑا ہی وسیع نظر انسان تھا باوجودیکہ اُسے عیسائیوں سے سخت تکلیفیں پہنچی تھیں لیکن اس نے صلح ہوتے ہی عیسائیوں کو یہ رعایت عطا کردی کہ وہ زیارت کے لئے بیت المقدس میں بلا روک ٹوک آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی ساری مملکت میں یہ اعلان کرادیا کہ اب مسلمانوں کی عیسائیوں سے صلح ہوگئی ہے لہٰذا عیسائی اور مسلمان دونوں ایک دوسرے سے بے خوف و خطر مل سکتے ہیں۔ سلطان صلاح الدین کی اسی وسیع نظری کا یہ نتیجہ ہے کہ وہی یورپ جس کو کہ صلاح الدین نے نیچا دکھایا تھا آج بھی اس کے نام کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ لیتا ہے۔

سلطان صلاح الدین کی وفات اور متفرق حالات

جہاد کی پر محن اور صبر آزما زندگی نے سلطان صلاح الدین کی صحت کو کئی سال سے برباد کر دیا تھا اور صحت کی خرابی کی وجہ سے اس کے رمضان کے بہت سے روزے قضا ہوگئے تھے ۵۸۹ھ میں جب اس نے ان قضا روزوں کو پورا کرنا چاہا تو اس کی صحت اور بھی گر گئی اور اسی سال اس مردِ مجاہد کا انتقال ہوگیا۔ دُنیائے اسلام نے جو چند ایسے بادشاہ پیدا کئے ہیں ان ہی میں سے ایک صلاح الدین بھی ہے۔ تقوے، زہد اور اسلامی خدمات کی وجہ سے اس کا اولیا اللہ میں شمار ہوتا ہے اس مردِ مجاہد کو جب دمشق میں سپردِ خاک کیا گیا تو اس کے ساتھ ہی وہ تلوار بھی دفن کردی گئی جو ہمیشہ راہِ خدا میں بے نیام رہی تھی۔ کیونکہ اب اس کا چلانے والا باقی نہیں رہا تھا۔

صلاح الدین نہایت عبادت گذار اور درویش صفت بادشاہ ہوا ہے اس کی فقیر منشی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب دولتِ عبیدیہ فاطمیہ کے خاتمہ کے بعد وہ مصر کے تخت پر بیٹھا۔ اور اسے وہ بے پایاں دولت ملی جو فاطمی

سلاطین نے صدیوں میں جمع کی تھی تو اس نے یہ ساری دولت غریبوں کی امداد اور راہِ خدا میں صرف کرنے کے لیے وقف کر دی اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔

صلاح الدین ایوبی گو ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک تھا اور اس کے پاس بے اندازہ دولت چلی آ رہی تھی لیکن وہ دولت کا بیشتر حصہ یا تو خلقِ خدا کی فلاح پر صرف کر دیتا تھا یا راہِ خدا میں لٹا دیتا تھا۔ چنانچہ اس مردِ مجاہد کے مرنے کے بعد اس کا سارا ورثہ ایک دینار اور چالیس درہم تھا۔ اس کے علاوہ نقد و جنس میں سے اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

ایک مردِ مومن میں جتنی صفات ہو سکتی ہیں وہ سب صلاح الدین میں موجود تھیں وہ بزرگ شب زندہ دار تھا۔ تہجد تک کی نماز نہیں چھوڑتا تھا۔ شریعت کا سختی کے ساتھ پابند تھا۔ عادل اور منصف ایسا تھا کہ دوست دشمن میں بھی انصاف کے وقت تمیز نہیں کرتا تھا۔ اس میں مذہبی رواداری بلا کی تھی۔ دیگر مذاہب کے لوگوں کے عقائد کا پورا خیال رکھتا تھا۔ علم دوست بھی بہت بڑا تھا چنانچہ اس نے بے شمار مدارس جابجا قائم کیے تھے جن کے لیے بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں غرضکہ خدا نے اس کو اتنی خوبیاں عطا کی تھیں جو بہت کم انسانوں میں دیکھنے میں آئی ہیں۔

سلطان صلاح الدین کے جانشین

سلطان صلاح الدین کی وفات کے بعد ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں صلاح الدین کی حکومت کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ کیونکہ اس کا جو لڑکا جہاں بھی تھا اس نے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ چنانچہ ملک العزیز مصر کا بادشاہ بن گیا۔ ملک افضل نے دمشق میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اور ظاہر غازی حلب میں تخت نشین ہو گیا۔ گویا ایک حکومت کی بجائے تین حکومتیں قائم ہو گئیں اور پھر ان میں خانہ جنگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

ملک العزیز ایوبی:۔ سلطان صلاح الدین کے بعد اس کا بیٹا ملک العزیز ایوبی مصر میں تخت نشین ہوا اور بڑی قابلیت کے ساتھ چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۹۵ھ (۱۱۹۹ء) میں فوت ہو گیا۔

ملک منصور بن عزیز ایوبی:۔ ملک العزیز کے مرنے کے بعد اُمرائے سلطنت نے اُس کے آٹھ سالہ لڑکے ملک منصور کو ۵۹۵ھ میں مصر میں تخت نشین کیا اس کے تخت نشین ہونے کے چند روز بعد ہی صلاح الدین کا بھائی ملک العادل کرک سے فوج لیکر آیا۔ اور مصر کی حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور ۵۹۶ھ میں ایک سال کی حکومت کے بعد ملک منصور کو معزول کر کے خود بادشاہ بن گیا۔

ملک العادل ایوبی:۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی ملک العادل ایوبی ۵۹۶ھ (۱۲۰۰ء) میں اپنے کمسن پوتے ملک منصور کو معزول کر کے خود حکومت کرنے لگا۔ اس کے زمانہ میں صلیبی عیسائیوں کی سرگرمیاں پھر شروع ہو گئی تھیں اس نے صلیبیوں کے مقابلہ میں صلاح الدین کی صحیح معنوں میں جانشینی کی اور شام میں اُن کے زور کو بڑھنے سے روکا۔ اس نے دمشق کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا اور مرنے سے قبل اپنی سلطنت کو اپنے پانچوں بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مصر کی مرکزی حکومت اپنے بڑے بیٹے ملک کامل کو دیدی تھی دمشق۔ بیت المقدس اور کرک کے علاقے کا حاکم معظم عیسیٰ کو بنا دیا تھا۔ خلاط اور جزیرہ کا کچھ حصہ اشرف موسیٰ کو عطا کر دیا تھا اور حکومت کے باقی حصے اپنے دونوں چھوٹے بیٹوں شہاب الدین غازی اور ارسلان شاہ میں تقسیم کر دئیے تھے۔ ملک العادل اُنیس سال حکومت کرنیکے بعد ۶۱۵ھ میں انتقال کر گیا۔

ملک کامل بن عادل ایوبی:۔ ملک العادل کے بعد اس کا بڑا بیٹا ملک کامل ۶۱۵ھ (۱۲۱۹ء) میں مصر میں تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد عیسائیوں کے حملے شروع ہو گئے تھے۔ اس نے ان کی خوب سرکوبی کی اور دمیاط سے نکال دیا۔

اس کے دوسرے بھائی معظم نے بھی صلیبیوں کا بڑی مردانگی کے ساتھ مقابلہ کیا اور چند دوسرے علاقوں پر بھی قابض ہو گیا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ ملک کامل نے عیسائیوں کو بیت المقدس میں اتنی رعایتیں اور سہولتیں دیدی تھیں کہ عیسائیوں کا بیت المقدس میں غیر معمولی اثر بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے کامل کے اس فعل پر بڑی ناگواری کا اظہار کیا تھا۔ یہ بادشاہ بیس سال حکومت کرتے کے بعد ۶۳۵ھ میں فوت ہو گیا۔

ملک سیف الدین ابوبکر ایوبی:۔ ملک کامل کے بعد اس کا بیٹا ملک سیف الدین ابوبکر ۶۳۵ھ (۱۲۳۵ء) میں مصر میں تخت نشین ہوا لیکن اُمرائے سلطنت نے دو سال کے بعد ہی اسے معزول کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔

ملک صالح نجم الدین ایوبی:۔ اُمرائے سلطنت نے ملک سیف الدین کو معزول کرنے کے بعد اُس کے بھائی ملک صالح نجم الدین کو ۶۳۷ھ (۱۲۳۷ء) میں تخت نشین کر دیا۔ ملک صالح نجم الدین جزیرہ کا فرمانروا تھا۔ یہ دس سال حکومت کرنے کے بعد صلیبیوں سے جنگ کرتے ہوئے زخمی ہونے کے بعد فوت ہو گیا۔

ملک معظم توران شاہ ایوبی:۔ ملک صالح کی موت کے بعد اس کی اہلیہ ملکہ شجرۃ الدر نے ملک صالح کے بیٹے ملک معظم توران شاہ کو ۶۴۷ھ میں مصر کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد ایک طرف صلیبیوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکستِ فاش دی اور دوسری طرف غدار اُمرائے سلطنت کی اچھی طرح سے سرکوبی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مملوک اُس کے دشمن ہو گئے اور چند ماہ کی حکومت کے بعد ہی ۶۴۸ھ میں مملوکوں نے اسے قتل کر دیا۔

ملکہ شجرۃ الدر:۔ ملک معظم توران شاہ کے قتل کے بعد ۶۴۸ھ (۱۲۴۹ء) میں ملک صالح کی بیوہ شجرۃ الدر تخت نشین ہوئی۔ اس ملکہ کے عہدِ حکومت میں شاہ فرانس نے پچاس ہزار کے لشکر سے حملہ کیا تھا۔ شجرۃ الدر خود فوج لیکر مقابلہ پر گئی۔ فرانسیسیوں

کو شکست دیکر شاہِ فرانس اور ملکۂ فرانس کو گرفتار کر لیا اور بیس لاکھ اشرفی تاوان لیکر ان دونوں کو رہا کیا۔ یہ ملکہ بڑی لائق تھی مگر محض عورت ہونے کی بنا پر تین ماہ کے بعد اُمرائے سلطنت نے اسے معزول کر دیا۔ ملکہ شجرۃ الدر ہی نے خانۂ کعبہ کے لئے مصر سے محمل شریف بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جو اس وقت تک جاری ہے۔

ملک اشرف موسیٰ ایوبی:۔ ملکہ شجرۃ الدر کے معزول کئے جانے کے بعد اُمرائے سلطنت نے ۶۴۷ھ (۱۲۴۹ء) میں ملک اشرف موسیٰ کو مصر میں تخت نشین کیا لیکن ۶۵۲ھ میں ایوبی خاندان کے مملوک یعنی غلاموں نے اسے معزول کر دیا اور اس کے بعد خاندان ایوبیہ کی حکومت ختم ہو گئی۔

ایوبی خاندان کے غلاموں کی حکومت

دولتِ ایوبیہ کے آخری بادشاہوں کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ وہ جارجیہ اور آرمینیہ سے برابر غلام خریدتے رہتے تھے اور ان کی ایک زبردست فوج انھوں نے تیار کر لی تھی تاکہ اگر کوئی سردار یا امیر بغاوت کے لئے کھڑا ہو تو وفادار غلاموں کے اس لشکرِ عظیم سے اسے کچلوا دیا جائے۔ یہ غلام جنہیں "مملوک" کہا جاتا تھا کیونکہ مقربینِ شاہی میں سے تھے اس لئے رفتہ رفتہ ان کا اثر اور رسوخ اتنا بڑھ گیا کہ وہی سلطنتِ مصر کے مالک و مختار بن گئے اور مصر سے خاندانِ ایوبیہ کے خاتمہ کے بعد یہی خاندانِ ایوبیہ کے جانشین قرار پائے۔

دولتِ مملوکیہ مصریہ:۔ خاندانِ ایوبیہ کے جو غلام دولتِ ایوبیہ کے خاتمہ کے بعد تخت نشین ہوئے ان کی حکومت "دولتِ مملوکیہ مصریہ" کہلائی۔ اس سلطنت کے سلاطین کے نام یہ ہیں:۔

(۱) ملک معز عزالدین جاشنگیر ۶۵۲ھ میں خاندانِ ایوبی کے آخری بادشاہ ملک اشرف کو معزول کرنے کے بعد تخت نشین ہوا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے اس سے نکاح کر لیا تھا لیکن جب ملک عزالدین نے والیٔ موصل کی لڑکی سے شادی کرنی چاہی تو ملکہ شجرۃ الدر نے ترکی اُمرا کو ملا کر

اسے قتل کرا دیا۔ ملک عزیز الدین کے حامیوں نے مشتعل ہو کر ملکہ کو غسل میں گھس کر تہہ تیغ کر دیا۔

(۲) ملک منصور نور الدین ۶۵۵ھ میں اپنے باپ ملک عزیز الدین کے بعد مصر میں تخت نشین ہوا لیکن دو برس کے بعد حکومت سے معزول کر دیا گیا۔

(۳) ملک مظفر سیف الدین ۶۵۷ھ میں اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اسکی سرکردگی میں جالوت کے مقام پر مصریوں کا تاتاریوں سے مقابلہ ہوا تھا۔ اس مقابلہ میں تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی تھی مصریوں کے ہاتھ سے ہزاروں تاتاری مارے گئے۔ یہ گیارہ ماہ حکومت کرنے کے بعد ملک الظاہر بیبرس کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

(۴) ملک الظاہر رکن الدین بیبرس۔ ملک مظفر کو قتل کر کے ۶۵۸ھ میں مصر کا سلطان بنا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں مستنصر باللہ عباسی کو خلیفہ بنا کر "خلافت عباسیہ مصر" کی بنیاد رکھی تھی۔ اس سلطان نے سترہ سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔

(۵) ملک سعید ناصر الدین ملک الظاہر کی وفات کے بعد ۶۷۶ھ میں تخت پر بیٹھا۔ لیکن ڈیڑھ سال کے بعد ہی اسے معزول کر دیا گیا۔

(۶) ملک عادل بدر الدین سلامش بن بیبرس ۶۷۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور صرف چار ماہ کے بعد معزول کر دیا گیا۔ اور اسکے ساتھ ہی "دولت ملوکیہ مصر" ختم ہو گئی۔

دولت قلاؤنیہ مصریہ :۔ "دولت ملوکیہ مصر" طبقہ اول کے ملوکوں یعنی غلاموں کی حکومت تھی۔ اس کے بعد ملوکوں یعنی غلاموں کا جو دوسرا خاندان برسر اقتدار آیا وہ "دولت قلاؤنیہ مصریہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس خاندان میں یہ سلاطین ہوئے ہیں۔

(۱) ابو المعالی ملک منصور قلاؤن یہ ۶۷۸ھ میں ملک عادل کے بعد تخت نشین ہوا اور گیارہ سال حکومت کی۔ یہ ترکی غلاموں کے دوسرے خاندان کا پہلا سلطان تھا۔

(۲) ملک الاشرف صلاح الدین خلیل بن قلاؤن ۶۸۹ھ میں تخت نشین ہوا اور

چار سال حکومت کرنے کے بعد مقتول ہوا۔

(۳) ملک الظاہر بیدر ۶۹۳ھ میں تخت پر بیٹھا لیکن اسکی حکومت صرف چند روزہ تھی۔

(۴) ملک ناصر محمد بن قلاؤن ۶۹۳ھ میں مصر کے تخت پر بیٹھا۔ یہ بھی چند ماہ کے بعد تخت سے دستبردار ہو گیا۔

(۵) ملک العادل کتبغا ۶۹۴ھ میں تخت نشین ہوا لیکن ڈیڑھ سال کے بعد ہی اس کی حکومت ختم ہو گئی۔

(۶) ملک منصور لاجین ۶۹۶ھ میں مصر کا سلطان ہوا تقریباً دو سال کی حکومت کے بعد اسے معزول کر دیا گیا۔

(۷) ملک ناصر محمد بن قلاؤن بار دوم ۶۹۸ھ میں تخت نشین ہوا اور ۷۰۸ھ ہجری تک حکومت کرتا رہا۔

(۸) ملک بیبرس جاشنگیر ۷۰۸ھ میں سلطان بنا اس نے صرف ایک سال حکومت کی۔

(۹) ملک ناصر محمد بن قلاؤن بار سوم ۷۰۹ھ میں تخت نشین ہوا اور ۷۴۱ھ تک حکومت کرتا رہا۔

(۱۰) ملک منصور ابو بکر بن ناصر ۷۴۱ھ میں تخت پر بیٹھا مگر ایک سال کے بعد اسے جلا وطن کر دیا گیا۔

(۱۱) ملک علاء الدین کجک ابن محمد ۷۴۲ھ میں سلطان ہوا مگر چند روز کے اندر ہی اس کی حکومت ختم ہو گئی اور اسے بھی جلا وطن ہونا پڑا۔

(۱۲) ملک ناصر شہاب الدین ۷۴۲ھ میں تخت نشین ہوا لیکن ایک سال کے بعد ہی اُسے قتل کر دیا گیا۔

(۱۳) ملک صالح اسمٰعیل ابو الفدا ۷۴۳ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے ڈھائی سال حکومت کی یہ وہی ابو الفدا ہے جس کی لکھی ہوئی "تاریخ ابو الفدا" نہایت مستند مانی جاتی ہے۔

(۱۴) ملک کامل زین الدین شعبان ۷۴۶ھ میں تخت پر بیٹھا اور چند ماہ کے بعد معزول کر دیا گیا۔

(۱۵) ملک مظفر زین الدین حاجی ۷۴۷ھ میں سلطان بنا مگر ایک ہی سال کے اندر قتل کر دیا گیا۔

(۱۶) ملک ناصر حسن بن محمد ۷۴۸ھ میں تخت نشین ہوا مگر پانچ سال کے بعد اسے معزول کر دیا گیا۔

(۱۷) ملک صالح صلاح الدین محمد ۷۵۲ھ میں تخت پر بیٹھا مگر ڈھائی سال کے بعد معزول ہو گیا۔

(۱۸) ملک ناصر حسن بن محمد ۷۵۵ھ میں دوسری بار تخت نشین ہوا لیکن ۷۶۲ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔

(۱۹) منصور محمد بن حاجی ۷۶۲ھ میں سلطان بنا مگر دو برس کے بعد اسے بھی معزول کر دیا گیا۔

(۲۰) ملک اشرف شعبان بن حسن ۷۶۴ھ میں تخت پر بیٹھا مگر چودہ سال کی حکومت کے بعد یہ بھی قتل ہو گیا۔

(۲۱) ملک منصور علی بن شعبان ۷۷۸ھ میں سلطان بنا اور پانچ سال کی حکومت کے بعد فوت ہو گیا۔

(۲۲) ملک صالح حاجی بن شعبان ۷۸۳ھ میں تخت نشین ہوا اور ۷۸۴ھ میں یہ حکومت سے دستبردار ہو گیا اور اس کی دستبرداری کے ساتھ ہی "دولت قلاؤنیہ"

کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

دولتِ چرکسیہ مصریہ:۔ قلاؤنیہ خاندان کے غلاموں کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد ایوبی خاندان کے غلاموں کے تیسرے سلسلہ نے جو قبیلہ چرکسیہ سے تعلق رکھتے تھے مصر کی حکومت سنبھالی۔ اس غلام خاندان میں یہ سلاطین ہوئے ہیں

(۱) ملک الظاہر برقوق چرکسی۔ ملک صالح حاجی کی تخت سے دستبرداری کے بعد ۷۸۴ھ میں مصر میں تخت نشین ہوا۔ یہ خاندان چرکسیہ کا پہلا سلطان ہوا ہے۔ اس نے سترہ سال حکومت کی ہے۔

(۲) ملک الناصر فرج بن برقوق ۸۰۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ شامی امیر شیخ محمودی نے ۸۱۵ھ میں اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے معزول کر دیا تھا اور خود سلطان بن گیا تھا۔

(۳) شیخ محمودی ۸۱۶ھ میں مصر کا سلطان بنا اور آٹھ برس تک حکومت کرتا رہا۔

(۴) مظفر احمد بن شیخ ۸۲۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت چند روزہ تھی۔ اسے قتل کر دیا گیا۔

(۵) ملک الظاہر ططر ۸۲۴ھ میں تخت پر بیٹھا یہ صرف چند روز سلطان رہا۔ یہ بھی قتل ہوا۔

(۶) ملک صالح محمد بن ططر ۸۲۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ مگر چند ماہ حکومت کرنے کے بعد خود تخت سے دستبردار ہو گیا۔

(۷) ملک الاشرف برس بائی ۸۲۵ھ میں مصر کا سلطان ہوا اور ۸۴۱ھ تک برسرِ حکومت رہا۔

(۸) عزیز یوسف بن برس بائی ۸۴۱ھ میں تخت نشین ہوا مگر ایک سال کے

بعد ہی اس کی حکومت ختم ہو گئی۔

(۹) ملک الظاہر جقمق ۸۴۲ھ میں سلطان بنا اور ۸۵۷ھ تک حکومت کرتا رہا۔

(۱۰) منصور عثمان بن جقمق ۸۵۷ھ میں سلطان بنا مگر چند مہینے کے بعد معزول کر دیا گیا۔

(۱۱) ملک الاشرف اینال ۸۵۷ھ میں تخت نشین ہوا اور ۸۶۵ھ تک برسر حکومت رہا۔

(۱۲) ملک مؤید احمد بن اینال ۸۶۵ھ میں تخت پر بیٹھا اور چند روز میں معزول ہو گیا۔

(۱۳) ملک الظاہر خوش قدم ۸۶۵ھ سے ۸۷۲ھ تک تخت نشین رہا۔ اور اپنی موت سے مرا۔

(۱۴) ملک الظاہر بلبائی ۸۷۲ھ میں تخت نشین ہونے کے بعد چند روز میں جلا وطن ہو گیا۔

(۱۵) ملک الظاہر تمر بغا ۸۷۲ھ میں تخت نشین ہو کر دو مہینے ہی کے اندر قید کر دیا گیا۔

(۱۶) ملک الاشرف قائت بائی ۸۷۲ھ میں سلطان بنا اور ۹۰۱ھ تک حکومت کرتا رہا۔

(۱۷) ناصر محمد بن قائت بائی ۹۰۱ھ میں تخت پر بیٹھا اور ۹۰۲ھ میں معزول ہوا۔

(۱۸) ملک اشرف قانصوہ ۹۰۲ھ میں تخت نشین ہوا مگر گیارہ روز کے بعد ہی گم ہو گیا۔

(۱۹) ناصر محمد بن قائت بائی باردوم ۹۰۲ھ میں تخت نشین ہوا اور دو سال حکومت کی۔

(۲۰) ملک ظاہر قانصوہ سنہ ۹۰۴ھ میں تخت پر بیٹھا اور ۹۰۵ھ ہجری تک حکومت کی۔

(۲۱) ملک الاشرف جان بلاط ۹۰۵ھ میں سلطان بنا مگر ایک سال کے بعد جلاوطن کر دیا گیا۔

(۲۲) ملک العادل طومان بائی ۹۰۶ھ میں تخت نشین ہو کر چار ماہ بعد قتل ہوا۔

(۲۳) ملک اشرف قانصوہ ۹۰۶ھ میں تخت پر بیٹھا اس نے ۹۲۲ھ تک پندرہ سال حکومت کی۔

(۲۴) ملک اشرف طومان ۹۲۲ھ میں تخت نشین ہوا۔

ملک اشرف طومان کو حکومت کرتے ہوئے ایک سال بھی نہیں ہوا تھا کہ سلطان سلیم اول عثمانی نے ۹۲۳ھ میں مصر پر چڑھائی کر کے "دولت چرکسیہ" کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس کے بعد مصر کا ملک سلطنت عثمانیہ ترکیہ میں شامل ہو گیا۔

خلفائے عباسیہ مصر

بغداد میں تاتاریوں کے ہاتھوں خلافت کی بربادی اور آخری عباسی خلیفہ کے قتل کے بعد ۶۵۶ھ میں خلافتِ عباسیہ ختم ہوگئی تھی لیکن اس حادثہ کے تین سال بعد ہی ایک عباسی شاہزادے "ابوالقاسم مستنصر باللہ" نے ۶۵۹ھ میں مصر میں نئے سرے سے خلافت قائم کرلی جو تاریخ میں "خلافتِ عباسیہ مصر" کے نام سے مشہور ہوئی۔

یہ خلافت گو مصر میں ڈھائی سو برس سے بھی زیادہ قائم رہی لیکن اس کے خلفا برائے نام خلفا تھے۔ اصل حکومتِ مصر کے اُن غلام سلاطین کے ہاتھ میں تھی جو دولتِ ایوبیہ کے خاتمہ کے بعد سے مصر پر حکمراں تھے۔

خلفائے عباسیہ کو چونکہ دُنیائے اسلام میں صدیوں سے بہت بڑی دینی عظمت حاصل تھی۔ اس لئے اُن کی سابقہ عظمت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے انھیں مصر کے تخت پر سلاطینِ مصر نے محض نام کے لئے بٹھادیا تھا ورنہ جہاں تک حکومت کا تعلق تھا وہ کُلیتہً سلاطینِ مصر ہی کے ہاتھوں میں تھی خلیفہ حکومت کے کاموں میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرسکتا تھا۔

مصر کے وہ سلاطین جنہوں نے کہ ذاتی اغراض کے لئے خلیفہ کو کٹھ پتلی بناکر مصر میں تخت نشین کیا تھا۔ خاندانِ ایوبیہ کے وہی مملوک یعنی غلام تھے جنھوں نے "دولتِ ایوبیہ" کے خاتمہ کے بعد ۶۵۲ھ میں "دولتِ مملوکیہ" کے نام سے اپنی خودمختار حکومت قائم کی تھی۔

اسی دولتِ مملوکیہ کے چوتھے سلطان ملک ظاہر بیبرس کے زمانہ میں جب مرحوم خلیفہ بغداد ظاہر باللہ عباسی کا لڑکا ابوالقاسم مستنصر تاتاریوں کی قید سے رہا ہوکر

مصر پہنچا تو سلطان ملک ظاہر بیبرس نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے برائے نام اپنا دینی آقا یا خلیفہ بنا لیا تاکہ اس کے پردہ میں وہ بے فکری کے ساتھ حکومت کر سکے۔

عباسی شہزادہ کو خلیفہ بنانے کے بعد سلطان ظاہر بیبرس کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ ایوبی غلاموں کی متزلزل حکومت خوب مستحکم ہو گئی اور مملوکوں کی وہی مصری حکومت جسے اس سے قبل دنیائے اسلام میں کوئی وقعت حاصل نہ تھی۔ اس زمانہ کی سب سے بڑی دینی سلطنت شمار ہونے لگی۔ اور مصر کے وہ سلاطین جن کو کہ غلام سمجھا جاتا تھا نائب خلیفہ کی حیثیت سے بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔

مصر میں اس طرح خلافتِ عباسیہ کے احیا کے بعد وہاں ایک ہی وقت میں دو بادشاہ ہونے لگے جن میں سے خلیفہ تو دینی بادشاہ ہوتا تھا اسے دُنیاوی حکومت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ اور سلطان دُنیاوی بادشاہ ہوتا تھا جو دنیاوی سلطنت کے سیاہ اور سفید کا مالک ہوتا تھا۔ خطبہ میں نام دونوں کا ہوتا تھا۔ جب کوئی خلیفہ فوت ہو جاتا تھا تو اس کے بیٹے یا قریبی عزیز کو مسندِ خلافت پر بٹھا دیا جاتا تھا اور جب کوئی سلطان مر جاتا تھا یا معزول ہو جاتا تھا تو اس کا بیٹا یا قریبی رشتہ دار خلیفہ کی دینی برکت حاصل کرنے کے بعد تختِ سلطنت پر بیٹھ جاتا تھا یعنی اس سلطنت میں ایک ہی وقت میں خلیفہ بھی ہوتا تھا اور سلطان بھی۔ مصر کے سلاطین کا تذکرہ چونکہ مختصر الفاظ میں اس سے قبل کے اوراق میں ہو چکا ہے۔ اس لئے یہاں ہم محض اُن برائے نام خلفا کا تذکرہ کریں گے جو سلاطینِ مصر کے دورِ حکومت میں مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے رہے ہیں۔

خلیفہ مستنصر باللہ عباسی

خلیفہ مستنصر باللہ "خلافتِ عباسیہ مصر" کا پہلا خلیفہ ہے جس کو مصر کے سلطان ملک ظاہر بیبرس نے اپنا دینی آقا بنا کر ۶۵۹ھ (۱۲۶۲ھ) میں مسندِ خلافت پر بٹھایا۔

اُس کے ہاتھ پر سلطان نے اور تمام اُمرائے سلطنت نے بیعت کی۔ اور مصر میں اپنے نام کے ساتھ اس کے نام کا بھی خُطبہ اور سکہ جاری کیا اور تمام دُنیائے اسلام میں خلافت کے احیا کا اعلان کیا۔

جدید خلیفہ نے سلطان ظاہر بیبرس کی ان عنایات کے جواب میں دربارِ عام میں اُسے اپنے ہاتھ سے سیاہ عباسی خلعت۔ عمامہ اور طوق زرّیں پہنایا اور اپنی جانب سے سلطان کو مصر کی حکومت کی سند عطا کی اور اسے نیابت کا اعزاز عطا کر کے عالم اسلام سے متعلق خلافت کی ذمّہ داریوں کا مختارِ مطلق بنا دیا۔

سلطان ظاہر بیبرس نے خلیفہ کے شایانِ شان اُس کے لئے نہایت ہی شاندار محل اور تمام لوازماتِ شاہی کا انتظام کر کے پھر ایک بار مصر میں خلافتِ بغداد کی شان و شکوہ پیدا کر دی۔

عباسیوں کے دلوں میں تاتاریوں کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ لہذا خلیفہ مستنصر نے اقتدار حاصل ہوتے کے ساتھ ہی بغداد کو تاتاریوں کے قبضہ سے نکالنے کا سلطان سے ارادہ ظاہر کیا تو سلطان نے تاتاریوں سے جنگ کے لئے خلیفہ کے لئے فوراً ہی ایک لشکرِ عظیم کا انتظام کر دیا۔ خود دمشق تک خلیفہ کے ہمرکاب رہا۔ سلطان تو دمشق سے مصر واپس آ گیا اور خلیفہ تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے آگے روانہ ہو گیا۔ خلیفہ نے موصل، جزیرہ اور سنجار کے فرمانرواؤں کی مدد سے حدیثہ اور ہیت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد جب وہ بغداد کی جانب بڑھا تو راستہ ہی میں تاتاریوں کے بے پناہ لشکر نے اُسے گھیر لیا۔ تاتاریوں کے مقابلہ میں مصری فوج کو شکست ہو گئی اور خلیفہ مستنصر ایسا لاپتہ ہوا کہ کوئی سراغ ہی نہ مل سکا۔ عام خیال یہ ہے کہ اس ہنگامہ میں خلیفہ شہید ہو گیا۔ یہ واقعہ ۶۶۰ھ میں پیش آیا تھا اس خلیفہ نے کُل چھ مہینے خلافت کی۔

حاکم بامر اللہ عباسی

خلیفہ مستنصر کے کیونکہ اولاد نہیں تھی۔ اس لیے سلطان ظاہر بیبرس کو خلیفہ کے گم ہونے کے بعد نئے خلیفہ کی جستجو ہوئی۔ اتفاق سے عباسی خاندان کا ایک شہزادہ ابوالعباس جو مسترشد باللہ عباسی کی اولاد میں سے تھا شام چلا آیا تھا اور رحبہ میں مقیم تھا سلطان بیبرس اُسے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شام سے مصر لے گیا۔ سنہ ۶۶۱ھ (۱۲۶۳ء) میں اُسے حاکم بامر اللہ کے لقب کے ساتھ مسندِ خلافت پر بٹھایا اور اس کے ہاتھ پر پہلے خود بیعت کی اس کے بعد اُمرائے سلطنت سے بیعت لی۔

حاکم نے بھی مسندِ خلافت سنبھالنے کے بعد تاتاریوں سے جنگ شروع کردی اس نے تاتاریوں کے قبضہ سے ماتہ۔ مدینہ، ہیت، انبار اور دوسرے علاقے فتح کرکے ان کو بُری طرح شکست دی۔ اس شکست کے بعد بہت سے تاتاری مسلمان ہو کر امان کے طالب ہوئے جنہیں امان دیدی گئی۔

حاکم ایک حوصلہ مند خلیفہ تھا۔ اُسے یہ بات ناپسند تھی کہ سلطان بیبرس خلفا کو کٹ پتلی بنا کر نچاتا رہے۔ چنانچہ ایک ہی سال کے بعد خلیفہ حاکم اور سلطان بیبرس میں ناچاقی ہو گئی۔ سلطان نے سنہ ۶۶۳ھ میں خلیفہ کو نظر بند کردیا۔ اور وہ کامل ۲۷ سال تک نظر بند رہا لیکن سلطان صلاح الدین خلیل نے اپنے زمانہ میں اسے آزاد کردیا تھا مگر جب سلطان ملک العادل تخت نشین ہوا تو اس نے پھر خلیفہ پر پابندیاں لگا دیں۔ اس کے بعد جب سلطان منصور لاجین تخت نشین ہوا تو اس نے پھر تمام پابندیاں اُٹھا لیں۔ یہ خلیفہ چالیس سال کی خلافت کے بعد ۷۰۱ھ میں فوت ہو گیا۔ اسکی زندگی کا بیشتر حصہ نظر بندی میں گذرا ہے۔

خلیفہ حاکم کے عہدِ خلافت میں نو سلاطین مصر کے تخت پر بیٹھے (۱) ملک ظاہر بیبرس (۲) ملک سعید ناصر الدین (۳) ملک عادل سلامش بن بیبرس (۴) ملک منصور

(۵) صلاح الدین خلیل (۶) ملک الظاہر (۷) ملک ناصر قلاوُن (۸) ملک حسام الدین لاجین (۹) ملک ناصر قلاوُن بار دوم۔

اس خلیفہ کے عہد میں مولٰنا جلال الدین رومی خواجہ نصیر الدین طوسی شیخ فخر الدین عراقی۔ اور شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے انتقال فرمایا۔

مستکفی باللہ بن حاکم

خلیفہ حاکم کے بعد سلطان ناصر نے اس کے بیٹے ابو الربیع سلیمان کو ۷۰۱ھ (۱۳۰۱ء) میں مستکفی باللہ کے لقب کے ساتھ مسندِ خلافت پر متمکن کیا۔

مستکفی کے عہدِ خلافت میں جب ۷۰۲ھ میں تاتاریوں نے شام میں ہنگامہ برپا کیا تو ان کی سرکوبی کے لئے مصر سے فوجیں روانہ کی گئیں۔ تاتاریوں کو شکست ہوئی اور بے شمار تاتاری مارے گئے۔

مستکفی کے تعلقات بھی سلاطین سے بہت کم خوشگوار رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو بھی نظر بندی کی تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ یہ انتالیس سال خلیفہ رہنے کے بعد ۷۴۰ھ میں فوت ہوگیا۔

اس خلیفہ کے عہد میں تین سلاطین تخت نشین ہوئے (۱) سلطان ناصر محمد بن قلاوُن (۲) بیبرس جاشنگیر (۳) ناصر محمد بن قلاوُن بار سوم۔

واثق باللہ بن محمد

مستکفی نے زندگی ہی میں اپنے لڑکے احمد کو ولیعہد بنا دیا تھا لیکن سلطان ناصر کیونکہ اُس سے کبیدہ خاطر تھا اس لئے اس نے احمد کی بجائے خلیفہ حاکم کے نااہل پوتے ابراہیم بن محمد بن حاکم کو ۷۴۰ھ (۱۳۳۹ء) میں واثق باللہ کے لقب کے ساتھ خلیفہ بنا دیا۔

سلطان ناصر واثق کو مسندِ نشین کرنے کے چند ماہ بعد ہی مر گیا۔ ناصر کے بعد جب اس کا بیٹا منصور ابوبکر سلطان ہوا تو اُس نے واثق کو معزول کر کے

مستکفی کے بیٹے احمد کو مسندِ خلافت پر بٹھا دیا۔ واثق کُل چھ مہینے خلیفہ رہا۔

حاکم بامر اللہ ثانی بن مستکفی

سلطان منصور ابوبکر نے واثق کو معزول کرنے کے بعد مستکفی کے بیٹے احمد کو ۷۴۱ھ (۱۳۳۹ء) میں حاکم بامر اللہ ثانی کے لقب کے ساتھ مسندِ خلافت پر متمکن کیا۔

حاکم ثانی بڑا مدبر اور سمجھدار تھا۔ اُس نے بڑی ہوشمندی کے ساتھ اپنا زمانہ گذارا سلاطین اس کی مٹھی میں رہے اس نے سلاطین کے ساتھ اپنے تعلقات کو کبھی بگڑنے نہیں دیا۔ اور نہ ان سے دب کر رہا۔ یہ بارہ برس حکومت کرنے کے بعد ۷۵۳ھ میں فوت ہو گیا۔

اس کے عہدِ خلافت میں یہ سلاطین تخت نشین ہوئے :۔ (۱) منصور ابوبکر (۲) علاء الدین کجک (ابن محمد) (۳) ناصر شہاب الدین احمد (۴) ملک الصالح اسمٰعیل (۵) کامل زین الدین شعبان (۶) منظفر زین الدین (۷) ناصر حسن بن محمد۔

معتضد باللہ اوّل بن مستکفی

حاکم بامر اللہ ثانی کے بعد اس کے بھائی ابوبکر کو معتضد باللہ کے لقب کے ساتھ ۷۵۳ھ (۱۳۵۲ء) میں مسندِ خلافت پر بٹھا دیا گیا۔

اس خلیفہ کے زمانہ میں خلافت کا وقار ختم ہو گیا۔ اسکے اخراجات کے پورا کرنے کے لئے سلاطین نے سیدہ نفیسہ کے مزار کی تولیت اس خلیفہ سے متعلق کر دی گئی یعنی اس مزار پر جو رقوم چڑھائی جاتی تھیں اُن سے خلیفہ کا گذارہ ہوتا تھا۔ یہ خلیفہ دس سال کی خلافت کے بعد ۷۶۳ھ میں انتقال کر گیا۔ یہ خلیفہ نیک صالح اور بڑا علم دوست تھا۔

اس کے زمانہ میں یہ سلاطین تخت نشین ہوئے ہیں :۔ (۱) ناصر حسن بن محمد (۲) صالح صلاح الدین بن محمد (۳) ناصر حسن بن محمد بار دوم

متوکل علی اللہ بن معتضد

معتضد کے بعد اُس کا بیٹا ابو عبد اللہ ۷۶۳ھ

(۱۳۶۲ء) میں متوکل علی اللہ کے لقب کے ساتھ مسندِ خلافت پر بیٹھا۔

متوکل بڑا حوصلہ مند خلیفہ تھا اسے یہ گوارہ نہ تھا کہ سلاطین اُسے کٹھ پتلی بنا کر اپنا مقصد حاصل کرتے رہیں۔ اس کی اس آزادروی نے سلاطین کو اس کا مخالف بنا دیا۔ چنانچہ سلطان منصور علی بن شعبان کے زمانہ میں اسے معزول بھی کر دیا گیا تھا لیکن پندرہ روز کے بعد ہی پھر اُسے عہدہ پر بحال کرنا پڑا۔ وہ مردانہ وار سلاطین کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر بائیس سال کی خلافت کے بعد ۷۸۵ھ میں سلطان برقوق نے اسے معزول کر کے قید کر دیا۔ متوکل کی معزولی سے اُمرائے سلطنت میں برقوق کے خلاف سخت ناگواری پیدا ہو گئی تھی۔

اس خلیفہ کے زمانہ میں یہ سلاطین تخت نشین ہوئے ہیں:- (۱) منصور محمد بن حاجی (۲) اشرف شعبان بن حسن (۳) منصور علی بن شعبان (۴) صالح حاجی بن شعبان (۵) ملک الظاہر برقوق۔

واثق باللہ ثانی معتصم

سلطان برقوق نے متوکل کو معزول کرنے کے بعد ۷۸۵ھ (۱۳۸۳ء) میں عمر بن معتصم کو واثق باللہ ثانی کے لقب کے ساتھ مسندِ خلافت پر متمکن کیا۔

یہ خلیفہ چونکہ سلطان برقوق کے اشاروں پر چلتا رہا۔ اس لئے سلطان کو اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ تین سال کی برائے نام خلافت کے بعد یہ ۷۸۸ھ میں فوت ہو گیا۔

مستعصم بن معتصم

واثق کے بعد سلطان برقوق نے واثق کے بھائی زکریا بن معتصم کو ۷۸۸ھ (۱۳۸۶ء) میں مستعصم کے لقب کے ساتھ تخت پر بٹھایا۔

سلطان برقوق متوکل کی معزولی کے بعد اگرچہ دو خلفا کو تخت نشین کر چکا

تھا۔ مگر امرائے سلطنت اور عوام چونکہ متوکل کو پسند کرتے تھے اس لئے وہ برابر ناراض رہے مستعصم کے زمانہ میں اس ناگواری نے باقاعدہ شورش کی صورت اختیار کر لی سلطان برقوق نے جب دیکھا کہ متوکل کی وجہ سے اس کی سلطانی خطرہ میں پڑ گئی ہے تو اس نے ۷۹۱ھ میں مستعصم کو معزول کر دیا اور متوکل کو قید سے نکال کر دوبارہ مسندِ خلافت پر بٹھا دیا۔

متوکل علی اللہ دوسری بار

سلطان برقوق نے امرائے سلطنت اور عوام کی شورش سے دب کر ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں مستعصم کو معزول کرنے کے بعد متوکل کو دوبارہ خلیفہ بنا دیا۔

متوکل چونکہ ہر دلعزیز خلیفہ تھا۔ اس لئے اس نے بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ زندگی گذاری۔ یہ سلاطین سے کسی زمانہ میں بھی نہیں دبا۔ اس کا ۸۰۸ھ میں انتقال ہو گیا۔

اس کے زمانہ میں یہ سلاطین ہوئے ہیں:۔ (۱) سلطان برقوق (۲) ملک ناصر بن برقوق۔

مستعین باللہ بن متوکل

متوکل کے بعد اس کے بیٹے عباس کو ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں مستعین باللہ کے لقب کے ساتھ مسند نشین کیا گیا۔

مستعین کے زمانہ میں ملک ناصر بن برقوق مصر کا سلطان تھا۔ ۸۱۵ھ میں شام کے ایک امیر شیخ محمودی نے سلطان ناصر کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ سلطان کو اس کے مقابلہ میں شکست ہو گئی اور شیخ محمودی مصر کی پوری سلطنت پر حاوی ہو گیا۔ اور اس نے مصر کے علماء کے سامنے سلطان ناصر کے خلاف الحاد اور زندقہ کا ثبوت پیش کر کے قتل کا فتویٰ حاصل کر لیا۔ اور خلیفہ مستعین کی خدمت

میں مصر کا تخت و تاج پیش کر کے اُسے مصر کا با اختیار بادشاہ بنا دیا۔

سلطان ناصر کو معزول کرنے سے شیخ محمودی کا منشا یہ تھا کہ وہ پہلے تو اُس سے سلطان کا عہدہ چھینے اُس کے بعد خلیفہ کی مدد سے خود سلطان بن جائے۔ چنانچہ سلطان ناصر کی معزولی کے بعد ہی سے شیخ محمودی نے خلیفہ پر زور ڈالنا شروع کر دیا تھا کہ وہ اسے مصر کے سلطان کی سند عنایت کر دے۔ جب خلیفہ اس کے لئے تیار نہ ہوا تو اس نے پہلے تو خلیفہ کو نظر بند کر دیا اُس کے بعد سنہ ۸۱۶ھ میں اُسے بھی علما کا فتویٰ حاصل کر کے معزول کر دیا اور اسکندریہ بھیج دیا۔ یہ خلیفہ جب تک زندہ رہا اسکندریہ ہی میں رہا۔ سنہ ۸۳۳ھ میں خلیفہ مستعین کا اسکندریہ میں انتقال ہو گیا۔

معتضد باللہ ثانی بن متوکل

مستعین کو معزول کرنے کے بعد شیخ محمودی نے ۸۱۶ھ (۱۴۱۳ء) میں اُس کے بھائی داؤد بن متوکل کو معتضد باللہ ثانی کے لقب کے ساتھ مسندِ خلافت پر متمکن کر دیا۔

مستعین سے تو شیخ محمودی سند حاصل نہیں کر سکا تھا لیکن معتضد نے اسے باقاعدہ سندِ حکومت دے کر مصر کا با اختیار سلطان بنا دیا یہی محمودی کا منشا بھی تھا۔ یہ خلیفہ اٹھائیس سال حکومت کرنے کے بعد ۸۴۵ھ میں فوت ہو گیا۔

خلیفہ معتضد کے زمانہ میں یہ سلاطین ہوئے ہیں:- (۱) شیخ محمودی (۲) مظفر احمد بن شیخ (۳) ملک الظاہر ططر (۴) صالح محمد بن ططر (۵) ملک اشرف برس بائی (۶) عزیز یوسف بن برس بائی۔ (۷) ملک الظاہر جقمق۔

مستعین باللہ ثانی بن معتضد

معتضد کے بعد اُس کا بیٹا سلیمان ۸۴۵ھ (۱۴۴۱ء) میں مستعین باللہ ثانی کے لقب کے ساتھ مسندِ خلافت پر بیٹھا۔

مستعین ثانی بڑا عابد و زاہد خلیفہ ہوا ہے۔ اس نے بڑی عزت اور وقار

کے ساتھ زندگی گذاری ہے سلطان ملک الظاہر حقمق کو اس سے غیر معمولی عقیدت تھی جب تک یہ خلیفہ زندہ رہا سلطان اس کا ماتحت بن کر رہا۔ یہ نیک دل خلیفہ نو سال خلافت کرنے کے بعد ۸۵۴ھ میں فوت ہو گیا۔

قائم بامر اللہ بن معتضد

مستعین ثانی کی وفات کے بعد سلطان حقمق نے ۸۵۴ھ (۱۴۵۰ء) میں اس کے بھائی حمزہ بن معتضد کو قائم بامر اللہ کے لقب کے ساتھ مسند نشین کر دیا۔

قائم خود دار اور جوصلہ مند خلیفہ تھا سلطان حقمق کیونکہ خلفاء کا احترام کرتا تھا اس لیے اس سلطان اور اس کے بیٹے کے زمانہ میں تو قائم نے بڑی عزت اور وقار کے ساتھ زندگی گذاری لیکن ملک الاشرف کے سلطان ہونے کے بعد خلیفہ کے لیے پریشانیاں کھڑی ہو گئیں جس کی وجہ یہ ہے کہ فوج نے جب سلطان ملک الاشرف کے خلاف بغاوت کی تو خلیفہ قائم نے باغیوں کا ساتھ دیا۔ باغیوں کو شکست ہو گئی۔ اور ملک الاشرف خلیفہ کا دشمن ہو گیا اور اسے ۸۵۹ھ میں معزول کر کے اسکندریہ بھیجدیا۔ اس خلیفہ نے ۸۶۳ھ میں وہیں وفات پائی۔

قائم بامر اللہ کے دورِ خلافت میں یہ سلاطین ہوئے ہیں۔ (۱) سلطان ملک الظاہر حقمق (۲) منصور عثمان بن حقمق (۳) ملک الاشرف اینال۔

مستنجد باللہ بن معتضد

سلطان ملک الاشرف نے قائم کو معزول کرنے کے بعد ۸۵۹ھ (۱۴۵۵ء) میں اس کے بھائی یوسف بن معتضد کو مستنجد باللہ کا لقب دینے کے بعد مسندِ خلافت پر بٹھایا۔

مستنجد نرم مزاج اور صلح جو خلیفہ تھا اس لئے سلاطین اس سے خوش رہے اور اس نے اپنی پوری زندگی بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ گذاری۔ یہ خلیفہ پچیس سال خلافت کرنے کے بعد ۸۸۴ھ میں فوت ہو گیا۔

اس کے زمانہ میں یہ سلاطین ہوئے ہیں :- (۱) سلطان ملک الاشرف انیال (۲) احمد بن اشرف انیال (۳) ملک الظاہر خوش قدم (۴) ملک الظاہر بلبائی (۵) ملک الظاہر تمربغا (۶) ملک الاشرف قائت بائی۔

متوکل علی اللہ ثانی بن یعقوب

مستنجد کے بعد اس کا بھتیجہ عبدالعزیز بن یعقوب ۸۸۴ھ (۱۴۷۹ء) میں متوکل علی اللہ ثانی کے لقب کے ساتھ تختِ خلافت پر بیٹھا۔

متوکل نہایت ہر دلعزیز خوش اخلاق اور علم دوست خلیفہ ہوا ہے۔ امام سیوطی اسی خلیفہ کے زمانہ میں تھے۔ امام نے کئی کتابیں خلیفہ کے لئے لکھی تھیں۔ متوکل بڑا غیور اور خوددار خلیفہ تھا۔ زمانہ دراز سے خلفا سیدہ نفیسہ کے مزار کی آمدنی کو اپنا جائز حق سمجھتے تھے۔ اس نے اس مزار کی پوری آمدنی مفادِ عامہ کے کاموں کے لئے وقف کر دی۔ یہ خلیفہ نو سال کی خلافت کے بعد ۹۰۳ھ ہجری میں انتقال کر گیا۔

اس خلیفہ کے زمانہ میں یہ سلاطین ہوئے ہیں :- (۱) ملک الاشرف قائت بائی (۲) ناصر محمد بن قائت بائی (۳) ملک الاشرف قانصوہ۔

مستمسک باللہ بن متوکل ثانی

متوکل ثانی کے بعد اس کے بیٹے یعقوب کو مستمسک باللہ کے لقب کے ساتھ ۹۰۳ھ (۱۴۹۷ء) میں مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا۔

یہ خلیفہ چونکہ بے حد صلح جو تھا۔ اس لئے سلاطین کے اشاروں پر چلتا رہا۔ اور ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا۔ سترہ سال کی برائے نام خلافت کے بعد مستمسک ۹۲۰ھ میں فوت ہو گیا۔

اس کے عہد میں یہ سلاطین ہوئے ہیں :- (۱) ناصر محمد بن قائت بائی بار دوم

(۲) ملک ظاہر قانصوہ اشرفی (۳) ملک الاشرف جان بلاط (۴) ملک العادل طومان بائی (۵) ملک قانصوہ غوری۔

متوکل علی اللہ ثالث

مستمسک کے انتقال کے بعد ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں متوکل علی اللہ ثالث کو مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا۔ یہ مصر کا آخری عباسی خلیفہ تھا۔

اس کی خلافت کا چوتھا سال تھا کہ ۹۲۳ھ میں سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ کے سلطان سلیم اوّل عثمانی نے مصر پر قبضہ کر کے مصر کے برائے نام خلفا اور خاندانِ ایوبی کے غلام سلاطین کی حکومت مصر سے ختم کر دی۔

سلطان سلیم کے مصر پر قبضہ کے بعد متوکل حقِ خلافت سے دستبردار ہو گیا اور اس نے رسول اللہ صلعم کے تبرکات یعنی علم۔ تلوار اور ردائے مبارک جن کو نشانِ خلافت سمجھا جاتا تھا اور حرمین شریفین کی کنجیاں سلطان سلیم عثمانی کے حوالے کر دیں اور اس طرح خلافت بنی عباس کے خاندان سے نکل کر عثمانی ترکوں میں چلی گئی۔ اور اس کے بعد زمانۂ دراز تک ترکوں کو خلیفہ اسلام سمجھا جاتا رہا۔

ASL-269 Mukammal Tarikh-i-Islam
Mufti Shawkat Ali Fahmi
Deen-o-Dunya Publishing Co. Delhi 968 Pages

ASL-270 Ood-i-Hindi عود ہندی
Mirza Asadullah Khan Galib
Munshi Nolkishore Press Lakhnow
1941 / 1360 H — 268 Pages

ASL-271 Bal-i-Jibril بال جبریل
Allama Iqbal (120 Pages)
Sultan Book Depot Chaskaman Haiderabad

بارھواں باب

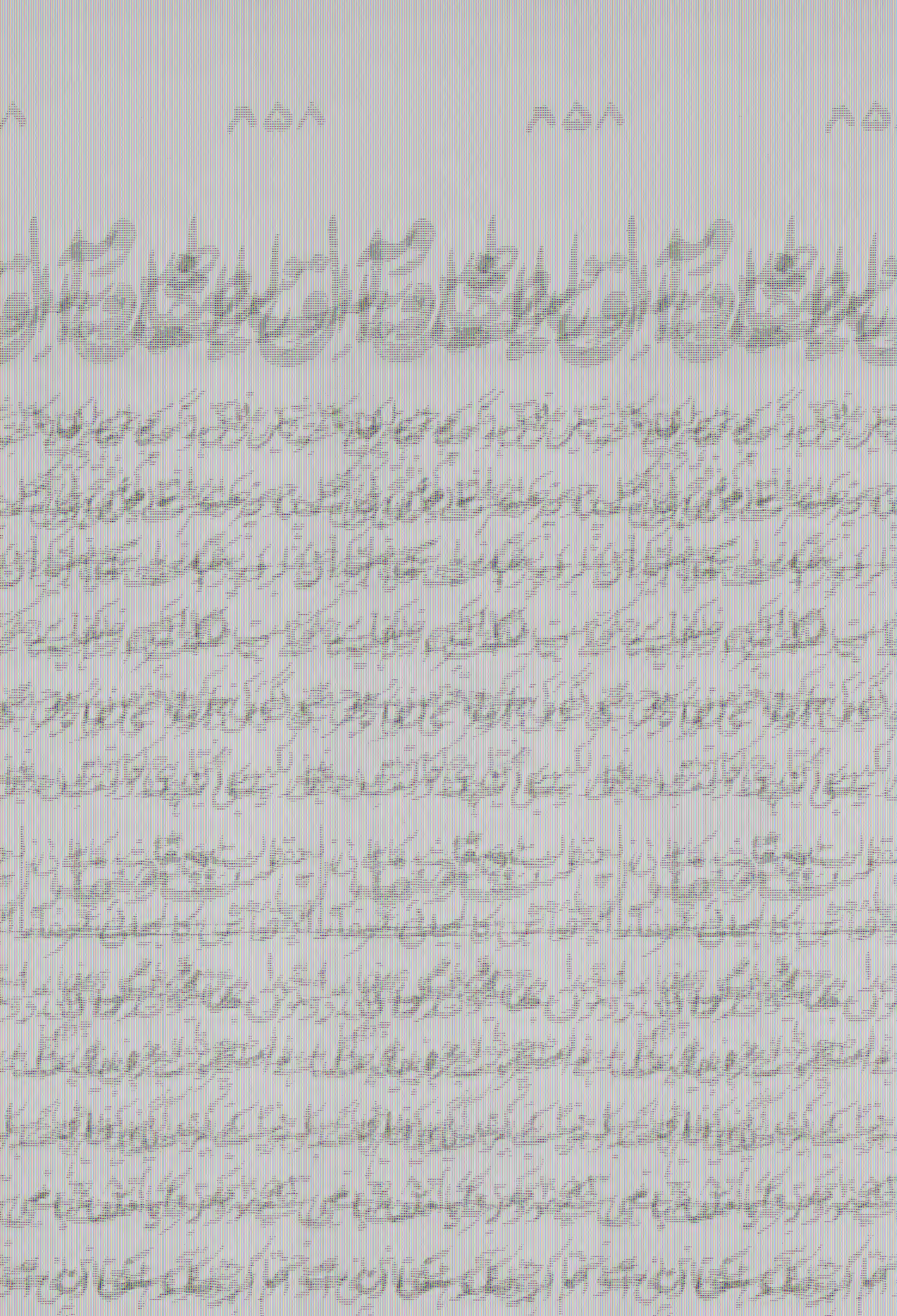
ایران، افغانستان اور ماوراء النہر

کی اسلامی حکومتیں

۲۵۳ھ تا ۹۰۶ھ

۸۶۷ء تا ۱۵۰۰ء





جمالیا اور اس کے بعد ۲۵۵ھ میں کرمان کو بھی حکومتِ طاہریہ سے چھین لیا۔ ان فتوحات سے یعقوب کا حوصلہ بے حد بڑھ گیا اور اُس نے فارس کے عباسی عامل پر حملہ کر کے شیراز بھی فتح کر لیا۔ شیراز کی فتح کے بعد پورا فارس یعقوب بن لیث کے زیر نگیں ہو گیا۔

یعقوب بن لیث چونکہ خلیفہ کو اپنا مخالف نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اسلئے اس نے فارس پر قبضہ کے بعد خلیفہ کی خدمت میں تحریری اطاعت نامہ بھیجکر یہ یقین دلایا کہ وہ ہمیشہ خلیفہ کا مطیع رہیگا۔ اسکے ساتھ ہی بہت سے قیمتی تحائف بھی خلیفہ کی خدمت میں روانہ کئے لیکن یعقوب جب فارس سے سجستان چلا گیا تو خلیفہ معتز نے میدان خالی دیکھکر فارس میں نئے سرے سے اپنے عامل مقرر کر دیئے یعقوب بن لیث نے جب ۲۶۱ھ میں دوبارہ فارس کی جانب رُخ کیا تو یہ خلیفہ معتمد کا زمانہ تھا خلیفہ نے فارس کو یعقوب سے بچانے کیلئے دفع کر دیئے۔ طخارستان اور سندھ کی حکومت دیدی یعقوب بن لیث فارس کو چھوڑ کر کابل جا پہنچا اور اس نے کابل کے غیر مسلم بادشاہ رتبیل کو قتل کر کے کابل پر قبضہ جمالیا۔ اور یہاں کے بہت سے بیش قیمت نوادر جن میں سے چند بت بھی شامل تھے خلیفہ کے پاس بطور ہدیہ بھیجے۔ اسکے بعد اس نے بست اور کروخ کو بھی فتح کر لیا۔ کابل کا علاقہ گو خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں خلافت کا باجگذار بن چکا تھا لیکن یہ شام، عراق اور ایران کی طرح ابھی تک اسلامی ملک نہیں بنا تھا۔ یعقوب بن لیث پہلا مردِ مجاہد ہے جس نے اسے فتح کر کے اسلامی ملک بنایا اور یہاں اسلامی تعلیمات کو فروغ دیا۔

کابل اور بست کی فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد یعقوب سیدھا نیشاپور آیا اور اس نے حکومتِ طاہریہ کے فرمانروا علی بن حسین بن طاہر کو گرفتار کر کے حکومتِ طاہریہ کو ختم کر دیا۔ یعقوب بن لیث اب پھر فارس کی جانب متوجہ ہونا چاہتا تھا لیکن وہ اس لئے خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ خلیفہ سے اقرارِ اطاعت کر چکا تھا یعقوب کی خوش قسمتی سے فارس کا عباسی عامل ابنِ واصل جب اس کی مخالفت پر

کمر بستہ ہوگیا تو یعقوب کو موقعہ مل گیا اور اُس نے حملہ کر کے پورے فارس پر قبضہ جمالیا پھر اس نے بغداد پر بھی فوج کشی کردی۔ بغداد کے قریب اُس کی خلیفہ سے بڑی خونریز جنگ ہوئی مگر اس جنگ میں یعقوب بن لیث کو شکست ہوگئی۔ اس شکست کے بعد جب وہ سجستان واپس جارہا تھا تو راستہ ہی میں بیمار ہوگیا۔ اور اسی بیماری میں چند روز کے بعد ۲۶۵ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ یعقوب بن لیث بڑی خوبیوں کا مالک تھا یہ بہترین سپاہی اور لائق منتظم ہونے کے علاوہ بڑا ہی عبادت گزار اور سادگی پسند سچا مسلمان تھا۔ بادشاہ ہونے کے باوجود یہ فقیروں جیسی زندگی گزارتا تھا۔

عمرو بن لیث صفار

یعقوب بن لیث کے بعد اُس کا بھائی عمرو بن لیث صفار ۲۶۵ھ (۸۷۸ء) میں سجستان میں تخت نشین ہوا۔ اس نے برسر اقتدار آتے کے ساتھ ہی خلافتِ بغداد سے اپنے تعلقات ہموار کرلیے۔ خلیفہ معتمد نے اسے سجستان۔ خراسان۔ اصفہان اور قہستان کی سند حکومت دیدی اس کے علاوہ بغداد اور سرمن رائے کی شہنگی کا اہم عہدہ بھی عطا کردیا۔

خراسان پر ان دنوں خلافتِ عباسیہ کے باغی امیر ابن ہرثمہ کا قبضہ تھا۔ عمرو بن لیث نے اسے شکست دیکر ہرات پر قبضہ کرلیا لیکن یہ ہرثمہ سے نیشاپور انتہائی کوشش کے باوجود نہ لے سکا۔ ۲۷۱ھ میں عمرو بن لیث اور خلیفہ معتمد کے تعلقات بگڑ گئے تھے۔ مگر جلد ہی صفائی ہوگئی۔ ۲۷۹ھ میں جبکہ خلیفہ معتضد کا زمانہ تھا۔ عمرو بن لیث نے ابن ہرثمہ کو قتل کر کے اس کا سر خلیفہ کی خدمت میں بھیجدیا۔ اور پورے خراسان پر اس کا قبضہ ہوگیا۔

ابن ہرثمہ کے قتل کے بعد عمرو بن لیث ماوراء النہر کی حکومت کا طالب ہوا اس علاقہ پر حکومت سامانی اُمراء نے قبضہ کر رکھا تھا۔ خلیفہ معتضد جو عمرو بن لیث کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوش نہ تھا۔ اسے عمرو بن لیث کی طاقت توڑنے اور اس سے

اسمٰعیل سامانی سے لڑانے کا موقعہ ہاتھ آگیا۔ لہٰذا خلیفہ نے عمرو بن لیث کی درخواست فوراً منظور کرلی اور ماوراءالنہر کی حکومت کا پروانہ عمرو بن لیث کو لکھ کر دیدیا۔ اس پروانہ کے ملتے ہی عمرو بن لیث نے ماوراءالنہر پر قبضہ جمانے کے لئے اسمٰعیل سامانی پر حملہ کردیا۔ بلخ کے مقام پر دونوں کی بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ عمرو بن لیث کو شکست ہوگئی اور وہ گرفتار ہوگیا۔

عمرو بن لیث جس دن گرفتار ہوا ہے۔ اُسی روز کا نہایت ہی عبرت انگیز واقعہ ہے کہ اس کی گرفتاری کے دن صبح کے وقت عمرو بن لیث کے باورچی نے اُس سے شکایت کی کہ باورچی خانہ کا سامان اُٹھانے کے لئے مجھے کل تین سو اونٹ دئیے گئے ہیں جو بالکل ناکافی ہیں۔ کچھ اونٹ اور دئیے جائیں۔ اُسی شام کو جب عمرو بن لیث گرفتار ہونے کے بعد قیدخانہ میں ڈالدیا گیا تو اسے بھوک معلوم ہوئی اتفاق سے وہی باورچی جس نے کہ اونٹوں کی کمی کی شکایت تھی۔ قیدخانہ میں اُس کے ساتھ تھا۔ اس نے ایک پُرانی ہانڈی میں جو وہاں موجود تھی تھوڑا سا دلیا جو اس کے پاس تھا پانی ڈال کر پکنے کو رکھ دیا۔ عمرو بن لیث جو بیحد بھوکا تھا بڑی بےصبری کے ساتھ دلیہ کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن باورچی نے دلیے کے پکنے کے بعد جیسے ہی ہانڈی چولہے سے اُتار کر رکھی اور کسی ضرورت سے دوسری طرف چلا گیا۔ تو ایک کتا آیا اور ہانڈی کا کنارہ دانتوں میں پکڑ کر اور اُٹھا کر چل دیا۔ عمرو بن لیث نے جب کتے کو ہانڈی لیجاتے ہوئے دیکھا تو باورچی کو آواز دیکر کہا کہ صبح تو شکایت کررہا تھا کہ باورچی خانہ کا سامان اُٹھانے کے لئے تین سو اونٹ ناکافی ہیں۔ اب دیکھ لے کہ ایک کتا میرا سارا باورچی خانہ اُٹھائے لئے جارہا ہے۔

عمرو بن لیث چند روز تو اسمٰعیل سامانی کی قید میں رہا پھر اس نے عمرو بن لیث کو خلیفہ کے پاس بغداد بھیجدیا۔ خلیفہ معتضد نے اسے قید کردیا اور اسمٰعیل سامانی کو

اس کے تمام مقبوضات کا والی بنا دیا۔ اس کے بعد عمرو بن لیث کو سلطنت کبھی نصیب نہ ہوئی وہ قید ہی میں مر گیا یا اسے قتل کر دیا گیا۔

طاہر بن محمد بن عمرو لیث

عمرو بن لیث کی گرفتاری کے بعد اس کا پوتا طاہر بن عمرو لیث ۲۷۹ھ میں سجستان میں تخت نشین ہوا لیکن خلیفہ نے چونکہ عمرو بن لیث کا سارا علاقہ سامانی امیر اسمٰعیل کو دیدیا تھا اسلئے اُس نے اس علاقہ پر قبضہ کرنیکی ہر امکانی کوشش کی جس کی وجہ سے طاہر کو اپنی حکومت کے بچانے کے لئے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر ۲۸۰ھ میں جب طاہر نے پورے فارس پر قبضہ جما لیا تو خلیفہ بھی خاموش ہو گیا۔ یہ خلیفہ مکتفی کا زمانہ تھا مکتفی نے اسے فارس کا ملک ٹھیکہ پر دیدیا لیکن ۲۹۳ھ میں جب طاہر فارس سے سجستان گیا تو اس کے چچا لیث نے اپنے غلام سبکری کے ذریعہ فارس پر قبضہ کر لیا۔

غلام سبکری ابتدا میں تو لیث کے نائب کی حیثیت سے فارس پر حکومت کرتا رہا لیکن چند ہی روز کے بعد لیث سے قطع تعلق کرکے وہ فارس کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ ۲۹۶ھ میں جب طاہر نے اُس سے ملک چھیننے کی کوشش کی تو غلام سبکری نے طاہر کو شکست دیکر گرفتار کر لیا اور اسے اور اسکے بھائی یعقوب کو خلیفہ مقتدر کے حوالے کرکے باقاعدہ اپنے حق میں فارس کا ٹھیکہ منتقل کرا لیا لیکن ایک ہی سال کے بعد لیث بن علی نے حملہ کرکے غلام سبکری کو فارس سے نکالدیا اور خود قابض ہو گیا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عباسی فوجوں نے فارس پر حملہ کرکے لیث بن علی کو گرفتار کر لیا۔ لیث بن علی کی گرفتاری کے بعد اس کا بھائی معدل بن علی سجستان میں اُس کا جانشین ہوا۔ لیکن اب صفاری حکومت بے حد کمزور ہو چکی تھی۔ لہذا ۲۹۸ھ میں اسمٰعیل سامانی نے فوج کشی کرکے دولت صفاریہ کو ختم کر دیا۔

دولت سامانیہ ماوراالنہر و ایران

اسد بن سامان بلخ کا ایک امیر تھا جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہرام چوبین کی اولاد میں سے تھا۔ اسد پہلے آتش پرست تھا لیکن بعد میں آتش پرستی ترک کر کے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسد کے چار بیٹے تھے۔ نوح[۱] احمد[۲] یحیی[۳] اور الیاس[۴] ان چاروں نے دیگر امرائے ایران کی طرح مامون رشید عباسی کو اپنے بھائی امین کے خلاف تختِ خلافت حاصل کرنے میں بڑی مدد دی تھی۔ چنانچہ خلیفہ مامون نے ان کی خدمات سے خوش ہو کر چاروں بھائیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کر دیا تھا۔ نوح کو سمرقند عطا ہوا تھا۔ احمد کو فرغانہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ یحیی کو شروسنہ اور شاس کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ اور الیاس کو ہرات کا حاکم بنا دیا تھا۔

احمد حاکم فرغانہ ان چاروں بھائیوں میں سب سے زیادہ حوصلہ مند اور مدبر تھا۔ نوح جب مر گیا تو سمرقند بھی احمد ہی کو مل گیا اور اس نے کاشغر کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور احمد کی طاقت نئے علاقوں کے ملنے کے بعد رفتہ رفتہ بہت زیادہ بڑھ گئی۔

نصر سامانی بن احمد

احمد کے بعد اُس کا بیٹا نصر ۲۶۱ھ (۸۷۴ء) میں تخت نشین ہوا۔ اسے ماوراالنہر کی حکومت بھی مل گئی اور اس طرح اس کے زمانہ میں سامانی حکومت کی داغ بیل پڑ گئی۔ سامانی حکومت کے سلاطین گو خود مختار تھے لیکن وہ دربارِ خلافت کی سیادت کو آخر وقت تک تسلیم کرتے رہے۔

اسمٰعیل سامانی بن احمد

نصر سامانی کے بعد اس کا بھائی اسمٰعیل سامانی

بن احمد ۲۸۴ھ (۸۹۷ء) میں بخارا کے تخت پر بیٹھا۔ یہ سامانی حکومت کا بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ خلیفہ معتضد نے عمرو بن لیث صفاری کی طاقت توڑنے کے لیے اسی اسمٰعیل سامانی کو عمرو بن لیث سے بھڑا دیا تھا۔ چنانچہ اسمٰعیل سامانی نے عمرو بن لیث کو شکست دیکر اور گرفتار کر کے خلیفہ معتضد کے پاس بھیجدیا تھا۔ خلیفہ نے عمرو بن لیث کو قید کر دیا تھا۔ اور اس کے ملک کی سندِ حکومت جس میں خراسان بھی شامل تھا اسمٰعیل سامانی کو دیدی تھی۔ اور اسمٰعیل نے حکومتِ صفاریہ کو ختم کر کے اسے اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ اسمٰعیل سامانی نے محمد بن زید علوی حاکم طبرستان کو شکست دیکر طبرستان بھی فتح کر لیا تھا۔ مختصر یہ کہ اسمٰعیل کے عہدِ حکومت میں سامانی سلطنت ہندوستان کی حدود سے لیکر بغداد تک پھیل گئی تھی۔ اور اس کے زمانہ میں سمرقند و بخارا علوم و فنون کے بہت بڑے مرکز بن گئے تھے۔

نظر احمد سامانی بن اسمٰعیل

اسمٰعیل کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نظر احمد ۲۹۵ھ (۹۰۸ء) میں بخارا کے تخت پر بیٹھا۔ یہ نہایت ہی کج اخلاق تھا۔ اس نے اپنی بد اخلاقی کی وجہ سے تمام اُمرائے سلطنت اور رشتہ داروں کو اپنا مخالف بنا لیا تھا۔ اس نے پانچ چھ سال حکومت کی لیکن یہ سارا زمانہ یا تو دربارِ خلافت کے خلاف ریشہ دوانیوں میں صرف ہوا یا اُمرائے سلطنت کی مخالفت میں۔ آخر یہ اپنے ہی غلاموں کے ہاتھوں قتل ہوا

نصر سامانی بن نظر احمد

نظر احمد کے قتل کے بعد اس کا بیٹا نصر ۳۰۱ھ (۹۱۴ء) میں بخارا کے تخت پر بیٹھا تخت نشینی کے وقت اس کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ یہ جوان ہونے کے بعد دوسرا اسمٰعیل سامانی ثابت ہوا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں سلطنت کو خوب وسعت دی۔ یہ بڑی

خلافت اور دبدبہ کے ساتھ ۱۳ سال حکومت کرتا رہا۔

نوح سامانی بن نصر

یہ اپنے باپ نصر کی موت کے بعد ۳۳۱ ہجری (۹۴۳ء) میں بخارا میں تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا ہی نیک دل بادشاہ ہوا ہے۔ گیارہ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۴۳ھ میں فوت ہوگیا۔

عبدالملک سامانی بن نوح

نوح کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک سامانی ۳۴۳ھ (۹۵۴ء) میں بخارا میں تخت نشین ہوا۔ اسی نے اپنے ایک سردار الپتگین کو خراسان کی گورنری کے عہدہ پر مامور کیا تھا۔ یہ سات سال حکومت کرنے کے بعد چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر فوت ہوگیا۔

منصور سامانی بن نوح

عبدالملک کے بعد اس کا بھائی منصور سامانی بن نوح ۳۵۰ ہجری (۹۶۱ء) میں تخت پر بیٹھا۔ رکن الدولہ دیلمی کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد اس کے اثرات عراق اور فارس کے صوبوں میں بھی قائم ہوگئے تھے۔ منصور سامانی نے پندرہ سال حکومت کی۔

ابوالقاسم نوح ثانی بن منصور

یہ اپنے باپ منصور کی موت کے بعد ۳۶۵ھ (۹۷۶ء) میں بخارا میں تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں دولت سامانیہ میں جابجا بغاوتیں شروع ہوگئی تھیں چنانچہ منگولستان کے سلطان بغرا خاں نے اس کے خلاف حملہ کرکے بخارا پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن جب بغرا خاں فوت ہوگیا تو نوح ثانی دوبارہ حکومت پر قابض ہوگیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سامانی امیر الپتگین کے داماد سبکتگین

نے غزنین میں اپنی مستقل حکومت قائم کرلی تھی۔ امیر سبکتگین نوح ثانی کا بڑا ہمدرد تھا۔ اس نے بغرا خاں کے مقابلہ میں نوح ثانی کی بے حد مدد کی تھی۔ سامانی حکومت کے باغی اُمرا نے جب بخارا پر حملہ کیا تھا تو امیر سبکتگین اور اس کا بیٹا محمود غزنوی نوح ثانی کی حمایت میں بڑی بہادری کے ساتھ لڑے تھے۔ اور انھوں نے باغیوں کو شکست دیدی تھی۔ نوح ثانی نے ان باپ بیٹوں کی مخلصانہ خدمات سے خوش ہوکر سبکتگین کو خراسان کی سندِ حکومت عطا کردی تھی۔ نوح ثانی ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۸۷ھ میں فوت ہوگیا۔

منصور ثانی بن نوح

نوح ثانی کے بعد اُس کا بیٹا منصور ثانی ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں جب بخارا کے تخت پر بیٹھا تو ترک اُمرا نے اس کے خلاف بغاوت برپا کرکے بخارا پر قبضہ جمالیا اور اسے معزول کردیا لیکن اس کے بعد انھوں نے اسی کو تخت نشین کردیا اور اس کے پردہ میں خود حکومت کرنے لگے لیکن چندروز کے بعد جب اُمرائے سلطنت اور منصور میں اختلافات پیدا ہوگئے تو اُمرا نے اسے دوبارہ تخت سے اُتار کر اندھا کردیا اور اس کے بھائی عبدالملک ثانی کو تخت نشین کردیا۔

عبدالملک ثانی بن نوح

باغی اُمرا نے منصور ثانی کو معزول کرنے کے بعد اسے ۳۸۹ھ (۹۹۹ء) میں تخت پر بٹھا دیا۔ اور اسے ساتھ لیکر محمود غزنوی پر حملہ کردیا لیکن عبدالملک اور اُمرا کو محمود غزنوی کے مقابلہ میں بُری طرح شکست ہوئی اور یہ ناکام و نامراد بخارا لوٹ گئے ایلک خاں والئی ترکستان جو مدت سے بخارا کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ عبدالملک ثانی کی مدد کے بہانہ سے فوج لیکر بخارا آپہنچا اور عبدالملک اور اس کے بھائیوں کو گرفتار کرکے بخارا پر قابض ہوگیا۔

عبدالملک ثانی کا ایک بھائی اسمٰعیل بھیس بدل کر کسی نہ کسی طرح بخارا سے فرار ہو گیا تھا۔ اس نے منتشر فوجوں کو جمع کر کے سامانی حکومت کو دوبارہ حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ۳۹۴ھ میں اس کے مارے جانے کے بعد سامانی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

فوجی قابلیت سے خوش ہو کر طبرستان کے فرمانروا مرداویج نے علی بویہ کو کرج کا اور اُس کے دو دوسرے بھائیوں کو مختلف مقامات کا حاکم بنا دیا۔

علی بویہ نے رفتہ رفتہ اپنی طاقت کو خوب بڑھا لیا اسی زمانہ میں اتفاق سے جب ایک دیلمی افسر شہریار مع اپنی جماعت کے علی بویہ کے ساتھ ہو گیا تو اس کی طاقت اور بھی بڑھ گئی اور اس نے حملہ کر کے اصفہان پر قبضہ جما لیا۔ لیکن علی بویہ کیونکہ اس علاقہ پر اپنا قبضہ برقرار نہیں رکھ سکا۔ اس لیے وہ اصفہان چھوڑ کر ارجان چلا گیا اور اُس پر قابض ہو گیا پھر اُس نے شیراز کے حاکم یاقوت سے نوبندجان بھی چھین لیا۔ مرداویج گو علی بویہ کا سرپرست تھا لیکن اس کی طاقت کو بڑھتا ہوا دیکھ کر یہ اس کا شدید مخالف بن گیا۔ چنانچہ مرداویج اور یاقوت دونوں نے ملکر علی بویہ پر حملہ کر دیا۔ علی بویہ کو ابتدا میں تو ان کے مقابلہ پر ناکامی ہوئی لیکن بعد میں اس نے مرداویج اور یاقوت دونوں کو شکست دیکر شیراز پر بھی قبضہ جما لیا۔

عماد الدولہ علی بویہ دیلمی

یہی علی بویہ جو ماہی گیری کے پیشہ سے تنگ آ کر طبرستانی فوج میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہوا تھا۔ جب اُس نے شیراز فتح کر لیا اور وہاں باقاعدہ اپنے خاندان یعنی بویہ کی حکومت قائم کر لی تو اُس کی درخواست پر خلیفہ راضی باللہ نے اُسے شیراز اور دوسرے مفتوحہ علاقوں کی سندِ حکومت عطا کر دی۔ خلفائے عباسیہ میں اگرچہ کوئی دم باقی نہیں رہا تھا لیکن دنیائے اسلام میں اُن کی سیادت اور مذہبی عظمت بدستور قائم تھی اور ان کی عطا کردہ حکمرانی کی سند کو کیونکہ باضابطہ سند تسلیم کیا جاتا تھا اس لئے بنی بویہ خلیفہ سے سندِ حکومت حاصل کرنے کے بعد باضابطہ حکمران تسلیم کئے جانے لگے۔ اسی زمانہ

میں اتفاق سے جب مرداویج اپنی فوج کے ہاتھوں قتل ہوگیا تو علی بویہ نے اس کے ساتھی یاقوت کو شکست دیکر من مانی شرطوں پر صلح کرنے کے لئے اُسے مجبور کر دیا۔ یاقوت کو شکست دینے کے بعد عراق و خوزستان میں علی بویہ کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ خلیفہ راضی نے اسے فارس، عراق اور خوزستان کی سندِ حکومت بھی دیدی۔

علی بویہ نے اس طرح ایک وسیع علاقہ پر قبضہ جمانے کے بعد شیراز کو اپنا مستقر بنا لیا۔ اور اپنے دوسرے بھائی حسن بویہ کے مشورہ سے حکومت کرنے لگا۔ تیسرے بھائی احمد بویہ کو اس نے فارس کی حکومت سپرد کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ خلافتِ عباسیہ میں امیر الاُمرائی کے عہدہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ ہر امیر اور حکمراں اس عہدہ کے حاصل کرنے کے لئے مضطرب رہتا تھا۔ اور کچھ ایسا دستور سا بن گیا تھا کہ جس امیر کی بھی طاقت بڑھ جاتی تھی۔ وہ بغداد پر حملہ کر کے بغداد پر قبضہ جما لیتا تھا۔ اور پھر وہی بغداد کی امیر الامرائی کے عہدہ کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔

علی بویہ کے چھوٹے بھائی احمد بویہ کے پاس اس وقت فارس میں بہت بڑی طاقت تھی اُس کی نظریں مدت سے بغداد کی امیر الاُمرائی کے لئے اُٹھ رہی تھیں اُس کے حصولِ مقصد کے لئے اس لئے اور بھی موقعہ پیدا ہو گیا تھا کیونکہ ابنِ شہر زاد کی امیر الامرائی اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے لب دم تھی لہٰذا احمد بویہ نے موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بغداد پر حملہ کر کے اس پر قبضہ جما لیا۔ یہ خلیفہ مستکفی کا زمانہ تھا۔ خلیفہ نے حسبِ دستور اس فاتح بغداد کی خدمت میں امیر الاُمرائی کا قلمدان پیش کر دیا۔ اس کے بعد خلیفہ کی جانب سے احمد بویہ کو معز الدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ احمد بویہ کے بڑے بھائی علی بویہ کو عماد الدولہ کا خطاب ملا اور منجھلا بھائی حسن بویہ رُکن الدولہ کے خطاب سے نوازا گیا۔

غرضکہ ان تینوں بھائیوں کو خوب عروج حاصل ہوا۔

رُکن الدولہ حسن بویہ دیلمی

دیلمی حکومت کے بانی عماد الدولہ علی بویہ کے مرنے کے بعد ۳۳۸ھ (۹۴۹ء) میں اس کا چھوٹا بھائی رُکن الدولہ حسن بویہ شیراز میں تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت سب سے چھوٹا بھائی معز الدولہ احمد بویہ بدستور بغداد کی امیر الأمرائی کے عہدہ پر فائز تھا۔ اور ۳۵۶ھ تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ امیر الامرائی کے فرائض انجام دیتا رہا۔

امیر الامرا معز الدولہ کے انتقال کے بعد یہ عہدہ ۳۵۶ھ میں اس کے بیٹے عز الدولہ بختیار کو مل گیا۔ عز الدولہ بڑا نا اہل اور مغرور تھا چنانچہ ترک سرداروں نے جب اس کے خلاف شدید بغاوت برپا کردی تو اس نے اپنے چچا زاد بھائی عضد الدولہ بن رُکن الدولہ کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ عضد الدولہ نے بغداد پہنچ کر بڑی مشکل سے اس بغاوت کو دبایا۔

بغداد کی اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد عضد الدولہ کی نیت میں فرق آگیا اور وہ عز الدولہ بختیار کو محروم کرنے کے بعد خود امیر الأمرائی کے عہدہ پر قابض ہوگیا لیکن اُس کے باپ رُکن الدولہ کو جب معلوم ہوا کہ عضد الدولہ نے اُس کے بھتیجے عز الدولہ سے امیر الأمرائی چھین لی ہے تو وہ بیٹے کی اس ناانصافی پر بے حد برہم ہوا اور اس نے بیٹے کو حکم دیا کہ وہ فوراً عز الدولہ کا حق اُسے واپس کردے۔ باپ کے اس حکم کے بعد عضد الدولہ مجبوراً اس عہدہ سے دستکش ہوگیا اور بغداد کی امیر الأمرائی پھر عز الدولہ بختیار کو مل گئی۔

رکنُ الدولہ بڑے ہی بلند کردار کا سلطان ہوا ہے۔ یہ عضد الدولہ کو ولیعہد نامزد کرنے کے بعد ۳۶۵ھ میں اٹھارہ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوگیا۔ اس

کے زمانہ میں بغداد اور دیلمی سلطنت میں شیعیت کو خوب فروغ حاصل ہوا اس نے اپنی زندگی ہی میں ہمدان کی حکومت اپنے بیٹے فخر الدولہ کو اور اصفہان کی حکومت مؤید الدولہ کو دیدی تھی۔

عضد الدولہ بن رکن الدولہ

یہ اپنے باپ رکن الدولہ کی وفات کے بعد ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) میں فارس اور کرمان کے تخت پر بیٹھا۔ اور اس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی بغداد پر حملہ کر کے عز الدولہ بختیار سے بغداد کی امیر الأمرائی کا عہدہ دوبارہ چھین لیا اور عز الدولہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ عضد الدولہ نے ۳۶۹ھ میں دولتِ حسنیہ کردستان کو شکست دیکر کردستان کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ اور اس نے اپنے بھائی فخر الدولہ سے ہمدان اور رے کے علاقے اس بنا پر چھین لیے تھے کیونکہ فخر الدولہ نے عز الدولہ بختیار کی جنگ میں بختیار کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔

عضد الدولہ سات سال حکومت کرنے کے بعد ۳۷۲ھ میں مرگی کے مرض میں مبتلا ہونے کے بعد انتقال کر گیا۔ یہ بڑا لائق حکمراں تھا۔ اس نے نئے نئے علاقے فتح کر کے دیلمی سلطنت کو خوب وسیع کر لیا تھا۔ بغداد کو دوبارہ آباد کر کے اس نے بغداد کی رونق کو بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔ اس نے مدینۂ طیبہ کے گرد شہر پناہ بنوائی جعفر علی کی قبر کا پتہ چلا کر اس پر ایک نہایت شاندار مقبرہ تعمیر کیا۔ سارے ملک میں مدرسے شفا خانے، پل اور رفاہِ عام کے لئے بے شمار عمارتیں بنوائیں۔

مؤید الدولہ بن رکن الدولہ

عضد الدولہ ایک طرف تو دیلمی سلطنت کا سلطان تھا اور دوسری طرف امیر الأمرا ہونے کی وجہ سے خلافت عباسیہ بھی اسی کے ہاتھ میں تھی لیکن ۳۷۳ھ (۹۸۳ء) میں اس کے مرنے کے بعد یہ دونوں اعزاز دیلمی امرا نے الگ الگ کر دئے یعنی بغداد کی امیر الامرائی کی گدی

پر تو عضد الدولہ کے بیٹے ابو کالیجار کو صمصام الدولہ کے لقب کے ساتھ بٹھا دیا اور دیلمی سلطنت کے تخت پر مؤید الدولہ بن رکن الدولہ کو متمکن کر دیا لیکن مؤید الدولہ تخت نشینی کے چند روز بعد ہی مر گیا۔

فخر الدولہ بن رکن الدولہ

جب مؤید الدولہ مر گیا تو دیلمی امراء نے مؤید کے بھائی فخر الدولہ کو تخت نشین کر دیا۔ صمصام الدولہ بدستور بغداد کی امیر الامرائی کے عہدہ پر سرفراز رہا لیکن چند ماہ کے بعد ہی دیلمی امراء نے فخر الدولہ سے ناراض ہو کر اسے معزول کر دیا۔

صمصام الدولہ بن عضد الدولہ

صمصام الدولہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد سے امیر الامرائی کے فرائض تو انجام دے ہی رہا تھا لیکن جب سنہ ۳۷۳ھ میں اس کا چچا فخر الدولہ معزول ہوا تو امرائے سلطنت نے امیر الامرائی کے منصب کے ساتھ ساتھ اسے دیلمی سلطنت کا بادشاہ بھی بنا دیا لیکن تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی اپنے بھائی شرف الدولہ سے اس کی جنگ چھڑ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۳۷۶ھ میں شرف الدولہ نے صمصام الدولہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور قید کر دیا اور خود دیلمی سلطنت کا فرمانروا بھی بن گیا اور امیر الامرائی کے منصب پر بھی قبضہ جما لیا۔

شرف الدولہ بن عضد الدولہ

صمصام الدولہ کی شکست اور قید کے بعد خلیفہ طائع نے سنہ ۳۷۶ھ مطابق ۹۸۶ء میں شرف الدولہ کی حکومت اور بغداد کی امیر الامرائی کی تصدیق کر دی۔ شرف الدولہ کے تخت نشین ہوتے ہی اس کی فوج کے ترکوں اور دیلمیوں میں بُری طرح خانہ جنگی شروع ہو گئی جسے شرف الدولہ نے بڑی دشواری سے ختم کیا۔ شرف الدولہ کی حکومت کو صرف تین سال اور چند مہینے گذرے تھے کہ سنہ ۳۷۹ھ میں اُس کا انتقال ہو گیا

بہاءالدولہ بن عضدالدولہ

یہ شرف الدولہ کی وفات کے بعد ۳۷۹ہجری (۹۸۹ء) میں دیلمی سلطنت کے تخت پر اور امیرالامرائی کی مسند پر بیٹھا۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی اس کے بھائیوں نے بغاوت برپا کردی۔ صمصام الدولہ اور اس کا دوسرا بھائی ابوطاہر جو شیراز میں قید تھے۔ قید خانہ سے فرار ہونے کے بعد بہاءالدولہ کے مقابلہ پر آگئے۔ ۳۷۹ھ میں صمصام الدولہ نے اس سے فارس اور ارجان کے صوبے چھین لئے۔ ان لڑائیوں کی وجہ سے چونکہ بہاءالدولہ کا خزانہ خالی ہوگیا تھا۔ اس لئے اس نے خلیفہ طائع سے بالجبر روپیہ وصول کرنا چاہا۔ جب روپیہ وصول نہ ہوا تو بہاءالدولہ نے طیش میں آکر طائع کو معزول کرکے قادر کو خلیفہ بنادیا۔ اس دوران میں بہاءالدولہ نے کئی مرتبہ صمصام الدولہ سے فارس واپس لینے کی کوشش کی مگر ہر مرتبہ ناکامی ہوئی آخر ۳۸۸ھ میں صمصام الدولہ کے قتل کے بعد اس کا دوبارہ فارس پر قبضہ ہوگیا۔ ۳۹۰ھ میں بہاءالدولہ کا دوسرا باغی بھائی ابوطاہر بھی قتل کردیا گیا۔ اور یہ اطمینان کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔ بہاءالدولہ ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۰۳ھ میں فوت ہوگیا۔

سلطان الدولہ بن بہاءالدولہ

بہاءالدولہ کے بعد اس کا بیٹا سلطان الدولہ ۴۰۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں بھی برابر بغاوتیں برپا ہوتی رہیں چنانچہ ۴۱۱ھ میں اس کے بھائی مشرف الدولہ نے اس پر حملہ کردیا اور دونوں میں جنگ چھڑ گئی۔ مگر دو سال کی جنگ کے بعد آپس میں صلح ہوگئی۔ صلحنامہ کی رُو سے عراق کا علاقہ اور بغداد کی امیر الامرائی تو مشرف الدولہ کے حصے میں آئی اور فارس و کرمان کی موروثی حکومت سلطان الدولہ کے قبضہ میں رہی۔ سلطان الدولہ کا ۴۱۵ھ میں اور مشرف الدولہ کا

سنہ ۴۱۵ھ میں انتقال ہو گیا۔

ابو کالیجار بن سلطان الدولہ

سلطان الدولہ کے بعد سنہ ۴۱۵ھ میں اس کا بیٹا ابو کالیجار دیلمی سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ سنہ ۴۱۶ھ میں جب مشرف الدولہ مر گیا تو عراق کی حکومت اور بغداد کی امیر الامرائی اس کے دوسرے بھائی جلال الدولہ کو مل گئی۔ لیکن سنہ ۴۳۵ھ میں جلال الدولہ کے مرنے کے بعد ابو کالیجار نے بغداد کی امیر الامرائی پر بھی قبضہ جما لیا۔ ابو کالیجار ۲۵ سال کی حکومت اور پانچ سال کی امیر الامرائی کے بعد سنہ ۴۴۰ھ میں انتقال کر گیا۔

ملک الرحیم بن ابو کالیجار

ابو کالیجار کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک الرحیم سنہ ۴۴۰ھ میں دیلمی سلطنت کے تخت پر اور امیر الامرائی کی مسند پر متمکن ہوا لیکن سنہ ۴۴۷ھ میں طغرل بیگ سلجوقی نے بغداد میں داخل ہو کر اور اس کی امیر الامرائی کو ختم کر کے بغداد کی تولیت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کے بعد سنہ ۴۵۰ھ میں جب یہ سلجوقیوں کے ہاتھوں قتل ہوا تو اس کے قتل کے بعد دیلمی حکومت بھی ختم ہو گئی۔

دولتِ غزنویہ افغانستان

"دولتِ غزنویہ افغانستان" کو اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ حکومت "دولتِ سامانیہ" ماوراالنہر سے پیدا ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ اسے اس قدر وسعت حاصل ہوئی کہ یہ وسط ایشیاء سے لیکر ہندوستان تک پھیل گئی اور اپنے زمانہ کی سب سے بڑی اسلامی حکومت شمار ہونے لگی۔

دولتِ غزنویہ جس طرح عالم وجود میں آئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ سامانی حکومت کے فرمانروا عبد الملک بن نوح نے اپنے دورِ حکومت میں اپنے لائق اور محبوب غلام الپتگین کو خراسان کا گورنر بنا دیا تھا۔ عبد الملک بن نوح کے مرنے کے بعد جب سامانی امراء نے اُس کے نو عمر بیٹے منصور کو تخت نشین کرنا چاہا تو الپتگین نے نو عمری کی بنا پر منصور کی سخت مخالفت کی لیکن سامانی امراء کی اکثریت کیونکہ منصور کے حق میں تھی اس لئے وہ تخت نشین ہو گیا۔ تخت نشینی کے بعد جب منصور نے الپتگین کو طلب کیا تو وہ اس اندیشہ سے اسکے پاس نہیں گیا کیونکہ اُس نے منصور کی سخت مخالفت کی تھی چنانچہ وہ خراسان چھوڑ کر غزنین چلا گیا اور وہاں کے سامانی حاکم ابوبکر سے غزنین کا علاقہ چھین کر غزنین اور کابل میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ جب الپتگین مر گیا تو اس کے بعد اس کا بیٹا ابو اسحٰق اور دو غلام باری باری سے غزنین کے تخت پر بیٹھے۔ ان کے بعد غزنین کے امیروں نے الپتگین کے تیسرے غلام اور داماد سبکتگین کو تخت نشین کر دیا۔

امیر ناصر الدین سبکتگین

سبکتگین سنہ ۳۶۶ھ (۹۷۷ء) میں امیر ناصر الدین کے لقب کے ساتھ غزنین کے تخت پر بیٹھا۔

سبکتگین کے حسب نسب کے بارے میں مورخوں میں اختلاف ہے بعض مورخوں کے نزدیک تو وہ شاہِ ایران یزدجرد کی اولاد میں سے تھا اور بعض اُسے ترک اُمرا کی نسل سے بتلاتے ہیں لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ کسی اُونچے اور بڑے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتدائی عمر میں بردہ فروش سبکتگین کو پکڑ کر بخارا لے آئے تھے۔ الپتگین نے اُسے ان بردہ فروشوں سے خرید لیا تھا۔ سبکتگین جوان ہونے کے بعد بڑا ہونہار اور لائق ثابت ہوا۔ یہ ترقی کرتے کرتے الپتگین کی فوج کا سپہ سالار بن گیا۔ اس نے اپنے آقا الپتگین کے ساتھ لڑائیوں میں ایسی بہادری دکھائی کہ الپتگین نے خوش ہو کر اپنی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ الپتگین جب مر گیا تو اس کے جانشینوں کے بعد یہ غزنین کا بادشاہ بن گیا۔

سبکتگین نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنی طاقت کو خوب بڑھایا اس نے بست اور قصدار کی ریاستوں کو فتح کر کے حکومتِ غزنین میں شامل کر لیا۔ اسی زمانہ میں جب سامانی اُمرا نے سامانی حکومت کے خلاف بغاوت برپا کی اور سامانی بادشاہ نے سبکتگین کو اپنی مدد کے لئے بلایا تو اس نے بخارا پہنچنے کے بعد امرا کی بغاوت کو کچل ڈالا۔ سبکتگین بخارا کی جنگ سے فارغ ہی ہوا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ "نیشاپور میں باغیوں نے اس کے بیٹے محمود کو گھیر لیا ہے"۔ اس اطلاع کے ملنے پر وہ فوراً بیٹے کی مدد کے لئے نیشاپور پہنچا اور باغیوں کو بُری طرح شکست دی۔ اس کے بعد سنہ ۹۸۶ء میں پنجاب اور سندھ کے راجہ جیپال نے جب اس کے ملک پر فوج کشی کی تو سبکتگین نے اُسے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ راجہ نے خراج اور اطاعت کے وعدہ پر رہائی حاصل کر لی۔ مگر بد عہدی کر کے دوبارہ تین لاکھ کا لشکرِ جرار کابل پر چڑھا دیا۔ سبکتگین نے اس مرتبہ بھی ہندو راجاؤں سے راجہ جیپال کو نہ صرف شکست دے دی بلکہ گرفتار بھی کر لیا۔ لیکن راجہ نے جب معافی مانگ لی تو اسے دوبارہ

اقرارِ اطاعت لیکر چھوڑ دیا۔ اس جنگ کے بعد پشاور تک سبکتگین کا قبضہ ہو گیا اور مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں فتوحات کے لئے ایک نیا دروازہ کھل گیا۔

سلطان محمود غزنوی

راجہ جیپال سے دوسری جنگ کے بعد سبکتگین چھ سال تک سمرقند و بخارا اور دوسرے علاقوں میں فتوحات حاصل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں اس کا انتقال ہو گیا۔ سبکتگین کے مرنے کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا اسمٰعیل بلخ میں تخت نشین ہو گیا۔ مگر چھ مہینے کے بعد ہی اپنے بڑے بھائی محمود سے لڑ کر اور شکست کھا کر معزول ہوا۔ اسمٰعیل کی معزولی کے بعد محمود غزنوی ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں تخت پر بیٹھا۔ اور باپ کی طرح نجشارا۔ آذربائیجان اور فارس کی لڑائیوں میں مصروف ہو گیا۔ ان لڑائیوں میں اس کی شمشیر خارا شگاف نے وہ وہ کارنامے دکھائے کہ وہ اپنے دور کا سکندر ثانی شمار ہونے لگا۔ اسکی عظیم الشان فتوحات سے متاثر ہو کر عباسی خلیفہ قادر باللہ نے اسے یمین الدولہ امین الملت کا خطاب عطا کیا تھا۔ اور باقاعدہ سندِ حکومت بھی دی تھی۔

محمود غزنوی بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ وہ فتوحات سے کبھی نہیں تھکتا تھا۔ وسط ایشیا میں اس کی فتوحات نے دُور دُور تک اس کی دھاک قائم کر دی تھی۔ چنانچہ بخارا کے بادشاہ عبد الملک سامانی نے جب محمود کے خلاف فوج کشی کی تو محمود نے اسے اور اس کے ساتھی اُمرا کو شکست فاش دی۔ اور وہ شکست کھا کر بخارا واپس چلا گیا۔ لیکن بخارا پہنچنے کے فوراً ہی بعد ایلک خاں والیٔ ترکستان نے دھوکہ سے بخارا پر قبضہ کر لیا اور عبد الملک سامانی اور اس کے بھائیوں کو قید کر دیا۔ محمود غزنوی ایلک خاں کے مقابلہ پر بھی آ گیا اور اس نے ایلک خاں کو بخارا سے بھگا دیا۔ اور بخارا کو اپنی حدودِ سلطنت میں شامل کر لیا۔ محمود غزنوی بھی اس کے بعد جب مغلوں سے مقابلہ ہوا تو اس نے مغلوں کے سردار طغا خاں کو

شکست دیکر اپنی سلطنت کو بحر کیسپین تک بڑھا لیا۔ پھر ولایتِ خوارزم پر بھی قبضہ کر لیا سیستان اور خراسان کے علاقے تو پہلے ہی سے سلطنتِ غزنیں میں شامل تھے۔ دیلمیوں کی شکست کے بعد اصفہان بھی غزنیں کا ایک صوبہ بن گیا۔

محمود وسط ایشیا کی فتوحات میں ایسا منہمک تھا کہ شاید وہ ہندوستان کی جانب رُخ بھی نہ کرتا لیکن پنجاب کے راجہ جیپال اور اس کے بیٹے انندپال نے حسب سابق بار بار سلطنتِ غزنیں کے علاقوں پر یورش کر کے اُسے ہندوستان پر جوابی حملے کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔ لہٰذا وہ وسط ایشیا سے ہندوستان کی جانب پلٹ پڑا۔ اور اس نے متعدد حملے کر کے سندھ۔ پنجاب اور گجرات کا بیشتر علاقہ فتح کر لیا مختصر یہ کہ محمود نے اپنی اولالعزمی کی بدولت دریائے ستلج سے لیکر بحر کیسپین تک اور ماوراالنہر سے لیکر بلوچستان و عراق تک ایک نہایت ہی عظیم الشان سلطنت قائم کر لی تھی۔

محمود غزنوی نہایت ہی سچا اور دیندار مسلمان تھا۔ قرامطہ یعنی مسلم نما بے دینوں کے خون کا وہ پیاسا تھا چنانچہ اپنے دورِ حکومت میں اُس نے قرامطہ کو کچلنے میں کوئی کمی نہیں اُٹھا رکھی۔ وہ بہت بڑا بہادر ہونے کے ساتھ درگزر کا بھی عادی تھا چنانچہ ہندو راجاؤں کی پے درپے بدعہدیوں کے باوجود اس نے ان راجاؤں سے کبھی کوئی انتقام نہیں لیا۔ بلکہ برابر ان کو معاف کرتا رہا۔ وہ حکومت کے معاملہ میں بڑا ہی وسیع نظر تھا۔ اُس نے اپنی فوج میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کو بھی بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے اور ہمیشہ ان پر بھروسہ کرتا تھا چنانچہ ہندوستان کی فتوحات میں اس نے ہندو سرداروں اور ہندو فوج سے بہت بڑا کام لیا تھا۔ اس کے خلاف یہ الزام قطعی بے بنیاد ہے کہ وہ ہندو مندروں کا دشمن تھا۔ اس نے صرف ان ہی مندروں کو ہاتھ لگایا ہے جو اس کے خلاف سیاسی سازشوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ باقی دوسرے ہزاروں مندروں کی جانب اُس نے آنکھ

اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ بہت بڑا بادشاہ ہونے کے باوجود نہایت ہی سادہ مزاج مسلمان تھا۔ ہر وقت خدا سے ڈرتا رہتا تھا۔ ہر جنگ سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگا کرتا تھا۔ اور جب اسے فتح حاصل ہو جاتی تھی تو سجدۂ شکر ادا کرتا تھا۔ محمود غزنوی ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۲۱ھ میں انتقال کر گیا۔ اور اپنے پیچھے ایک نہایت ہی وسیع سلطنت چھوڑ گیا۔

امیر مسعود غزنوی

محمود غزنوی نے خلیفہ ہارون الرشید کی طرح اپنی زندگی ہی میں غزنوی سلطنت کو اپنے دو بیٹوں مسعود اور محمد کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ خوارزم۔ فارس۔ اصفہان اور عراق کا علاقہ تو اس نے اپنے بڑے بیٹے امیر مسعود کو دیا تھا۔ اور ماوراء النہر، خراسان، غزنین اور پنجاب کی حکومت اپنے چھوٹے بیٹے امیر محمد کو دی تھی۔ محمود غزنوی نے یہ تقسیم اس لئے کی تھی کہ دونوں بھائی اپنے اپنے علاقوں میں امن اور آشتی کے ساتھ حکومت کرتے رہیں لیکن ہوا یہ کہ محمود کے مرتے ہی دونوں بھائیوں میں بُری طرح خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ آخر کئی مہینے کی جنگ کے بعد امیر مسعود نے غزنین فتح کر کے اپنے چھوٹے بھائی محمد کو گرفتار کر لیا اور اسے اندھا کر کے قید میں ڈال دیا۔ محمود غزنوی کی اولاد کی اس خانہ جنگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ غزنوی حکومت کی دھاک ختم ہو گئی۔ ملک میں جا بجا اندرونی بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ اور بیرونی دشمنوں نے بھی دست درازیاں شروع کر دیں۔ سلجوقی جن کا اقتدار دم بدم بڑھ رہا تھا انہوں نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر غزنین کے علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔

امیر مسعود کے لئے ایک تازہ مصیبت یہ کھڑی ہو گئی کہ اس کی فوج میں اس کے خلاف سخت ناگواری پھیل گئی۔ اس ناگواری کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُسے ہندو فوجیں تیار کرنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج میں ہندوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد بھرتی کر دی تھی۔ مسعود ہندوؤں پر اس قدر مہربان تھا کہ وہ افغانی اور ایرانی

سپاہیوں کے مقابلہ میں ان کو بہت زیادہ تنخواہیں دیتا تھا متعدد ہندوؤں کو اُس نے اپنی فوج میں بہت بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے یہاں تک کہ اس نے ایک ہندو حجام کے لڑکے تلک کو مہاراجہ کا خطاب دیکر سپہ سالار بنا دیا تھا مسعود کے اس رویہ نے افغانی اور ایرانی سپاہیوں کو اس سے بددل کر دیا تھا چنانچہ فوج کی اس بددلی کی بدولت خراسان کے مورچہ پر مسعود کو سلجوقیوں کے مقابلہ میں ایسی شکستِ فاش ہوئی کہ اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اور وہ غزنین سے ترکِ وطن کرکے اور تمام مال وخزانہ لیکر اپنی ہندوستانی فوج کے ہمراہ لاہور کو دارالسلطنت بنانے کی غرض سے ہندوستان کی جانب روانہ ہو گیا۔ غزنین سے روانہ ہوتے وقت اس نے غزنین اور خراسان کی حکومت اپنے بیٹے امیر مودود کے حوالے کر دی تھی۔

امیر مسعود کی یہ انتہائی بدقسمتی تھی کہ جس ہندو فوج کی وجہ سے اس کا افغانوں اور ایرانیوں سے بگاڑ ہوا تھا۔ اُس نے بھی اس سے آنکھیں پھیر لیں۔ چنانچہ دریائے سندھ عبور کرتے ہی مسعود کی ہندو فوج نے کسی بات پر اُس سے خفا ہو کر وہ سارا مال وخزانہ لوٹ لیا جو امیر سبکتگین اور محمود غزنوی نے چالیس پچاس سال میں مختلف ممالک کی فتوحات کے ذریعہ جمع کیا تھا جب ہندو فوج مال وخزانہ لوٹ کر اور مسعود کو چھوڑ کر چلی گئی تو مسلمانوں کی اُس مختصر سی جماعت نے جو مسعود کے ساتھ رہ گئی تھی مسعود کو معزول کر دیا اور اس کے نابینا بھائی امیر محمدؒ کو جو بطور قیدی مسعود کے ساتھ تھا اپنا بادشاہ بنا لیا۔

امیر محمدؒ غزنوی امیر مسعود کے معزول کئے جانے کے بعد امیر محمد بادشاہ بن گیا۔ اس نے پنجاب اور سرحد میں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر دیا اور امیر مسعود کو مع اہل وعیال قلعہ کری میں نظر بند کر دیا لیکن امیر محمدؒ کے بیٹے احمد نے قلعہ کری میں گھس کر اور امیر مسعود کو قتل کر کے ایک نیا ہنگامہ برپا کر دیا چنانچہ امیر مسعود کے بیٹے مودود کو جب بلخ میں باپ کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ لشکرِ عظیم لیکر ہندوستان آیا اور اس نے امیر محمدؒ

کی فوجوں کو شکست دیکر امیر محمد اور اس کے تمام اہل و عیال کو تہہ تیغ کر دیا۔

امیر مودود بن مسعود

مودود بن مسعود اپنے چچا امیر محمد کے قتل کے بعد ۴۳۵ھ میں غزنین میں تخت نشین ہوا۔ اس کی سلجوقیوں سے بہت سی لڑائیاں ہوئیں جن میں اسے بری طرح شکست ہوئی۔ سلجوقیوں نے خراسان خوارزم اور عراق وغیرہ کے تمام علاقے مودود سے چھین لیئے اور اس کے قبضہ میں محض ماوراالنہر۔ غزنیں۔ اور پنجاب کی حکومت رہ گئی۔ مودود چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۴۱ھ میں فوت ہو گیا۔

غزنوی خاندان کا زوال

یوں تو محمود غزنوی کے انتقال کے بعد ہی غزنوی حکومت کا زوال شروع ہو گیا تھا لیکن پھر بھی امیر مودود کے دورِ حکومت تک اس خاندان کی حکومت کسی نہ کسی حد تک قائم رہی مگر مودود کے مرنے کے بعد اس خاندان کا زوال اس تیزی سے شروع ہوا کہ مختصر سے عرصہ میں غزنوی حکومت کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ امیر مودود کے بعد اس خاندان کے جو برائے نام بادشاہ ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) مسعود بن مودود:۔ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ بہت نو عمر تھا۔ صرف تین مہینے اس کی حکومت رہی۔

(۲) علی بن مسعود:۔ ۴۴۱ھ میں تخت نشین ہوا لیکن اس کی حکومت کا زمانہ بھی نہایت مختصر رہے۔

(۳) عبد الرشید بن محمود:۔ ۴۴۲ھ میں تخت پر بیٹھا اور دو سال کے بعد طغرل نامی سردار نے اسے قتل کر کے حکومت پر قبضہ جما لیا لیکن اسکے بعد طغرل بھی قتل کر دیا گیا۔

(۴) فرخ زاد بن مسعود:۔ ۴۴۴ھ میں تخت نشیں ہوا۔ اس کی سلجوقیوں سے کئی لڑائیاں ہوئی ہیں۔

(۵) ابراہیم بن مسعود: ۔ ۴۵۱ھ میں اپنے بھائی فرخ زاد کے بعد تخت پر بیٹھا اس نے سلجوقیوں کے ساتھ صلح کر کے ہندوستان کے باغی سرداروں اور راجاؤں کو سیدھا کیا۔

(۶) مسعود بن ابراہیم: ۔ ۴۹۲ھ میں اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا اور ۵۰۹ھ میں فوت ہو گیا۔

(۷) شہرزاد بن مسعود: ۔ یہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کی مدت حکومت صرف چند ماہ ہے۔

(۸) ارسلان بن مسعود: ۔ ۵۰۹ھ میں اپنے بھائی شہرزاد کے بعد تخت پر بیٹھا لیکن تین سال کے بعد سلطان سنجر سلجوقی نے غزنیں فتح کر کے اسے معزول کر دیا۔

(۹) بہرام شاہ بن مسعود: ۔ ۵۱۲ھ میں اسے سنجر سلجوقی نے غزنیں میں تخت نشین کیا اور یہ سلجوقیوں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنا رہا۔ آخری دورِ حکومت میں غوریوں نے غزنیں پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور اسے غزنیں سے نکال دیا۔ یہ بھاگ کر ہندوستان چلا آیا اور ۵۴۷ھ میں فوت ہوا۔

(۱۰) خسرو شاہ بن بہرام: ۔ اپنے باپ کے بعد ۵۴۷ھ میں لاہور میں تخت نشین ہوا۔ آٹھ سال پنجاب پر حکومت کرنے کے بعد لاہور میں فوت ہوا۔

(۱۱) خسرو ملک: ۔ اپنے باپ خسرو شاہ کے بعد ۵۵۵ھ میں لاہور میں تخت نشین ہوا۔ ۵۸۵ھ میں غوریوں نے پنجاب کو فتح کر کے خسرو ملک کو گرفتار کر لیا۔ اور اس کی گرفتاری کے بعد "دولتِ غزنویہ" ختم ہو گئی۔

—— ٭ ——

دولتِ غوریہ کا قیام

"دولتِ غوریہ" جسے دولتِ غزنویہ کے پرانے کھنڈروں پر غوریوں نے تعمیر کیا تھا۔ گو اس سلطنت کی حدود غزنوی حکومت کی طرح زیادہ وسیع نہیں تھیں لیکن اسلامی تاریخ میں اسے محض اس لئے خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ غوری حکمراں شہاب الدین غوری نے ہندوستان میں ایک ایسی مستقل حکومت کی بنیاد قائم کی جس کے بعد مسلمان صدیوں تک ہندوستان پر بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔

غور کا وہ کوہستانی علاقہ جس کے نام سے یہ سلطنت مشہور ہوئی۔ ہرات اور غزنیں کے درمیان واقع ہے۔ اس علاقہ میں مدت سے ایک خود مختار چھوٹی سی ریاست قائم تھی جس زمانہ میں کہ اس ریاست کا حکمراں محمد بن سور تھا۔ اس زمانہ میں محمود غزنوی نے اس پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا تھا اور ۴۰۱ھ میں محمد بن سور کے بیٹے امیر ابو علی سور کو اپنی طرف سے غور کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ امیر ابو علی کے بعد اس کے بھائی شیث کو غور کی حکومت ملی شیث کے بعد اس کا بھتیجا امیر عباس حاکم ہوا۔ پھر امیر محمد بن عباس نے حکومت سنبھالی اس کے بعد امیر محمد کا بیٹا قطب الدین حسن حکمراں بنا۔ اس کے مرنے کے بعد قطب الدین حسن کا بیٹا عز الدین حسن غور کا حاکم ہوا۔

عز الدین حسن غوری عز الدین حسن غوری کو "دولتِ غوریہ" کا بانی سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس نے غزنوی بادشاہوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے "دولتِ غوریہ" کی خود مختاری کا اعلان کیا تھا۔ اور غزنیں کے سلطان مسعود بن ابراہیم کو بادلِ ناخواستہ غوریوں کی اس نئی حکومت کو گوارہ کرنا پڑا تھا۔ اس خود مختاری کے اعلان کے بعد ہی سے سلطنتِ غوریہ کا عروج شروع ہوا۔

سیف الدین بن عزالدین

عزالدین حسن غوری کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین ۵۴۳ھ (۱۱۴۸ء) میں تخت نشین ہوا سیف الدین کے چھ بھائی اور تھے۔ ان سب میں بڑی محبت تھی۔ ان چھ بھائیوں میں سے ایک بھائی قطب الدین جب کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے خسر بہرام شاہ والئی غزنیں کے پاس چلا گیا تو بہرام شاہ نے اسے جاسوسی کے شبہ میں قتل کرا دیا۔ قطب الدین کے قتل کے بعد سیف الدین والئی غور نے اپنے بھائی کے خون کا انتقام لینے کے لئے غزنیں پر حملہ کر دیا۔ اور ۵۴۳ھ میں غزنیں پر قابض ہو گیا۔ بہرام شاہ شکست کے بعد ہندوستان بھاگ گیا لیکن آئندہ سال اس نے ہندوستان سے لشکر کشی کر کے غزنیں کو واپس لے لیا اور سیف الدین کو گرفتار کر کے پہلے تو اس کی خوب تذلیل کی اس کے بعد قتل کرا دیا۔

علاء الدین حسن جہاں سوز

سیف الدین کے بے دردانہ قتل کے بعد جب اس کا بھائی علاء الدین حسن ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) میں غور کے تخت پر بیٹھا تو اس نے فوراً اپنے دوسرے بھائی بہاء الدین سام کو ایک لشکرِ عظیم دیکر بہرام شاہ سے انتقام لینے کے لئے غزنیں کی جانب روانہ کر دیا لیکن یہ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ فوت ہو گیا۔ بہرام شاہ کی بدولت پے در پے تین بھائیوں کی جانیں ضائع ہو جانے کی وجہ سے علاء الدین حسن بُری طرح مشتعل ہو گیا۔ اور وہ خود ایک لشکر جرار لیکر غزنیں پر چل پڑا۔ بہرام شاہ نے اپنے ہندوستانی لشکر کے ذریعہ غزنیں کو بچانے کی ہر چند کوشش کی مگر اسے شکست ہو گئی اور وہ فرار ہو گیا۔ علاء الدین حسن جو غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا اس نے غزنیں میں داخل ہو کر سات شبانہ روز قتلِ عام کرایا۔ شہر کو آگ لگا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ اور ایسی تباہی مچائی کہ غزنیں کا کوئی گھر جلنے سے اور کوئی خاندان قتل ہونے سے

محفوظ نہ رہ سکا یہاں تک کہ محمود غزنوی کی قبر کے علاوہ دیگر تمام غزنین کے سلاطین کی قبریں بھی کھدوا ڈالیں اور قبروں سے ہڈیاں نکلوا کر ان کو بھی جلا ڈالا۔ اس غارتگری کے واقعہ کے بعد ہی سے علاء الدین حسن "جہاں سوز" کے نام سے مشہور ہوا۔ علاء الدین حسن ایک معرکہ کے دوران میں سلطان سنجر سلجوقی کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا مگر سلطان سنجر نے چند ہی روز کے بعد اسے رہا کر دیا تھا۔

سیف الدین محمد بن علاء الدین

یہ اپنے باپ علاء الدین جہاں سوز کے بعد ۵۵۶ھ (۱۱۶۱ء) میں غور کے تخت پر بیٹھا۔ سیف الدین محمد ایک نہایت ہی سچا مسلمان اور باخدا حکمران تھا۔ اس کو قرامطہ اور ملاحدہ سے سخت نفرت تھی چنانچہ ملاحدہ نے سپہ سالار ابو العباس شیش کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور یہ سازش کے ماتحت اپنے ہی سپہ سالار ابو العباس کے ہاتھوں دھوکہ سے قتل ہوا۔

غیاث الدین بن بہاء الدین سام

سیف الدین کے قتل کے بعد سپہ سالار ابو العباس شیش نے سیف الدین کے چچا زاد بھائی غیاث الدین غوری کو ۵۵۸ھ میں تخت نشین کر دیا۔ غیاث الدین کا چھوٹا بھائی شہاب الدین غوری اس زمانہ میں بامیان میں تھا جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا بڑا بھائی تخت نشین ہو چکا ہے اور سپہ سالار نے اسے کٹھ پتلی بنا رکھا ہے تو وہ فوراً بھائی کے پاس فیروزہ کوہ آ گیا۔ اور ہمت سے کام لیکر ایک روز سپہ سالار ابو العباس شیش کو بھرے دربار قتل کر دیا۔ غدار سپہ سالار کے فتنہ سے نجات پانے کے بعد دونوں بھائی مل کر حکومت کرنے لگے۔

غیاث الدین غوری جو اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین غوری سے بے حد محبت کرتا تھا اس نے ابتدا میں تو شہاب الدین کو تگین آباد اور گرم سیر کا حاکم بنا دیا۔

اس کے بعد جب غزنیں فتح ہو گیا تو ۵۶۹ھ میں شہاب الدین کو پورے شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ غزنیں لیجا کر تخت نشین کیا۔ ان دونوں بھائیوں نے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنی جنگی سرگرمیوں کے لئے علحدہ علحدہ میدان تجویز کر لئے تھے۔ غیاث الدین اندرونی بغاوتوں کو دباتا رہا اور قرب وجوار کے علاقوں کی فتوحات میں مصروف رہا اس نے ترکانِ غز کو مطیع کیا۔ اُمرائے سنجر سے ہرات اور بلخ وغیرہ کے علاقے چھین لئے اور خوارزم شاہی حکومت کو شکست دیکر اسے اپنے قدموں میں جُھکا لیا اور دوسرے بھائی شہاب الدین نے اپنی فتوحات کے لئے ہندوستان کو تجویز کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ ہندوستان میں بڑی شاندار فتوحات حاصل کرتا رہا۔

شہاب الدین غوری

شہاب الدین غوری نے اپنے بھائی غیاث الدین کے زمانۂ حیات ہی میں ہندوستان کا ایک وسیع علاقہ فتح کرنے کے بعد یہاں باقاعدہ غوری حکومت قائم کر لی تھی۔ اس نے ۵۷۱ھ میں سندھ اور ملتان کو فتح کیا۔ پنجاب کو فتح کر کے غزنوی خاندان کی حکومت ختم کی اور ۵۸۵ھ میں غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو گرفتار کر کے غزنیں بھیجدیا۔ ۵۸۷ھ میں اجمیر کے راجہ پرتھوی راج سے جنگ ہوئی مگر اس جنگ میں شہاب الدین غوری کو شکست ہو گئی۔ لیکن آئندہ سال ہی شہاب الدین غوری نے تھانیسر کے میدان میں پرتھوی راج اور اُس کے ساتھی ڈیڑھ سو راجاؤں کو شکست فاش دیکر ہندوستان میں اپنی سلطنت کی حدود کو خُوب وسیع کر لیا۔ اس کے بعد قنوج فتح کیا۔ ۵۹۹ھ میں غیاث الدین کی موت کے بعد شہاب الدین غوری۔ غور کا بھی بادشاہ بن گیا۔ غور کی حکومت سنبھالنے کے بعد اس نے ہندوستان کے لئے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو وائسرائے مقرر کر دیا۔ قطب الدین نے ہندوستان کی حکومت سنبھالنے کے بعد بہار اور بنگال تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ ۶۰۲ھ میں شہاب الدین جب ہندوستان

سے غزنیں جارہا تھا تو راستہ میں خیمہ میں گھسکر ملاحدہ نے اس کا کام تمام کردیا۔

شہاب الدین غوری کے جانشین

شہاب الدین غوری کے کیونکہ نرینہ اولاد نہیں تھی اس لئے وہ اپنے غلاموں ہی کو بمنزلۂ اولاد کے سمجھتا تھا چنانچہ ہندوستان میں اس کا جانشین قطب الدین ایبک مقرر ہوا۔ یہ ہندوستان میں شاہانِ غلامان کی سلطنت کا بانی ہے۔ اسی طرح غزنیں کے تخت پر ایک دوسرا غلام تاج الدین یلدوز بیٹھا۔ ان غلاموں کے علاوہ شاہی خاندان کے افراد جو تخت نشین ہوئے وہ یہ ہیں:۔

محمود غوری بن غیاث الدین:۔ یہ اپنے چچا شہاب الدین کے بعد ۶۰۲ھ میں فیروزہ کوہ میں تخت نشین ہوا۔ بست کی حکومت پہلے ہی سے اس کے پاس تھی۔ اس کی سلطنت پر خانہ زاد غلام حاوی تھے۔ یہ پانچ سال کی حکومت کے بعد ۶۰۷ھ میں قتل ہوا۔

بہاء الدین سام بن محمود:۔ یہ اپنے باپ کے بعد ۶۰۷ھ میں غور میں تخت نشین ہوا۔ مگر چند روزہ حکومت کے بعد اسے خوارزم شاہیوں نے قید کرلیا اس کے بعد اس خاندان کے متوسلین نے یکے بعد دیگرے غور میں برائے نام حکومت کی لیکن کچھ مدت کے بعد اس برائے نام حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

تیرھواں باب

شاہانِ سلجوقی

اور سلاطین عثمانیہ ترکیہ

سنہ ۴۲۹ء تا سنہ ۱۲۹۳ء

۱۰۳۸ء ۱۸۷۵ء

شاہانِ سلجوق کا دورِ حکومت

خلافتِ اسلامیہ کے زوال کے بعد مملکتِ اسلامیہ پاش پاش ہونے کے بعد صرف بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی تھی بلکہ بعض علاقوں میں تو طوائف الملوکی اور لاقانونی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی مملکتِ اسلامیہ کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ اس نازک وقت میں سلجوقیوں کے ظہور کو تائید غیبی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ سلجوقی ترکوں نے بہت جلد اپنی غیر معمولی جرأت اور تدبر سے کام لیکر تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور خود سر سرداروں کو ختم کر کے ایک ایسی عظیم الشان سلجوقی سلطنت قائم کر دی جسے صحیح معنوں میں خلافتِ اسلامیہ کا بدل کہا جا سکتا ہے۔

شاہانِ سلجوق کی حوصلہ مندی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے مختصر سے عرصہ میں ایران، عراق، شام اور ایشیائے کوچک کے اُن تمام امیروں کو جو بُری طرح خانہ جنگی میں مبتلا تھے بزورِ شمشیر ختم کر دیا اور انھوں نے افغانستان کی مغربی سرحد سے لیکر بحرِ میڈیٹرینین تک ایک نہایت وسیع اور عظیم الشان سلطنت قائم کر لی۔ اور اس عظیم الشان سلطنت کے سلجوقی فرمانرواؤں نے ایک طرف تو اُن دشمنانِ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا جو اسلامی علاقوں کو ہضم کرتے چلے جا رہے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں میں نئے سرے سے قرونِ اولیٰ کے مجاہدین جیسی حوصلہ مندی پیدا کر کے پھر انھیں اس قابل بنا دیا کہ انھوں نے اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کے ذریعہ بڑی سے بڑی عیسائی حکومتوں کی بنیادوں کو ہلا ڈالا۔ قوم سلجوق بلاشبہ وہ بہادر اور حوصلہ مند قوم ہے جس کے کارناموں پر اسلامی تاریخ رہتی دنیا تک فخر کریگی۔

دولتِ سلجوقیہ کا بانی دولتِ سلجوقیہ کا بانی سلجوق بن دقاق ہے جس کا شجرہ نسب

چونتیسویں پشت میں جاکر افراسیاب سے مل جاتا ہے سلجوق کا باپ وقاق ترکستان کے علاقہ کا ایک غیر مسلم سردار تھا۔ ان دونوں باپ بیٹوں کو ترکستان کی غیر مسلم حکومت میں بڑی قدر اور منزلت حاصل تھی چنانچہ سلجوق بن وقاق ترکستان کے غیر مسلم بادشاہ بیغو کی سلطنت میں سپہ سالاری کے اہم عہدہ پر فائز تھا۔ سلجوق بن وقاق کا اثر و اقتدار جب ترکستان میں بہت زیادہ بڑھ گیا تو شاہ بیغو کی ملکہ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں سلجوق بن وقاق سلطنت پر قبضہ نہ جمالے لہٰذا اُس نے درپردہ سلجوق کے قتل کرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ سلجوق کو جب ملکہ کے ان ارادوں کا علم ہوا تو وہ شاہ بیغو سے ناراض ہو کر اور اپنے زیر اثر قبائل کو ساتھ لیکر ترکستان سے ماوراء النہر کے علاقہ میں چلا آیا اور جند میں آباد ہو گیا۔ یہاں آنے کے بعد اُس نے اور اُسکے ساتھی تمام ترک قبائل نے اسلام قبول کر لیا اسلام قبول کرنے کے بعد چونکہ سلجوقی ترکوں میں ایک طرف تو مجاہدانہ جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کی حمایت بھی ان کو حاصل ہو گئی تھی اسلئے ان کی طاقت خوب بڑھ گئی اور انھوں نے ماوراء النہر اور ترکستان کے اُن سرحدی علاقوں پر جو شاہ بیغو کے قبضہ میں تھے اور جہاں کے مسلمانوں سے شاہ بیغو خراج وصول کیا کرتا تھا قبضہ جمالیا۔ ان علاقوں پر قبضہ کے بعد سلجوق کی حیثیت ایک خودمختار سردار کی بن گئی۔

سلجوق بن وقاق اس طرح سلجوقی حکومت کی داغ بیل ڈالنے کے بعد جب ۱۰۷ برس کی عمر میں فوت ہوا تو اس نے اپنے پیچھے چار لائق بیٹے چھوڑے جن کے نام یہ ہیں۔ میکائیل[۱]۔ ارسلان[۲] عرف اسرائیل۔ یونس[۳] اور موسیٰ[۴]۔ ان چاروں بیٹوں میں سے میکائیل اور ارسلان کی اولاد کو بڑا عروج حاصل ہوا میکائیل کی اولاد میں بڑے بڑے نامور فرمانروا پیدا ہوئے ہیں چنانچہ ایران و عراق کے سلجوقی سلاطین اسی کی نسل سے تھے۔ اسی طرح ارسلان عرف اسرائیل کی اولاد بھی خوب پھولی پھلی۔ روم کے سلجوقی سلاطین ارسلان ہی کی اولاد میں سے تھے اور ترکان عثمان جنہوں نے عیسائی حکومتوں کے مقابلہ میں

بڑے اہم کارنامے انجام دئے ہیں۔ ان ہی سلجوقیان روم کی دختری اولاد میں سے تھے۔

سلجوق کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اس کے صحیح جانشین ثابت ہوئے انھوں نے نئی نئی فتوحات حاصل کرکے بڑی ناموری حاصل کی۔ یہانتک کہ انکی فتوحات اور جنگی سرگرمیوں نے قرب وجوار کی بڑی بڑی حکومتوں کو تشویش میں مبتلا کردیا چنانچہ ایلک خاں والئی بخارا نے ان کے زور کو توڑنے کی انتہائی کوشش کی لیکن اسے بُری طرح ناکامی کا منہہ دیکھنا پڑا۔ محمود غزنوی بھی چونکہ سلجوقیوں کی پیش قدمیوں کو اپنی سلطنت کے لئے خطرناک سمجھتا تھا اس لئے اس نے سلجوق کے بیٹے ارسلاں کو دھوکہ سے اپنے پاس بلاکر گرفتار کرلیا اور اسے ہندوستان بھیج کر کالنجر کے قلعہ میں بطور یرغمال نظربند کردیا اور اس کے دوسرے بھائیوں کو متنبہ کردیا کہ اگر انھوں نے اس کے علاقوں کی جانب رُخ کیا تو ارسلاں کی خیر نہیں۔ سلجوقیوں میں چونکہ محمود غزنوی کے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اسلئے وہ خاموش ہوگئے۔ ارسلاں سات سال تک محمود کی قید میں رہنے کے بعد کالنجر کے قلعہ ہی میں فوت ہوگیا۔

ارسلاں جس وقت مرا ہے اُس زمانہ میں سلجوقیوں کی طاقت کافی بڑھ چکی تھی۔ ارسلاں کے مرنے کے بعد محمود غزنوی کو بڑی فکر ہوئی کہ کہیں سلجوقی ارسلاں کی موت کا انتقام لینے کے لئے مشتعل ہوکر اُس کے علاقوں میں تباہی نہ مچادیں لہذا اُس نے سلجوقیوں کے تزکیہ قلب کی غرض سے اور اُن کو ٹھنڈا کرنے کے لئے پہلے تو ماوراء النہر کی کچھ زرخیز زمین بطور چراگاہ اُن کو عطا کردی اور پھر اس بات کی بھی اجازت دیدی کہ وہ دریائے جیحون کو عبور کرکے خراسان کے علاقہ میں آباد ہوجائیں۔ محمود غزنوی کی اس حکمتِ عملی سے گو عارضی طور پہ سلجوقی خاموش ہوکر بیٹھ گئے لیکن ان کو خراسان میں قدم جمانے کا موقعہ ہاتھ آگیا جو آگے چل کر سلجوقیوں کے لئے نہایت مفید اور محمود کی اولاد کے لئے بے حد مضر ثابت ہوا۔

سلجوق اگر سلجوقی حکومت کا بانی تھا تو طغرل بیگ

سلجوقی حکومت کا معمار اوّل طغرل بیگ

اس حکومت کا معمار اوّل ہے۔ کیونکہ اسی نے سلجوقی حکومت کو باقاعدہ ایک حکومت کی شکل دی طغرل بیگ، میکائیل کا بیٹا اور سلجوق کا پوتا تھا۔ طغرل بیگ کا باپ میکائیل جب غیر مسلم ترکوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا تھا تو طغرل کے دادا سلجوق نے اس کی اور اسکے دوسرے بھائی جعفر بیگ کی پرورش کی تھی۔ ان دونوں بھائیوں نے چونکہ اپنے لائق دادا کی زیر نگرانی تربیت حاصل کی تھی اسلئے انمیں حکمرانی اور جہانبانی کی صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ چنانچہ طغرل بیگ اور جعفر بیگ دونوں ملکر جہانبانی کے فرائض انجام دیا کرتے تھے اور لڑائیوں میں بھی دونوں ساتھ رہتے تھے۔ طغرل بیگ ہی کے ایما پر جعفر بیگ نے آرمینیا کے راستہ عیسائیوں کے خلاف سب سے پہلا تاریخی جہاد کیا تھا چنانچہ اس کے بعد شاہان سلجوق اور ان کے جانشینوں نے جعفر بیگ کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے عیسائیوں کے خلاف ایک، دو نہیں بلکہ سیکڑوں جہاد کئے ہیں۔

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ محمود غزنوی کے عہدِ حکومت میں سلجوقیوں نے خراسان میں اپنے قدم جمالئے تھے۔ محمُود غزنوی جب تک زندہ رہا اُس وقت تک تو سلجوقی خاموش رہے لیکن محمُود کے بعد جب مسعود تخت نشین ہوا اور غزنوی خاندان میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو سلجوقیوں نے غزنوی سلطنت کے علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا چنانچہ طغرل بیگ اور جعفر بیگ نے حملہ کر کے مرو، نیشاپور اور ہرات فتح کر لیا جب مسعود مقابلہ پر آیا تو ان دونوں نے اُسے شکست دیکر ۴۲۹ھ میں پورے خراسان پر قبضہ جمالیا۔

خراسان پر قبضہ کے بعد باقاعدہ طور پر سلجوقی حکومت قائم ہو گئی جس کا دارالسلطنت رے قرار دیا گیا۔ رفتہ رفتہ سلجوقی ترک سیلاب کی طرح مختلف ممالک میں پھیل گئے اور

انھوں نے مختصر سے عرصہ میں بلخ۔ جرجان۔ طبرستان۔ خوارزم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ عراق عجم اور کردستان کو فتح کر لیا۔ ان فتوحات کے بعد سلجوقی سلطنت ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی۔ یہانتک کہ خلیفۂ بغداد نے بھی طغرل بیگ کو نہ صرف مفتوحہ علاقوں کی سندِ حکومت دیدی بلکہ اسی کے ساتھ خلعت اور رکن الدولہ کا خطاب بھی عطا کر دیا اور اسے خاص طور پر بغداد آنے کی دعوت دی۔ طغرل نے اسکے جواب میں بے اندازہ زر و جواہر اور قیمتی ملبوسات خلیفہ کی نذر کے لئے روانہ کئے۔ اور اس طرح عباسی خلیفہ کے ساتھ سلجوقیوں کے تعلقات نہایت مستحکم ہو گئے۔

طغرل نے خلیفہ کی دعوت پر بغداد آنے کا اگرچہ وعدہ کر لیا تھا۔ لیکن وہ لڑائیوں میں الجھ جانے کی وجہ سے فوراً نہ جا سکا لیکن جیسے ہی اسے فرصت ہوئی وہ بغداد پہنچ گیا۔ خلیفہ قائم نے اس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ طغرل نے بغداد پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خلیفہ کو دیلمیوں کے پنجہ سے نجات دلائی۔ اور خلافتِ بغداد کی تولیت جس پر کہ دیلمی زمانہ دراز سے قابض تھے خود اپنے ہاتھ میں لیلی چنانچہ ۴۴۷ھ میں بغداد میں خلیفہ کے نام کے ساتھ طغرل بیگ کے نام کا بھی خطبہ جاری ہو گیا اور خلیفہ قائم کی لڑکی کے ساتھ طغرل کی شادی ہو گئی۔ غرضکہ طغرل نے نہ صرف سلجوقی حکومت کو ایک عظیم الشان سلطنت بنا دیا بلکہ خلافتِ عباسیہ بھی اُس کے قبضۂ اقتدار میں آ گئی۔

طغرل بیگ ۲۶ سال کی حکومت اور آٹھ سال بغداد کی تولیت یعنی امیر الامرائی کے بعد ستر سال کی عمر میں ۴۵۵ھ میں انتقال کر گیا۔ اس نے اپنے دور میں بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے اور خلافتِ بغداد کی بھی بڑے اخلاص کے ساتھ خدمات انجام دی ہیں۔ یہ ایک نہایت سچا اور دیندار مسلمان اور نہایت ہی باکمال حکمران ہوا ہے۔ طغرل پانچوں وقت کی نماز ہمیشہ جماعت کے ساتھ ادا کرتا

تھا۔ تہجد کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا تھا۔ ہر جمعہ اور پیر کو روزہ رکھتا تھا۔ مسجدیں تعمیر کرنے کا اسے بے حد شوق تھا۔ ہر وقت خوفِ خدا سے ڈرتا رہتا تھا۔ عدل و انصاف میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

الپ ارسلان بن جعفر بیگ

طغرل بیگ کے بعد اُس کا بھتیجا الپ ارسلان ۴۵۵ھ (۱۰۶۲ء) میں تخت نشین ہوا۔ اور خلافتِ بغداد کا متولّی قرار دیا گیا۔ شاہی اختیارات حاصل ہونے کے بعد اس نے اپنے کاتب نظام الملک طوسی کو وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سپرد کیا۔ الپ ارسلان اپنے چچا طغرل بیگ کی طرح بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ اس نے نئی نئی فتوحات حاصل کر کے سلجوقی سلطنت کی حدود کو دُور دُور تک پھیلا دیا تھا۔ اور اس نے قسطنطنیہ کے سرحدی علاقوں پر حملے کر کے عیسائیوں کے بہت سے قلعے اور شہر چھین لئے تھے۔ اس بادشاہ کی غیر معمولی جرأت اور حوصلہ مندی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے خلاط کے مورچہ پر صرف پندرہ ہزار کے لشکر سے عیسائیوں کے تین لاکھ کے لشکرِ عظیم کو شکست دیکر قیصرِ رُوم کو گرفتار کر لیا تھا۔ الپ ارسلان نے گرفتاری کے بعد قیصر کے ساتھ نہایت ہی شریفانہ سلوک کیا۔ چنانچہ قیصر نے جب زرِ فدیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا تو اسے فوراً رہا کر دیا۔ اس حُسنِ سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیصر نے بخوشی اطاعت قبول کر لی۔

الپ ارسلان کے تخت نشین ہونے سے قبل حرمین میں عبّاسی خلفا کی بجائے مصر کے فاطمی سلاطین کے نام کا خطبہ جاری تھا لیکن الپ ارسلان کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد امیرِ مکہ نے الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر کے حرمین میں پھر عبّاسی خلفا کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ والئ حلب نے بھی الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر لی تھی اس کے علاوہ پورے فلسطین پر اس حوصلہ مند بادشاہ کا قبضہ ہو گیا تھا۔

الپ ارسلان نے خلیفہ قائم کے بیٹے اور ولیعہد کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد کر کے خلافت عباسیہ کے ساتھ اپنے تعلقات اور بھی مستحکم کر لئے تھے۔

الپ ارسلان ۴۶۵ھ میں جبکہ ترکستان پر فوج کشی میں مصروف تھا تو یوسف نامی ایک خوارزمی قلعہ دار کے ہاتھ سے بُری طرح زخمی ہونے کے بعد فوت ہو گیا۔ یہ اپنے چچا طغرل بیگ کی طرح بڑا ہی دیندار تھا۔ اس کے زمانہ میں ہر اعتبار سے سلجوقی سلطنت نے خوب ترقی کی۔ اس نے نئے نئے علاقے فتح کر کے سلجوقی سلطنت کو اسقدر وسعت دیدی تھی کہ یہ سلطنت ترکستان سے لیکر شام تک پھیل گئی تھی۔ یہ بڑا عادل اور منصف مزاج بادشاہ ہوا ہے۔ اسکی سطوت اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے سلاطین اسکے نام سے کانپتے تھے۔ یہ علم و فن کا بھی بڑا قدردان تھا۔ اس نے مدرسۂ نظامیہ کے علاوہ ایک اور عظیم الشان مدرسہ بغداد میں قائم کیا تھا جو مدرسۂ نظامیہ کے ہم پلّہ تھا۔

ملک شاہ سلجوقی بن الپ ارسلان

الپ ارسلان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی ۴۶۵ھ (۱۰۷۲ء) میں خلافتِ بغداد کا متولی اور سلجوقی حکومت کا بادشاہ قرار دیا گیا۔ الپ ارسلان نے اپنی زندگی ہی میں اُسے ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ اور خلیفہ قائم نے بھی اسکی حکومت کی تصدیق کر دی تھی۔ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے باپ کے زمانہ کے لائق وزیر نظام الملک طوسی کو عماد الدولہ کا لقب عطا کر کے سلطنت کا مختارِ مطلق بنا دیا۔ تخت نشینی کے چند ہی روز بعد جب اس کے چچا قادرد بیگ نے بغاوت برپا کی تو اس نے اُسے گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ یہی وہ قادرد بیگ ہے جسکی اولاد میں "سلجوقیانِ کرمان" کی حکومت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ملک شاہ سلجوقی نے اپنے باپ دادا کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے سلجوقی سلطنت کی حدود کو وسیع سے وسیع تر کر دیا تھا۔ شام کے بعد مصر کو بھی اس نے

فتح کرلیا اور دریائے سیحون کے پار تک اسکے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا تھا بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ دیوار چین سے لیکر بحر قلزم تک ملک شاہ سلجوقی کی حکومت پھیلی ہوئی تھی اور اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

ملک شاہ کو اپنے دورِ حکومت میں جو غیر معمولی فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں انمیں سلطنتِ سلجوقیہ کے لائق وزیر نظام الملک طوسی کا بہت بڑا ہاتھ تھا لیکن نظام الملک کے آخری دور میں ملک شاہ نے اس وزیر سے برگشتہ خاطر ہو کر اسے وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ سے برطرف کر دیا تھا۔ نظام الملک کی برطرفی کی کئی وجوہ تھیں جنمیں سے ایک وجہ تو یہ تھی کہ نظام الملک نے کلیتہً حکومت پر قابض ہوجانے کے بعد ملک شاہ کو عضوِ معطل بنا دیا تھا۔ وہ اور اسکے بیٹے پوتے حکومت پر چھائے ہوئے تھے چنانچہ ایران توران کی حکومت اسکے بارہ بیٹوں نے آپس میں تقسیم کرلی تھی۔ اسکے علاوہ تمام بڑے بڑے عہدوں پر نظام الملک کے اعزا اور رشتہ داروں کا قبضہ تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ نظام الملک اور ملک شاہ کی محبوب بیوی ترکان خاتون میں بُری طرح شکر رنجی پیدا ہوگئی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ نظام الملک تو ملک شاہ کے بڑے بیٹے برکیارق کو جو ملکہ زبیدہ کے بطن سے تھا اور زیادہ لائق تھا ولیعہد بنانا چاہتا تھا لیکن ترکان خاتون اپنے کمسن لڑکے محمود کو ولیعہد بنانے کی فکر میں تھی۔ ان اختلافات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک شاہ نے نظام الملک سے بدظن ہو کر اسے معزول کر دیا اور اسکی بجائے تاج الملک کو وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ عطا کر دیا۔ تاج الملک ترکان خاتون کا خاص آدمی تھا اور ترکان خاتون کی سفارش سے ہی اُسے یہ اعزاز حاصل ہوا تھا۔ نظام الملک معزولی کے چند ہی روز بعد ۴۸۵ھ میں حسن بن صباحی باطنیوں کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔ بعض مورخوں کی رائے ہے کہ ترکان خاتون اور نئے وزیر تاج الملک کی سازش سے نظام الملک کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ قتل کے وقت نظام الملک کی عمر ستتر ۷۷ سال تھی۔

نظام الملک کے مارے جانیکے بعد ملک شاہ بھی صرف چند ماہ زندہ رہا چنانچہ مختصر سی علالت کے بعد ۱۶ شوال ۴۸۵ھ کو ۳۸ سال کی عمر میں اس بادشاہ کا انتقال ہوگیا ملک شاہ نے بیس سال حکومت کی۔ یہ سلاطین سلجوقی میں بڑی شان اور دبدبہ کا بادشاہ ہوا ہے۔ اس نے بہت سے نئے ملک فتح کرلئے تھے۔ اور سلجوقی سلطنت کا رقبہ اسکے زمانہ میں اتنا وسیع ہوگیا تھا کہ خلفائے متقدمین کے دور کے علاوہ اسکی مثال تاریخ اسلام میں مفقود ہے۔ یہ عدل وانصاف کا ایسا دلدادہ تھا کہ اس کا نام ہی ملک العادل پڑگیا علاوہ یہ چونکہ بہت بڑا علم دوست تھا۔ اس لئے اسکے زمانہ میں علوم وفنون کا بھی خوب چرچہ ہوا۔

سلطنت سلجوقیہ کا زوال

ملک شاہ سلجوقی کے مرنے کے بعد کیونکہ سلجوقی شاہزادوں میں بُری طرح خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی۔ اسلئے سلطنت سلجوقیہ کا سابقہ وقار قائم نہیں رہا۔ اور اس حکومت کا زوال شروع ہوگیا۔ ملک شاہ کے بعد سلجوقی تخت پر جو سلاطین بیٹھے وہ یہ تھے:۔

محمود بن ملک شاہ:۔ اُمرائے سلطنت اگرچہ ملک شاہ کے بڑے بیٹے برکیارق کے حق میں تھے لیکن ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون نے بے اندازہ روپیہ لٹا کر اور خلیفہ مقتدی اور بہت سے اُمرائے سلطنت کی امداد حاصل کرکے اپنے چار سالہ بیٹے محمود بن ملک شاہ کو تخت نشین کردیا۔ محمُود بن ملک شاہ اگرچہ ۴۸۵ھ (۱۰۹۲ء) میں تخت نشین ہوچکا تھا لیکن اسکی حکومت کو متفقہ طور پر تسلیم نہیں کیا گیا کیونکہ اُمرائے سلطنت کی ایک بہت بڑی تعداد محمُود کی تخت نشینی کے باوجود بھی برکیارق کی حامی تھی آپس کے ان اختلافات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف تو محمُود اور برکیارق میں جنگ چھڑ گئی اور دوسری طرف ملک شاہ مرحوم کا بھائی تتش ارسلان والئی دمشق تخت پر قبضہ جمانے کے لئے صف آرا ہوگیا۔ اس جنگ میں تتش کو تو شکست ہوگئی مگر اسکے ساتھ ہی ایک نیا ہنگامہ اور برپا ہوگیا یعنی ملک شاہ مرحوم کے چچیرے بھائی اسمٰعیل

اور برکیارق میں ترکان خاتون کی شہ دینے پر بڑی خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ جاری ہی تھی کہ ایک طرف تو اسمٰعیل قتل ہو گیا اور دوسری طرف ترکان خاتون کا انتقال ہو گیا ان دونوں کی موت کے بعد آپس کی یہ خونریزی ختم ہو گئی ان کے مرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب محمود بن ملک شاہ بھی چیچک میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا تو برکیارق کے لئے میدان صاف ہو گیا۔

برکیارق بن ملک شاہ: محمود بن ملک شاہ کی موت کے بعد برکیارق تخت پر بیٹھا۔ برکیارق اور اسکے بھائیوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں برکیارق کا چچا ارسلان خراسان پر قابض ہو گیا تھا۔ برکیارق نے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنے چچا ارسلان کے خلاف معرکہ آرائی شروع کر دی۔ ابھی یہ جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ارسلان کو اس کے غلاموں نے قتل کر دیا۔ چچا کے قتل کے بعد برکیارق نے خراسان پر قبضہ جما کر وہاں اپنے سوتیلے بھائی سنجر کو عامل مقرر کر دیا۔ برکیارق ابھی خراسان ہی کے انتظام میں مصروف تھا کہ اس کا دوسرا سوتیلا بھائی سلطان محمد بغاوت برپا کر کے رے پر قابض ہو گیا اور برکیارق کی ماں زبیدہ خاتون کو قتل کر دیا۔ اسکے علاوہ سلطان محمد نے بغداد کی امیر الامرائی پر بھی قبضہ جما کر وہاں اپنا خطبہ جاری کر دیا۔ غرضیکہ برکیارق اور سلطان محمد میں ایک طویل جنگ چھڑ گئی جو مسلسل پانچ سال تک جاری رہی۔ پانچ سال کے بعد ان دونوں میں ۴۹۷ھ میں صلح ہو گئی۔ صلحنامہ کی رو سے سلطان محمد نے پایۂ تخت تو برکیارق کے حوالے کر دیا۔ اور موصل جزیرہ۔ دیار بکر اور شام و عراق کا وسیع علاقہ پر سلطان محمد خود قابض ہو گیا۔ اس صلح کے ایک سال بعد ہی ۴۹۸ھ میں برکیارق کا انتقال ہو گیا۔

سلطان محمد بن ملک شاہ: برکیارق کے مرنے کے بعد اس کا کمسن لڑکا ملک شاہ ثانی ۴۹۸ھ میں تخت نشین ہوا لیکن امرائے سلطنت کیونکہ اسکی

تخت نشینی کے مخالف تھے۔ اسلئے چھ ماہ کے بعد اسے معزول کر دیا گیا۔ اور سلطان محمد بن ملک شاہ کو اسکی بجائے تخت نشین کر دیا۔ یہ خلیفہ مستظہر کا زمانہ تھا۔ خلیفہ مستظہر نے بھی اسکی حکومت کی تصدیق کر دی اور خلافتِ بغداد کی تولیت بھی اسے مل گئی سلطان محمد بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ اس نے باغیوں کو کچل کر سلجوقی سلطنت کے مردہ جسم میں نئی زندگی اور رُوح پیدا کر دی تھی۔ یہ تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۱۱ھ میں فوت ہو گیا۔ انتقال کے وقت اسکی عمر ۳۷ سال تھی۔ یہ جری ہونے کے علاوہ نہایت پاکباز اور منصف مزاج بادشاہ ہوا ہے۔

سلطان سنجر بن ملک شاہ: سلطان محمد نے مرض الموت ہی میں اپنے کم عمر بیٹے محمود کو جانشین نامزد کر دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ ہمیشہ اپنے چچا سنجر کے مطیع اور فرمانبردار رہنا لیکن سلطان محمد کے مرنے کے بعد جب محمود تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے باپ کی نصیحت کو بھلا دیا اور خود غرض اُمرا کے ورغلانے پر اپنے چچا سنجر کے خلاف آمادہ جنگ ہو گیا۔

سلطان محمود گو سلجوقی سلطنت کے آبائی تخت پر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن سلجوقیوں میں سب سے زیادہ عظمت سنجر ہی کو حاصل تھی۔ سلطان سنجر ایک بڑی سلطنت کا مالک تھا۔ اس کی حکومت خراسان، خوارزم اور ماوراء النہر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسکے علاوہ آرمینیا، آذربائیجان موصل۔ دیار ربیعہ۔ دیار بکر اور حرمین تک میں اسکے نام کا خطبہ جاری تھا۔ ایسے طاقتور بادشاہ پر محمود کا حملہ کھلی ہوئی حماقت تھی۔ چنانچہ محمود کو شکست ہو گئی۔ سنجر نے محمود کے علاقہ پر بھی قبضہ جما لیا اور بغداد میں بھی سنجر کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا۔

سنجر نے اگرچہ بھتیجے کو اس کی نالائقی کی سزا دینے کے لئے حکومت سے محروم کر دیا تھا۔ مگر وہ اس چیز کو ناپسند کرتا تھا کہ بھتیجے کے حق پر قبضہ جمائے لہٰذا جب سنجر کی ماں نے محمود کی معافی کے لئے کہا تو سنجر نے اسے معاف کر دیا اور رے کے علاوہ باقی

ساری سلطنت محمود کو واپس کر دی لیکن جیسے ہی محمود کو دوبارہ سلطنت ملی اس کی اپنے بھائی مسعود سے جنگ چھڑ گئی۔ غرضکہ محمود جب تک زندہ رہا اپنی نا اہلیت کی بنا پر ایک دن کے لئے بھی اطمینان کے ساتھ حکومت نہ کرسکا۔ آخر ۵۲۵ھ میں محمود کا انتقال ہو گیا۔

محمود کے مرنے کے بعد اگر سنجر چاہتا تو آسانی سے اسکی سلطنت کو اپنی سلطنت میں شامل کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا کرنا پسند نہیں کیا چنانچہ محمود کے مرنے کے بعد وزیر ابوالقاسم نے محمود کے صغیر السن لڑکے داؤد کو تخت نشین کر دیا۔ سلجوقی خاندان میں سے کسی نے بھی اسکی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ یہاں تک کہ سلطان سنجر جو خاندان کا سب سے بڑا اور داؤد کا نانا تھا اس نے بھی اس چھوٹے سے بچہ کی تخت نشینی کو ناپسند کرتے ہوئے اپنے بھتیجے طغرل کو نامزد کر دیا لیکن داؤد کے حامیوں نے سنجر کے فیصلہ کو نہیں مانا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ داؤد کے تینوں چچا طغرل مسعود اور سلجوق شاہ مقابلہ پر آ گئے اور تخت و تاج کے لئے آپس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ سلطان سنجر ابتدا ہی سے طغرل کے حق میں تھا چنانچہ اس خانہ جنگی کے دوران میں جب اس نے طغرل کو تخت دلانا چاہا تو اس کے باقی دو بھتیجے چچا کے مقابلہ پر آ گئے لیکن سنجر نے سب کو شکست دیکر طغرل کو تخت نشین کر دیا۔ لیکن سلطان سنجر کے جاتے ہی پھر طغرل اور اسکے بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

۵۲۹ھ میں جب طغرل مر گیا تو اس کے بھائی مسعود نے سلجوقی سلطنت کے تخت پر قبضہ جما لیا اور خلیفہ سے بھی لڑنے اور مرنے کے لئے آمادہ ہو گیا مسعود جب تک زندہ رہا خانہ جنگیوں اور لڑائیوں ہی میں مبتلا رہا۔ آخر ۵۴۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مسعود کے مرنے کے بعد سلجوقی اُمرا نے اس کے بھتیجے ملک شاہ ثانی بن محمود کو ۵۴۷ھ میں تخت نشین کر دیا۔ لیکن اسی حکومت کو چند ہی روز ہوئے

تھے کہ اسے معزول کرکے اسکے بھائی سلطان محمد بن محمود کو بادشاہ بنادیا۔ مختصر یہ کہ سلجوقی شہزادوں کی خانہ جنگی نے سلجوقی حکومت کے شیرازہ کو منتشر کرکے رکھ دیا۔

سلطان سنجر کی گرفتاری: سلطان سنجر جو سلجوقی حکمرانوں اور شہزادوں میں سب سے معمر اور سب سے بڑا تھا گو اپنے علاقہ میں جما بیٹھا تھا۔ لیکن اُسکے خاندان کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے سلجوقی حکومت کی ساکھ کیونکہ ختم ہو چکی تھی اسلئے اسکے ناخوشگوار نتائج سے وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ ترکان غز نے اسکے خلاف پے درپے حملے کرکے اسے بھی بُری طرح پریشان کر رکھا تھا۔ ترکانِ غز کا رفتہ رفتہ زور اتنا بڑھا کہ ایک لڑائی میں انھوں نے موقعہ پاکر سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا۔ اور وہ چار سال تک انکی قید میں رہ کر اور بڑی مشکل سے رہائی حاصل کرکے دوبارہ خراسان پر قابض ہوا۔

سلطنت سلجوقیہ یُوں تو اسی روز ختم ہو گئی تھی جس روز کہ سنجر گرفتار ہوا تھا لیکن گرفتاری سے رہائی حاصل کرنے کے بعد بھی سنجر جب تک زندہ رہا وہ اس لبِ دم حکومت کو سنبھالے رہا مگر ۵۵۲ھ میں سنجر کے انتقال کے ساتھ ہی سلجوقی حکومت بالکل ختم ہو گئی۔

سلطان سنجر کے مرنے کے بعد یوں تو کئی سلجوقی شہزادے تخت نشین ہوئے لیکن یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلجوقی خاندان سے خلافتِ بغداد کی تولیت چھن چکی تھی اور اس سلطنت کا فرمانروا نام کا فرمانروا رہ گیا تھا۔ سلجوقی خاندان کا آخری برائے نام بادشاہ علاءالدین منگس تھا جو ۵۸۶ھ میں خوارزم شاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوا اور اسکے قتل کے بعد سلجوقی خاندان کی برائے نام بادشاہی بھی ختم ہو گئی چنانچہ خراسان کے ایک حصہ پر غوریوں نے اور دوسرے حصہ پر خوارزم شاہیوں نے قبضہ جما کر خراسان سے سلجوقیوں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

دولتِ سلجوقیہ کرمانیہ اس سے قبل سلجوقی سلطنت کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے

وہ صرف مرکزی حکومت کی تاریخ ہے سلجوقیوں کی اس مرکزی حکومت کے علاوہ اس سلطنت کی بعد آزاد اور خود مختار شاخیں بھی قائم ہوگئی تھیں جو اسلامی تاریخ میں "دولتِ سلجوقیہ کرمانیہ" اور "دولت سلجوقیہ رومیہ" کے نام سے مشہور ہیں۔

دولتِ سلجوقیہ کرمانیہ کا بانی سلطان الپ ارسلان کا بھائی قاوردبیگ ہے۔ جو ملک شاہ سلجوقی کے خلاف بغاوت کرنے کے بعد ۴۶۵ھ میں مقتول ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان شاہ کرمان کے تخت پر بیٹھا اور بارہ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوگیا۔ پھر اسکی جگہ اس کا بھائی توران شاہ تخت نشین ہوا جس نے تیرہ سال حکومت کی۔ توران شاہ کے بعد اس کا بیٹا ایران شاہ بادشاہ ہوا اور پانچ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوگیا۔ پھر ارسلان شاہ تخت نشین ہوا جس نے ۴۲ سال حکومت کی۔ اسکے بعد مغیث الدین بن ارسلان شاہ چودہ سال حکومت کرتا رہا۔ جب یہ مرگیا تو محی الدین طغرل شاہ تخت نشین ہوا جس نے بارہ سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بہرام شاہ بادشاہ ہوا۔ پھر ارسلان شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ اسکے بعد توران شاہ ثانی تخت پر بیٹھا۔ پھر محمد شاہ بادشاہ بنا۔ خوارزم شاہیوں کے عروج تک اس خاندان کے سلاطین یکے بعد دیگرے کرمان پر حکومت کرتے رہے لیکن اسکے بعد انکی حکومت بھی سلجوقیوں کی مرکزی حکومت کی طرح ختم ہوگئی۔

دولت سلجوقیہ رومیہ

سلیمان بن قتلمش جو ارسلان بن سلجوق کا پوتا تھا اسے الپ ارسلان سلجوقی نے عامل بنا کر ایشیائے کوچک کی طرف بھیجا تھا۔ چنانچہ اس نے وہاں شاندار فتوحات حاصل کرنے کے بعد ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کی ایک جداگانہ سلطنت قائم کرلی تھی۔ جو تاریخ میں "دولت سلجوقیہ رومیہ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سلطنت کا دارالسلطنت قونیہ (روم) تھا۔

دولت سلجوقیہ رومیہ کے تخت پر چودہ بادشاہ بیٹھے ہیں جن کے نام یہ ہیں:-

(۱) داؤد بن سلیمان جو ۴۹۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ (۲) قلیج ارسلان بن سلیمان (۳) مسعود بن قلیج ارسلان (۴) قلیج ارسلان ثانی بن مسعود (۵) غیاث الدین کیخسرو بن قلیج ارسلان ثانی (۶) سلیمان بن قلیج ارسلان ثانی (۷) غیاث الدین کیخسرو دوبارہ (۸) کیکاؤس بن کیخسرو (۹) علاء الدین کیقباد اوّل بن کیخسرو (۱۰) کیخسرو بن کیقباد (۱۱) سلیمان بن کیخسرو (۱۲) کیخسرو ثانی بن سلیمان (۱۳) مسعود بن کیکاؤس (۱۴) علاء الدین بن کیقباد

علاء الدین کیقباد دولتِ سلجوقیہ رومیہ کا آخری بادشاہ تھا جو ۶۹۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے مرنے کے بعد کیونکہ کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی تھی اس لئے اس کے بعد اس کا داماد عثمان خاں جو سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ کا بانی ہے تخت نشین ہوا اور اس طرح دولتِ سلجوقیہ رومیہ کے پُرانے کھنڈروں پر عثمانی ترکوں کی نئی حکومت تعمیر ہوئی سلجوقیانِ رُوم نے رومی عیسائیوں کے خلاف بڑے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں۔

دولتِ خوارزم شاہیہ

دولتِ خوارزم شاہیہ چونکہ دولتِ سلجوقیہ ہی کی پیداوار ہے جسے سلجوقی غلاموں نے قائم کیا تھا۔ اس لئے اس کا تذکرہ بھی دولتِ سلجوقیہ کے سلسلہ ہی میں کر دینا ضروری ہے لہٰذا اس سلطنت کے مختصر حالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

ملک شاہ سلجوقی کا ایک غلام نوشتگین تھا جس کے بیٹے قطب الدین کو سلطان سنجر کے زمانہ میں بڑا عروج حاصل ہوا۔ قطب الدین ابتدا میں سلطان سنجر کی خدمتگاری کے فرائض انجام دیا کرتا تھا لیکن سلطان سنجر نے بعد میں اُسکی خدمات سے خوش ہو کر اسے خوارزم کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ خوارزم کا حاکم بن جانے کے باوجود جب بھی قطب الدین سلطان سنجر کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو اپنے شاہی لباس میں حسبِ سابق خدمتگاری کے تمام کام انجام دیا کرتا تھا قطب الدین چونکہ زمانۂ دراز تک خوارزم کا حاکم رہا ہے اسلئے خوارزم کی مناسبت سے خوارزمشاہ مشہور ہو گیا۔

سلطان سنجر کا عروج جب تک قائم رہا قطب الدین خوارزم شاہ سلطان کا باج گزار اور فرمانبردار بنا رہا۔ لیکن جب سلطان سنجر کا زوال شروع ہوا اور ترکانِ غز نے اُسے قید کر لیا تو اس نے نہ صرف خوارزم میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ بلکہ سلجوقی علاقوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اسکی اولاد نے خراسان سے سلجوقیوں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

خوارزم شاہی حکومت میں نو سلاطین ہوئے ہیں جن کے نام یہ ہیں:- (۱) قطب الدین خوارزم شاہ بن نوشتگین غلام (۲) التسز بن قطب الدین خوارزم شاہ (۳) ارسلان شاہ بن التسز (۴) سلطان شاہ بن ارسلان (۵) سلطان تکش شاہ بن ارسلان (۶) سلطان محمد خوارزم شاہ ثانی (۷) سلطان رکن الدین محمد خوارزم شاہ (۸) سلطان غیاث الدین والئ کرمان (۹) سلطان جلال الدین والئ خراسان۔

دولتِ خوارزم کے چھٹے سلطان خوارزم شاہ ثانی کے مرنے کے بعد اس کے تینوں بیٹوں یعنی سلطان رکن الدین سلطان غیاث الدین اور سلطان جلال الدین نے خوارزم شاہی حکومت کے مختلف صوبوں میں اپنی الگ الگ خود مختار حکومتیں قائم کرلی تھیں اور یہ تینوں بُری طرح خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب چنگیز خاں نے ان پر حملہ کیا تب بھی یہ متحد نہ ہو سکے۔ آخر چنگیز خاں نے ان کے افتراق سے نا جائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے انھیں چُن چُن کر ختم کر دیا۔ ان تینوں بھائیوں میں جلال الدین بن خوارزم شاہ بہت زیادہ مشہور رہے جس نے آخر وقت تک مغلوں کا بڑی دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا تھا لیکن شکست کھانے کے بعد یہ بھی گمنامی کی حالت میں مارا گیا۔ اور اس طرح خوارزم شاہی سلطنت مغلوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔

اتابکانِ موصل، شام اور شیراز

جس طرح دولتِ خوارزم شاہیہ دولتِ سلجوقیہ کی پیداوار ہے۔ اسی طرح دولتِ

اتابکانِ موصل شام اور شیراز بھی شاہانِ سلجوق ہی کی بدولت عالم وجود میں آئی تھیں اتابک وہ اتالیق تھے جن کے ذمہ سلجوقی شہزادوں کی تعلیم و تربیت تھی۔ ان اتابکوں یعنی اتالیقوں کو رفتہ رفتہ سلجوقی سلطنت میں اس قدر عروج حاصل ہوا کہ انکو وزارتیں اور ملکوں کی حکومتیں ملنے لگیں۔ جب تک شاہانِ سلجوق میں دم رہا یہ اتابک حکومتِ سلجوق کے اطاعت شعار بنے رہے لیکن جب سلجوقی حکومت کمزور ہو گئی تو ان اتابکوں نے موصل، شام، شیراز اور آذربائیجان میں اپنی خود مختار اور آزاد حکومتیں قائم کر لیں ان اتابکوں میں سے موصل اور شام کے اتابکوں نے صلیبی لڑائیوں میں حصہ لیکر اور عیسائیوں کے خلاف جہاد کر کے بڑی ناموری پیدا کی۔

شام میں اتابکی حکومت کا بانی عماد الدین زنگی ہے جس نے ۵۲۱ھ میں شام میں اپنی خود مختار حکومت کی بنیاد رکھی۔ عماد الدین ملک شاہ سلجوقی کے زمانہ کے اتابک قسیم الدولہ کا بیٹا تھا جسے سلطان محمود سلجوقی نے موصل اور اسکے متعلقہ علاقوں کا حاکم بنا دیا تھا۔ عماد الدین زنگی نے موصل کی حکومت ملنے کے بعد اپنی طاقت کو خوب بڑھایا اور عیسائیوں کے بہت سے شہر اور قلعے فتح کر لئے۔ پھر جب سلجوقی حکومت کمزور ہو گئی تو اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

عماد الدین زنگی کا جب ۵۴۱ھ میں انتقال ہو گیا تو اسکے تینوں بیٹوں نور الدین زنگی سیف الدین زنگی اور قطب الدین زنگی نے شام کے مختلف علاقوں میں اپنی الگ الگ حکومتیں قائم کر کے نور الدین زنگی کو اپنا سردار اور سلطان تسلیم کر لیا تھا۔ حلب، موصل اور دمشق ان تینوں کی حکومتوں کے دار السلطنت تھے۔ یہ تینوں بھائی مرتے دم تک عیسائیوں کے مقابلہ میں نبرد آزما رہے۔ خصوصیت کے ساتھ نور الدین زنگی نے عیسائیوں کے خلاف بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں بیت المقدس پر ۴۹۲ھ سے عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ سلطان نور الدین کی ساری

عمر یہی کوشش رہی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس مقدس شہر کو عیسائیوں کے قبضہ سے نکال لے لیکن انتہائی کوشش کے باوجود نور الدین زنگی اپنی زندگی میں بیت المقدس کو آزاد نہ کرا سکا البتہ اسکے مرنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے جس کے حالات اس سے قبل بیان کیئے جا چکے ہیں اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

نور الدین اپنے زمانہ کا بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے۔ عباسی خلیفہ نے اسے سلطان کا خطاب اور باقاعدہ ملکِ شام کی سندِ حکومت عطا کی تھی۔ نور الدین کے مرنے کے بعد گو نور الدین کا بیٹا الملک الصالح تخت نشین ہو گیا تھا مگر اس کی حکومت کا شیرازہ آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے بکھر گیا تھا اور شام کے بیشتر علاقہ پر صلاح الدین ایوبی کا قبضہ ہو گیا تھا۔ نور الدین زنگی اور اسکے بھائیوں کی اولاد اگرچہ ہلاکو خان کے حملہ تک برسرِ حکومت رہی لیکن ان کی حکومت برائے نام اور بہت ہی محدود رقبہ پر تھی حقیقت یہ ہے کہ سلطان نور الدین کے مرنے کے بعد زنگی سلطنت سلطان صلاح الدین کے قبضہ میں آ گئی تھی۔ اور زنگی شہزادوں کی حیثیت باجگذار اُمرا جیسی رہ گئی تھی۔

موصل اور شام کی طرح شیراز میں بھی اتابکی اُمرا نے اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی شیراز میں اتابکی حکومت کا بانی امیر مظفر الدین سنقر تھا جس نے ۵۵۶ھ میں سلطان سنجر کی وفات کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اتابکانِ شیراز میں جو نامور سلاطین ہوئے ہیں ان کے نام یہ ہیں:- (۱) امیر مظفر الدین سنقر بن مودود (۲) اتابک مظفر الدین (۳) اتابک تکلہ (۴) اتابک سعد بن زنگی۔ (۵) اتابک ابوبکر بن سعد (۶) اتابک محمد۔

سلاطینِ عثمانیہ ترکیہ

سلاطینِ عثمانیہ ترکیہ کا جدِ اعلیٰ سلیمان شاہ ابن قبا چنگیز خاں کے حملے اور غارتگری سے قبل بلخ کے قریب علاقہ ماہان کا حکمراں تھا۔ چنگیز خاں نے وسط ایشیا کے دوسرے علاقوں کی طرح جب اس علاقہ کو بھی لوٹ کر اور آگ لگا کر ویران کر دیا تو سلیمان خاں اور اسکے دو بیٹے ارطغرل اور ڈونڈا مع ترک قبائل کے آرمینیا کے قریب آکر آباد ہو گئے اور یہاں آباد ہونے کے بعد انھوں نے اپنی طاقت کو بڑھانا شروع کر دیا۔

غیر مسلم مغل چنگیز خاں کی سرکردگی میں اُس زمانہ میں چُن چُن کر اسلامی سلطنتوں کو ختم کر رہے تھے چنانچہ وسط ایشیا کی بہت سی اسلامی سلطنتوں کو مٹانے کے بعد چنگیز خاں کے ایک لشکرِ عظیم نے رُومی سلجوقیوں کی اُس رُومی سلطنت پر بھی یورش کر دی جس کا دارالسلطنت قونیہ (روم) تھا اور جس کا فرمانروا علاء الدین کیقباد سلجوقی تھا۔ روم کی یہ سلجوقی حکومت اگرچہ عیسائیوں کے مقابلہ میں بڑے عظیم الشان کارنامے انجام دے چکی تھی مگر اب امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں بے حد کمزور ہو گئی تھی اور اس میں اتنا دم باقی نہیں رہا تھا کہ یہ مغلوں کی بے پناہ طاقت کا مقابلہ کر سکتی۔

سلیمان شاہ بڑا اولوالعزم مسلمان تھا جب اسے اطلاع ملی کہ مغل کفار نے روم کی سلجوقی حکومت پر حملہ کر دیا ہے تو اس نے محض اسلامی ہمدردی کے جذبہ کی بنا پر فوراً اپنے بیٹے ارطغرل کو اس اسلامی سلطنت کی امداد کے لئے روانہ کر دیا۔ ارطغرل جب اپنی مختصر سی فوج لیکر قونیہ کے قریب پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ سلجوقی ترک مغلوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہو رہے ہیں اور عنقریب قونیہ پر مغلوں کا قبضہ ہونے والا ہے۔ ارطغرل کے ہمراہ اگرچہ پانچ سو سے زیادہ سپاہی نہ تھے لیکن اس کے باوجود

اس نے ایسی دلیری کے ساتھ مغلوں کے لشکر پر حملہ کیا کہ مغل جو اس بات سے ہو گئے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔

سلطان علاء الدین کیقباد ذرا دیر قبل اپنی شکست اور تباہی کو یقینی سمجھ رہا تھا لیکن ارطغرل کی غیر متوقع امداد نے اسکی شکست کو اچانک فتح میں تبدیل کر دیا۔ اسی دوران میں جب ارطغرل کا باپ سلیمان شاہ بھی مزید تازہ دم فوج لیکر سلجوقیوں کی امداد کے لئے آ گیا تو ان دونوں باپ بیٹوں نے سلجوقی سلطنت کو مغلوں کے خطرہ سے بالکل پاک اور صاف کر دیا۔ سلطان علاء الدین کیقباد۔ ارطغرل اور سلیمان شاہ کی اخوت اسلامی اور مخلصانہ امداد سے بے حد متاثر ہوا۔ چنانچہ اس نے ان دونوں باپ بیٹوں کو خوب نوازا۔ ارطغرل کو تو عیسائی علاقوں سے متصل انگورہ کے قریب ایک بہت بڑی جاگیر عطا کر دی اور سلیمان شاہ کو سلجوقی افواج کا سپہ سالار بنا دیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد جب سلیمان شاہ ایک جنگی مہم کے سلسلے میں دریائے فرات پار کر رہا تھا تو ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

ارطغرل باپ کے مرنے کے بعد اپنی روحی جاگیر میں بدستور رہا بیٹھا رہا۔ اس نے رومی عیسائیوں کو شکستوں پر شکستیں دیکر اور ان کے علاقوں پر قبضہ جما کر اپنی جاگیر کو خوب وسیع کر لیا اور فوجی طاقت کو بھی خوب بڑھا لیا۔ ارطغرل کے مضبوط ہونے کے بعد چونکہ روم کی سلجوقی سلطنت عیسائیوں کے دستبرد سے محفوظ ہو گئی تھی اس لئے سلطان علاء الدین کیقباد ارطغرل کی اس کامیابی سے بے حد خوش تھا۔ ۶۳۴ھ میں علاء الدین کیقباد کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا غیاث الدین کیخسرو تخت نشین ہوا تو اس نے بھی ارطغرل کو خوب نوازا۔

ارطغرل کے ہاں ۶۵۶ھ میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عثمان خاں رکھا گیا۔ یہی عثمان خاں سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا بانی ہے۔ ۶۸۷ھ میں جب ارطغرل نے وفات

پائی تو یہ سلطان علاء الدین ثانی سلجوقی کا زمانہ تھا۔ علاء الدین ثانی نے ارطغرل کے مرنے کے بعد نہ صرف عثمان خاں کو باپ کی وسیع جاگیر پر بحال رکھا بلکہ اُسے اپنی سلطنت کا سپہ سالار بھی بنا دیا اور اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی بھی کر دی۔ اسکے بعد عثمان خاں بہت جلد سپہ سالاری سے وزیرِ اعظم کے عہدہ پر پہنچ گیا۔ اور رُوم کی سلجوقی حکومت کا مختارِ مطلق بن گیا۔ سلطان علاء الدین ثانی کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی صرف ایک لڑکی تھی جو عثمان خاں کے عقد میں تھی اسلئے جب ۶۹۹ھ میں علاء الدین ثانی فوت ہوا تو ارا کینِ سلطنت نے عثمان خاں کو سلجوقی سلطنت کے تخت پر بٹھا دیا اور اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور اس طرح پُرانی سلجوقی سلطنت کی بنیادوں پر سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ کی نئی عمارت قائم ہو گئی۔

سلطان عثمان خاں غازی

سلطان عثمان خاں غازی جس وقت قونیہ (رُوم) میں تخت نشین ہوا ہے تو قونیہ کی سلطنت کی حالت بڑی نازک تھی ایک طرف تو رومی عیسائیوں نے اور دوسری طرف مغلوں نے اس پر بار بار یورشیں کر کے بے جان کر دیا تھا لیکن عثمان خاں غازی کے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی اس مُردہ سلطنت میں نہ صرف نئی زندگی پیدا ہو گئی بلکہ یہ سلطنت آگے چل کر اتنی مضبوط بن گئی کہ اس کے حوصلہ مند حکمرانوں نے سارے یورپ کو ہلا ڈالا۔

رُومی عیسائیوں نے چونکہ اسلامی علاقوں میں بُری طرح تباہی مچا رکھی تھی اسلئے عثمان خاں غازی تخت نشین ہونے کے بعد سب سے پہلے عیسائیوں کی جانب متوجہ ہوا اور اس نے عیسائیوں سے شہر قراحصار فتح کر کے اُسے قونیہ کی بجائے اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ اس کے بعد عثمان خاں نے پے در پے عیسائی علاقوں پہ حملے کر کے شہر پر شہر فتح کرنے شروع کر دئے اور عیسائیوں کو ایشیائے کوچک سے نکالنے کے لئے ایک

مہم جاری کر دی۔

قیصر رُوم و قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ اسلامی فتوحات کا سیلاب بڑی تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے تو اُس نے مغلوں کے ساتھ ساز باز کر کے عثمان خاں کی سلطنت کی مشرقی سرحدوں پر اُن سے حملے کرا دیئے تاکہ عثمان خاں مُغلوں کی لڑائی میں اُلجھ کر رہ جائے۔ عثمان خاں نے فوراً اپنے بیٹے ارخاں کو تو مُغلوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا اور اس نے خود عیسائیوں کی اس شرارت کا جواب دینے کے لئے اور بھی شدت کے ساتھ عیسائی علاقوں پر حملے شروع کر دیئے عیسائیوں کو یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ جن مغلوں کو انھوں نے عثمان خاں کے خلاف اُکسایا تھا۔ ان کو تقریباً ہر مورچہ پر ارخاں کے مقابلہ میں اس بُری طرح سے شکست ہوئی کہ وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مغلوں کو شکست دینے کے بعد جب ارخاں بھی عیسائیوں کی جنگ میں باپ کے ساتھ شامل ہو گیا تو عثمان خاں کی طاقت اور بھی بڑھ گئی چنانچہ یہ دونوں باپ بیٹے عیسائیوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اور شکست دیتے ہوئے بحر اسود تک جا پہنچے یہاں تک کہ ارخاں نے مغرب کی جانب ایک شدید حملہ کر کے بروصہ فتح کر لیا۔ بروصہ قیصر رُوم کا ایک زبردست شہر تھا جو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر واقع تھا۔ بروصہ کی فتح کے بعد عثمان خاں بھی بروصہ پہنچ گیا۔ عثمان خاں جس وقت بروصہ پہنچا ہے تو وہ شدید بیمار تھا۔ چنانچہ بروصہ پہنچنے کے دو تین دن بعد ہی ۷۲۶ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ عثمان خاں بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے جس نے سلطنت عثمانیہ ترکیہ کو قائم کر کے اُسے بے حد مضبوط بنا دیا تھا۔ ترکی جھنڈے پر چاند اور تارے کا جو نشان ہوتا ہے یہ عثمان خاں غازی ہی کے زمانہ سے ہے ابتداء میں یہ نشان سلجوقیان رُوم کے جھنڈے پر ہوتا تھا۔ پھر عثمان خاں غازی

نے اپنے جھنڈے پر یہ نشان قائم کیا اور اس کے بعد بیشتر اسلامی جھنڈوں کا نشان بھی چاند تارہ بن گیا۔

اُرخاں بن عثمان خاں

اُرخاں اگرچہ عثمان خاں غازی کا چھوٹا بیٹا تھا لیکن اسکی اعلیٰ جنگی قابلیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے باپ نے بڑے بیٹے علاء الدین کی بجائے اسی کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا۔ لہذا عثمان خاں کے مرنے کے بعد ۷۲۶ھ (۱۳۲۶ء) میں یہی تخت نشین ہوا۔ اور اسکے بڑے بھائی علاء الدین نے اس موقعہ پر انتہائی تدبر اور وسیع نظری کا ثبوت دیتے ہوئے بخوشی اسکی بادشاہت کو تسلیم کر لیا۔ آرخاں نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے بڑے بھائی کو وزیر اعظم کا عہدہ قبول کرنے پر آمادہ کر لیا اور ساری عمر علاء الدین کے اشاروں پر چلتا رہا۔

سلطان اُرخاں جسکی جنگی قابلیت مسلمہ تھی۔ اپنے باپ کا سچا جانشین ثابت ہوا۔ اس نے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں تمام ایشیائے کوچک کو فتح کر کے دردانیال کے ساحل تک اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا۔ چنانچہ اُس نے گندرہ ایدس سمندرہ۔ ینکولہ۔ قلعہ ازنیک اور گیلی پولی کو عیسائیوں سے چھین لیا گیلی پولی بڑا اہم مقام تھا جو قسطنطنیہ کی سرحد پر واقع تھا۔ آرخاں کی ان عظیم الشان فتوحات اور پیش قدمیوں نے قیصر رُوم و قسطنطنیہ کو بادلِ ناخواستہ اس کیلئے مجبور کر دیا کہ وہ سلطان سے خصوصی تعلقات قائم کرے چنانچہ قیصر نے سلطان کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ "میں اپنی خوبصورت بیٹی تھیوڈرا کی شادی آپ کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں اُمید ہے کہ آپ اس لڑکی کو قبول فرما کر میری عزت افزائی کرینگے"۔ سلطان اُرخاں نے قیصر رُوم کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور بڑی دُھوم دھام کے ساتھ قیصر روم کی بیٹی تھیوڈرا کی شادی سلطان کے ساتھ ہو گئی

عثمان خاں غازی نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر مرتے وقت اُرخاں کو وصیت کی تھی کہ "آئندہ بروصہ کو دارالسلطنت بنالینا" باپ کی اس وصیت کے مطابق ارخاں نے بروصہ کو دارالسلطنت قرار دیدیا اور اپنی سلطنت کو وسعت دیکر یوروپیا کے ساحل تک پہنچادیا۔ ارخاں جب تک زندہ رہا اسکی تمام تر توجہات ایشیائے کوچک اور یوروپ کی فتوحات پر مبذول رہیں۔ یہ بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ ۳۸ سال حکومت کرنے کے بعد ۷۶۱ھ میں فوت ہوگیا۔ انتقال کے وقت ارخاں کی عمر ۷۵ سال تھی۔

سلطان مراد خاں اوّل

اُرخاں کے بعد اس کا بیٹا مراد خاں اوّل ۷۶۱ھ (۱۳۶۰ء) میں تخت نشین ہوا۔

اس نے بھی اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی تمام تر کوششیں یوروپ کی فتح کے لئے وقف کردیں چنانچہ ۷۶۱ھ میں یہ فوج لیکر ساحلِ یوروپ پر جا اُترا اور ایڈریانوپل جیسے کلیدی مقام کو فتح کرنے کے بعد اسے دارالسلطنت قرار دیدیا۔ ایڈریانوپل کی تسخیر اور اسے دارالسلطنت قرار دینا کیونکہ یوروپ کی فتح کا پیش خیمہ تھا اسلئے سلطان کے خلاف سارے یوروپ میں شدید ہیجان برپا ہوگیا قیصر رُوم قسطنطنیہ اور رُوما کے پوپ نے مسلمانوں کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کردیا۔ بس پھر کیا تھا بلغاریہ۔ سرویہ۔ ہنگری۔ بوسنیا اور قیصر رُوم کی فوجوں نے ۷۶۵ھ میں ایڈریانوپل کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عیسائیوں کی فوجیں اگرچہ لاکھوں کی تعداد میں تھیں لیکن ترکوں کی حوصلہ مندی قابلِ داد ہے کہ انھوں نے صرف بیس ہزار کے لشکر سے لاکھوں عیسائیوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس کے علاوہ آگے بڑھ کر تھریس اور رومیلیا بھی فتح کرلیا اور وہاں بھی ترکی حکومت قائم کردی۔

مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ میں یوروپ کی بڑی بڑی حکومتوں کی یہ شکست

بڑی ہی شرمناک بات تھی لہذا اس شکست کا داغ مٹانے کے لئے یوروپین حکومتوں نے پھر ایک بار متحد ہوکر ۱۳۸۸ء میں سلطنتِ عثمانیہ پر حملہ بولدیا۔ سرویہ۔ بلغاریہ ۔ ہنگری بوسنیا ۔ پولینڈ ۔ اٹلی اور قسطنطنیہ کی فوجیں جنکی تعداد کئی لاکھ تھی اس حملہ میں مسلمانوں کے خلاف دوش بدوش لڑرہی تھیں لیکن مجاہدِ اسلام مُراد خاں نے اس مرتبہ بھی ایک مختصر سی فوج کے ذریعہ نصف درجن سے زیادہ یوروپین ممالک کو شکستِ فاش دیدی اس شکست کے بعد سرویہ کے سلطان نے خراج اور اطاعت کے وعدہ پر اپنی جان بچائی بلغاریہ کے بادشاہ نے اپنی خوبصورت بیٹی سلطان کی خدمت میں نذر کر کے آئندہ مطیع رہنے کا وعدہ کیا۔ اور قیصرِ رُوم نے اپنی تین حسین وجمیل لڑکیاں سلطان کی خدمت میں پیش کرکے خواہش کی کہ انہیں سے ایک لڑکی سے تو سلطان خود نکاح کرلے اور دو لڑکیوں کا نکاح اپنے دونوں بڑے بیٹوں سے کردے۔ غرضکہ یوروپین ممالک کو سلطان مُراد خاں کے مقابلہ میں دوسری مرتبہ بھی بُری طرح ذلت اور ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔

اس شکست اور ذلت کے باوجود بھی یوروپین ممالک چین سے نہیں بیٹھے چنانچہ پچھلی دو شکستوں کا انتقام لینے کے لئے ۱۳۸۹ء میں سارا کا سارا یوروپ ترکوں کے مقابلہ پر صف آرا ہوگیا۔ سرویہ اور بلغاریہ گو مطیع ہوچکے تھے لیکن دیگر عیسائی ممالک کی شہ پران ممالک کی عیسائی فوجوں نے بھی بغاوت برپا کرکے بیس ہزار ترکوں میں سے پندرہ ہزار کو شہید کردیا۔ اس زمانہ میں مُراد خاں بروصہ میں تھا۔ وہ اس حادثہ کی اطلاع پاتے ہی فوج لیکر عیسائیوں کے مقابلہ پر جاپہنچا اور کسووا کے میدان میں خیمہ زن ہوگیا۔ ایک طرف یوروپ کے درجنوں بادشاہ اور اُمرا تھے اور دوسری طرف تنِ تنہا مراد خاں اور اس کا مختصر سا لشکر تھا۔ جانبین میں خوفناک جنگ چھڑگئی اس جنگ میں بھی حسبِ دستور عیسائیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ عیسائیوں کا سپہ سالارِ اعظم شاہ سرویہ اور مختلف یوروپین ممالک کے بہت سے کاؤنٹ گرفتار ہوگئے لیکن فتح کی یہ خوشی جلدی ہی

غم میں تبدیل ہوگئی کیونکہ سرویہ کے ایک چالاک عیسائی سردار نے اسلام قبول کرنے کے بہانہ سے مراد خاں کی خدمت میں حاضر ہوکر خنجر سے سلطان کے سینہ پر ایسا مہلک وار کیا کہ سلطان جاں بر نہ ہوسکا۔ حملہ آور کو فوراً ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور شاہ سرویہ جو گرفتار تھا اس کی گردن اُڑا دی گئی۔

سلطان بایزید یلدرم

مُراد خاں اوّل کی موت کے بعد اُس کا بیٹا بایزید یلدرم ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں بادشاہ ہوا تخت نشینی کے فوراً ہی بعد اس نے سب سے پہلے ایشیائے کوچک کے ان باغیوں کی سرکوبی کی جو سلطنتِ عثمانیہ کے لئے مستقل خطرہ بنتے چلے جا رہے تھے۔ اسکے بعد جب اسے معلوم ہوا کہ یورپین حکومتیں پھر سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف یورش کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور سرویہ و بوسینیا میں بغاوت کے آثار پیدا ہوگئے ہیں تو وہ سیدھا یورپ جا پہنچا اور بوسینیا سے لیکر دریائے ڈینیوب تک کا سارا علاقہ فتح کر کے اُسے سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے سب سے بڑے دُشمن قیصر روم نے جب دیکھا کہ ترکوں کی طاقت ناقابلِ تسخیر حد تک بڑھ چکی ہے۔ تو اُس نے مردانہ وار مقابلہ کی بجائے عیاری اور مکّاری کو اپنا شعار بنا لیا چنانچہ اس نے بظاہر تو سلطان بایزید یلدرم سے اقرارِ اطاعت کے بعد صلح کر لی لیکن دَرپردہ سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگیا۔ چنانچہ اس نے اپنے ایلچی بھیج کر اور ایران۔ خراسان۔ فارس اور شام وعراق کے مسلم سلاطین سے دوستانہ مراسم قائم کر کے انکو ترکوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا لیکن جب اسکی یہ چال بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو اس نے حسبِ سابق مذہب اور صلیب کے نام پر یورپین حکومتوں کو سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف آمادۂ فساد کر دیا۔ قیصرِ رُوم یہ سب کچھ اندر ہی اندر کرتا رہا لیکن بظاہر ترکوں کا اطاعت شعار بنا رہا۔

قیصرِ روم کی ان ریشہ دوانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۷۹۹ھ میں پھر ایک بار تمام

یوروپین حکومتیں متحد ہوکر سلطنتِ عثمانیہ پر ٹوٹ پڑیں اس مرتبہ تمام سابق عیسائی حکومتوں کے علاوہ انگلستان جرمنی اور فرانس بھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ ترکوں کے مقابلہ پر میدان میں آگئے تھے یعنی انگلستان۔ پولینڈ۔ فرانس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ آسٹریا۔ ہنگری اور بوسنیا وغیرہ سب کے سب متحدہ ہوکر سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف صف آرا ہوگئے تھے قیصرِ روم میں چونکہ کھلم کھلا سامنے آنیکی ہمت نہیں تھی اسلئے وہ درپردہ اس جنگ میں شامل تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس جنگ کا اصلی محرک وہی تھا۔ اس تاریخی جنگ میں ہنگری کا بادشاہ سجسمنڈ مسیحی فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔ عیسائیوں کا یہ لشکرِ عظیم جو دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کو اُجاڑ دینے کے لئے کافی تھا۔ اس نے بیک وقت سلطنتِ عثمانیہ کے کئی علاقوں پر حملہ کر دیا اور بڑی تیزی کے ساتھ شہر پر شہر فتح کرنے شروع کر دئے۔ سلطان بایزید بھی برق و باد کی طرح فوج لیکر مقابلہ پر آ ڈٹا اور نکوپولس کے میدان میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ چھڑ گئی۔ ایک طرف ترکوں کی تیس چالیس ہزار فوج تھی دوسری طرف یوروپ کی تمام حکومتیں پانچ چھ لاکھ کا لشکرِ عظیم لئے ہوئے سلطنتِ عثمانیہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تلی ہوئی تھیں۔ ایسی حالت میں کون کہہ سکتا تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ باقی رہ جائیگی لیکن دُنیا کی تاریخ کا یہ عظیم الشان اور حیرت انگیز واقعہ ہے کہ صرف تیس چالیس ہزار اسلامی سرفروشوں نے یوروپ کی درجنوں حکومتوں کے لاکھوں سُورماؤں کو نکوپولس کے میدان میں ایسی شکستِ فاش دی کہ دُنیا حیران رہ گئی۔ اس شکست کے بعد شاہ ہنگری سجسمنڈ تو جان بچاکر بھاگ گیا لیکن انگلستان۔ فرانس۔ آسٹریا۔ اٹلی اور ہنگری وغیرہ کے بہت سے بڑے بڑے شاہزادے۔ نواب اور سپہ سالار اپنے لاکھوں ساتھیوں کو قتل کراکے گرفتار ہوگئے۔

سلطان بایزید یلدرم اپنے دور کا کس قدر حوصلہ مند اور کتنا بڑا انسان تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب نکوپولس کی جنگ کے بعد اُسکے

سامنے یوروپ کے بڑے بڑے پچیس فرمانروا اور شہزادے گرفتاری کے بعد پیش کیئے گئے تو اس نے ان کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ ان سے کہا کہ "تم لوگوں نے ناحق میرے ملک پر حملہ کرنے کی تکلیف گوارہ کی ہیں خود ہنگری - آسٹریا - فرانس جرمنی اور اٹلی کی فتح کا عزم کر چکا ہوں - اس لئے میں خود ہی تمہارے ملکوں میں آنے والا تھا میرا ارادہ ہے کہ میں شہر روما فتح کر کے سینٹ پیٹر کی قربان گاہ میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاؤں - اس لئے میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں تاکہ تم اطمینان کے ساتھ پہلے سے میرے مقابلہ کی تیاریاں کر سکو - انشاء اللہ اب تم لوگوں سے تمہارے ملکوں میں ملاقات ہوگی - مجھ کو اگر تمہاری طرف سے ذرا بھی اندیشہ یا خوف ہوتا تو میں تم کو یا تو قتل کر دیتا یا اقرار لیتا کہ تم آئندہ میرے مقابلہ پر نہیں آؤ گے لیکن اسکے برخلاف میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم اپنے اپنے ملکوں میں پہنچتے ہی فوج کی فراہمی اور میرے مقابلہ کی زیادہ سے زیادہ تیاریاں شروع کر دینا تاکہ تمہاری کوئی آرزو باقی نہ رہ جائے لہذا تم سب آزاد کیئے جاتے ہو" تاریخ اسلام کا صرف ایک یہی واقعہ ایسا ہے جس کی مثال دنیا کی دوسری قوموں کی تاریخوں میں مفقود ہے - اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان مجاہدین اور فرمانرواؤں کے حوصلے کس قدر بلند تھے - اور انہیں کس بلا کا فاتحانہ جوش موجود تھا -

یوروپ کے پچیس فرمانرواؤں اور شہزادوں کو رہا کرنے کے چند ماہ بعد ہی سلطان بایزید یلدرم یوروپین ممالک کی فتح کی اس مہم میں مصروف ہو گیا جس کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے - واقعی اس نے پورے یوروپ کی فتح کی مکمل تیاریاں کر لی تھیں چنانچہ سب سے پہلے اس نے یونان کا رخ کیا اور ایتھنس کو فتح کر لیا - اسی دوران میں اسکے سپہ سالاروں نے آسٹریا اور ہنگری پر حملے کر کے ان ممالک کے اکثر و بیشتر

حصے زیر کر لئے بایزید قیصر رُوم والئ قسطنطنیہ کی ریشہ دوانیوں اور ابن الوقتیوں سے تنگ آچکا تھا۔ اس لئے وہ یہ چاہتا تھا کہ اٹلی۔ جرمنی۔ اور فرانس کی جانب رُخ کرنے سے قبل اس بغلی گھونسے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے لہٰذا اس نے یونان آسٹریا اور ہنگری کی فتوحات کے بعد اپنی فوجوں کا رُخ قسطنطنیہ کی جانب پھیر دیا سلطان کا قسطنطنیہ کی جانب رُخ کرنا تھا کہ قیصر رُوم نے رو رو کر اور گڑ گڑا گڑ گڑا کر معافیاں طلب کرنی شروع کر دیں سلطان اس مکار کے فریب میں آگیا اور اس عیار کو معافی دے دی۔

بایزید یلدرم تیمور کی قید میں

قیصر روم و قسطنطنیہ نے سلطان بایزید یلدرم سے پیچھا چھڑانے کے بعد اپنی عیاری کے ترکش سے ایک ایسا تیر نکالا جو بے خطا ثابت ہوا یعنی اس نے نہایت ہوشیار ایلچیوں کو بھیجکر امیر تیمور کو جسکی فتوحات کا ڈنکا بج رہا تھا سلطان بایزید کے خلاف صف آرا کر دیا۔ اس عیار قیصر کی اس سے بڑھ کر اور کیا عیاری ہو سکتی ہے کہ اس نے ایک مسلمان حکمراں سے دوسرے مسلمان حکمراں کو بھڑا دیا۔ اس نے تیمور کے دماغ میں یہ بات بٹھادی کہ اگر بایزید یلدرم کی طاقت اسی طرح بڑھتی رہی تو وہ ایک نہ ایک دن تیموری سلطنت کو بھی اسی طرح مٹا کر رکھ دیگا جس طرح کہ اس وقت وہ یوروپ کی سلطنتوں کو مٹا رہا ہے قیصر کے ایلچیوں نے تیمور کو مشتعل کرنے کے لئے بتایا کہ "بایزید نے محض تیموری سلطنت کے خلاف کارروائی کرنے کی غرض سے اپنی حکومت میں تیموری باغیوں کو پناہ دے رکھی ہے"۔

تیمور اور اسکے ساتھی پہلے ہی سلطنتِ عثمانیہ کے عروج کو حسد کی نظر سے دیکھ رہے تھے قیصر نے جب انھیں اشتعال دلایا تو وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ تیمور کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اپنے فاتحانہ زعم اور جوش کے مقابلہ میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی

تمیز نہیں کرتا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی شمشیر بے نیام سے سوتی صدی مسلم حکومتوں ہی کا خاتمہ ہوا ہے۔ ایسے بھلا اس اسلامی حکومت پر ہاتھ ڈالنے پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا چنانچہ اس نے کسی تاخیر کے بغیر سلطنت عثمانیہ کے مٹانے کی تیاریاں شروع کر دیں ان تیاریوں کے بعد تیمور سمرقند سے آذربائیجان پہنچا اور آذربائیجان و آرمینیا میں یہ مغل سردار خون کی ندیاں بہاتا ہوا اور درمیانی علاقوں کو تاراج کرتا ہوا ۸۰۴ھ میں بایزید کے مقابلہ کے لئے انگورہ کے مورچہ پر جا ڈٹا۔ اسکے ہمراہ پانچ لاکھ سے کم فوج نہ تھی اسکے برخلاف بایزید کی فوج کی تعداد کل چالیس ہزار تھی دونوں اسلامی فوجوں میں معرکہ آرائی شروع ہو گئی اور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ اس شرمناک اور تباہکن جنگ کی تفصیل سے قطع نظر کرتے ہوئے قصہ مختصر یہ ہے کہ جب سلطان بایزید مغلوں کی صفوں کو چیرتا ہوا عین اس مقام پر پہنچا جہاں تیمور کھڑا ہوا اپنی فوجوں کو لڑا رہا تھا تو یکایک بایزید کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ بایزید گھوڑے سے گرا اور گرتے ہی اس عثمانی شیر کو گرفتار کر لیا گیا اور اس طرح وہ مرد مجاہد جس سے سارا یوروپ کانپتا تھا اپنے ہی ایک مسلمان بھائی کا قیدی بن گیا۔

تیمور نے اس مرد مجاہد کو گرفتار کرنے کے بعد اسکے ساتھ کیسا وحشیانہ سلوک کیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تیمور مدتوں اس عثمانی شیر کو ایک لوہے کے پنجرے میں قید کر کے ساتھ ساتھ لئے پھرا تیمور اور بایزید کے کردار کا بین فرق یہ ہے کہ جب بایزید کے سامنے عیسائی غیر مسلم فرمانروا اور شاہزادے گرفتار کر کے پیش کئے جاتے ہیں تو وہ انکو غیر مشروط طور پر رہا کر دیتا ہے لیکن تیمور جب ایک باعظمت مسلمان بادشاہ کو گرفتار کرتا ہے۔ تو انتہائی بربریت کا ثبوت دیتے ہوئے پنجرہ میں بند کر کے اسے نچاتا پھرتا ہے۔ تیمور کے اس ذلت آمیز سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ خوددار بایزید آٹھ ماہ کے بعد ہی ۸۰۵ھ میں اسی پنجرہ کے اندر

فوت ہوگیا۔ تیمور نے یہ مہربانی ضرور کی کہ مرنے کے بعد بایزید کی لاش اسکے وارثوں کے سپرد کردی جس کو انھوں نے بروصہ لاکر دفن کردیا۔

امیر تیمور نے یوں تو بے شمار اسلامی سلطنتوں کو اجاڑا ہے۔ لاکھوں مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا ہے لیکن اس کا یہ گناہ ناقابلِ معافی ہے کہ اس نے دنیائے اسلام کو ایک ایسے مردِ مجاہد سے محروم کردیا جو اگر زندہ رہتا تو آج سارے یورپ پر اسلامی پرچم لہرا رہا ہوتا۔

سلطان محمدؒ خاں اوّلؒ

بایزید یلدرم جب تیمور کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا تھا تو اس نے اپنے سب سے بڑے بیٹے سلیمان کو ایڈریانوپل میں اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ بایزید کی شکست اور گرفتاری کے بعد ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ بایزید کے تمام بیٹے سلیمان ہی کو باپ کا جانشین تسلیم کرنے کے بعد متحد ہوکر باپ کی رہائی کی کوشش کرتے لیکن ہوا یہ کہ یہ سب کے سب اس بُری طرح خانہ جنگی میں مبتلا ہوئے کہ انکو باپ کی رہائی کا ہوش ہی نہیں رہا۔ یہانتک کہ باپ تیمور کی قید ہی میں پنجرے میں پڑا پڑا مر گیا اور یہ بدستور ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہے۔ اس خانہ جنگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایڈریانوپل اور اسکے نواحی علاقہ کے علاوہ سارے یوروپی مقبوضات سلطنتِ عثمانیہ کے قبضہ سے نکل گئے اور ان پر دوبارہ عیسائیوں نے تسلّط قائم کرلیا۔ بایزید یلدرم کے بیٹوں کی یہ خانہ جنگی سال دو سال نہیں بلکہ مسلسل گیارہ برس تک جاری رہی۔ آخر گیارہ برس کے بعد جب بایزید کے چھوٹے بیٹے محمدؒ خاں نے اپنے باقی تمام بھائیوں کو شکست دیدی تب یہ خانہ جنگی ختم ہوئی۔ اور محمدؒ خاں اوّل ۸۱۶ھ میں ایڈریانوپل میں تخت نشین ہوا۔

عثمان خاں غازی اور اسکے جانشینوں نے سلطنتِ عثمانیہ کو کچھ ایسی مضبوط بُنیادوں پر قائم کیا تھا کہ بایزید یلدرم کی گرفتاری اور موت اور اسکے بیٹوں کی

گیارہ سال تک خانہ جنگی کے باوجود یہ سلطنت بدستور قائم رہی۔ حالانکہ یہ چاروں طرف سے دشمنوں سے گھری ہوئی تھی سلطان محمد خاں اوّل کے تدبر اور ہوشمندی کی بھی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ اس نے جب اس برباد شدہ سلطنت کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے بگڑے ہوئے نظام کو درست کر کے نئے سرے سے اس سلطنت کو مضبوط بنایا۔ اور تمام عیسائی سلاطین سے دوستانہ تعلقات پیدا کر کے اپنی طاقت کو بڑھانے کا موقعہ نکال لیا اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ محمد خاں اوّل بڑے نازک وقت میں تخت نشین ہوا تھا لیکن اس نے پھر بھی اپنی حکمتِ عملی سے سلطنتِ عثمانیہ کے مُردہ جسم میں نئی رُوح اور زندگی پیدا کر دی۔ یہ سلطان آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد سکتہ کے مرض میں مبتلا ہو کر ۸۲۵ھ میں اچانک فوت ہو گیا۔

سلطان مُراد خاں ثانی

سلطان مُراد خاں ثانی اپنے باپ محمد خاں اوّل کے بعد ۸۲۵ھ (۱۴۲۲ء) میں تخت نشین ہوا۔ روم و قسطنطنیہ کے قیصر نے اسے پریشانی میں مبتلا کرنے کی غرض سے بایزید یلدرم کے فرضی بیٹے مصطفٰے کو فوجی مدد دیکر مُراد خاں کے مقابلہ پر صف آرا کر دیا مگر مُراد خاں نے اسے شکست دیکر قتل کر دیا۔ مُراد خاں نے مصطفٰے کے فتنہ سے نجات پاتے ہی قیصر سے انتقام لینے کی غرض سے قسطنطنیہ پر چڑھائی کر دی قیصرِ رُوم نے جب دیکھا کہ اب قسطنطنیہ کا بچانا دشوار ہے تو اس نے یہ چال چلی کہ ایشیائے کوچک میں سلطان کے بھائی مصطفٰے بن محمد سے بغاوت برپا کرا دی۔ یہ بغاوت اس قدر شدید تھی کہ مُراد خاں کو مجبوراً قسطنطنیہ سے محاصرہ اُٹھا کر ایشیائے کوچک کی جانب دوڑنا پڑا مُراد خاں نے جب اس بغاوت کو کچلنے کے بعد اپنے باغی بھائی مصطفٰے بن محمد کو قتل کر دیا تو قیصرِ رُوم کو پھر اپنی فکر ہوئی چنانچہ اس نے حسبِ سابق معافی مانگ کر صلح کر لی۔

مُرادخاں اب یورپ کے دوسرے ممالک کی جانب متوجہ ہوا۔ چنانچہ اس نے سنہ ۸۳۴ھ میں یونان کا جنوبی حصہ اور سالونیکا فتح کرلیا۔ سنہ ۸۴۲ھ میں جب ٹرانسلوینیا کے عیسائیوں نے علمِ بغاوت بلند کیا تو سلطان نے حملہ کرکے ستر ہزار عیسائیوں کو قید کرلیا اور باغی لیڈروں کو عبرتناک سزائیں دیں۔

یورپ کے عیسائی حکمرانوں کا یہ دستور سا ہوگیا تھا کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد متحد ہوکر برابر سلطنتِ عثمانیہ پر حملے کرتے رہتے تھے چنانچہ سنہ ۸۴۶ھ میں ہنگری سرویہ۔ والیشیا۔ پولینڈ۔ جرمنی۔ اٹلی۔ فرانس۔ آسٹریا۔ بوسنیا اور البانیہ کی فوجوں نے ہنگری کے سپہ سالار جان ہنی ڈینر کی سرکردگی میں اچانک سلطنتِ عثمانیہ پر حملہ کردیا ترک چونکہ مقابلہ کے لئے تیار نہ تھے اس لئے انھیں شکست ہوگئی۔ اس جنگ میں تقریباً چار ہزار ترک مارے گئے، ہزاروں گرفتار ہوئے اور جان ہنی ڈینر پورے روسیلیا کو تاراج کرنے کے بعد ہنگری واپس چلا گیا۔ ترکوں کو اس شکست کے بعد سرویہ کی آزادی تسلیم کرلینی پڑی۔ والیشیا کا صوبہ ہنگری کو دینا پڑا اور دس سال کے لئے عیسائیوں سے صلح ہوگئی۔

ترکوں اور عیسائیوں کے مابین دس سال کے لئے جو صلحنامہ ہوا تھا ابھی اس کی سیاہی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ عیسائیوں نے صلح کی شرائط کو توڑ کر اور ترکی سرحدوں پر حملے کرکے وارنا فتح کرلیا۔ مُرادخاں ثانی اس بدعہدی کی اطلاع پاتے ہی فوج لیکر وارنا جا پہنچا اور عیسائیوں سے جنگ چھڑ گئی۔ عیسائیوں کا لشکر اگرچہ ترکوں کے لشکر سے چار گنا تھا لیکن اس جنگ میں شاہِ ہنگری کے مارے جانے کے بعد عیسائیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ان کے تمام بڑے بڑے سردار اور بشپ مارے گئے۔ اس غیر متوقع فتح سے ترکوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ترکوں نے سرویہ کو فتح کرنے کے بعد اسے سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کرلیا۔ اس تاریخی معرکہ کے بعد بھی عیسائی بار بار سلطنتِ عثمانیہ

پر حملے کرتے رہے لیکن ان کو تقریباً ہر جنگ میں شکست اور ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا اور سلطنتِ عثمانیہ کا رقبہ ہر جنگ کے بعد بڑھتا ہی چلا گیا۔ سلطان مُراد خاں ثانی ساری عمر عیسائیوں سے نبرد آزما رہنے کے بعد تیس سال حکومت کر کے ۸۵۵ھ میں فوت ہو گیا۔ اس نے سلطنتِ عثمانیہ کی بُنیادوں کو نئے سرے سے مستحکم کر دیا تھا۔

محمدؐ خاں ثانی فاتح قسطنطنیہ

سلطان مُراد خاں ثانی کے بعد اُس کا بیٹا محمدؐ خاں ثانی ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں ایڈریا نوپل میں تخت نشین ہوا۔ جب محمدؐ خاں ثانی تخت نشین ہوا ہے تو سابق قیصرِ رُوم کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین دوازدہم قیصر بن چکا تھا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح بے حد چالاک اور عیّار تھا۔ چنانچہ اس نے ایشیائے کوچک کے مسلم امیروں اور سرداروں کو بھڑکا کر محمدؐ خاں ثانی کے تخت نشین ہوتے ہی سخت بغاوت برپا کرا دی تھی لیکن محمدؐ خاں ثانی نے فوراً ایشیائے کوچک پہنچکر اس بغاوت کو کچل ڈالا۔ جب ایشیائے کوچک کی بغاوت دَب گئی تو قیصرِ روم قسطنطین نے نئے نئے فتنے برپا کرنے شروع کر دئے۔ رُوم کے قیصروں کا وجود چونکہ زمانہ دراز سے سلطنت عثمانیہ کے لئے ایک مستقل مصیبت بنا ہوا تھا۔ اس لئے محمدؐ خاں ثانی نے یہ فیصلہ کیا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کا سدِّ باب کر دیا جائے چنانچہ مُناسب تیاریوں کے بعد سلطان نے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا۔

قیصرِ روم والیٔ قسطنطنیہ کو چونکہ پہلے ہی سے سلطان کے اس حملہ کی اطلاع ہو گئی تھی اس لئے اُس نے اپنی امداد اور پشت پناہی کے لئے یورپ کی تقریباً تمام سلطنتوں کو آمادہ کر لیا تھا اور ان سلطنتوں کی لاتعداد فوجیں قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے قسطنطنیہ پہنچ گئی تھیں۔ سلطانی فوجیں تقریباً دو ماہ تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے رہیں لیکن مدِّ مقابل چونکہ بے حد مضبوط تھا اس لئے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور محصورین

نے قلعہ بند ہو کر ایسی سختی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے لگے ترکوں نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ وہ کسی طرح شہر میں داخل ہو جائیں چنانچہ ہزاروں سرفروش ترکوں نے فصیل پر چڑھ کر اور جان پر کھیل کر شہر میں اترنا چاہا مگر سب کی جانیں ضائع ہو گئیں۔ ترکوں نے جب یہ محسوس کر لیا کہ قسطنطنیہ کی تسخیر کوئی آسان کام نہیں ہے تو انھوں نے قسطنطنیہ کی فتح کے لئے اپنی پوری بحری اور بری طاقت لگا دی اور ۲۹ مئی ۱۴۵۳ھ کو بری اور بحری دونوں راستوں سے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اس حملہ کے دوران میں قدرت خداوندی سے شہر کی فصیل کا وہ حصہ جو سلطان کے سامنے تھا جب یکایک خود بخود گر پڑا تو اسلامی فوجیں سیلاب کی طرح قسطنطنیہ میں داخل ہو گئیں قسطنطنیہ کے زیر ہوتے ہی سلطان محمد خاں ثانی اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا سیدھا اباصوفیہ کے گرجا کی طرف پہنچا اور گرجا میں داخل ہو کر سب سے پہلے اذان دی۔ اللہ اکبر کی یہ پہلی صدا تھی جو طلوعِ اسلام کے بعد قسطنطنیہ سے بلند ہوئی۔ اذان کے بعد سلطان نے مع فوج کے اباصوفیہ کے گرجا میں نمازِ ظہر پڑھی اور خدا کا شکر ادا کیا۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد وہاں کے عیسائی باشندے بے حد خوفزدہ تھے کہ نہ جانے اُنکے ساتھ کیا سلوک کیا جائیگا لیکن سلطان نے اُنکے ساتھ ایسا نرم سلوک کیا جس کی انکو توقع بھی نہ تھی قسطنطنیہ کے تمام عیسائی باشندوں کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا سب کو انکی اموال اور جائداد پر بدستور قابض رہنے دیا۔ اباصوفیہ کی گرجا کے علاوہ عیسائیوں کے تمام گرجاؤں اور خانقاہوں کو جُوں کا توں قائم رکھا بشپ اعظم اور پادریوں کے اختیارات بدستور برقرار رکھے۔ عیسائیوں کو کامل مذہبی آزادی عطا کر دی۔ گرجوں کے مصارف اور خرچ کے اخراجات کے لئے بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں جنگی قیدیوں کو فتحمند فوجیوں سے خرید خرید کر سلطان نے

محمد آزاد کیا۔ سلطان کے اس حسنِ سلوک کا یہ نتیجہ نکلا کہ قسطنطنیہ کے عیسائیوں کی بیشتر تعداد نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد خان ثانی نے اسے سلطنتِ عثمانیہ کا دارالسلطنت قرار دیا۔ قسطنطنیہ کے انتظام سے فارغ ہوتے ہی سلطان جدید فتوحات میں مصروف ہو گیا۔ اس نے یونان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو فتح کیا۔ پھر سلطان سرویہ اور بوسینا کی جانب متوجہ ہوا۔ ان ممالک کے فرمانروا اقرارِ اطاعت کے باوجود باغی ہو گئے تھے۔ سلطان نے ان ممالک کو فتح کر کے سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ اسکے بعد سلطان نے ہنگری کے دارالسلطنت بلگریڈ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں چونکہ محمد خان ثانی زخمی ہو گیا تھا اسلئے اسکی فتح نامکمل رہ گئی۔ سلطان جب تندرست ہو گیا تو اسے فوراً البانیہ کی جانب متوجہ ہونا پڑا کیونکہ البانیہ میں بغاوت برپا ہو گئی تھی۔ البانیہ پہنچنے کے بعد اس نے البانیہ کو زیر کر کے اسے بھی سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ اسکے بعد سلطان نے دریائے ڈینیوب کے شمالی صوبوں سے لیکر بلگریڈ تک قبضہ جما لیا۔ پھر جزائر یونان اور وینس وغیرہ کے علاقے فتح کئے۔ اسی دوران میں جب خان کریمیا نے مدد طلب کی تو سلطان نے خان کو جینیوا والوں سے نجات دلا کر اپنا مطیع بنا لیا۔ اسکے بعد ترک فوجوں نے جزیرہ سسلی اور اٹلی کا شہر ٹورنٹو فتح کر کے اس پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔ ٹورنٹو اٹلی کا بابُ الفتح کہلاتا تھا یعنی اس شہر کی فتح کے بعد روما اور اٹلی کا فتح کر لینا کوئی دشوار نہ تھا۔ ٹورنٹو کی فتح سے نہ صرف اٹلی میں بلکہ سارے یورپ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ ان عظیم الشان فتوحات کے بعد سلطان محمد خان قسطنطنیہ واپس آ گیا اور چند روز کے بعد ہی جزیرہ روڈس اور اٹلی کی فتح کے لئے روانہ ہو گیا لیکن ابھی راستہ ہی میں تھا کہ دردِ نقرس میں مبتلا ہو کر ۸۸۶ھ میں فوت ہو گیا اور اسکی لاش کو قسطنطنیہ لا کر دفن کیا گیا۔ اس نے ۳۱ سال حکومت کی اور ۵۳ سال کی عمر پائی۔ یہ بڑا حوصلہ مند بادشاہ تھا۔ اگر چند روز

اور زندہ رہ جاتا تو یقینی طور پر سارے یورپ کو فتح کر لیتا اور روما کے بڑے گرجا میں گھوڑے کو دانہ کھلا کر سلطان بایزید کی اس خواہش کو ضرور پورا کر دیتا جو وہ دُنیا سے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ محمد خاں ثانی کی شاندار فتوحات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے عہدِ حکومت میں بارہ سلطنتیں اور ریاستیں اور دو سو سے زیادہ شہر اور قلعے فتح کر کے سلطنتِ عثمانیہ کو ایک عظیم الشان سلطنت بنا دیا تھا۔

سلطان بایزید ثانی

سلطان بایزید ثانی اپنے باپ محمد خاں ثانی کے مرنیکے بعد ۸۸۶ھ (۱۴۸۱ء) میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشین ہوتے ہی اسے اپنے بھائی جمشید کی بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جمشید بایزید ثانی کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد مصر کے چرکسی سلطان اور خلیفہ مصر کی پناہ میں چلا گیا تھا۔ اسکے بعد یہ حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ اور حج سے مصر واپس آ کر اور چرکسی سلطان سے فوجی امداد حاصل کر کے اس نے دوبارہ بایزید پر حملہ کر دیا مگر اس حملہ میں بھی اسے بُری طرح شکست ہوئی۔ شکست کے بعد وہ روڈس کے عیسائی سلطان کے فریب میں آ کر روڈس چلا گیا۔ روڈس کے عیسائی سلطان نے جمشید کو نظر بند کر کے بایزید سے خوب روپیہ اینٹھا۔ اسکے بعد یورپ کے دوسرے سلاطین جمشید پر قبضہ جمانے کے بعد بایزید سے کئی سال تک بے اندازہ روپیہ وصول کرتے رہے۔ یہانتک کہ اٹلی کے پوپ نے اسے زہر دیکر ہلاک کر دیا۔

سلطان بایزید ثانی کا دورِ حکومت جدید فتوحات کے اعتبار سے تقریباً خالی نظر آتا ہے۔ کیونکہ اس سلطان میں اپنے باپ دادا کی طرح حوصلہ نہ تھا۔ بس اسکے زمانہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سلطنتِ عثمانیہ کے لئے ایک ایسا عظیم الشان جنگی بیڑا تیار کیا تھا جو سارے یورپ پر بھاری تھا۔ چنانچہ اس نے ۹۰۶ھ میں اپنے اس جنگی بیڑے کے ذریعہ وینس۔ اٹلی۔ اسپین اور فرانس کے متحدہ جنگی بیڑے کو شکست

دیدی تھی۔ اور اس بیڑے کی مدد سے پولینڈ کے بہت سے ساحلی مقامات فتح کرلئے تھے۔ اس سلطان کی زندگی ہی میں چونکہ تخت و تاج کے لئے اسکے بیٹوں میں بُری طرح خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی۔ اور رعایا اسکے بیٹے سلیم خاں کی حامی تھی۔ اسلئے یہ رعایا اور اُمرا کے مُطالبہ پر خوشی اپنے بیٹے سلیم خاں کے حق میں دست بردار ہوگیا تھا۔ مگر دستبرداری کے چوتھے ہی روز ۹۱۸ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔

سلطان سلیم خاں اوّل

سلطان سلیم خاں اوّل فوج اور رعایا کی مرضی سے ۹۱۸ھ (۱۵۱۱ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس کے دونوں بھائی جو ایشیائے کوچک میں برسر اقتدار تھے گو بظاہر اس کی تخت نشینی کی مخالفت نہ کرسکے لیکن درپردہ انھوں نے سازشیں شروع کردیں۔ ان سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلیم کے بھائی احمد کے بیٹے علاء الدین نے بروصہ میں علم بغاوت بلند کردیا۔ سلیم خود بروصہ پہنچا اور بغاوت کو دبانے کے بعد علاء الدین اور اپنے تمام بھائی بھتیجوں کو تہہ تیغ کردیا۔

سلیم خاں اوّل کے خلاف اسکے بھائیوں اور بھتیجوں نے جو بغاوت برپا کی تھی چونکہ اس بغاوت میں ایران کے بادشاہ اسمٰعیل صفوی کا بہت بڑا ہاتھ تھا اور اس نے سلیم خاں کے دو باغی بھتیجوں کو بھی اپنی حکومت میں پناہ دے رکھی تھی۔ اسلئے سلیم خاں نے اُس سے انتقام لینے کے لئے ایران پر چڑھائی کردی۔ اور ایک طویل جنگ کے بعد ۹۲۰ھ میں ایران کا بہت بڑا حصّہ فتح کرلیا۔ ایران کی فتح کے بعد سلطان ایشیائے کوچک واپس چلا گیا۔ اور وہاں چند روز آرام کرنے کے بعد آرمینیا۔ جارجیا اور کدہ قادت کا علاقہ فتح کرکے اسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ آذربائیجان کا علاقہ تو پہلے ہی سے ترکوں کے قبضہ میں تھا۔ ترک سرداروں نے جب کردستان۔ عراق اور ساحل خلیج فارس کے تمام صوبے فتح کرلئے تو شرق

میں سلطنتِ عثمانیہ کی حدود بے حد وسیع ہوگئیں۔

سلطان سلیم خاں کے باپ بایزید ثانی کے دورِ حکومت میں مصر کے چرکسی سلطان نے باغی جمشید کی مدد کر کے سلطنتِ عثمانیہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ اسکے علاوہ چرکسی سلطان نے عثمانی سلطنت کے علاقوں پر بار بار حملے کر کے اس دشمنی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حرمین، فلسطین، شام اور مصر پر چرکسی سلاطین کی حکومت قائم تھی سلطان سلیم خاں چونکہ چرکسی سلاطین کی دست درازیوں کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسلئے اس نے پہلے تو چرکسی سلطان کو اطاعت کا پیغام بھیجا لیکن جب چرکسی سلطان نے عثمانی سفرا کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کیا تو سلطان نے فوراً حملہ کر دیا۔ عثمانی فوجیں جیسے ہی شام کی سرحد کے قریب پہنچیں چرکسی سلطان سے انکی جنگ چھڑ گئی۔ چرکسی مملوک اگرچہ بڑی بہادری کے ساتھ لڑے لیکن ترکوں کے مقابلہ میں انھیں شکست ہوگئی۔ ترکوں نے پہلے حلب فتح کیا اسکے بعد رفتہ رفتہ پورے شام و فلسطین پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔ شام اور فلسطین کے بعد سلطان سلیم خاں نے مصر کی جانب رُخ کیا۔ اور ایک طویل جنگ کے بعد سنہ ۹۲۳ھ میں مصر کے چرکسی سلطان طومان اور نام نہاد مصر کے عباسی خلیفہ کو شکست دیکر مصر پر قبضہ جما لیا۔ پھر حرمین پر بھی سلطان کا قبضہ ہوگیا۔ اس وقت تک خلیفہ کا اعزاز مصر کے نام نہاد عباسی خلیفہ کو حاصل تھا لیکن ان فتوحات کے بعد سلطان ترکی کو خلیفہ اسلام تسلیم کیا جانے لگا۔ مصر کی فتح کے دو سال بعد سنہ ۹۲۶ھ میں نو برس کی حکومت کے بعد سلطان سلیم خاں اول کا انتقال ہوگیا۔ اس سلطان کی فتوحات کا سلسلہ زیادہ تر مشرقی ممالک تک محدود رہا چنانچہ اس نے مشرق میں دُور دُور تک سلطنتِ عثمانیہ کو پھیلا دیا۔

سلطان سلیمان خاں اعظم

سلطان سلیمان خاں اعظم اپنے باپ سلیم خاں اول کے بعد سنہ ۹۲۶ھ (سنہ ۱۵۱۹ء) میں تخت پر بیٹھا تو یہ بھی فتوحات کے معاملہ میں باپ کا صحیح جانشین ثابت ہوا۔ اس نے یوروپ و ایشیا

میں نئی نئی فتوحات حاصل کر کے سلطنتِ عثمانیہ کو خوب وسعت دی۔ چنانچہ روڈس کے نوابوں کو اس نے زیر کر لیا۔ بلگریڈ جسکی فتح نامکمل رہ گئی تھی۔ اسے اس نے فتح کر لیا ہنگری بھی فتح ہو گیا جو ڈیڑھ سو برس تک سلطنتِ عثمانیہ کا ایک صوبہ بنا رہا ۹۳۶ھ میں سلطان نے ویانا کا محاصرہ کر لیا۔ اور آرچ ڈیوک فرڈی نینڈ کو باجگذار بنا لیا۔ افریقہ کی بربری ریاستوں سے اس نے عیسائیوں کو نکال دیا۔ پوپ اور شاہِ اٹلی کو سلیمان اعظم نے شکستِ فاش دی۔ مختصر یہ ہے کہ سارے مشرقی یورپ پر جس میں یونان بلغاریہ۔ رومانیہ۔ آسٹریا اور ہنگری وغیرہ شامل تھے۔ ترکوں کا پورا پورا تسلط ہو گیا۔

سلیمان اعظم کا دورِ حکومت ترکوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ اُن کی سلطنت کی وسعت اور طاقت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ رُوئے زمین پر کوئی دوسری حکومت "سلطنتِ عثمانیہ" کے مقابلہ پر نہیں تھی مشرق و مغرب کے تمام حکمراں سلیمان اعظم کے نام سے کانپتے تھے۔ یہ لائق اور حوصلہ مند سلطان ۴۸ سال بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد ۹۷۴ھ میں انتقال کر گیا۔ وفات کے وقت سلیمان اعظم کی عمر ۷۴ سال تھی سلیمان اعظم کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے تخت پر جو سلاطین بیٹھے وہ یہ ہیں:۔

سلطان سلیم خاں ثانی:۔ یہ اپنے باپ سلیمان خاں کے بعد ۹۷۴ھ (۱۵۶۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ امامِ یمن سے اسکی جنگ ہوئی جس میں امام کو شکست اُٹھانی پڑی جزیرہ قبرص پر اس نے پوری طرح تسلط قائم کر لیا تھا۔ اسپین کے عیسائی سلاطین اور شاہِ اٹلی سے اسکی بہت سی بحری لڑائیاں ہوئیں جنمیں عثمانی بیڑے کو شدید نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔ یہ سلطان آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۸۲ھ میں فوت ہو گیا۔

سلطان مراد خاں ثالث:۔ سلیم خاں ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا

مُراد خاں ثالث ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ کمزور سلطان تھا۔ بجز جاربہ کے ایک معرکہ کے اسکے زمانہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ یہ لڑائی سے بہت گھبراتا تھا۔ چنانچہ اسکی کمزوری کی وجہ سے عیسائیوں کے حوصلے خوب بڑھ گئے تھے اور انہوں نے اسلامی علاقوں پر حملے شروع کر دئیے تھے۔ یہ ۲۱ سال کی سلطنت کے بعد ۱۰۰۳ھ میں انتقال کر گیا۔

سلطان محمد خاں ثالث :۔ یہ سلطان اپنے باپ مراد خاں ثالث کے مرنے کے بعد ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴ء) میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد حکومت کے کل اختیارات اپنی ماں صفیہ سلطانہ کے حوالے کر دئیے۔ اسکے ہاتھ سے انیس بھائی قتل ہوئے۔ اس نے اپنی تخت نشینی کے دوسال بعد آسٹریا والوں کو شکست فاش دی مگر یورپ کی حکومتوں کے دلوں میں سلطنت عثمانیہ کی جو عظمت اور شوکت قائم تھی وہ اس کے زمانہ میں باقی نہیں رہی۔ یہ ۱۰۱۲ھ میں فوت ہو گیا۔

سلطان احمد خاں اوّل :۔ محمد خاں ثالث کے بعد اس کا بیٹا احمد خاں اوّل ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ء) میں تخت نشین ہوا۔ سلاطین عثمانیہ کی کمزوری کی وجہ سے شاہ ایران نے پھر زور پکڑ لیا تھا اور عثمانی علاقوں پر دست درازیاں شروع کر دی تھیں۔ سلطان احمد خاں نے ایرانیوں کا زور توڑنا چاہا مگر اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ سلطان ۱۰۲۶ھ میں انتقال کر گیا۔

سلطان مصطفیٰ خاں :۔ احمد خاں کے مرنیکے بعد مرحوم کی وصیت کے مطابق اسکے چھوٹے بھائی مصطفیٰ خاں کو تخت نشین کیا گیا لیکن مصطفیٰ خاں میں چونکہ حکمرانی کی صلاحیت نہیں تھی اس لئے ڈیڑھ سال بعد اسے معزول کر دیا گیا۔

سلطان عثمان خاں ثانی :۔ مصطفیٰ خاں کی معزولی کے بعد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) میں عثمان خاں ثانی تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ میں شاہِ پولینڈ سے ترکوں کی بہت بڑی جنگ ہوئی تھی۔ شاہِ پولینڈ کی حمایت میں اگرچہ روس۔ فرانس اور اٹلی کی فوجیں لڑی تھیں مگر پھر بھی عیسائیوں کو بُری طرح شکست ہوئی۔ اس سلطان نے شاہ عباس والئی ایران سے صلح کر لی تھی۔ ۱۰۳۱ھ میں فوج نے بغاوت برپا کر کے اسے قتل کر دیا۔ اور سلطان مصطفیٰ خاں کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن جب شاہِ ایران نے حملہ کیا تو

مصطفیٰ خاں کو معزول کر کے فوج نے مُراد خاں چہارم کو تخت نشین کر دیا۔

سلطان مُراد خاں چہارم:۔ یہ عثمان خاں ثانی کا بھائی اور سلطان احمد خاں کا بیٹا تھا۔ جو سنہ ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ ساری عمر شاہِ ایران سے لڑائیوں میں مصروف رہا۔ شاہ عباس اوّل ایران نے اس سے بغداد اور موصل چھین لیا تھا لیکن شاہِ ایران کے مرنے کے بعد مراد خاں نے موصل اور بغداد کو دوبارہ واپس لے لیا۔ یہ سنہ ۱۰۴۹ھ میں فوت ہو گیا۔

سلطان ابراہیم خاں:۔ اپنے بھائی مُراد خاں چہارم کے مرنے کے بعد یہ سنہ ۱۰۴۹ھ (۱۶۴۰ء) میں تخت پر بیٹھا۔ یہ بڑا ہی عیش پسند اور نااہل سلطان ہوا ہے۔ اس کا زیادہ وقت لہو و لعب میں بسر ہوتا تھا حکومت پر اسکی ماں اور وزرا قابض تھے۔ آخر اُمرائے سلطنت نے اسکی عشرت پسندی سے تنگ آ کر اسے معزول کر دیا۔ اور اسکے سات سالہ بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔ ابراہیم خاں معزول ہونے کے بعد پہلے قید ہوا اسکے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔

سلطان محمد خاں چہارم:۔ یہ اپنے باپ ابراہیم خاں کے معزول کئے جانے کے بعد سات سال کی عمر میں سنہ ۱۰۵۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ سلطان چونکہ کمسن تھا اسلئے اسکی ماں کلثوم سلطانہ جہانبانی کے فرائض انجام دیتی تھی ارکانِ حکومت کیونکہ عورت کی حکومت کے مخالف تھے اسلئے بغاوت برپا ہو گئی اور کلثوم سلطانہ اس بغاوت میں ماری گئی۔ یہ سلطان جب جوان ہوا تو اس نے اپنے ہاتھ میں حکومت لینے کے بعد بہت سی اصلاحات کیں اور عیسائیوں سے بھی کئی لڑائیاں لڑیں لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب سلطنت عثمانیہ کا رُعب اب ختم ہو چکا تھا سلطان محمد خاں چہارم کے بعد یہ سلاطین ہوئے ہیں:۔

سلطان سلیمان خاں ثانی . . . . . سنہ ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۸ء) سے ۱۱۰۲ھ (۱۶۹۱ء) تک

سلطان احمد خاں ثانی . . . . . سنہ ۱۱۰۲ھ (۱۶۹۳ء) سے ۱۱۰۶ھ (۱۶۹۵ء) تک

سلطان مصطفیٰ خاں ثانی . . . . . سنہ ۱۱۰۶ھ (۱۶۹۵ء) سے ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۲ء) تک

سلطان احمد خاں ثالث . . . . . سنہ ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۴ء) سے ۱۱۳۳ھ (۱۷۳۱ء) تک

سلطان محمود اوّل . . . . . ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۳ء) سے ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) تک

سلطان عثمان خاں ثالث . . . . . سنہ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) سے ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۸ء) تک

سلطان مصطفےٰ خاں ثالث . . . ١١٧١ھ (١٧٥٧ء) سے ١١٨٧ھ (١٧٧٤ء) تک
سلطان عبدالحمید خاں اوّل . . . . . ١١٨٧ھ (١٧٧٤ء) سے ١١٩٨ھ (١٧٨٤ء) تک
سلطان سلیم خاں ثالث . . . . . . ١١٩٨ھ (١٧٨٤ء) سے ١٢٢٢ھ (١٨٠٧ء) تک
سلطان مصطفےٰ خاں رابع . . . . ١٢٢٢ھ (١٨٠٧ء) سے ١٢٢٣ھ (١٨٠٨ء) تک
سلطان محمود خاں ثانی . . . . . . ١٢٢٣ھ (١٨٠٨ء) سے ١٢٥٥ھ (١٨٣٩ء) تک
سلطان عبدالحمید خاں ثانی . . . . . . ١٢٥٥ھ (١٨٣٩ء) سے ١٢٧٧ھ (١٨٦١ء) تک
سلطان عبدالعزیز خاں . . . . ١٢٧٧ھ (١٨٥٩ء) سے ١٢٩٣ھ (١٨٧٥ء) تک

سلطان عبدالعزیز خاں کے ١٢٩٣ھ میں فوت ہونے کے بعد سلطان مُراد خاں خامس تخت نشین ہوئے۔ اسکے بعد سلطان عبدالحمید ثالث تخت پر بیٹھے۔ پھر سلطان محمد خامس بادشاہ ہوئے اسکے بعد سلطان وحیدالدین تخت نشین ہوئے۔ انکے بعد سلطان عبدالحمید تخت پر بیٹھے۔ یہ سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ کے آخری سلطان تھے جنکو معزول کر دیا گیا اور ترکی میں جمہوری حکومت قائم ہو گئی۔

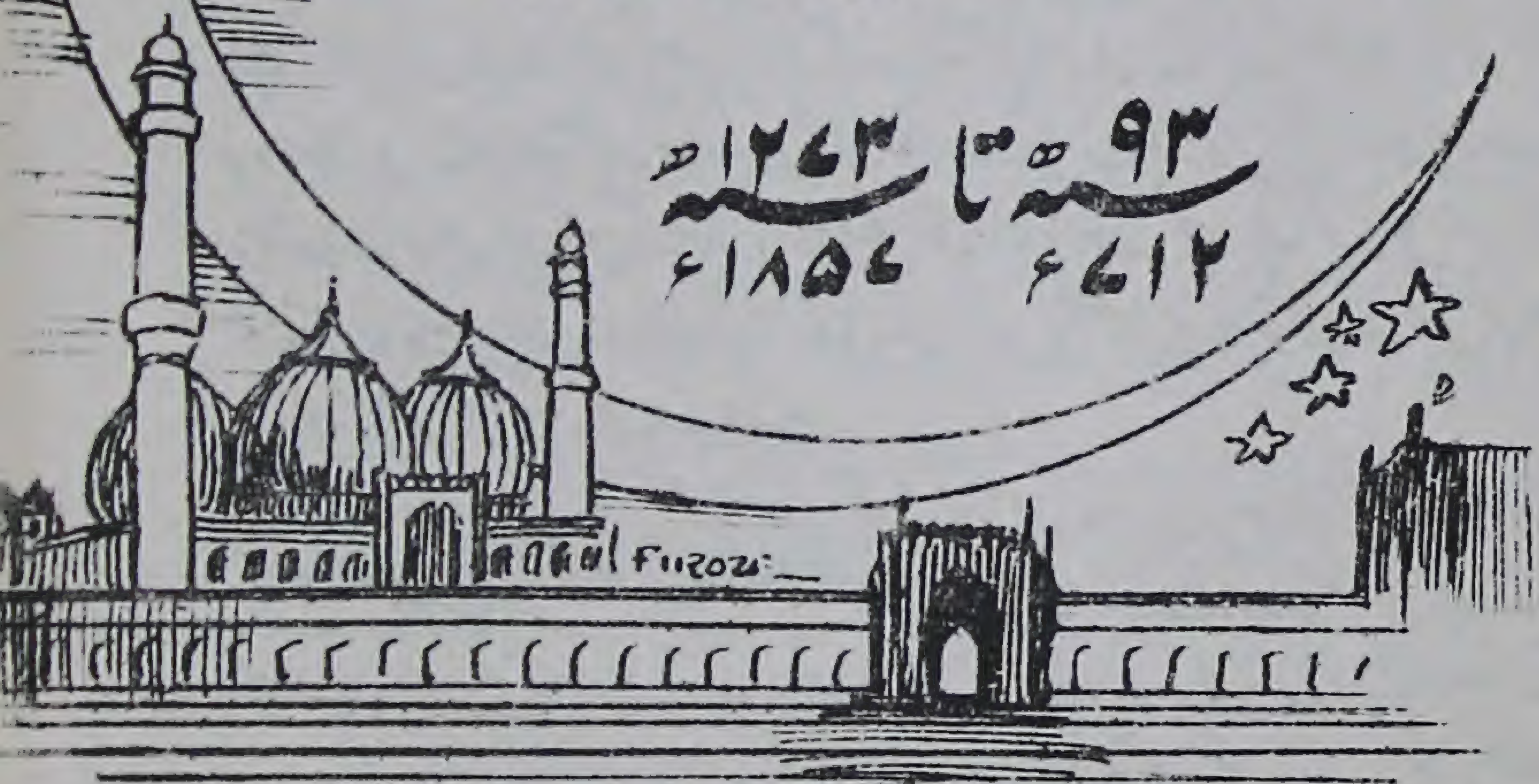
"سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ" یُوں تو زمانۂ دراز سے زوال پذیر تھی لیکن سلطان محمد خاں چہارم کے مرنے کے بعد اس کا شیرازہ بالکل ہی بکھر گیا اور عیسائیوں نے سلطنت عثمانیہ کے علاقوں پر قبضہ جما کر رفتہ رفتہ اسے بے حد کمزور کر دیا چنانچہ ١٦٨٦ء میں ہنگری ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ١٧١٨ء میں عیسائیوں نے ویانا بھی چھین لیا۔ ١٧٣٦ء میں روسیوں نے کریمیا اور ترکی کا بہت سا علاقہ دبا لیا۔ بیسویں صدی کے شروع میں محمد علی مصر کو دبا بیٹھا۔ ١٨٨٢ء میں جب مصر پر انگریزوں کا تسلط ہوا تو ترکوں کا رہا سہا اقتدار بھی مصر سے ختم ہو گیا۔ اسی طرح فرانس نے ١٨٣٠ء میں الجیریا پر اور ١٨٨١ء میں ٹیونس پر قبضہ کر لیا۔ غرضکہ یوروپین حکومتوں نے رفتہ رفتہ ترکی سے تقریبًا تمام یورپی علاقے چھین کر بالکل مُردہ بنا دیا۔ یہانتک کہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد ١٩١٨ء میں جو صلحنامہ ہوا اسکی رُو سے یوروپ کے عیّاروں نے ترکی سے نہ صرف تمام مشرقی علاقے چھین لئے تھے بلکہ قسطنطنیہ پر بھی قبضہ جما کر ترکی حکومت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تھا لیکن مصطفیٰ پاشا اور ترکی کے ترقی پسند نوجوانوں نے ترکی میں انقلاب برپا کر کے اور وہاں جمہوری نظام حکومت قائم کرنیکے بعد ترکی سلطنت کے مُردہ جسم میں نئی زندگی پیدا کر دی چنانچہ ترکی سلطنت اُس وقت سے برابر ترقی کی جانب گامزن ہے۔

چودھواں باب

ہندوستان کی خود مختار اسلامی حکومتیں

سنہ ۹۳ھ تا سنہ ۱۲۷۳ھ

۷۱۲ء ۱۸۵۷ء



ہندوستان کی اسلامی حکومتیں

ہندوستان پر مسلمانوں نے بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ تقریباً گیارہ سو برس حکومت کی ہے اس عظیم الشان ملک پر مسلمانوں کے گیارہ سو سالہ دورِ حکومت کی مکمل تاریخ چونکہ ہم "ہندوستان پر اسلامی حکومت" کے نام سے علیحدہ شائع کر چکے ہیں اسلئے ہم اس باب میں ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کی تاریخ کا صرف خلاصہ پیش کریں گے۔ تاکہ اس تاریخ کے ناظرین کو بھی ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کے واقعات سے تھوڑی بہت واقفیت ہو جائے لیکن جو حضرات کہ ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کے تفصیلی حالات پڑھنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس تاریخ کے مطالعہ کے ساتھ "ہندوستان پر اسلامی حکومت" کا مطالعہ ضرور کریں۔ کیونکہ یہ تاریخ بھی کسی طرح زیر نظر تاریخ سے کم اہم نہیں ہے اس میں صرف یہی نہیں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان پر کس شان اور رواداری کے ساتھ گیارہ سو برس تک حکومت کی ہے بلکہ اس میں ایسے ایسے ولولہ انگیز واقعات موجود ہیں جس سے کہ دنیا ابھی تک ناواقف تھی۔ چنانچہ ذیل میں نہایت مختصر الفاظ میں ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کی تاریخ کا جو خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے وہ اسی ضخیم تاریخ سے ماخوذ ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

ہندوستانی اور یوروپین مؤرخین ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بارے میں یہ کہتے رہے ہیں کہ "مسلمان سب سے پہلے فاتح سندھ محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں ہندوستان میں داخل ہوئے تھے"۔ لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان محمد بن قاسم کے حملہ سے بہت پہلے رسول اللہ صلعم کے زمانۂ حیات ہی میں ہندوستان آ چکے تھے اور اس ملک میں آباد ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے اتنے جلد ہندوستان پہنچ جانے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلعم

کی پیدائش سے قبل عرب تاجر مالابار۔ کارومنڈل۔ لنکا۔ مالدیپ۔ انڈونیشیا اور چین کے ساحل تک کشتیوں میں بیٹھ کر بغرض تجارت آتے جاتے رہتے تھے۔ یعنی ہندوستان اور ملک عرب کے درمیان زمانۂ دراز سے تجارتی تعلقات قائم تھے یہاں تک کہ اکثر عربوں نے ہندوستان میں بود وباش بھی اختیار کرلی تھی چنانچہ عربوں نے جب دینِ اسلام قبول کرلیا تب بھی وہ حسبِ سابق ہندوستان میں تجارت کے لئے آتے جاتے رہے اور ان میں سے اکثر وبیشتر نے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا۔ اور اس طرح یہ لوگ اپنے ساتھ اسلامی تعلیمات کو بھی ہندوستان لے آئے اسلامی تعلیم میں چونکہ بے حد جاذبیت اور دلکشی ہے اسلئے جنوبی ہند اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اسلام تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا۔

رسول اللہ صلعم کے زمانۂ حیات سے لیکر محمد بن قاسم کے ہندوستان پر حملہ تک کے درمیانی عرصہ میں نہ صرف ہندوستان کے عام لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کرلیا تھا بلکہ بعض ہندوستانی راجہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے تھے مالابار کا راجہ زمورن سامری معجزہ شق القمر دیکھ کر رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں مشرف با اسلام ہوچکا تھا۔ لنکا کے راجہ نے بھی خلفائے راشدین کے عہدِ حکومت میں دینِ اسلام قبول کرلیا تھا۔ مشہور سیاح ابنِ بطوطہ جب لنکا گیا تھا تو انہوں نے وہاں بہت سے مسلمان بزرگوں کے مزارات اور متعدد مسجدیں دیکھی تھیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اسلام ابتداء ہی میں ہندوستان میں پھیل چکا تھا۔

اسلام کی یہ ہر دلعزیزی صرف لنکا، مالابار اور جنوبی ہند ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ سندھ پر مسلمانوں کے حملہ سے بہت قبل سندھیوں میں بھی اسلام برابر مقبولیت حاصل کرتا چلا جارہا تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں کہ عرب کے مسلمانوں اور ایران کے آتش پرستوں میں سلسلہ جنگ جاری تھا اور سندھ کے راجہ کی جاٹ فوجیں آتش پرستوں کی مدد کے لئے ایران میں مسلمانوں کے خلاف لڑرہی تھیں تو ہندوستان کے ان جاٹ سپاہیوں میں سے اکثر نے

اسلام کے محاسن سے متاثر ہو کر اور اپنا آبائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ ان جاٹوں میں سے اکثر نے ہندوستان چھوڑ کر عراق میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ عرب ان نومسلم ہندوستانی جاٹوں کو "زط" کہتے تھے چنانچہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بصرہ کے خزانہ کی حفاظت کا اہم کام انہی نومسلم "زط قوم" کے ایک دستہ کے سپرد تھا۔

سندھ کے راجہ کی مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ

حضرت عمر فاروق رضؓ کے زمانہ ہی سے سندھ کے راجہ نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی چنانچہ عہد فاروقی میں جب مسلمانوں نے مکران فتح کیا تو ایرانی آتش پرستوں کے ساتھ سندھ کے راجہ کی فوجوں نے بھی اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کے بعد سندھ کے راجہ نے مکران کا سرحدی علاقہ کیکانان دبا لیا تھا اور مملکت اسلامیہ کی سرحدوں پر حملے شروع کر دئے تھے۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ راجہ کی جنگی سرگرمیاں برابر بڑھتی چلی جا رہی ہیں تو انھوں نے حضرت عثمان غنی رضؓ کے زمانہ میں کیکانان پر حملہ کر کے یہ علاقہ راجہ سے واپس لے لیا اور سندھی فوجوں کو مار بھگایا۔ مسلمان چونکہ دوسری فتوحات میں مصروف تھے اور ہندوستانیوں سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے سندھ کے راجہ کی شرارتوں کے باوجود ہندوستان کی جانب پیش قدمی سے برابر گریز کیا لیکن سندھ کا راجہ بدستور چھیڑ چھاڑ کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ کے ابتدائی دورِ حکومت میں مسلمانوں کو مجبوراً کئی چھوٹے چھوٹے جوابی حملے سندھ پر کرنے پڑے۔ ایک مرتبہ ۴۲ھ میں اور دوسری مرتبہ ۴۶ھ میں تو یہاں تک معاملہ بڑھا کہ اسلامی فوجیں سندھ کے راجہ کی تادیب کے لئے ملتان تک پہنچ گئیں لیکن ہندوستان کا فتح کرنا چونکہ مقصود نہ تھا۔ اس لئے دونوں مرتبہ اسلامی فوجیں ہندوستان سے واپس چلی گئیں۔

راجہ کے آدمیوں نے اسلامی جہازوں کو لوٹ لیا

جنوبی ہند میں

اسلام تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا جا رہا تھا چنانچہ لنکا۔ مالدیپ۔ لکا دیپ اور مالابار میں مسلمان بکثرت موجود تھے۔ جنوبی ہند کے اکثر راجاؤں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لنکا کے نومسلم راجہ کے تعلقات خلافت اسلامیہ کے ساتھ نہایت خوشگوار تھے۔ اس راجہ نے اسلامی مرکز سے اپنے تعلقات کو اور زیادہ استوار کرنے کے لئے قیمتی تحائف سے بھرا ہوا آٹھ جہازوں کا ایک بیڑا مشرقی ممالک کے اسلامی وائسرائے حجاج بن یوسف کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ ان جہازوں میں قیمتی تحائف کے علاوہ سیکڑوں عازمینِ حج اور لنکا میں فوت ہونے والے عرب سوداگروں کی بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بھی سوار تھے۔ اتفاق سے جہازوں کا یہ بیڑا طوفان میں پھنس گیا اور بادِ مخالف کے تھپیڑوں سے بندرگاہ دیبل (کراچی) سے جا لگا۔ سندھ کے راجہ داہر کے آدمیوں کو جب معلوم ہوا کہ ان جہازوں پر مسلمان سوار ہیں اور خلافتِ اسلامیہ کے لئے بے شمار تحائف بھی ان جہازوں پر لدے ہوئے ہیں تو انھوں نے ان جہازوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ لوٹا مردوں عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور جہازوں کو سندھی بیڑے میں شامل کر لیا۔

حجاج بن یوسف کو جب راجہ داہر کے آدمیوں کی اس ناشائستہ حرکت کا علم ہوا تو اس نے خلافت اسلامیہ کی جانب سے بذریعہ قاصد شدید احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ مسلمان قیدیوں کو رہا کیا جائے اور لوٹا ہوا سامان فوراً واپس کر دیا جائے لیکن راجہ داہر نے اسلامی قاصد کو لاپرواہی کے ساتھ جواب دے دیا کہ۔ "جہازوں کے لوٹنے والے ہمارے قبضہ کے نہیں ہیں تم خود آن کر اپنے قیدی چھڑا لو اور اپنا مال و اسباب ان سے لے لو"۔ راجہ داہر کے اس ذلت آمیز اور مضحکہ انگیز جواب کے بعد حجاج بن یوسف نے ہندوستان پر حملہ کا فیصلہ کر لیا۔ اور سلطان ولید بن عبد الملک سے اجازت حاصل کرنے کے بعد کئی فوجی دستے سندھ کی جانب روانہ کئے۔ ان فوجی دستوں کو جب راجہ داہر کے مقابلہ میں شکست ہو گئی تو حجاج بن یوسف نے اس مہم کو اپنے نوجوان داماد محمد بن قاسم گورنرِ فارس کے سپرد کیا جس کی عمر

صرف سترہ سال تھی۔

محمد بن قاسم کی فتوحات اور سندھ پر حکومت

محمد بن قاسم سندھ کے راجہ داہر کی تادیب کے لئے چھ ہزار کا لشکر لیکر مکران کے راستہ سندھ کی جانب روانہ ہو گیا جب محمد بن قاسم مکران پہنچا تو مکران کا عامل بھی اپنی تین ہزار فوج لیکر اس مہم میں شامل ہو گیا۔ اور ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں ارمن بیلہ کے مقام پر اسلامی فوج کا راجہ داہر کے عظیم الشان لشکر سے بڑا زبردست مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں راجہ کے لشکر کو شکست ہوگئی۔ ارمن بیلہ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم دیبل (کراچی) کی جانب بڑھا۔ دیبل پر حملہ کے وقت مسلمانوں کا ایک سمندری بیڑا بھی محمد بن قاسم کی امداد کے لئے پہنچ گیا تھا۔ دیبل کے لئے بڑی گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ راجہ داہر کی فوجوں نے شہر میں محصور ہو کر بڑی مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن مسلمان سپاہی سیڑھیاں لگاکر شہر کی فصیل پر چڑھ گئے بعد شہر کے اندر کود پڑے اور شہر کے پھاٹک کھول دئے۔ پھر کیا تھا شہر کے اندر اور باہر خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ بالآخر راجہ داہر کی فوج کو اس جنگ میں بھی شکست فاش ہوئی اور مسلمانوں کا کراچی پر قبضہ ہو گیا۔ کراچی پر قبضہ کے بعد وہ تمام مسلمان قیدی جو راجہ کی قید میں تھے رہا ہو گئے۔ ان سب کو محمد بن قاسم نے جہازوں کے ذریعہ عرب روانہ کر دیا۔

سندھی اپنی گذشتہ شرارتوں اور بداعمالیوں کی بنا پر یہ سمجھ رہے تھے کہ اسلامی سپہ سالاران سے پورا پورا انتقام لیگا۔ لیکن سندھ کے باشندے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کراچی کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے عام معافی کا اعلان کر دیا اور تمام غیر مسلم باشندوں کو پوری مذہبی اور شہری آزادی دیدی۔ اور شہر کا حاکم اعلیٰ ایک ہندو پنڈت کو بنا کر یہاں کا انتظام خود ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں دیدیا۔ دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم دوسرے شہروں کی جانب متوجہ ہوا۔ محمد بن قاسم کے نرم سلوک کی شہرت چونکہ عام ہو گئی تھی اس لئے محمد

بن قاسم جدہر بھی جاتا تھا۔ وہاں کے باشندے بخوشی اطاعت قبول کر لیتے تھے غرضکہ محمد بن قاسم نے مختصر سے عرصہ میں شہر بیرون۔ شہر برہمن آباد، سیوستان۔ بدھیہ اور دوسرے بہت سے شہر فتح کر لئے۔ راجہ کے دو بڑے سپہ سالار کاکا اور موکا جو محمد بن قاسم کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر مطیع بن گئے تھے۔ ان سے بڑی فتوحات میں بڑی مدد ملی۔

محمد بن قاسم سندھ میں سیلاب کی طرح بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ وہ جدہر بھی جاتا تھا فتح اور کامرانی اس کے قدم چومتی تھی۔ آخر محمد بن قاسم شہر بہ شہر فتح کرتا ہوا دریائے سندھ پار کر کے راجہ داہر کے مقابلہ پر آن ڈٹا۔ راجہ داہر کی فوج اگرچہ اسلامی لشکر سے بہت زیادہ تھی جس میں سیکڑوں ہاتھی بھی تھے مگر راجہ داہر اور اس کے بیٹے جے سنگھ کو شکست ہو گئی اور راجہ داہر اس جنگ میں مارا گیا۔ راجہ کے مارے جانے کے بعد بے شمار ہندوؤں اور بہت سے برہمنوں اور فوجی سرداروں نے اپنے آپ کو محمد بن قاسم کی خدمت میں پیش کر کے اسلام قبول کر لیا۔ راجہ داہر کے وزیر سی ساگر نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد اور سندھ کا دارالسلطنت الور جو ملتان کے قریب تھا فتح کیا۔ پھر ملتان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ملتان سندھ کے بڑے شہروں میں سے آخری شہر تھا۔ اسکے بعد محمد بن قاسم نے وہ تمام چھوٹے چھوٹے شہر فتح کئے جو باقی رہ گئے تھے۔ مختصر یہ کہ سارے ملک سندھ پر تین سال سے بھی کم مدت میں محمد بن قاسم کا قبضہ ہو گیا۔ اس موقع پر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ محمد بن قاسم کے زمانہ کا سندھ آجکل کی طرح چھوٹا سا صوبہ نہیں تھا۔ بلکہ اس کا رقبہ موجودہ مغربی پاکستان سے بھی کچھ زیادہ ہی تھا یہ مغرب میں مکران تک۔ جنوب میں بحر عرب اور گجرات تک مشرق میں موجودہ ملک مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک اور شمال میں پنجاب کے اندر تک پھیلا ہوا تھا۔

محمد بن قاسم سندھ کی فتح کے بعد سارے ہندوستان کو فتح کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ اچانک اسے اطلاع ملی کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا انتقال

ہوگیا ہے اور اُس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہو چکا ہے۔ اس اطلاع کے ملنے کے بعد محمد بن قاسم کے حوصلے پست ہو گئے کیونکہ سلیمان محمد بن قاسم کا جانی دشمن تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ محمد بن قاسم اور ولید کے دوسرے تمام سپہ سالار سلیمان کی ولیعہدی کے سخت مخالف تھے اور اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ سلیمان کو ولیعہدی سے معزول کر کے ولید کے بیٹے کو ولیعہد مقرر کر دیا جائے۔ لیکن خوبیٔ قسمت سے جب سلیمان تخت نشین ہو گیا تو اُس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی ولید کے تمام سپہ سالاروں کو بُلا بُلا کر پہلے تو قید کر دیا اسکے بعد ان کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ محمد بن قاسم کو بھی ۹۶ھ میں اس نے پہلے تو معزول کر کے عراق میں قید کر دیا پھر اسے قتل کرا دیا

محمد بن قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت

محمد بن قاسم کی موت کے بعد اگرچہ خلافتِ اسلامیہ کی جانب سے ملکِ سندھ کے انتظام کے لئے نئے نئے اسلامی گورنر برابر آتے رہے لیکن پھر بھی سندھ میں بدنظمی پھیل گئی چنانچہ راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ نے دوبارہ برہمن آباد پر قبضہ جما کر اسلامی حکومت کا ایک حصہ نکال لیا۔ اس کے علاوہ سندھ کے وہ دوسرے چھوٹے چھوٹے راجہ بھی جنہوں نے کہ محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی تھی پر پُرزے نکالنے لگے۔ مگر ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت میں سندھ کی یہ تمام بغاوتیں اس لئے خود بخود دب گئیں کیونکہ راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ نے اسلام کے محاسن سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کے دیکھا دیکھی سندھ کے تمام دوسرے راجہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ اور ان سب نے خلافتِ اسلامیہ کے ساتھ اپنی اطاعت کا اقرار کر لیا تھا۔ گویا اس طرح سارا ملکِ سندھ پھر خلافتِ اسلامیہ کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔

شاہانِ بنی اُمیہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب ۱۳۲ھ میں عباسیوں کی خلافت قائم ہوئی تو سندھ کے بعض علاقوں میں پھر بغاوت کھڑی ہو گئی تھی جسے

زیر آباد ہو گیا لیکن خلیفہ مامون الرشید کے بعد جب مرکزی اسلامی حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو سندھ میں بھی متعدد خود مختار اسلامی ریاستیں قائم ہو گئیں جن میں "منصورہ" اور "ملتان" دو بہت بڑی ریاستیں تھیں جو سندھ کے بیشتر علاقہ کو گھیرے ہوئے تھیں۔ ان دو بڑی ریاستوں کے علاوہ مغربی سندھ میں "توران" نامی ایک اور چھوٹی سی ریاست تھی۔ "کیکانان" پر بھی ایک مسلمان امیر کا خاندان فرمانروائی کر رہا تھا۔ ایک اور اسلامی ریاست "قصدار" تھی جو ملتان کے قریب واقع تھی۔ ان اسلامی ریاستوں سے متصل چند چھوٹی چھوٹی ہندو ریاستیں بھی قائم ہو گئی تھیں جن پر راجہ داہر کے خاندان کے افراد یا ہندو سردار حکومت کر رہے تھے۔

مندرجہ بالا سندھ کی خود مختار اسلامی ریاستوں کے حکمران ۳۷۵ھ تک تو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سندھ پر حکومت کرتے رہے لیکن جب ان میں سے اکثر ریاستوں میں قرامطہ یعنی مسلم نما بے دینوں کا زور بڑھا تو سب سے پہلے منصورہ کی ریاست مسلمانوں کی خانہ جنگی کی بدولت ختم ہوئی۔ اُس کے بعد ایک قرامطی سردار حمید خاں لودھی نے ملتان کی ریاست کو ختم کر کے اس پر قبضہ جما لیا۔ سندھ کی اسلامی ریاستوں کے خاتمہ میں پنجاب کے راجہ جے پال کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے اور بھاٹیہ کے راجہ نے ہی حمید لودھی قرامطی کو اُبھارا تھا تاکہ سندھ پر اُن قرامطیوں کی حکومت قائم ہو جائے جو مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں

غزنوی خاندان کی حکومت

فاتح سندھ محمد بن قاسم کے بعد جس مسلمان حکمران نے سب سے پہلے ہندوستان کی جانب رُخ کیا وہ محمود غزنوی کا باپ امیر ناصر الدین سبکتگین والئی غزنیں تھا جس طرح سندھ کے راجہ نے عربوں سے بے ضرورت چھیڑ چھاڑ کر کے اُن کو سندھ پر حملہ کے لئے مجبور کر دیا تھا بالکل اسی طرح پنجاب کے راجہ جیپال اور اُس کے جانشینوں نے غزنیں پر بار بار حملہ کر کے سبکتگین اور اُس کے بیٹے محمود غزنوی کو پنجاب کے راجاؤں کی سرکوبی کے لئے مجبور کر دیا تھا۔

ہندوستان کے پڑوسی ملک افغانستان میں امیر سبکتگین کی بڑھتی ہوئی طاقت سے پنجاب کا راجہ جیپال بے حد فکر مند تھا۔ لہٰذا اس نے سبکتگین کی طاقت کو توڑنے کے لئے ۳۷۶ھ (۹۸۶ء) میں غزنیں پر چڑھائی کر دی۔ راجہ کا لشکر لاہور سے پشاور اور پشاور سے جمرود ہوتا ہوا سلطنتِ غزنیں کی حدود میں داخل ہو گیا۔ امیر سبکتگین اور اس کا بیٹا محمود غزنوی بھی مقابلہ پر آ گیا۔ اور دونوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ راجہ جیپال کے سپاہی کیونکہ اس علاقہ کی ناقابل برداشت سردی کی تاب نہیں لا سکے اس لئے راجہ شکست کھانے کے بعد گرفتار ہو گیا اور اس نے اس وعدہ پر امیر سبکتگین سے صلح کر لی کہ وہ پنجاب پہنچنے کے بعد بطور تاوانِ جنگ بہت سا نقد جواہرات اور ہاتھی گھوڑے بھیجیگا اور خراج برابر ادا کرتا رہیگا۔

راجہ جیپال لاہور آنے کے بعد اپنے وعدہ سے پھر گیا۔ اور اس نے اُن مسلمان سفیروں کو جو خراج لینے کے لئے آتے تھے گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالدیا۔ جب سبکتگین کو جیپال کی اس بدعہدی کا علم ہوا تو اس نے جیپال کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر راجہ جیپال بھی تمام بڑے بڑے ہندوستان کے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد ایک بہت بڑا لشکر لیکر دوبارہ غزنیں کی فتح کیلئے روانہ ہو گیا۔ امیر سبکتگین کو جب معلوم ہوا کہ راجہ جیپال دوبارہ حملہ کیلئے آ رہا ہے اور اس نے دریائے سندھ پار کر لیا ہے تو وہ بھی اپنی فوج لیکر مقابلہ کیلئے چلا۔ لمغان کے میدان میں دونوں فوجوں کا ۳۷۶ھ میں مقابلہ ہوا راجہ کی فوج اگرچہ امیر سبکتگین کی فوج کے مقابلہ میں پانچ گنی تھی لیکن اس دوسرے معرکہ میں بھی راجہ کو بُری طرح شکست اُٹھانی پڑی۔ اور امیر سبکتگین نے پشاور تک کا علاقہ فتح کر کے پشاور میں دس ہزار فوج متعین کر دی۔ اس لڑائی میں جیپال اس قدر جنگی سامان اور خزانہ چھوڑ کر بھاگا تھا کہ اس سے سبکتگین کے تمام جنگی اخراجات پورے ہو گئے۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو پشاور تک مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ دوسری طرف غزنیں والوں کو ہندوستان کی کمزوری کا پتہ چل گیا جس سے کہ اُن کیلئے فتوحات کا ایک نیا دروازہ کھل گیا

سلطان محمود غزنوی

اس معرکہ کے بعد سبکتگین چونکہ سمرقند و بخارا کے معرکو

میں اُلجھ گیا تھا اس لئے وہ ہندوستان کی جانب رُخ نہ کر سکا۔ جب ۳۸۷ھ میں سبکتگین کا انتقال ہو گیا تو اس کے چھوٹے بیٹے اسمٰعیل نے غزنیں کے تخت پر قبضہ جمالیا۔ لیکن چند ماہ کے بعد سبکتگین کا بڑا بیٹا محمود غزنوی چھوٹے بھائی کو شکست دینے کے بعد ۳۸۸ھ (۹۹۸ء) میں غزنیں کا بادشاہ بن گیا۔ محمود غزنوی بھی سمرقند اور بخارا کے معرکوں کی وجہ سے زمانۂ دراز تک ہندوستان کی جانب کوئی توجہ نہ کر سکا۔ مگر راجہ جیپال جب تیسری مرتبہ حکومتِ غزنیں سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکرِ عظیم لیکر ۳۹۲ھ میں پشاور پہنچ گیا۔ تو محمود کو مجبوراً پشاور کی جانب دوڑنا پڑا۔ پشاور کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ راجہ جیپال کو اس مرتبہ بھی بُری طرح شکست ہوئی اور وہ بھی بیٹوں سمیت گرفتار ہو گیا۔

محمود غزنوی۔ جیپال اور اس کے بیٹوں کو گرفتار کرکے غزنیں لے گیا۔ راجہ جیپال نے غزنیں پہنچنے کے بعد محمود سے معافی کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ وہ تا زندگی وفادار رہیگا اور پنجاب کو سلطنتِ غزنیں کا ایک صوبہ سمجھتے ہوئے آئندہ حکومت کرے گا۔ اور سالانہ خراج برابر ادا کرتا رہیگا۔ محمود نے گذشتہ تلخ تجربات اور وعدہ خلافیوں کے باوجود راجہ جیپال کی درخواست منظور کر لی اور اُسے لاہور جانے کی اجازت دیدی۔ جیپال جب غزنیں سے لاہور واپس پہنچا تو اس کا بیٹا انندپال تخت نشین ہو چکا تھا۔ بیٹے نے باپ کے لئے تخت خالی کرنا چاہا لیکن راجہ جیپال نے تیسری شکست کے بعد تخت پر بیٹھنا گوارہ نہ کیا اور شکست کی شرمندگی کی بنا پر آگ میں جل کر خودکشی کر لی۔

راجہ جیپال کے بعد انندپال بظاہر تو محمود غزنوی کا اطاعت شعار بنا رہا باقاعدہ محمود کو خراج بھی بھیجتا رہا لیکن درپردہ اُس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا۔ چنانچہ محمود نے جب بھاٹنہ کے راجہ پر حملہ کیا۔ تو انندپال نے درپردہ راجہ کی مدد کی۔ اسی طرح جب محمود نے والئ ملتان داؤد پر چڑھائی کرنا چاہی تو انندپال نے خراجگذار ہونے کے باوجود محمود غزنوی کی فوجوں کو اپنے علاقہ سے گذرنے سے

رُوکا اور خود مقابلہ پر آگیا۔ اس لڑائی میں انند پال شکست کھانے کے بعد کشمیر بھاگ گیا تھا۔ لیکن محمود جب غزنیں واپس چلا گیا تو اس نے پھر پنجاب پر قبضہ جمالیا اور ہندوستان کے تمام ہندو راجاؤں کو اپنے ساتھ ملاکر اور ایک لشکرِ عظیم لیکر محمود غزنوی سے مقابلہ کے لئے پشاور جا پہنچا۔ چنانچہ پشاور کے قریب ۱۰۰۸ء میں خونناک جنگ چھڑ گئی۔

مورخوں کا کہنا ہے کہ اس مرتبہ انند پال کے ساتھ اتنا بڑا لشکر تھا۔ جو اس سے قبل ہندوستان کی تاریخ میں کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ لیکن اسکے باوجود بھی انند پال کو شکست ہوگئی جب وہ فرار ہوکر نگر کوٹ بھاگا تو محمود بھی نگر کوٹ جا پہنچا۔ انند پال یہاں سے بھی فرار ہوگیا۔ محمود نے نگر کوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ کی فوج نے معمولی سے مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈالدئیے۔ محمود کی خوش قسمتی کہ جب وہ قلعہ نگر کوٹ میں داخل ہوا تو اس قلعہ کے مندر کے پجاریوں نے جان بچانے کی خاطر محمود کو مندر کے گرانقدر خزانہ کا پتہ بتادیا۔ محمود کو یہاں سے خلافِ اُمید اس قدر سونا چاندی اور جواہرات ہاتھ لگے کہ شاید دُنیا کے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے خزانہ میں بھی اتنا مال نہ ہوگا۔ نگر کوٹ کے راجہ نے مُعافی مانگ لی۔ اور انند پال نے بھی معذرت کی درخواست بھیجکر آئندہ اطاعت شعار رہنے کا وعدہ کیا۔ محمود نے دونوں کو مُعاف کردیا۔

محمود غزنوی کی فتوحات

ہندو راجاؤں کی پے در پے بدعہدیوں کو دیکھتے ہوئے محمود غزنوی نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ ہندوؤں کا ایک لشکر تیار کرکے ہندوؤں ہی کے ذریعہ ان تمام ہندو راجاؤں کی اچھی طرح سرکوبی کرے جو آئندہ بدعہدی یا شرارت کے مرتکب ہوں چنانچہ اس نے دس ہزار ہندو سپاہیوں کا ایک لشکرِ عظیم تیار کرکے اسے ایک ہندو سپہ سالار کی کمان میں دیدیا۔

۱۰۱۸ء میں محمود کو جب معلوم ہوا کہ تھانیسر۔ قنوج اور مہابن کے راجہ متحد ہوکر

اس کے خلاف حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو وہ فوراً ایک لشکر لیکر تھانیسر اور دہلی کی جانب روانہ ہو گیا تھانیسر کا راجہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا۔ محمود راجہ تھانیسر کی تاخت کے بعد غزنین واپس چلا گیا۔ اس جنگ میں محمود کا ہندو لشکر اسکے ساتھ تھا۔

۱۰۱۳ء میں محمود کو اطلاع ملی کہ راجہ انند پال کا جانشین جیپال ثانی بغاوت کیلئے آمادہ ہے وہ فوراً اسکی سرکوبی کیلئے پنجاب آیا۔ جیپال ثانی محمود کے مقابلہ پر ٹھہر سکا اور وہ کشمیر بھاگ گیا لیکن محمود جب غزنین چلا گیا تو جیپال ثانی نے پھر پنجاب پر قبضہ کر لیا اور سلطان محمود کی خدمت میں خراج اور معافی نامہ بھیجکر اطاعت کا اقرار کر لیا۔

چونکہ راجہ کشمیر بار بار باغی راجاؤں کو پناہ دیتا رہا تھا اس لئے محمود غزنوی نے ۱۰۱۵ء میں کشمیر پر حملہ کر دیا۔ مگر راجہ نے محمود کی فوجوں سے کشمیر میں اگلی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد محمود نے قنوج پر حملہ کیا قنوج کا راجہ بھی مطیع ہو گیا یوپی کے بہت سے راجہ محمود کے باجگذار بن گئے ۱۰۱۸ء میں جب کالنجر کے راجہ نے دوسرے راجاؤں کو محمود کے خلاف ابھارنا چاہا تو محمود نے کالنجر پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ جیپال ثانی کیونکہ دوبارہ باغی ہو گیا تھا۔ اس لئے محمود نے ۱۰۲۲ء میں پنجاب کو فتح کر کے اسے سلطنت غزنین میں شامل کر لیا۔ پھر محمود گوالیار کی جانب بڑھا تو گوالیار کے راجہ نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ غرضیکہ محمود نے ایک ایک کر کے شمالی ہند کے تقریباً تمام راجاؤں کو اپنا باجگذار بنا لیا۔

شمالی ہند کے راجہ جب محمود کے مطیع بن گئے تو پنڈتوں (جو برہمن تھے) نے گجرات پہنچنے کے بعد وہاں کے راجاؤں کو محمود کے خلاف ابھارنا شروع کیا اور سومنات کے مندر کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ محمود کو جب اطلاع ملی کہ پنڈت اور برہمن گجرات کے راجاؤں کو اس کے خلاف ابھار رہے ہیں اور سومنات کا مندر ان پنڈتوں کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے تو وہ سیدھا گجرات پہنچا۔ بڑے سخت معرکے کے بعد اس نے ۱۰۲۵ء میں سومنات کے مندر کو فتح کر لیا اس کے بعد گجرات کے راجاؤں کی جانب رخ کیا۔ گجرات کے اکثر راجاؤں

نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر محمود کی اطاعت قبول کرلی۔ سومنات کی مہم ہندوستان میں محمود کی آخری مہم تھی۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد وہ غزنین چلا گیا اور ۴۲۱ھ (۱۰۳۰ء) میں اس حوصلہ مند سلطان کا انتقال ہو گیا۔

محمود غزنوی کے جانشین

محمود غزنوی کے انتقال کے بعد محمود کے چھوٹے بیٹے امیر محمد نے غزنین کے تخت پر قبضہ جما لیا۔ لیکن امیر ایاز گورنر لاہور کی کوششوں سے محمود کے بڑے بیٹے امیر مسعود نے غزنین کو فتح کر کے امیر محمد کو گرفتار کر لیا اور اندھا کر دیا اور ۴۲۲ھ میں غزنین کے تخت پر بیٹھ گیا۔ محمود غزنوی کے مرنے کے بعد چونکہ ہندوستان میں جا بجا بغاوتیں کھڑی ہو گئی تھیں اس لئے مسعود نے ان بغاوتوں کو دبانے کے لئے جگ ناتھ کی سرکردگی میں ہندو فوج روانہ کی۔ جگ ناتھ جب ان بغاوتوں کو دبانے کی کوشش میں مارا گیا تو تلک کو ہندو فوج کا سپہ سالار سلطان مسعود نے مقرر کر دیا۔ محمود کے مرنے کے بعد چونکہ سلجوقیوں نے غزنین میں حکومت کے لئے شدید مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ اس لئے وہ غزنین سے ہجرت کر کے مع تمام دولت اور خزانہ کے خود بھی ہندوستان کی جانب روانہ ہو گیا لیکن جوں ہی وہ جہلم کے قریب پہنچا تو ہندو لشکر بگڑ گیا اور سارا مال و خزانہ لوٹ کر چلتا بنا۔ ہندو لشکر کے چلے جانے کے بعد جو سپاہی سلطان مسعود کے ساتھ رہ گئے تھے انہوں نے مسعود کے نابینا بھائی امیر محمد کی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور مسعود گرفتار ہونے کے بعد قتل کر دیا گیا۔

سلطان مسعود کا قتل ہونا تھا کہ غزنوی خاندان کے شہزادوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس خانہ جنگی میں امیر محمد اور بہت سے شہزادے مارے گئے۔ اور مسعود کے بیٹے مودود نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ مودود جب تک زندہ رہا غزنوی سلطنت کسی نہ کسی حد تک باقی رہی لیکن مودود کے مرنے کے بعد ۴۴۱ھ ہجری سے لیکر ۵۸۲ھ ہجری تک غزنوی خاندان کے اگرچہ کئی بادشاہ تخت نشین ہوئے لیکن ان کی بادشاہی برائے نام تھی۔ غزنوی خاندان کا آخری بادشاہ خسرو ملک تھا جو ۵۵۵ھ میں لاہور میں تخت نشین ہوا۔ اور ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) میں سلطان شہاب الدین

غوری نے اُسے گرفتار کر کے غزنین بھیج دیا جہاں جا کر وہ فوت ہو گیا یا اُسے قتل کر دیا گیا

شہاب الدین غوری کی حکومت

افغانستان کے مغربی حصہ میں غور کا علاقہ ہے جہاں غزنوی خاندان کے زوال کے بعد غوریوں نے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ غوری خاندان کے پہلے بادشاہ بڑے نامور ہوئے ہیں لیکن ۵۵۸ھ میں جب سلطان غیاث الدین غور کے تخت پر بیٹھا تو اُس نے غوری سلطنت کو خوب ترقی دی۔ ۵۶۹ھ میں غیاث الدین نے غزنین کو فتح کرنے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین غوری کو غزنین کے تخت پر بٹھا دیا۔ شہاب الدین غوری اگرچہ اپنے بھائی غیاث الدین کا ماتحت تھا لیکن اُسے ایک خود مختار بادشاہ جیسی حیثیت حاصل تھی۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنی فتوحات کیلئے الگ الگ میدان تجویز کر لئے تھے۔ بڑا بھائی غیاث الدین تو افغانستان کے شمالی علاقہ میں فتوحات حاصل کرتا رہا اور چھوٹے بھائی شہاب الدین غوری نے افغانستان کے جنوبی علاقے یعنی ہندوستان کی فتح کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔

محمد غوری غزنین کے تخت پر بیٹھنے کے بعد کئی سال تک اندرونی انتظامات میں مصروف رہا۔ اس کے بعد اس نے ہندوستان کی جانب توجہ کی۔ ہندوستان کے جو علاقے غزنوی حکومت کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے۔ محمد غوری اُن پر اپنا حق سمجھتا تھا کیونکہ اب وہی سابقہ غزنوی حکومت کا جانشین تھا چنانچہ ۵۷۱ھ میں اُس نے ملتان پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا۔ راجہ اُدیچ کو شکست دے کر اُدیچ پر قبضہ کر لیا۔ ۵۷۴ھ میں وہ لاہور آیا تو غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک نے اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر محمد غوری کی اطاعت قبول کر لی۔ محمد غوری نے لاہور کی حکومت اسی کے پاس رہنے دی۔ اسی سال کراچی پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا۔ ۵۸۲ھ میں جب محمد غوری کو اطلاع ملی کہ خسرو ملک بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے تو اُس نے لاہور پہنچ کر بڑی دشواری سے خسرو ملک کو زیر کیا اور پنجاب کو غوری حکومت میں شامل کرنے کے بعد خسرو ملک کو گرفتار کر کے غزنین بھیج دیا

چند ہی سال کے بعد غزنین میں فوت ہو گیا یا قتل کر دیا گیا۔

پنجاب ملتان اور کراچی کی فتوحات کے بعد محمد غوری اجمیر کے راجپوت راجاؤں کی جانب متوجہ ہوا انہوں نے کہ غزنوی حکومت کے زوال کے بعد اسلامی علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا۔ محمد غوری نے سب سے پہلے اجمیر اور دہلی کے راجہ پرتھوی راج کو اسلامی علاقوں کی واپسی کے لئے لکھا جب راجہ نے ان علاقوں کی واپسی دینے سے انکار کر دیا تو محمد غوری نے ۵۸۶ھ میں بھٹنڈہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا پرتھوی راج فوراً بھٹنڈہ واپس لینے کے لئے کئی لاکھ کے لشکر کے ساتھ مقابلہ پر آ گیا۔ محمد غوری کے پاس اس وقت اگرچہ کل چار ہزار سپاہی تھے لیکن وہ پھر بھی مقابلہ پر ڈٹا رہا۔ تھانیسر کے میدان میں جنگ چھڑ گئی۔ محمد غوری کے مٹھی بھر سپاہی لاکھوں راجپوتوں کا کہاں تک مقابلہ کرتے۔ محمد غوری کو شکست ہو گئی اور وہ اس جنگ میں بری طرح زخمی ہونے کے بعد غزنین واپس چلا گیا۔

محمد غوری نے تندرست ہوتے ہی ۵۸۸ھ میں دوبارہ پرتھوی راج پر حملہ کر دیا۔ وہ غزنین سے پنجاب ہوتا ہوا پرتھوی راج کے علاقہ میں داخل ہو گیا پرتھوی راج پہلے ہی سے اس جنگ کے لئے تیار تھا۔ اس نے قنوج کے راجہ کے علاوہ ہندوستان کے باقی تمام راجاؤں کو جن کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا تھا۔ تھانیسر کے میدان میں مقابلہ شروع ہو گیا۔ ایک طرف مسلمان گزشتہ شکست کا انتقام لینے کے لئے جوش سے بھرے ہوئے تھے اور دوسری طرف راجپوتوں نے بھی اپنی جان نثار رکھی تھی غرضیکہ کئی روز کی گھمسان کی لڑائی کے بعد راجپوتوں کو شکست ہو گئی۔ راجپوتوں کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ پرتھوی راج بھاگتا ہوا گرفتار ہوا جسے گرفتار کر کے غزنین روانہ کر دیا گیا مگر وہ راستہ ہی میں مر گیا۔ پرتھوی راج کی شکست کے بعد مسلمانوں کا اجمیر، دہلی اور پرتھوی راج کے تمام علاقہ پر تسلط ہو گیا۔ ان فتوحات کے بعد محمد غوری قطب الدین ایبک کو ہندوستان کے تمام غوری مقبوضات کا وائسرائے مقرر

کرنے کے بعد غزنین واپس چلا گیا۔ ۵۹۰ھ میں محمد غوری پھر ہندوستان آیا اور اس نے دو سال کے مختصر سے عرصہ میں قنوج۔ بنارس۔ بیانہ گوالیار اور ہندوستان کا نہایت ہی وسیع علاقہ فتح کر لیا۔ اسی دوران میں محمد غوری کے نائب قطب الدین ایبک نے گجرات۔ بدایوں اور بیلکھنڈ کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اس کے بعد صوبہ اودھ۔ صوبہ بہار اور صوبہ بنگال بھی فتح ہو گیا۔ غرضیکہ محمد غوری اور اسکے نائبوں نے چند سال کے اندر اندر ہندوستان کو شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک فتح کر کے یہاں ایک نہایت مضبوط اسلامی حکومت قائم کر دی

قرامطہ کے ہاتھوں محمد غوری کا قتل

محمد غوری نے قرامطہ یعنی اسمٰعیلی ملحدوں نہایت بے دینوں کی چونکہ اچھی طرح سرکوبی کی تھی اس لیئے قرامطہ اس کے جانی دشمن تھے۔ چنانچہ سنہ ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں محمد غوری جب لاہور سے غزنین جا رہا تھا تو قرامطہ نے راستہ ہی میں موقعہ پاکر اسے قتل کر دیا۔ محمد غوری بہت بڑا سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک لائق مدبر بھی تھا۔ وہ محمود غزنوی کی طرح وقتی فتوحات کو پسند نہیں کرتا تھا بلکہ وہ جس علاقہ کو بھی فتح کرتا تھا وہاں اپنی مستقل حکومت قائم کر دیتا تھا ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ یوں تو محمد بن قاسم کے زمانہ ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ محمد بن قاسم کے بعد محمود غزنوی نے بھی ہندوستان میں نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل کیں۔ لیکن ہندوستان میں جس نے پائیدار اور ایک مضبوط اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی وہ محمد غوری تھا۔ چنانچہ محمد غوری کی قائم کردہ اس اسلامی سلطنت پر مسلمان صدیوں تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔

سلطان محمد غوری کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لیئے وہ اپنے ترکی غلاموں ہی کو اولاد سمجھتا تھا۔ اور اس زمانہ میں غلاموں کا درجہ مسلمانوں میں اولاد کے برابر ہی سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ محمد غوری کے بعد اس کا غلام قطب الدین ایبک جو محمد غوری کا

کے زمانہ ہی سے بطور وائسرائے ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔ ہندوستان کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔

ہندوستان پر خاندانِ غلامان کی حکومت

سلطان شہاب الدین غوری کے مرنے کے بعد قطب الدین ایبک نے سنہ ۶۰۲ھ (مطابق ۱۲۰۶ء) میں جس نئے خاندان کی حکومت کی بنیاد ہندوستان میں رکھی وہ تاریخ میں "خاندانِ غلامان" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی اس نئی حکومت کا بانی قطب الدین ایبک اور اس کے تمام جانشین یا تو ابتداء میں غلام تھے یا غلاموں کی اولاد میں سے تھے۔ اس موقع پر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ طلوعِ اسلام کے بعد مسلمانوں میں غلاموں کو اولاد کی برابری کا درجہ حاصل ہو گیا تھا چنانچہ رسول اللہ صلعم نے اپنے غلام زید بن ثابت کو بیٹا بنا لیا تھا۔ خلفائے اسلام غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسپین کا فاتح طارق بھی ایک غلام ہی تھا۔ محمود غزنوی بھی غلاموں ہی کی اولاد میں سے تھا مسلمان بادشاہوں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ غلاموں کو اولاد کی طرح پرورش کیا کرتے تھے اور ان کو اولاد کی طرح تعلیم دلاتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹیوں کی شادیاں بھی غلاموں سے کر دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانہ میں شاہی غلاموں کا درجہ اُمرائے سلطنت سے بھی بلند خیال کیا جاتا تھا۔

خاندانِ غلامان کی سلطنت کا بانی قطب الدین ایبک گو کہنے کے لیے محمد غوری کا غلام تھا لیکن محمد غوری اُس سے اولاد کی طرح محبت کرتا تھا۔ اور اولاد ہی کی طرح محمد غوری نے اُس کی پرورش بھی کی تھی چنانچہ جب محمد غوری مر گیا تو محمد غوری کے بھتیجے سلطان محمود نے قطب الدین کو ہندوستان کی حکومت کی باقاعدہ سند دے کر اسے ہندوستان کا با اختیار بادشاہ بنا دیا۔ خاندانِ غلامان میں جو بادشاہ ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:-

(۱) قطب الدین ایبک:- ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں لاہور میں تخت نشین ہوا۔
یہ چار سال حکومت کرنے کے بعد ۶۰۷ھ میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے
گر کر فوت ہوگیا۔

(۲) آرام شاہ:- اپنے باپ قطب الدین کے مرنے کے بعد ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء)
میں لاہور میں تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ چونکہ نااہل تھا اس لئے اس کے زمانہ
میں جب سخت بد نظمی پھیلی تو قطب الدین کے داماد التمش نے اس پر حملہ کرکے
اسے معزول کر دیا اس نے ایک سال سے بھی کم حکومت کی۔

(۳) سلطان شمس الدین التمش:- آرام شاہ کے بعد ۶۰۷ھ (۱۲۱۱ء) میں
دہلی میں تخت نشین ہوا۔ یہ پہلا سلطان بادشاہ تھا جس نے لاہور کی بجائے دہلی
کو اسلامی ہند کا دارالسلطنت بنایا۔ اس نے بنگال اور بہار کو دوبارہ فتح
کیا۔ اڑیسہ کو فتح کرکے اسے بھی حکومت دہلی کا ایک صوبہ بنا دیا۔ اس نے مالوہ
کو بھی زیر کر لیا اور نئی نئی فتوحات کے بعد اس نے پورے ہندوستان پر تسلط جما لیا
یہ ۲۶ سال حکومت کرنے کے بعد ۶۳۳ھ میں فوت ہو گیا۔

(۴) سلطان رکن الدین:- اپنے باپ التمش کے مرنے کے بعد ۶۳۳ھ
(۱۲۳۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ شرابی۔ عیش پرست۔ فضول خرچ اور بڑا
ظالم تھا۔ امرائے سلطنت جب اس نااہل بادشاہ سے تنگ آگئے تو انہوں نے
سات مہینے کے بعد اسے معزول کر دیا۔

(۵) رضیہ سلطانہ:- سلطان التمش کی لائق بیٹی تھی۔ جو اپنے بھائی رکن الدین
کے معزول کئے جانے کے بعد ۶۳۴ھ (۱۲۳۶ء) میں دہلی میں تخت نشین ہوئی۔
رضیہ گو لائق تھی مگر عورت ہونے کی وجہ سے اس کی حکومت کے خلاف بڑے
بڑے ہنگامے برپا ہوئے آخر ایک بڑی بغاوت کے بعد ۶۳۷ھ میں اسے
شکست ہوگئی۔ اور دیہاتیوں نے اسے قتل کر دیا۔

(۶) معز الدین بہرام شاہ:- التمش کا بیٹا تھا جسے امرائے سلطنت نے

رضیہ سلطانہ کے بعد ۶۳۷ھ میں تخت نشین کیا۔ اس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی چونکہ اُمرائے سلطنت کو قتل کرانا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے اسکے خلاف اُمرائے بغاوت برپا کر دی۔ بہرام شاہ اس بغاوت میں ۶۳۹ھ میں مارا گیا۔ اس نے دو سال حکومت کی۔

(۷) علاء الدین مسعود:۔ بہرام شاہ کے مارے جانے کے بعد ۶۳۹ھ میں تخت پر بیٹھا۔ یہ سابق بادشاہ رکن الدین کا بیٹا تھا۔ اس کا دور بھی چونکہ مایوس کُن ثابت ہوا اس لیئے اُمرائے سلطنت نے چار برس کے بعد ۶۴۴ھ میں اسے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔

(۸) سلطان ناصر الدین محمود:۔ علاء الدین مسعود کا چچا تھا جسے اُمرائے سلطنت نے ۶۴۴ھ میں تخت نشین کیا۔ اس بادشاہ نے تمام عمر اپنے ذاتی خرچ کے لئے شاہی خزانہ سے ایک پیسہ نہیں لیا۔ یہ قرآن مجید کی کتابت کر کے اُس کی اُجرت سے غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس بادشاہ نے اپنے دورِ حکومت میں بڑی عظیم الشان فتوحات حاصل کی ہیں۔ یہ بیس سال حکومت کرنے کے بعد ۶۶۴ھ میں انتقال کر گیا۔

(۹) غیاث الدین بلبن:۔ سلطان ناصر الدین کے بعد ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ بلبن شمس الدین التمش کا غلام تھا جو ترقی کرتے کرتے سلطان ناصر الدین کے عہدِ حکومت میں وزیرِ اعظم مقرر ہوا اور اس کے بعد ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ یہ بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ بائیس سال حکومت کرنے کے بعد ۶۸۶ھ میں فوت ہوگیا۔

(۱۰) معز الدین کیقباد:۔ اپنے دادا بلبن کی موت کے بعد ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ خاندانِ غلامان کا آخری بادشاہ تھا جسے ۶۸۹ھ میں حکومت کے لالچ میں آپ کے وزیر نظام الدین نے قتل کر دیا لیکن اُمرائے سلطنت نے اس کے قتل کے فوراً ہی بعد سامانہ کے نائب ناظم ملک جلال الدین

کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ خاندان غلامان کی حکومت ہندوستان میں چھیاسی سال رہی۔

ہندوستان پر شاہان خلجی کی حکومت

ہندوستان میں شاہان خلجی کی حکومت کا بانی جلال الدین خلجی ہے جسے خاندان غلامان کے آخری بادشاہ معز الدین کیقباد کے قتل کے بعد امرائے سلطنت نے ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) میں دہلی کے متصل کیلوکھڑی میں تخت نشین کیا۔ خلجی خاندان کے مندرجہ ذیل پانچ بادشاہ ہوئے ہیں انہوں نے تقریباً ۳۲ سال ہندوستان پر حکومت کی ہے۔

(۱) سلطان جلال الدین خلجی:- اس خاندان کی حکومت کا بانی اور پہلا خلجی بادشاہ ہوا ہے۔ یہ نہایت ہی نیک اور نرم دل واقع ہوا تھا۔ اس میں عفو و درگذر کا مادہ بے حد تھا۔ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف کر دیتا تھا۔ اسے چھ سال کی حکومت کے بعد اس کے داماد اور بھتیجے علاء الدین نے ۶۹۴ھ میں قتل کرا دیا۔ اس کے عہد حکومت میں ہندوستان کی رعایا نے بڑے امن اور اطمینان کی زندگی گزاری ہے۔

(۲) سلطان علاء الدین خلجی:- اپنے چچا جلال الدین کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کی رسم ۶۹۵ھ (۱۲۹۶ء) میں دہلی میں بڑی دھوم دھام سے انجام دی گئی۔ اس نے اپنے دور حکومت میں گجرات اور راجپوتانہ کے علاقوں کو جو خود مختار ہو گئے تھے دوبارہ زیر کیا۔ قلعہ رنتھمبور فتح کیا۔ چتوڑ کے راجہ کو مطیع کیا اور اپنے محبوب غلام ملک کافور کو خوب آگے بڑھایا۔ پہلے اسے وزیر اعظم کا عہدہ دیا اور اس کے بعد ملک دکن فتح کرا کے ملک کافور کو دکن کے صوبوں کا وائسرائے مقرر کر دیا۔ سلطان علاء الدین تقریباً ۲۱ سال حکومت کرنے کے بعد ۷۱۶ھ میں فوت ہو گیا۔ عام خیال ہے کہ ملک کافور نے اسے زہر دیدیا تھا۔

(۳) شہاب الدین خلجی:- سلطان علاء الدین کا چھ سالہ لڑکا تھا جسے علاؤالدین

کی موت کے بعد ملک کافور نے ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) میں تخت نشین کیا اور خود اس کے پردہ میں حکومت کرنے لگا۔ لیکن علاء الدین کی موت کے دو ماہ بعد ہی ملک کافور قتل کر دیا گیا۔ اور ملک کافور کے قتل کے ساتھ ہی شہاب الدین کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔

(۴) <u>سلطان قطب الدین مبارک شاہ</u>:۔ شہاب الدین کے معزول کیے جانے کے بعد ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ علاء الدین خلجی کا بیٹا تھا جسے ملک کافور نے قید کر رکھا تھا۔ امرائے سلطنت نے اسے قید سے نکال کر تخت نشین کر دیا۔ اس بادشاہ کے زمانہ میں خسرو غلام کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ اس نے پہلے تو حکومت کے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اس کے بعد ۷۲۱ھ میں بادشاہ کو قتل کرانے کے بعد خود بادشاہ بن بیٹھا۔

(۵) <u>خسرو خاں غلام</u>:۔ اپنے آقا سلطان مبارک شاہ کے قتل کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ یہ ایک نو مسلم ہندو غلام تھا۔ اس نے ایک بہت بڑی ہندو فوج تیار کر کے مسلمانوں کو بے حد پریشان کیا۔ خسرو خاں کی حکومت کو صرف چند ماہ ہوئے تھے کہ حاکم دیپالپور غازی ملک تغلق اور اس کے بیٹے محمد تغلق نے دہلی پر چڑھائی کر کے دہلی کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور خسرو خاں قتل کر دیا گیا۔

ہندوستان پر شاہان تغلق کی حکومت

شاہان تغلق قرونا نسل کے ان ترکوں میں سے تھے جو ترکستان سے آکر ہند میں آباد ہو گئے تھے۔ غیاث الدین تغلق جس نے کہ خلجی خاندان کے خاتمہ کے بعد ہندوستان میں تغلق خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی بہت چھوٹی سی حیثیت سے ترقی کرتے کرتے شاہان خلجی کے دور حکومت میں دیپالپور کا گورنر بن گیا تھا۔ دیپالپور کی گورنری کے زمانہ میں جب اس نے حکومت دہلی کو خسرو نمک حرام کے پنجہ سے نجات دلائی تو امرائے سلطنت نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ تغلق خاندان کے مندرجہ ذیل بادشاہ ہوئے ہیں:۔

(۱) سلطان غیاث الدین تغلق: تغلق خاندان کا پہلا بادشاہ ہوا ہے۔ جو ۷۲۰ھ (۱۳۲۱ء) میں دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں دکن اور بنگال کو دوبارہ فتح کیا۔ ترہٹ کے راجہ کو شکست دی۔ بنگال کی فتح کے بعد جب یہ واپس آئے تھے جب اس بادشاہ نے دہلی سے متصل تغلق آباد میں قیام کیا تو تغلق آباد کے چوبی محل کی چھت اس بادشاہ پر گر پڑی تھی جس سے یہ ۷۲۵ھ میں ہلاک ہو گیا۔ یہ بادشاہ نیک دل ہونے کے علاوہ بڑا بہادر اور لائق ترین مدبر تھا۔ اس نے چار سال کے اندر ہندوستان کی گرتی ہوئی اسلامی حکومت کو نئے سرے سے مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا تھا۔

(۲) سلطان محمد تغلق: اپنے باپ غیاث الدین تغلق کی اچانک موت کے بعد ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ محمد تغلق کا ابتدائی دورِ حکومت تو نہایت عمدہ رہا لیکن دو سال کی حکومت کے بعد اسکے دماغ میں ایسی الٹی تجویزیں آنے لگیں جن سے ملک اور رعایا کو بڑا نقصان پہنچا۔ اور اسکے خلاف جابجا بغاوتیں کھڑی ہو گئیں۔ اس نے دہلی کی بجائے دیوگری (دکن) کو دارالسلطنت بنا لیا تھا اور رعایا کو حکم دیدیا تھا کہ وہ دہلی چھوڑ کر دیوگری جا کر آباد ہو جائے۔ چنانچہ دارالسلطنت کی اس تبدیلی سے رعایا اور حکومت کو شدید نقصان پہنچا۔ محمد تغلق کی بے عقلیوں کی وجہ سے ہندوستان کے کونے کونے میں جو بغاوتیں کھڑی ہو گئی تھیں اگرچہ اس نے ان کو اپنی اعلیٰ جنگی قابلیت کی بنا پر دبا دیا تھا۔ مگر پھر بھی آئے دن کی پریشانیوں کی بنا پر اس کی صحت گر گئی۔ اور یہ ۷۵۲ھ میں فوت ہو گیا۔

(۳) فیروز شاہ تغلق: محمد تغلق کا چچازاد بھائی تھا۔ جو محمد تغلق کے بعد ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں ٹھٹھہ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہی پہلے ٹھٹھہ کے مغل لشکر اور باغیوں کی سرکوبی کی۔ اسکے بعد یہ دہلی آ کر دوبارہ تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ کو جنگ اور خونریزی سے سخت نفرت تھی۔ اور اسے آخری عمر میں حکمرانی سے بھی کچھ ایسی نفرت ہو گئی تھی کہ اس نے ۷۸۹ھ میں تخت سے دستبردار ہونے کے بعد اپنے بیٹے محمد شاہ کو ناصر الدین کا خطاب دیکر بادشاہ بنا دیا تھا اور

خود گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔

(۴) ناصر الدین محمد شاہ:۔ اپنے باپ فیروز شاہ تغلق کے حکومت سے دستبردار ہونے کے بعد ۷۸۹ھ (۱۳۸۷ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ عشرت پسند اور نااہل بادشاہ تھا۔ اس نے عنانِ حکومت اپنے نالائق دوستوں کے حوالے کر دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے خلاف شاہی غلاموں اور شاہزادوں نے بغاوت برپا کر دی اور آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں جب ناصر الدین محمد شاہ کو شکست ہو گئی تو وہ سرمور بھاگ گیا۔

(۵) سلطان تغلق شاہ:۔ ناصر الدین محمد شاہ کے فرار ہونے کے بعد دہلی کے تخت پر ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں بیٹھا۔ یہ فیروز تغلق کا پوتا تھا۔ تغلق شاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی فیروز تغلق کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے مرتے کے ساتھ ہی پوری طرح ابتری پھیل گئی۔ سلطان تغلق شاہ عیش پرست ہونے کے علاوہ بڑا ظالم اور جابر تھا۔ چنانچہ اس کے ظلم و ستم کی بنا پر غلامانِ فیروز شاہی اس کے دشمن ہو گئے اور اسے چھ ماہ کی حکومت کے بعد قتل کر دیا۔

(۶) سلطان ابوبکر شاہ:۔ تغلق شاہ کے قتل کے بعد ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ فیروز تغلق کا دوسرا پوتا تھا کو غلامانِ فیروز شاہی نے اسے تخت نشین کیا تھا لیکن وہ اس کے بھی مخالف ہو گئے۔ چنانچہ سلطان ابوبکر شاہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا۔

(۷) ناصر الدین محمد شاہ:۔ ابوبکر شاہ کے فرار ہونے کے بعد دوسری بار دہلی تخت پر ۷۹۲ھ میں قابض ہو گیا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی غلامانِ فیروز شاہی کو چن چن کر قتل کیا۔ اس کے زمانہ میں ملک میں جا بجا بغاوتیں کھڑی ہو گئی تھیں۔ چار سال حکومت کے بعد ۷۹۶ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

(۸) سکندر شاہ:۔ اپنے باپ ناصر الدین محمد شاہ کے مرنے کے بعد تخت نشین ہوا لیکن یہ تخت نشینی کے ڈیڑھ ماہ بعد ہی فوت ہو گیا۔

(۹) ناصر الدین محمود شاہ:۔ محمد شاہ کا چھوٹا بیٹا تھا جو اپنے بھائی سکندر شاہ کی موت کے بعد ۷۹۶ھ (۱۳۹۴ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں تغلق حکومت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ بعض اُمرائے سلطنت جو ناصر الدین محمود شاہ سے خوش نہ تھے انہوں نے فیروز تغلق کے ایک پوتے نصرت شاہ کو دہلی کے قریب فیروز آباد میں تخت نشین کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمود شاہ اور نصرت شاہ میں بُری طرح خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ شاہان تغلق کی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں جب امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا اور اس ملک کو بُری طرح لوٹا تو رہی سہی تغلق حکومت بالکل برباد ہو گئی۔

(۱۰) نصرت شاہ:۔ جس کی تخت نشینی فیروز آباد میں ہوئی تھی۔ جب اُس نے یہ دیکھا کہ دہلی میں میدان بالکل صاف ہے تو وہ تیمور کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد ۱۳۹۹ء میں دہلی کے خالی تخت پر آن کر بیٹھ گیا۔ یاد رہے کہ تیمور کے حملے کے بعد دو ماہ تک دہلی کا تخت بالکل خالی پڑا رہا تھا مگر نصرت شاہ کو دہلی کے تخت پر قابض ہوئے صرف چند ماہ ہوئے تھے کہ ایک امیر اقبال لودی نے نصرت شاہ کے خلاف حملہ کر دیا۔ نصرت شاہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر میوات بھاگ گیا اور اقبال لودی بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے دہلی پر حکومت کرنے لگا۔

(۱۱) ناصر الدین محمود شاہ:۔ جو تیمور کے حملے کے وقت دہلی سے گجرات بھاگ گیا تھا۔ اقبال لودی نے اسے ۱۴۰۱ء میں دہلی لا کر دوبارہ تخت نشین کر دیا لیکن یہ بادشاہ چند ہی روز کے بعد اقبال لودی کی خودسری سے تنگ آ گیا اور تخت چھوڑ کر قنوج چلا گیا۔ مگر ۱۴۰۵ء میں جب اقبال لودی خضر خاں حاکم لاہور کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا تو محمود شاہ تیسری مرتبہ دہلی آ کر تخت نشین ہو گیا۔ ۱۴۰۵ء میں خضر خاں حاکم لاہور نے پھر حملہ کیا اور دہلی تک چلا آیا تھا۔ لیکن قحط کی پریشانی کی وجہ سے وہ واپس پنجاب چلا گیا۔ خضر خاں کے جانے کے بعد ناصر الدین محمود شاہ مختصر سی علالت کے بعد فوت ہو گیا۔ اور اس طرح خاندان

تغلق کا آخری چراغ گل ہو گیا۔ محمود شاہ کے مرنے کے بعد اُمرائے سلطنت نے دولت خان لودھی کے ہاتھ میں عنانِ حکومت دیدی۔ لیکن خضر خان حاکم ملتان نے ۱۴۱۴ء میں دولت خان کو شکست دے کر دہلی کے تخت و تاج پر قبضہ جما لیا۔

ہندوستان پر سیّدوں کی حکومت

ہندوستان میں سیّدوں کی حکومت کا بانی خضر خان ہے جسے تیمور نے ہندوستان میں فتوحات حاصل کرنے کے بعد پنجاب سے دیپالپور اور ملتان کا علاقہ دیکر اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔ ان اہم علاقوں کی حکومت کے حاصل ہونے کے بعد خضر خان نے خاندان تغلق کے آخری بادشاہ سلطان محمود پر چڑھائی کر دی مگر قحط کی پریشانی کی وجہ سے ۱۴۰۵ء میں بلا مراد پنجاب واپس چلا گیا۔ لیکن محمود شاہ کی موت کے بعد خضر خان نے دہلی پر دوبارہ حملہ کر کے دولت خان لودھی سے دہلی کی حکومت چھین لی۔ اس خاندان کے مندرجہ ذیل بادشاہ ہوئے ہیں

(۱) خضر خان :- ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) میں تخت نشین ہوا۔ لیکن یہ امیر تیمور سے ایسا خوفزدہ تھا کہ اس نے اپنے نام کے ساتھ نہ تو بادشاہ کا لقب شامل کیا اور نہ سکوں پر اپنا نام سکہ کرایا۔ بلکہ اپنے نام کی جگہ سکوں اور خطبوں میں امیر تیمور ہی کا نام دیا اور اسے جو حکومت ملی تھی وہ پانچ پانچ ہو چکی تھی۔ جب تک زندہ رہا تیمور کو خراج دیتا رہا۔ ۸۲۴ھ (۱۴۲۱ء) میں سات سال کی حکومت کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

(۲) سلطان مبارک شاہ :- اپنے باپ خضر خان کے بعد ۸۲۴ھ (۱۴۲۱ء) میں جب تخت پر بیٹھا تو پنجاب میں شدید بغاوت برپا ہو گئی۔ یہ بھی ساری عمر بغاوتوں کے دبانے میں مصروف رہا۔ ۸۳۷ھ میں اس کے وزیر سرور الملک نے سدھ پال نامی ایک شخص کے ذریعہ جمعہ کی نماز پڑھتے ہوئے اس بادشاہ کو قتل کرا دیا۔

(۳) سلطان محمد شاہ :- مبارک شاہ کا بھتیجا اور خضر خان کا پوتا تھا۔ جسے غدار وزیر سرور الملک نے مبارک شاہ کے قتل کے بعد ۸۳۷ھ (۱۴۳۴ء) میں تخت نشین کر دیا اس کے زمانہ میں سرہند کے باغی حاکم بہلول لودھی کا اقتدار اتنا بڑھا کہ بادشاہ بھی اس سے

ڈرنے لگا۔ یہ بادشاہ ۸۴۹ھ میں چند روز بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔

(۴) سلطان علاء الدین:۔ خاندان سادات کا آخری بادشاہ تھا جو اپنے باپ سلطان محمد شاہ کے مرنے کے بعد ۸۴۹ھ (سنہ ۱۴۴۵ء) میں تخت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ نہایت بزدل اور کمزور تھا۔ اس کی حکومت صرف دہلی میں بارہ میل کے اندر اندر تھی اس بادشاہ کے وزیر حمید خاں نے سرہند کے حاکم بہلول لودھی سے ساز باز کر کے اسے دہلی پر حملہ کرا دیا۔ اس حملہ میں سلطان علاء الدین کو شکست ہو گئی اور بہلول لودھی کے ۸۵۴ھ میں دہلی کی حکومت پر قابض ہونے کے بعد خاندان سادات کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ سلطان علاء الدین شکست کھانے کے بعد بھاگ کر بدایوں چلا گیا اور اپنی باقی زندگی وہیں گزار دی۔

ہندوستان پر شاہان لودھی کی حکومت

ملک بہلول لودھی جس نے کہ ہندوستان میں لودھی خاندان کی بنیاد رکھی۔ اُن افغانوں کی اولاد میں سے تھا جو ہندوستان آ کر آباد ہو گئے تھے۔ بہلول نے اپنے چچا اسلام خاں حاکم سرہند کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی اور اسلام خاں کی لڑکی سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ اسلام خاں کے مرنے کے بعد یہ اپنی اعلیٰ جنگی قابلیت کی بنا پر سرہند کا حاکم بن گیا اور اس کے بعد اس نے دہلی کی حکومت پر قبضہ جما لیا۔ لودھی خاندان میں جو بادشاہ ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) سلطان بہلول لودھی:۔ یہ لودھی خاندان کی حکومت کا بانی اور پہلا بادشاہ ہوا ہے۔ بہلول لودھی اگرچہ ۸۵۴ھ (سنہ ۱۴۵۰ء) میں دہلی کی حکومت پر قابض ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ وزیر حمید خاں سے خطرہ تھا اس لئے اُس نے پہلے وزیر حمید خاں کو قید کیا۔ اس کے بعد ۸۵۵ھ میں باقاعدہ اپنی بادشاہی کا اعلان کرنے کے بعد تخت نشین ہوا۔ یہ ۳۹ سال حکومت کرنے کے بعد ۸۹۴ھ میں فوت ہو گیا۔ اس نے نئی نئی فتوحات حاصل کر کے دہلی کی سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا تھا۔

(۲) سلطان سکندر لودھی :- اپنے باپ بہلول لودھی کے مرنے کے بعد ۸۹۴ھ (۱۴۸۹ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس نے ایک طرف ملک کی اندرونی بغاوتوں کو دبایا اور دوسری طرف نئی نئی فتوحات حاصل کر کے لودھی سلطنت کے رقبہ کو خوب بڑھایا۔ یہ بادشاہ تقریباً ۲۸ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۲۳ھ میں انتقال کر گیا۔

(۳) سلطان ابراہیم لودھی :- اپنے باپ سکندر لودھی کی وفات کے بعد ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں سکندر لودھی کے تعمیر کردہ نئے شہر آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ ابراہیم لودھی نہایت سخت گیر اور مغرور بادشاہ تھا۔ اس نے بڑے بڑے افغان سرداروں کو قتل کر دیا یا ان کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کیا۔ ساری افغان قوم کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ چنانچہ افغان سرداروں نے اس سے تنگ آ کر کابل کے بادشاہ ظہیر الدین بابر کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت دے دی۔ بابر پہلے ہی سے ہندوستان کی تاک میں تھا فوراً ہندوستان پہنچ گیا۔ پانی پت کے میدان میں ۹۳۲ھ میں بابر اور ابراہیم لودھی کا مقابلہ ہوا۔ بابر کو فتح نصیب ہوئی ابراہیم لودھی مارا گیا اور ہندوستان سے لودھی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا پہلا دور

ظہیر الدین بابر جس نے ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھی تیمور کی اولاد میں سے تھا۔ اس نے پانی پت میں فتح حاصل کرنے کے بعد دہلی پہنچ کر اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد اس نے آگرہ فتح کیا۔ پھر سنبھل، اٹاوہ، دھولپور، جونپور، کالپی، بیانہ اور قلعہ گوالیار فتح کیا۔ چتوڑ کا راجہ رانا سانگا جب ایک لشکر عظیم لے کر بابر کے مقابلہ پر آیا تو بابر نے اسے بھی شکست دے دی۔ رانا سانگا کو شکست دینے کے بعد بابر چندیری اور دیگر علاقوں کو فتح کرتا ہوا بہار پہنچا اور بہار پر قبضہ کر لیا۔ پھر بنگال کو مطیع کیا۔ غرضیکہ بابر مختصر سے عرصہ میں ہندوستان کے بہت بڑے حصہ کا مالک و مختار بن گیا۔ بابر تقریباً چار سال تک ہندوستان پر حکومت

کے بعد ۹۳۷ھ میں آگرہ میں فوت ہوگیا۔ اس کی میت آگرہ سے کابل لیجاکر ...ائی گئی۔

نصیر الدین محمد ہمایوں: اپنے باپ ظہیر الدین بابر کے مرنے کے بعد ۹۳۷ھ (۱۵۳۰ء) میں آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی اپنی حکومت کا بیشتر حصہ بھائیوں اور عزیزوں میں تقسیم کر دیا جس سے کہ اس کی حکومت میں ضعف پیدا ہوگیا۔ حکومت کے اہم علاقے بھائیوں کو دینے کے بعد ہمایوں کو اپنی حکومت بڑھانے کی فکر ہوئی۔ لہذا اس نے کالنجر کو فتح کیا۔ جونپور کو افغانوں کے قبضہ سے نکالا۔ قلعہ چنار گڑھ جس پر شیر شاہ کا قبضہ تھا اس پر حملہ کیا۔ شیر شاہ سے ہمایوں کی صلح ہوگئی اور قلعہ چنار گڑھ بدستور شیر شاہ کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد ہمایوں نے گجرات فتح کیا۔ مالوہ کو زیر کیا لیکن گجرات اور مالوہ کے علاقے چند ماہ کے بعد ہی ہمایوں کے قبضہ سے نکل گئے۔

ہمایوں جس زمانہ میں گجرات اور مالوہ کی فتوحات میں الجھا ہوا تھا شیر شاہ نے قلعہ چنار کے علاوہ بہار اور جونپور پر بھی قبضہ جما لیا۔ اس کے بعد بنگال بھی شیر شاہ نے فتح کر لیا۔ ہمایوں جب شیر شاہ کے مقابلہ پر آیا تو اس نے بنگال چھوڑ دیا۔ بنگال پر ہمایوں کا قبضہ ہوگیا لیکن ہمایوں مع فوج کے جب بنگال سے واپس ہونے لگا تو شیر شاہ نے اس کے لشکر کو راستہ میں گھیر لیا۔ ہمایوں بڑی مشکل سے جان بچا کر آگرہ پہنچ سکا۔ ہمایوں آگرہ آکر نئے سرے سے شیر شاہ کے مقابلہ کے لئے جنگی تیاریاں کرنا چاہتا تھا مگر بھائیوں میں اختلاف ہو جانے کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ ادھر شیر شاہ نے بنگال، بہار اور جونپور سے لیکر قنوج تک قبضہ جما لیا اور آگرہ کے آس پاس کے علاقوں کو فتح کرنے کیلئے اپنے بیٹے کو بھیج دیا۔ ہمایوں نے جب دیکھا کہ دشمن دروازہ پر آگیا ہے تو وہ بھی لشکر لیکر مقابلہ کے لئے بڑھا۔ دریائے گنگا کے پار شیر شاہ سے ہمایوں کی فیصلہ کن جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں ہمایوں کو ۹۴۷ھ میں شکست ہوگئی۔ ہمایوں شکست کھانے کے بعد آگرہ ہوتا ہوا دہلی پہنچا وہاں سے پنجاب

گیا اور پھر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ٹھوکریں کھاتا ہوا سنہ ۹۵۰ھ میں چلا گیا۔

شیر شاہ سوری کی حکومت

ہمایوں کی شکست اور فرار کے بعد شیر شاہ ۹۴۷ھ (سنہ ۱۵۴۰ء) میں ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے بعد وہ آگرہ آیا۔ آگرہ کے انتظام سے فارغ ہو کر شیر شاہ اجین اور گوالیار پہنچا۔ اور وہاں سے دہلی جا کر اپنی نئی حکومت پر قبضہ جمایا۔ لاہور سے شیر شاہ ہمایوں کے تعاقب میں خوشاب تک گیا۔ اور خوشاب سے واپسی پر دہلی اور آگرہ ہوتا ہوا بنگال چلا گیا تاکہ وہاں کی حکومت کو مضبوط کرے۔ غرضیکہ شیر شاہ نے مختصر سے عرصہ میں اپنی حکومت کو خوب وسعت دیدی اور ہر جگہ نہایت اچھا انتظام قائم کیا۔ سنہ ۹۵۰ھ تک شیر شاہ نے مالوہ اجمیر۔ جودھپور۔ چتوڑ اور مارواڑ کے بھی اکثر و بیشتر علاقے فتح کر لیے۔ ان فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ کالنجر کے محاصرہ میں مصروف تھا تو اس کے قریب ہی پڑے ہوئے بارود کے گولوں میں آگ لگ گئی جس سے شیر شاہ اور بہت سے آدمی جل گئے چنانچہ اسی حادثہ کی وجہ سے ۹۵۲ھ میں میدانِ جنگ میں شیر شاہ کی موت واقع ہو گئی۔

سلیم شاہ سوری:۔ اپنے باپ شیر شاہ کی موت کے بعد سنہ ۹۵۲ھ (سنہ ۱۵۴۵ء) میں تخت نشین ہوا سلیم شاہ کا طرزِ عمل چونکہ نہ تو اُمرائے سلطنت کے ساتھ اچھا تھا اور نہ عام افغانوں کے ساتھ اس لئے ساری پٹھان قوم اس کی مخالف ہو گئی۔ اور اس مخالفت کی بنا پر جا بجا بغاوتیں کھڑی ہو گئیں سلیم شاہ تقریباً آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۹۶۰ھ میں فوت ہو گیا۔ جب سلیم شاہ مرا ہے تو پٹھانوں کی آپس کی مخالفت کی وجہ سے سوری حکومت بے حد کمزور ہو گئی تھی۔

فیروز شاہ سوری:۔ یہ سلیم شاہ کا کمسن لڑکا تھا جسے سلیم شاہ کے مرنے کے بعد تخت نشین کر دیا گیا لیکن فیروز شاہ سوری کے حقیقی ماموں محمد شاہ عادل نے تخت نشینی کے تیسرے ہی دن اس معصوم بچہ کو ماں کی گود میں ذبح کر کے اپنی بادشاہی

کا اعلان کر دیا۔

محمد شاہ عادل:- اپنے معصوم بھانجے فیروز شاہ کو قتل کرنے کے بعد ۹۶۱ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس بادشاہ میں چونکہ حکومت کرنے کی صلاحیت نہیں تھی اس لئے سوری حکومت چند ہی روز کے بعد چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر بے حد کمزور ہو گئی اور ہمایوں نے دوبارہ اس حکومت پر قبضہ جما لیا۔

مغلیہ حکومت کا دوسرا دور

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا دوسرا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب ہمایوں نے شیر شاہ سوری کے جانشینوں کو شکست دینے کے بعد ہندوستان میں نئے سرے سے مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس دوسرے دور میں ہندوستان کے تخت پر جو مغل بادشاہ بیٹھے وہ یہ ہیں۔

(۱) ہمایوں ہندوستان کا دوبارہ بادشاہ:- اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ مغلیہ حکومت کے بانی بابر کے مرنے کے بعد جب ہمایوں تخت نشین ہوا تو اسے کیسی مشکلات پیش آئیں۔ یہاں تک کہ ۹۴۷ھ میں اسے شیر شاہ سے شکست کھانے کے بعد ہندوستان چھوڑ کر ایران چلا جانا پڑا۔ ہمایوں ایران جانے کے بعد بھی چین سے نہیں بیٹھا۔ اس نے شاہ ایران سے فوجی امداد حاصل کرنے کے بعد پہلے تو قندھار فتح کیا۔ اس کے بعد کابل کو تسخیر کیا۔ اور کابل کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ہندوستان کی جانب رخ کیا چنانچہ اس نے شیر شاہ کے جانشینوں سے ہندوستان کو چھین لیا اور وہ دوبارہ ۹۶۲ھ (۱۵۵۵ء) میں ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ لیکن ابھی وہ اپنی سلطنت کو مستحکم بھی نہ کرنے پایا تھا اور پوری طرح ہندوستان کو فتح بھی نہیں کر سکا تھا کہ ۹۶۳ھ میں دہلی کے شاہی کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گر کر اچانک فوت ہو گیا۔

(۲) جلال الدین اکبر:- ہمایوں کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا جلال الدین اکبر ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ء) میں تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف تیرہ برس

اور نو مہینے کی تھی۔ اکبر کے تخت نشین ہوتے ہی مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جا بجا بغاوتیں کھڑی ہوگئیں۔ مغلوں کے خلاف سب سے بڑی بغاوت کا سرغنہ ہیمو بقال تھا۔ ہیمو بقال کو مغلوں کے مقابلہ میں شکست ہوگئی۔ اس کے بعد اکبر اور اس کے ساتھیوں نے دہلی، آگرہ، لکھنؤ اور بہت سے اہم شہر فتح کر لئے۔ اکبر کی ان فتوحات اور کامیابیوں میں اکبر کے اتالیق بیرم خاں کا بہت بڑا ہاتھ تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب اکبر اور بیرم خاں میں ناچاقی ہوگئی تو اکبر نے سلطنت کا پورا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اس نے مختصر سے عرصہ میں قلعہ گوالیار اور مالوہ کو فتح کر لیا۔ جونپور اور اودھ کے پٹھانوں کو زیر کر کے جونپور اور اودھ کا سارا علاقہ بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد اکبر نے گجرات بنگال اور کشمیر کو تسخیر کیا۔ پھر اکبر نے کابل، سندھ اور قندھار کو زیر کیا۔ شمالی ہند کی فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد اکبر دکن کی جانب متوجہ ہوا اور اس نے دکن کے بیشتر علاقوں کو فتح کر کے حکومتِ مغلیہ میں شامل کر لیا۔ ان عظیم الشان فتوحات کے بعد ۱۰۱۴ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔

(۳) نورالدین جہانگیر:- اپنے باپ اکبر کے مرنے کے بعد ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ اکبر اپنے پیچھے اتنی بڑی سلطنت چھوڑ گیا تھا کہ جہانگیر کو جدید فتوحات کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ البتہ اسے بہت سی اندرونی بغاوتوں کا سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ جہانگیر کی زندگی کا اہم ترین واقعہ مہرالنساء یعنی نورجہاں کے ساتھ اس کا نکاح ہے۔ مہرالنساء جہانگیر کی بچپن کی ساتھی تھی لیکن اکبر جو جہانگیر اور مہرالنساء کی شادی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے مہرالنساء کی شادی شیر افگن نامی ایک امیر کے ساتھ کر دی تھی۔ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں جب شیر افگن کو بردوان میں قتل کر دیا گیا تو جہانگیر نے نورجہاں سے نکاح کر لیا۔ نورجہاں کے ملکہ بن جانے کے بعد جہانگیر کی حکومت میں نئی نئی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں۔ کیونکہ نورجہاں حکومت کے کاموں میں بے حد دخیل ہوگئی تھی۔ نورجہاں کی ریشہ دوانیاں

اور سلطنت کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے جہانگیر کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ ۱۰۳۷ھ میں کشمیر سے لاہور آتے ہوئے فوت ہو گیا۔

(۴) محمد شہاب الدین شاہجہاں:- جہانگیر کا چہیتا بیٹا تھا جو جہانگیر کے بعد ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ء) میں تخت نشین ہوا۔ شاہجہاں کو نئی نئی عمارتیں بنانے کا بڑا شوق تھا۔ اس کی بنائی ہوئی عمارتیں۔ آگرہ۔ دہلی۔ لاہور کشمیر اور ہندوستان کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ دہلی کو اسی بادشاہ نے دارالسلطنت قرار دیا تھا۔ ۱۰۶۸ھ میں جب شاہجہاں سخت بیمار ہوا اور اس کی زندگی کی کوئی امید نہیں رہی تو شاہجہاں کے چاروں بیٹوں داراشکوہ۔ شاہ شجاع۔ اورنگ زیب اور مراد میں تخت حاصل کرنے کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس خانہ جنگی میں اورنگ زیب نے تمام بھائیوں کو زیر کر لیا اور باپ کو آگرہ کے قلعہ میں نظر بند کرنے کے بعد ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

(۵) محمد اورنگ زیب عالمگیر:- یہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) میں عالمگیر کا لقب اختیار کرنے کے بعد تخت نشین ہوا۔ اورنگ زیب اپنے زمانہ کا بہت بڑا سپہ سالار ہوا ہے۔ اس کی ساری عمر شمشیر زنی میں گذری ہے۔ اس نے کوچ، بہار اور آسام کے ناقابل تسخیر علاقے بھی فتح کر لئے تھے۔ تبت، ارکان اور چٹاگانگ تک کو اس نے زیر کر لیا تھا۔ اورنگ زیب کو ایک طرف مرہٹہ سرداروں سے شدید مقابلہ کرنا پڑا اور دوسری جانب راجپوتوں کی بغاوت کو دبانے کے لئے بھی اسے بار بار فوج کشی کرنی پڑی۔ جنوبی ہند کے باغیوں کی سرکوبی میں یہ ایسا مصروف رہا کہ اس کی زندگی کا آخری حصہ دکن ہی میں صرف ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۱۱۱۸ھ میں پچاس سال کی حکومت کے بعد اس کا دکن ہی میں انتقال ہو گیا۔ یہ بڑا دیندار بادشاہ ہوا ہے۔

مغلیہ حکومت کا زوال

اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے پیچھے جو وسیع سلطنت چھوڑی تھی وہ اتنی بڑی تھی جو اس سے قبل ہندوستان کے کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں آئی تھی لیکن اتنی بڑی سلطنت کو سنبھالنے کے لئے لائق

جانشین اسے نہیں مل سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلیہ حکومت کا زوال شروع ہو گیا۔
اورنگ زیب کے بعد ہندوستان کے جو بادشاہ ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۶) بہادر شاہ اوّل ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۸ء) سے .... ۱۱۲۳ھ (۱۷۱۲ء) تک
(۷) جہاندار شاہ ۱۱۲۳ھ (۱۷۱۲ء) سے .... ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۳ء) تک
(۸) فرخ سیر ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۳ء) سے .... ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) تک
(۹) شمس الدین ابو البرکات ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) .. تخت نشینی کے تین ماہ بعد فوت ہو گیا۔
(۱۰) رفیع الدولہ ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) ...... (تخت نشینی سے تین ماہ بعد فوت ہو گیا)
(۱۱) روشن اختر محمد شاہ ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) سے ...... ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) تک
(۱۲) احمد شاہ ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) سے ...... ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) تک
(۱۳) عالمگیر ثانی ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) سے ...... ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء) تک
(۱۴) شاہ عالم ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء) سے ...... ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) تک
(۱۵) معین الدین اکبر شاہ ثانی ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) سے ... ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) تک
(۱۶) آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) سے ... ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۳ء) تک

کتبہ حسن علی امروہوی

تاریخ اسلام

Overdue charges will be levied under rules for each day if the book is kept beyond the date stamed above.